بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃً

# تاریخ خلافتِ اسلامی

تصنیف

جناب محمد نور الدین رحمۃ اللہ علیہ
اویسی امینی کشمیری

از خلفائے

الحاج مولوی محمد امین رحمۃ اللہ علیہ
اویسی کشمیری (قطب الاقطاب)

شعبہ نشر و اشاعت
سلسلہ عالیہ اویسیہ ایبٹ آباد
(ہزارہ) پاکستان۔ بھمبر آزاد کشمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنّی جاعِلٌ فی الارضِ خلیفۃً

# تاریخ خلافتِ اسلامی

تصنیف


جناب محمد نور الدین رحمۃ اللہ علیہ

اویسی امینی کشمیری

از خلفائے

الحاج مولوی محمد امین رحمۃ اللہ علیہ

اویسی کشمیری (قطب الاقطاب)



شعبہ نشر و اشاعت

سلسلہ عالیہ اویسیہ ایبٹ آباد

(ہزارہ) پاکستان۔ بھمبر آزاد کشمیر

**سلسلہ اویسیہ پبلیکیشنز**

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ھیں

نام کتاب: تاریخ خلافتِ اسلامی

مصنف: حضرت محمد نور الدین اویسیؒ

ایڈیشن: دوم

تاریخ طباعت: اکتوبر ۲۰۱۶ء

﴿برائے رابطہ وحصول کتب﴾

(۱) محمد بشیر اویسی بلیک برن انگلینڈ فون:00441254671126

(۲) ریاض احمد خیال اویسی بھمبر آزاد کشمیر فون:03007424574,03451566483

(۳) محمود احمد طائر پلاہل کلاں ضلع کوٹلی آزاد کشمیر فون:03465259352

# دیباچہ طبع دوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

تاریخ اسلام۔تاریخ خلافتِ اسلامی میں دو وجوہ سے مسائل پیدا ہوئے۔(اول) اللہ تعالیٰ کو مالک الملک سمجھتے ہوئے۔انسان کو اسکا خلیفہ تصور کرتے ہوئے بادشاہ حکمران خیال کیا گیا۔ اوراس لحاظ سے اقتدار اعلٰے کو خلافت کا لوازمہ سمجھا گیا۔حالانکہ قرآن حکیم میں واضح ارشاد ہے۔ وَاِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ جَاعِلٌ'' فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً۔اوراس خلیفہ کی تخلیق پر ملائکہ کے جملہ معترضہ''اَتَجۡعَلُ فِیۡھَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡھَا وَ یَسۡفِکُ الدِّمَآءَ''کے بعد خلیفہ کی ذمہ داری کا وضاحتاً اظہار ان الفاظ میں کیا گیا۔وَ نَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ۔یعنی اس خلیفہ کا کام صرف اورصرف اپنے پروردگار کی حمد وتقدیس۔اور معرفت حاصل کرنا ہے۔ایک اور جگہ قرآن کریم میں اسکی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی۔وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ۔اور جب ملائکہ کے خدشہ کے مطابق یہ انسان اپنے مقصد کو بھول کر فساد وخونریزی پر اتر آیا تو الرحم الرحمین نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے انکی اصلاح اور راہ راست پر لانے کیلئے اپنے مخصوص بندوں کو مبعوث کیا۔جسکا وعدہ یوں فرمایا گیا تھا فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ مِّنِّیۡ ھُدًی ... اور لازماً یہ مخصوص افراد ــــــ انبیاً و رسل حکمرانی یا بادشاہت کیلئے مبعوث نہیں ہوئے بلکہ انکا واحد مقصد یُزَکِّیۡھِمۡ وَیُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ ــــــ یعنی تعلیم۔تربیت اور اصلاح انسانی یعنی عرفان ومعرفت تھا۔اور جہاں تک ''اقتدار اعلٰے'' کا تعلق ہے تو اسکی ضرورت مجبوراً اسوقت پڑی جب مقصد حقیقی میں رکاوٹ پیدا ہوئی۔ ظاہر ہے اگر رکاوٹ نہ پڑتی تو اقتدار اعلٰے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

(دوم) سوانح نگاروں نے ہر طرح کی روایات بغیر کسی تحقیق کے اپنی سوانح میں شامل کر لیں۔ ان میں بہت سی من گھڑت روایات اور قصے منافقین اور دشمنانِ اسلام یہود نے اپنے مخصوص مقاصد کے پیش نظر گھڑے۔ سوانح نگاروں کی اس لاپرواہی۔ اور مجرمانہ غفلت اور تحقیق کی عدم صلاحیت کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ منافقین اور دشمنانِ اسلام کی الدین الاسلام کے مثل آفتاب تابناک اور روشن چہرہ کو کسی حد تک گرد آلود کرنے کی سازش کامیاب ہوئی۔ یہاں تک کہ یورپ اور مغرب سے متاثر۔ مغلوب اور سطحی علم رکھنے والا مسلمان متذبذب ہو جاتا ہے۔

''تاریخ خلافت اسلامی'' میں خلیفہ۔ خلافت اسلامی کے بنیادی اور حقیقی تصور۔ مقصد خلافت شرائط خلافت۔ انتخابِ خلیفہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ نیز خلافت بنی امیہ سے لیکر خلافت عثمانی (ترکیہ) تک شرائط دینی کے مطابق خلفا کا انتخاب اور اجرائے قرآن وسنت (الدین الاسلام) میں خلفاءَ۔ علمائے امت اور امت مسلمہ کے کردار وعمل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے زوال۔ دوقومی نظریہ کی حقیقت ومضمرات۔ نیز مروجہ تصورِ جمہوریت کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے پاکستان کی جمہوریت کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔

تاریخ خلافتِ اسلامی اپنے موضوع پر ایک لاجواب محققانہ اور منفرد تصنیف ہے۔ جسکا مطالعہ محققین۔ مورخین کے ساتھ ساتھ عام قاری کیلئے بھی ضروری ہے۔ تاکہ وہ اپنی تاریخ۔ خلافت اسلامی نیز مروجہ جمہوریت اور جدید اسلامی حکومتوں کو حقیقت کے تناظر میں دیکھ کر اصل صورتِ حال سے واقف ہو سکے۔ اسکا پہلا ایڈیشن اکتوبر ۱۹۹۴ء میں طبع ہوا۔ اب کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن پیش کیا جا رہا ہے۔ جس میں گزشتہ ایڈیشن میں کتابت وغیرہ کی سہواً رہ جانے والی اغلاط کی درستگی کر دی گئی ہے۔ محترم محمود احمد طائر صاحب کی حسب سابق مجھے ہمہ وقت معاونت اور راہنمائی حاصل رہی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی معرفت میں اکمل کرے۔ کتاب کی بہتری کیلئے آپکی آرا اور راہنمائی کا مشکور ومنتظر رہونگا۔

ریاض احمد خیال اویسی
(سابق ناظم اعلیٰ تعلیم سکولز آزاد حکومت جموں وکشمیر)
یکے از غلامانِ محمد نور الدین اویسی امینی کشمیری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

# دیباچہ

قرآنی تاریخ سے خلافتِ اسلامی کی ابتدا۔ اس قرآنی حوالہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اِنِّـــیۡ جَـاعِـلٌ" فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً ط ـــــ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ آسمانی پر یہ ظاہر کیا۔ کہ میں زمین پر ایک خلِیۡفه بنانے والا ہوں۔ گو اللہ نے خلیفہ کی اصلی ہیئت و کیفیت کا واضح مفہوم پیش نہیں کیا۔ لیکن قرآنی اندازِ بیان پر غور کیا جائے۔ تو خود قرآن اس بیان میں۔ خلیفہ کا مفہوم ظاہر کرتا ہے۔ جس سے خلیفہ کا مفہوم سمجھنے میں دقت پیدا نہیں ہوتی ـــــ جو ملائکہ کی کلام سے خود سامنے آجاتا ہے۔ وَنَـــحۡـــنُ نُسَبِّـحُ بِـحَـمۡدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط ـــــ ملائکہ کی طرف سے۔ اِنِّـیۡ جَـاعِلٌ" فِی الۡاَرۡضِ خَـلِیۡفَةً" کے جواب میں ـــــ نُسَبِّـحُ بِـحَـمۡدِکَ اس امر کی دلیل ہے۔ کہ میں زمین پر ایک انسانی وجود پیدا کرونگا۔ جو تسبیح وحمد کرنے والی مخلوق ہوگی۔

قرآن کے اس دانستہ بیان سے دراصل خلیفہ کا مفہوم ومقصد ظاہر کرنا ہے ـــــ دوسرے خلیفہ کی حیثیت واضح کرنی ہے۔ کہ خلیفہ پیدا کرنے کی غرض وغایت کیا ہے؟ قرآن نے اِنِّـــــیۡ جَاعِلٌ" فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً" کے بیان میں اس امر کی نشاندہی کی کہ زمین پر آدم کے نام سے ایک انسان پیدا کیا گیا۔ اسی انسان کے نام سے خـلیفہ کی نشاندہی کی گئی جس میں حضرت آدمؑ کی پیدائش کے متعلق چند اضافی خصوصیات۔ دانستہ طور پیش کی گئیں۔ جنکا تعلق براہ راست خصوصیتِ خلافت (خـــلیـفـــہ) سے ہے۔ سو زمین پر حضرت آدمؑ کی پیدائش میں۔ ایک خصوصیتِ خلافت یہ ہے۔ کہ وَعَـلَّـمَ اٰدَمَ الۡاَسۡـمَـآءَ کُلَّهَـا ۔ حضرت آدمؑ کو تمام آثار و اسرارِ تخلیق کا علم ومشاہدہ دیا۔ جس علم پر حضرت آدم کیلئے۔ وَنَـحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط۔ تسبیح وعبادت لازم کردی گئی۔ گویا خـلیفہ سے مراد۔ تسبیح وعبادت سے۔ معرفت ومشاہدہ حاصل کرنا ہے۔ یہ عمل ہر اُس فردِ انسانی

کیلئے لازم ہے۔ جو وجودِ بشری (انسانی) ہئیت میں زمین پر پیدا ہوتا ہے ــــــ اس حال میں کہ نسلی اعتبار سے۔ اولادِ آدم بھی آدم کے ساتھ جسمانی مماثلت رکھتی ہے۔ کہ انکے انسانی حیثیت میں جسم و روح یکساں ہئیت رکھتے ہیں۔

حضرت آدمؑ کی پیدائش کے بعد اولادِ آدم بھی اسی عمل (تسبیح وعبادت) پر قائم رہی۔ لیکن اولادِ آدم طویل زمانہ تک اس منصوبہٗ الٰہی ــــــ تسبیح وحمد ــــــ خلیفہ کی صفت پر قائم نہ رہ سکی۔ اور حصولِ دنیا کی ہوس۔ حرص میں کھوکر۔ اپنی تسبیح وعبادت سے غافل ہوکر۔ آپس میں فساد وخونریزی پر اتر آئی۔ ہاں جس سے مقامِ آدمیت متاثر ہوکر کائناتِ فطرت میں خلل واقع ہوا۔

اس بارے میں اللہ نے قبل از وقت یہ ہدایت دی تھی۔ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ'' اور ایک زمانہ میں تم۔ تسبیح وعبادت سے غافل ہوکر ایک دوسرے کے دشمن ہو جاؤ گے پس فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى ۔ میری طرف سے تمہیں ایک ہدایت بھیجی جائیگی۔ اس ہدایت کی پیروی کرنا ــــــ تا کہ انسان دوبارہ مقامِ انسانیت ــــــ مقامِ خلافت (خلیفہ) حاصل کر لے۔

یہ امر منصوبہٗ الٰہی میں تھا۔ کہ (کلامِ الٰہی کی صورت میں) اللہ تعالیٰ نے ایک فردِ انسانی کو منتخب کر کے۔ ایک رسول کی حیثیت میں۔ ایک ہدایت نامہ برائے تعمیل بھیجا۔ ہاں۔ یہ ارادہٗ الٰہی میں مقرر تھا۔ کہ مخلوقِ الٰہی کی ہدایت کیلئے ایک پیدائشی خلیفہ کو منتخب کر کے ''رسول'' الرَّسول کی حیثیت میں بھیجا جائے ــــــ

اس منتخب رسول کی حیثیت یہ ہے۔ کہ پیدائشی النبی۔ صاحبِ معرفت خلیفہ کو رسول منتخب کر کے مخلوقِ انسانی کی ہدایت کیلئے مقرر کیا گیا۔ اس حال میں کہ اس منتخب رسول کا رسالت کا مقام افضل قرار دیا گیا۔ لہٰذا مقام کے اعتبار سے اس رسول کو خلیفہ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

اس مقام پر ایک رسول کے مقامِ رسالت میں چند کیفیات وضع ہوتی ہیں۔ خلیفہ کی حیثیت میں۔ رسول کیلئے۔ صاحبِ تسبیح وعبادت۔ صاحبِ معرفت ہونا لازم ہے۔

تسبیح وعبادت وحمد۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری ہوتا ہے۔ اسلئے ایسے حکم کو ''الدین''

سے موسوم کیا جاتا ہے۔الدین ہدایت وسلامتی کیلئے جاری ہوتا ہے۔اسلئے اس الدین کو اَلدِّیْنُ الْاِسْلَامُ سے موسوم کیا جاتا ہے۔اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۔ اَلدِّیْن ۔ایک پر امن سلامتی کا ضامن لائحہ عمل ہے۔ جومخلوقِ انسانی کو۔امن وسلامتی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔اسلئے اس عمل کو اَلدِّیْنُ الْاِسْلَام سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے۔کہ دنیا میں۔حصولِ دنیا کیلئے جدوجہد۔سے اللہ کے احکام سے تغافل کا فطری (قدرتی) خاصہ۔فساد وخونریزی ہوتا ہے۔انسان لذتِ دنیوی کے حصول میں ایک وسیع قوی قوت بن جاتا ہے ــــ جسے فرعونیت سے موسوم کیا جاتا ہے۔انسان حصولِ دنیا ــــ حصولِ باطل کی حرص میں فرعونی جابر قوت بن جاتا ہے ــــ رسول کی پیدائش ایسی قوت کے فنا کا سبب بن جاتی ہے۔اسلئے ایسی باطل قوت۔رسول کے الدین الاسلام کے اجرأمیں روکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ مخلوق انسانی کیلئے الدین الاسلام میں باطل کی مزاحمت کو یکسر نابود کرنا۔انسانیت کے مفاد میں ہوتا ہے۔لہٰذا رسول کیلئے ضروری ہے۔کہ رسالت کے فریضہ کے ساتھ باطل قوتوں کو ختم کرنے کیلئے ذرائع (دفاعی منصوبے) فراہم کئے جائیں۔

اس مقام پر۔رسول۔اورامتِ مسلمہ کیلئے چند ضروری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

(۱) امتِ مسلمہ کو چاہیے۔کہ یکسر رسول کے احکام ــــ احکامِ الٰہی ــــ اوراحکامِ رسول ــــ کی اطاعت کی جائے۔

(۲) اسلام کی مخالف قوت ــــ کفار کی ہر مزاحمت۔کوشش کا مقابلہ کرنے کیلئے۔ماسوائے۔اجرائے۔الدین ــــ مثل کفار ــــ مادی ذرائع سے اقتدار حاصل کرے۔تاکہ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ'' وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔کفار کا غلبہ ختم ہوکر ــــ ہاں۔الدین الاسلام کے اجرأ وعمل میں کوئی روکاوٹ باقی نہ رہے۔

(۳) امتِ مسلمہ کیلئے لازم ہے۔کہ محض اجرائے الدین کیلئے۔مخالفینِ اسلام کونیست و نابود کیا جائے۔جسکے لئے ہر سطح پر امت مسلمہ کیلئے قتال کرنا ایک فریضہ ہے۔وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ

وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ـــ مخلوقِ الٰہی کو مقام خلافت پر پہنچانے کیلئے امتِ مسلمہ کے ہر فرد کیلئے ''جہاد'' کرنا لازم ہے۔

(۴) استحکام وتحفظ اور اجرائے الدین الاسلام ۔کیلئے ۔امتِ مسلمہ کے ہر فرد کو۔دین کی حفاظت کیلئے۔ مادی ذرائع سے جنگ و جہاد کیلئے ۔ملوکانہ قوت حاصل کرنا ضروری ہے۔ بلکہ حکمِ الٰہی امت مسلمہ کیلئے ہے ـــ ہاں ان امور کی انجام دہی میں ۔رسول کو ہی ۔رہبر و راہنما قرار دیا جائے ۔تاکہ اسکی اطاعت میں عہد (بیعت) کیا جائے ۔جس میں رسول کو افضل مقامِ خلافت حاصل ہوتا ہے ۔ایسی صورت میں ۔جب رسول اجرائے الدین (احکامِ الٰہی کی اشاعت) کا فریضہ ادا کرے ۔اور ساتھ ساتھ اجرائے دین کیلئے مادی ذریعہ حاصل کر کے ۔کفار ـــ مخالفین اسلام کو مغلوب کرنے میں کامیاب ہو ۔تو ایسے رسول کو ۔خلیفہ موسوم کیا جاتا ہے ۔اور رسول کے عملِ رسالت کو خلافتِ اسلامی (یا اقتدارِ اعلیٰ) سے تعبیر دیا جاتا ہے ـــ گویا ایسے عمل سے الدین الاسلام کو ملوکانہ حیثیت حاصل ہوتی ہے ـــ جبکہ الدین الاسلام میں انتظام ملکی کے استحکام کی ذمہ داری بھی لازم ہو جاتی ہے۔

قرآنی تاریخ سے ـــ اس تمہیدی بیان سے بھی ۔یہ حقیقت واضح ہے ۔کہ منصوبۂ الٰہی کے تحت زمین میں حضرت آدمؑ (اور انکی ذریت) کو خلیفہ کی صفت پر پیدا کیا ۔کہ آدم کی پیدائش کا بنیادی مقصد ۔تسبیح و عبادت سے ۔تخلیقِ کائنات کے اسرار سے آگاہ ہونا ۔جس میں معرفتِ الٰہی حاصل کرنا بھی لازمی امر ہے ـــ بس اسکے سوا کچھ نہیں۔

یہ عمل ـــ یہ ذمہ داری ازل سے ابد تک مخلوقِ انسانی کیلئے لازم رکھی گئی ـــ حضرت آدمؑ سے لیکر اولادِ آدم میں دو نوع کی مخلوق ہوئی ـــ ایک رسول خلیفہ کی حیثیت ۔راہنمایانہ حیثیت میں مبعوث ہوئے ۔دوسری نوع عام مخلوقِ انسانی میں امتِ مسلمہ ـــ جنہوں نے اللہ و رسول کے احکام کی اطاعت کی ۔دوسرے وہ مخلوقِ انسانی ۔جنہوں نے رسول کے احکام کی مخالفت کی انہیں ''کافر'' (انکار کرنے والے) کہا گیا ۔چنانچہ رسول اور امتِ مسلمہ نے ۔خلافت اسلامی کی قوت حاصل کر

کے ہر زمانہ میں اقتدار حاصل کر کے کفار کو مغلوب کرنے کی کوشش کی لہٰذا ایسے عمل کو۔'' تاریخ خلافتِ اسلامی'' کی شکل میں مخلوق انسانی کے علم میں لایا گیا ــــ

زمین پر مخلوقِ انسانی پیدا ہوتی رہی۔مخلوقِ انسانی کی ابتداً حضرت آدمؑ سے ہوئی۔ذریتِ آدم میں۔خلیفہ کی حیثیت میں بعض ''مومن'' کہلائے۔جن میں وہ لوگ تھے۔اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ۔جنہوں نے بغیر تحقیق اللہ کی ذات کو خالق و مالک تسلیم کر کے مقامِ عظمت (خلیفہ) حاصل کیا۔اور بعض نے اسکی خالقیت سے۔بسبب حصول دنیوی میں۔حرص وطمع کے اللہ کے احکام ماننے سے انکار کیا ــ انہیں کفار کہا گیا ــ اللہ تعالیٰ نے کفار کی ہدایت وسرکوبی کیلئے۔ایک رسول بھیجا۔جسے خلیفہ کہا گیا۔اسی خلافت سے۔تاریخ خلافتِ اسلامی کی تعمیر ہوتی ہے۔

حضرت آدمؑ ازروئے قرآن۔مخلوقِ انسانی میں خلیفہ اول کہلاتے ہیں۔زمانہ میں مخلوق انسانی کی پیدائش ہوتی رہی۔ہر زمانہ میں۔تسلیم وکفر پر۔رسول مبعوث ہوتے رہے۔جنہوں نے کفار کے مقابلہ میں ــــ خلافتِ اسلامی ــــ اقتدارِ اعلےٰ۔سے مخلوقِ انسانی میں ــــ الـدیـن الاسـلام ــــ خلافتِ اسلامی کو قوت بخش کر امن وسلامتی کو فروغ دیا ــــ ہر زمانہ میں کفر واسلام کی یہی صورت رہی۔کہ مخلوقِ انسانی میں۔جب ''کفر'' غالب آیا۔تو ایک رسول کو ہدایت دیکر بھیجا گیا۔رسول کے اجرائے دین پر کفار نے مزاحمت کی۔تو اسلام کو مادی ذریعہ سے اقتدار حاصل کرنا پڑا یہی عمل خلافتِ اسلامی سے تعبیر ہوا۔یہاں تک کہ زمانہ پر ایک رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا۔اس حال میں کہ دنیا (زمین) پر ــــ کلی طور کفر کا وجود ختم نہ ہوا ــــ ایسے زمانہ میں ضرورت تھی۔کہ ایک ایسے کامل۔اکمل۔رسول کا ظہور ہوتا۔جنکی ذاتِ اقدس سے۔دنیا کی مخلوقِ انسانی کو امن و سلامتی میسر آکر ''خلیفہ'' کا مقام حاصل ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کے منصوبۂ الٰہی میں تھا۔کہ دنیا پر ایک ایسی اولوالعزم ہستیؐ کا ظہور ہو۔جنکا الـدّیـن الاسـلام ــــ اسلامی لائحہ عمل ــــ شریعتِ اسلامی تمام دنیا ــــ کائناتِ ارضی پر غالب ہو کر۔انسان کو اسکی عظمت۔''خلیفہ'' کی عظمت کا نشان راہ۔قیامت تک میسر ہو۔وہ ذات حضور محمد

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔جنکی خلافتِ عظما کی تفصیل ــــ تاریخ خلافتِ اسلامی میں بیان کی گئی ہے۔

متذکرہ تاریخ خلافتِ اسلامی کی تدوین کی ضرورت۔اس بنأ پر ہوئی کہ محققین اسلام ــــ مورخینِ اسلام نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تاریخ خلافتِ اسلامی کی تصنیف پر بے جا مبالغہ آرائی سے کام لیکر۔روایتی انداز میں۔تاریخ اسلام ترتیب دی۔اور بعض مقامات پر۔متعلقینِ خلافتِ اسلامی کے شایانِ شان حقائق پر غلط تاثرات فراہم کر کے اسلامی تاریخ کو گرد آلود کیا گیا ہے۔کہ خود اہل اسلام اپنی شان کو گرا کر۔حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے الدین الاسلام کی شان گھٹانے کا سبب بن رہے ہیں۔ضرورت ہے۔کہ الدین الاسلام کی عظمت کے مدِ نظر اسلامی شان۔خاص کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس۔اور اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔اور خلفاءِ اسلام کی عظمت کے مطابق۔تاریخ خلافت اسلام کو حقیقی حیثیت میں پیش کیا جائے ــــ وَمَا تَوْ فِيْقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

العارض

محمد نور الدین اویسی

لنک روڈ ایبٹ آباد

محررہ:۱۱ جولائی ۱۹۹۴ء

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

''خلافت'' کی ابتداً ایک ''نبی'' ۔''رسول'' کی بعثت سے ہوتی ہے ـــــ اور ''رسول'' کے بعد ۔رسول کے تابعین (اصحاب) میں سے ایک فرد کے انتخاب سے ہوتی ہے ـــــ جسے ''خلیفہ'' کی صفت سے پکارا جاتا ہے۔

خلافتِ اسلامی میں ۔رسول کے بعد ایک خلیفۂ رسول کے انتخاب میں ۔اہم دینی شرائط وضع کی گئی ہیں ـــــ اسکے ساتھ ہی خلافتِ اسلامی کی ہیئت مسلمہ کی بھی چند اہم خصوصیات مقرر ہیں ۔جن پر خلافتِ اسلامی متشکل ہوتی ہے ـــــ

بنیادی طور ایک فردِ انسانی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بحیثیت رسول منتخب کیا جاتا ہے ۔جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ احکام مخلوقِ انسانی تک پہنچا کر ۔انہیں نجاتِ عذابِ آخرت ۔اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے نتیجہ میں دنیوی پستی وذلت سے ۔نجات دلانے کیلئے جستجو (تبلیغ) کرتا ہے۔ اس عمل کو اَلدِّیۡنُ الۡاِسۡلَام سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ (معبود) اور عبد (بندے) کا تعلق ہے ۔ایک انسان نے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت تسلیم کر کے ۔رسول کے ذریعہ اطاعت سے اپنی عبدیت کا اظہار کرنا ہے ۔یہی ایک حقیقی تصور ہے ۔جس پر کائنات اور انسان کو تخلیق کیا گیا ـــــ یہی ایک حقیقی تصور ہے ـــــ جو ''خلافتِ اسلامی'' ـــــ اور ''خلیفہ'' سے تعبیر ہوتا ہے ۔جسکی ابتداً ایک رسول کے ذریعہ ۔احکامِ الٰہی پیش کر کے مخلوقِ انسانی کی اطاعت وفلاح کا عمل جاری ہونے سے ہوتی ہے ۔یہی عمل بنیادی طور پر اَلدِّیۡنُ الۡاِسۡلَام ۱؎ (انسانی سلامتی کا ضامن طریق عمل اور علم) سے موسوم کیا جاتا ہے۔

---

۱؎ اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَاللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ قف (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۱۹)

اسی تصور کے ساتھ زمین پر مخلوقِ انسانی میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت سے انحراف اور اسکی عبادات سے تغافل پر مخلوق انسانی کی ہدایت کیلئے حضرت آدمؑ کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۔ایک ہدایت اور رسول زمین پر مبعوث ہوتے رہے ـــــ اور یہ سلسلہ ازل سے لیکر حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس تک مسلسل جاری رہا ـــــ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ کی آخری کڑی ہیں ۔جس سے مقصدِ الٰہی ۔اور مقصدِ رسالت کی تکمیل ہوگئی ـــ کہ مخلوقِ انسانی میں ۔اللہ کی طرف سے ۔ایک فردِ انسانی کو بحثییت ''نبی'' بحثییت ''رسول'' منتخب کر کے ۔آئندہ آنے والی مخلوق کی ہدایت کیلئے ۔اسی منتخب رسولؐ ـــــ اسی منتخب کتابِ ہدایت کو مختص کیا گیا کہ یہ رسول یہ کتاب تمام مخلوقِ انسانی کی ہدایت وراہنمائی کیلئے نجات کا سامان فراہم کرینگے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بحثییت رسول بعثت پر جیسا قرآن سے واضح ہے ۔کہ آپؐ نے مخلوقِ انسانی تک احکامِ قرآنی پہنچا کر نجات کا سامان فراہم کیا ۔اب چونکہ یہ رسالت ۔ یہ ہدایت قیامِ قیامت تک قابل تسلیم قابل عمل ہے ۔جسکے لئے ایک رسول ( آپ صلے اللہ علیہ وسلم ) کے بعد اس عمل کو جاری رکھنے کیلئے ایک جانشین بحثییت خلیفہ رسول لازم ہوتا ہے ۔اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آئندہ زمانہ کیلئے ۔احکام قرآنی اور طریق عمل اور طریق رسول کا ایک جامع منصوبہ وضع فرما کر مخلوقِ انسانی کو فراہم کر دیا ـــــ اسی بنیادی ضابطہ پر آئندہ مخلوقِ انسانی عمل کر کے انسانیت کی تعمیر کرتی رہیگی ـــــ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؐ کے تابعین صحابہ سے ہی اس عمل ( الـدین الاسلام ) کے اجراُ کیلئے ایک فرد کو منتخب کیا جانا لازم ہوا ـــــ جسکے انتخاب کیلئے ۔شرائطِ دینی وضع کئے گئے ہیں جن پر ایک جانشینِ رسولؐ ـــــ ایک ''خلیفہِ رسول'' کا منتخب ہونا شرط ہے ۔وہ شرائطِ دینی ـــــ شرائطِ خلافت سے موسوم ہیں۔

اول یہ کہ اجرائے احکام الٰہی واطاعت ۔اللہ ورسول اللہ ہیں جیسا قرآن نے پیدائشِ انسانی میں فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِنِّیْ ھُدًی کا وعدہ فرمایا وہ یہ کہ تخلیق کا بنیادی مقصد نجات آخرت لازم ہو۔

دوئم ـــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسی مقصد۔ اجرائے احکامِ الٰہی اور قول وفعلِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق قرآنی احکام پر عمل کیا جائے۔

سوئم ـــــ ایک خلیفہ کیلئے ـــــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مشن (تبلیغ دین) کو بہرصورت جاری رکھنے میں اطاعتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو لازم رکھنا لازمی ہوگا۔

چہارم ـــــ خلیفہ کی اصل صفت یہ کہ خلیفہ کے انتخاب میں مندرجہ ذیل شرائط کا ہونا۔ لازمی ضروری ہے۔

(۱) وہ یہ کہ خلیفہ کیلئے ـــــ خلیفۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ کی حیثیت میں۔ قرآن و حدیث پر بدرجہ اولیٰ عبور ہونا ضروری ہے۔

(۲) یہ کہ خلیفہ کیلئے ـــــ خلیفۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت میں۔ قرآن و حدیث پر بدرجہ اتم (باقی تمام مخلوق کے مقابلہ میں) عمل۔ ہونا ضروری ہے۔

(۳) یہ کہ خلیفہ کیلئے۔ خلیفۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت میں۔ جملہ صفاتِ اخلاقِ حسنہ (لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ۱) کا بحدِ کمال متصف ہونا ضروری ہے۔

پنجم ـــــ خلیفہ کیلئے۔ امورِ دینی کے اجرا میں اعلےٰ قوتِ اجتہاد۔ فہم وفراستِ مومنانہ ـــــ صاحبِ ایمان۔ متقی۔ قرآنی احکام کے مطابق۔ شب بیدار فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (رات جاگنے والا۔ عبادت کرنے والا) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ دائم روزہ رکھنے والا۔ ہونا ضروری ہے۔

لہٰذا انہیں وضع کردہ شرائط۔ اور انہیں وضع کردہ ضوابط پر ایک خلیفہ کا انتخاب ہونا ضروری ہے۔ یعنی ایک رسول کیلئے۔ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے انتخاب ہوتا ہے۔ اور رسول کے بعد۔ قرآن و حدیث۔ اور احکام وامر کے نفاذ کیلئے۔ اولی الامر کا یعنی صحابہ میں سے کسی فرد کا انتخاب خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہونا لازم ہوا ـــــ ان ہر دو صورتوں میں عوام المسلمین کو خلیفہ منتخب کرنے کا حق حاصل نہیں۔ اور آئندہ ایک خلیفہ کی وفات پر دوسرے خلیفہ کا انتخاب بھی اسی اصول کے تحت ہوگا ـــــ

---

۱ پارہ ۲۱ سورۃ ۳۳ آیت ۲۱

کہ مقرر کردہ شرائطِ دینی کے مطابق ۔خلیفہ اپنی حیات (زندگی) میں خود ایک خلیفہ کو نامزد کریگا۔جو تمام امتِ مسلمہ کیلئے واجب التسلیم ہوگا۔جس میں عوام المسلمین کے ذریعہ خلیفہ کا انتخاب لازم نہیں۔ البتہ بعد کے زمانے میں ۔جب حادثاتی طور خلیفہ کی اچانک موت واقع ہو۔تو اس صورت میں مجلسِ شوریٰ کے ذریعہ ایک خلیفہ کا انتخاب ہونا لازم ہے ــــ اس حال میں کہ مجلس شوریٰ کے ارکان کا تقرر خود خلیفہ کے ذریعہ ہوا ہو ــــ لہٰذا خلیفہ کی اچانک موت پر مجلس شوریٰ ہی خلیفہ کا انتخاب کرسکتی ہے۔ اور اگر خلیفہ کی موجودگی میں مجلس شوریٰ منتخب نہ ہوئی ہو۔تو ایسی صورت میں۔امتِ مسلمہ کے اکابرین میں سے امت کے متقی۔صاحبِ علم۔مدبر افراد کی ایک اعلیٰ جماعت تشکیل دی جائے۔ جنکی شخصیت ۔بحثیت مجموعی ۔دینی ۔اخلاقی اعتبار سے مسلمہ ہو۔جنکی ذاتی صلاحیت میں۔دینداری ۔نیک نفسی۔فہم وفراست ہر خاص وعام کی نظر میں مشہور ہو۔تو ایسے وقت پر۔امتِ مسلمہ۔مجلسِ شوریٰ کیلئے۔ایسے ہی افرادِ امت کی نشاندہی کریگی۔اس حال میں کہ یہ نشاندہی نامزدگی یا انتخاب کی صورت میں نہ ہو اور انہیں اشخاص میں سے مجلس شوریٰ کا انتخاب ہوگا ــــ اسی حد تک کہ عوام المسلمین کے ذریعہ ۔صرف مجلسِ شوریٰ کے ارکان کی نشاندہی کی ضرورت رہتی ہے۔باقی نامزد اشخاص خود مجلسِ شوریٰ تشکیل دینگے ــــ لہٰذا اصولِ شریعت کے تحت ۔مقررہ شرائطِ دینی کے مطابق۔ خلیفہ خود ایک خلیفہ کا انتخاب کرتا ہے۔اور خلیفہ کی اچانک موت واقع ہونے پر۔خلیفہ کی منتخب کردہ مجلسِ مشاورت خلیفہ کا انتخاب کرتی ہے۔جس میں امتِ مسلمہ کے ذریعہ خلیفہ یا مجلسِ مشاورت کے انتخاب کی نوبت نہیں آتی۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت سے لیکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ــــ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ــــ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک انہیں شرائطِ دینی کے مطابق خلیفہ کا انتخاب ہوتا رہا۔یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود [1] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

---

[1] حضرت ابوبکر صدیقؓ کے انتخاب کے موقع پر۔تاریخی اعتبار سے اگرچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے السدین الاسلام (تاریخ اسلام) سے یہ شواہد واضح ہیں۔کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کا انتخاب فرمایااور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا ــــ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ حالاتِ زمانہ کے مطابق بجائے اسکے کہ خود شرائط دینی کے تحت بحیثیت خلیفہ ایک خلیفہ کا انتخاب فرماتے۔ آپؓ نے امتِ مسلمہ میں چند مخصوص ہستیوں کو منتخب کر کے۔ ایک مجلس شوریٰ کو تشکیل دیکر انکے ذمہ خلیفہ کا انتخاب مقرر فرمایا ــــ

اس مقام پر خلافتِ اسلامی کے بنیادی۔ اور حقیقی تصور کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ کہ ''خلافت'' میں اصل تصور ــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا خصوصی مشن (عمل) صرف قرآنی حکم کے تحت قُمْ فَـاَنْذِرْ ۱؎ کا عمل پورا کرنا ہے ــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عمل ــــ اجرائے احکامِ قرآنی ــــ اور فَـاَنْـذِرْ۔ آخرت کی نجات کا واحد مقصد و تصور ہے ــــ اسی تصور پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ ''اجرائے رسالت'' ــــ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ج (پارہ۴ سورۃ۳ آیت۱۶۴) کے قرآنی حکم کے مطابق خلافتِ اسلامی (خلیفہ رسول) کا تصور قائم ہوتا ہے۔ کہ خلیفۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ــــ کیلئے۔ بحیثیت خلیفۂ اسلام ــــ (امیر المومنین) صرف۔ اجرائے احکامِ قرآنی۔ سنتِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق۔ فلاحِ

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اقدس نے (عملی طور) حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خلافت کیلئے خود انتخاب فرمایا۔ البتہ انتخابِ خلافت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی نوبت آئی۔ ایسے موقع پر چونکہ ابھی کوئی اصولِ شرائطِ خلافت وضع نہیں ہوئے تھے اور امت مسلمہ میں قبائلی عصبیت بھی موجود تھی۔ اس وجہ سے حفظ ماتقدم کے اصول پر ضرورت پیدا ہوئی۔ کہ مختلف قبیلوں کے درمیان۔ حضرت عمرؓ نے خود حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی تا کہ خلافت پر قبیلوں میں فساد پیدا نہ ہونے پائے۔ ورنہ طریقِ رسول اللہؐ پر انتخاب کا ہونا لازمی تھا۔

۱؎ قُمْ فَـاَنْذِرْ ۔جیسا کہ واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اجرائے احکام دین کیلئے ایک نبی کو بحیثیت رسول منتخب کر کے مبعوث کرتا ہے۔ اسی ضابطہ کے تحت اللہ تعالیٰ نے (ازل سے) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو رسول منتخب کر کے پہلا حکم (اجرائے احکام الٰہی) قُمْ فَاَنْذِرْ کا سنایا۔ جسکا تعلق براہ راست الدین الاسلام سے تھا۔ جس میں ''خلافت'' یا ''سلطنت'' یا ''امور دنیوی'' کے نظام کا کوئی تصور شامل نہیں۔ یعنی سوائے عبادات۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ احسان کے کوئی دنیوی تصور شامل نہیں۔

انسانی ــــ فلاحِ دارین ــــ اورمخلوقِ خدا کی تعلیم وراہنمائی کا واحد مقصد ہوتا ہے۔ جو مقصد عبادات سے پورا ہوتا ہے ایسی صورت میں۔ خلیفہ کا انتخاب صرف اجرائے رسالت کیلئے۔ مقرر کردہ شرائطِ دینی کے مطابق عمل میں آئیگا ــــ اسی تصور پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا۔ کہ آپؓ نے صرف اجرائے رسالت (اجرائے قرآن وسنت) کیلئے اپنی ذمہ داری پوری کی ــــ اور آئندہ اسی تصور کو قائم رکھنے کیلئے ــــ یعنی ''اجرائے رسالت''۔ کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا ــــ اسی انتخاب کے مطابق آپؓ کو امیر المومنین کا خطاب دیا گیا۔

حقیقتاً خلافتِ اسلامی میں۔ ''اجرائے رسالت'' کا ہی خالص واحد تصور پایا جاتا ہے۔ البتہ جیسا کہ بیان ہوا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت میں۔ جبکہ آپؐ نے قرآنی حکم امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کے مطابق رسالت کا عمل پورا کیا۔ لیکن اس تبلیغ میں کفار کی مزاحمت کی وجہ سے اسلام کو اقتدار اعلےٰ [1] کی ضرورت پڑی۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے

---

[1] اقتدار اعلےٰ۔ اقتدار اعلےٰ سے مراد۔ اجرائے دین ــــ اجرائے احکام الٰہی کیلئے طاقت کا استعمال ہوتا ہے۔ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اجرائے دین ــــ مکہ یا مکہ کے قریش میں ہوا۔ اس وقت تمام دنیا کے مخلوق انسانی میں۔ اللہ کی نافرمانی۔ اور خلاف انسانیت اقدام ہو رہا تھا۔ خصوصاً مکہ میں غالب قوت قوم قریش تھی۔ جو احکام الٰہی کی نافرمانی میں بدترین قوم کہلاتی تھی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اجرائے احکام الٰہی سے قریش کی طاقتور قوم میں۔ انتشار پیدا ہوا۔ کہ انکے کردار وعمل (عمل بد) پر زد آتی تھی۔ اسی خیال پر قومِ قریش نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اجرأ وتبلیغ میں مزاحمت کی اور اجرائے اسلام ــــ الدین الاسلام میں روکاوٹیں پیدا کرنا شروع کر دیں۔ تاکہ اسلام کو مخلوقِ خدا تک پہنچنے نہ دیا جائے۔ ایسی صورت میں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے نکل کر مدینہ ہجرت کی۔ جہاں قریش کی مزاحمت نے جنگ کی صورت پیدا کی۔ جسکے لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اجرائے دین ــــ میں ایک دفاعی قوت۔ اقتدار اعلےٰ سے قوت حاصل کر کے قوتِ جہاد ــــ تشکیل دی۔ تاکہ کفارِ قریش کی مزاحمت اور جنگ سے امت مسلمہ اور اجرائے دین ــــ الدین الاسلام کی صورت میں قائم کیا جائے۔ یہ منصوبہ محض تحفظ الدین الاسلام کیلئے مقرر تھا۔ جسکے لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم خود ایک ــــ خلیفہ۔ خلیفۃ الاسلام ــــ خلیفة اللّٰه (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہی "عملِ رسالت" ـــــ کے ساتھ ایک فروعی تصور ـــــ "اقتدار" ۔کا شامل کرنا پڑا۔ جہاں تک "عملِ رسالت" ۔کا تعلق ہے۔ اسلام میں سوائے "اجرائے قرآن" "اجرائے رسالت" کے اور کوئی تصور تبلیغ (بَـلِّــغ ۱) میں شامل کرنا ضروری نہیں۔ جسکے لئے۔ تبلیغ دین میں۔ نہ رسول کا انتخاب لازم ہے۔ نہ احکامِ الٰہی کی اشاعت و اجرا میں ـــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں۔ کسی مجلسِ مشاورت کی ضرورت ہے ـــــ سوائے اسکے۔ کہ اقتدارِ اعلیٰ کے عمل میں۔ جبکہ اس عمل میں نہ وحی کا تعلق تھا نہ اس عمل میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو کسی فرد سے رائے یا مشورہ لینے کی ضرورت تھی۔ البتہ اقتدارِ اعلیٰ کے قیام کیلئے۔ اسکے استحکام و تحفظ کیلئے۔ منصوبہ بندی۔ اور مشاورت کی ضرورت پڑی۔ اس حال میں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم۔ اکابر صحابہؓ سے۔ کسی منصوبہ سے متعلق۔ اُنکے عقلی فہم و تدبر کی بناء پر مشورہ کریں۔ اور جو رائے حضور صلے اللہ علیہ وسلم پسند فرمائیں۔ اس پر عمل کیا جاتا۔ اس طریق میں صحابہؓ کی رائے مشورہ کی حیثیت نہیں رکھتی۔ کہ حضورؐ کسی معاملہ کے انجام دینے میں۔ عاری۔ یا عاجز ہوں۔ ایسے موقع پر صحابہؓ سے رائے لینا ـــــ مجلسِ شوریٰ کی صورت میں نہیں ـــــ یہی کیفیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت کی رہی۔ کہ آپؓ نے سوائے سنتِ نبویؐ کے۔ "اجرائے رسالت"۔ یا اجرائے اقتدارِ اعلیٰ میں۔ بہت کم صحابہؓ سے مشاورت ۲ طلب کی۔ جبکہ حدیثِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے موجود ہوتے کسی کے ذاتی فیصلہ کا موقع ہی نہ ہو سکتا تھا۔

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) متعین تھے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف اجرائے دین کیلئے۔ ایک خلیفۃ اللّٰہ ۔رسول (رسول اللّٰہ) کی حیثیت میں منتخب کیا تھا۔ جسکے لئے ضروری ہوا۔ کہ قانونِ فطرت (قانونِ الٰہی) کے تحت۔ آپؐ کا انتخاب اللہ تعالیٰ سے ہی ہونا لازم تھا۔

۱ بَلِّغۡ مَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡکَ (پارہ ۶ سورۃ ۵ آیت ۶۷)۔

۲ واضح ہو۔ کہ اجرائے رسالت ـــــ اجرائے قرآن و سنت میں۔ خلفاً کا عمل اجتہادی ہوتا ہے۔ یعنی۔ دین کے اجرا میں۔ وقت کی ضرورت کے مطابق۔ احکام کے نفاذ میں۔ لوگوں کو تسلیم پر آمادہ کرنا۔ یا تعمیل پر آمادہ کرنے کیلئے بعض اوقات۔ انسانی ذہنوں کے مطابق تدبیر لازمی ہوتی ہے۔ ایسے موقع پر خلیفہ نے اگر کوئی تدبیر (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں۔ خلافتِ اسلامی کو عرب و عجم تک وسعت مل چکی تھی ـــــ اور اقتدارِ اعلیٰ کو ایک حکمران حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ لہٰذا اتنی وسیع سرزمین پر۔ اندرونی نظامِ معاشی کی منصوبہ بندی۔ اور بیرون باطل طاقتوں کی معرکہ آرائی سے۔ خلافتِ اسلامی کو تحفظ اور وسعت دینے کی ایک اہم ذمہ داری بھی ـــــ خلافتِ اسلامی میں ـــــ ''اجرائے رسالت'' میں شامل ہوئی ۱؎ ـــــ جسکے لئے۔ خلیفہ کے انتخاب میں۔ شرائطِ دینی سے علاوہ ایک فرد کی دینی مومنانہ

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) موثر سمجھی تو وہ اسی انداز سے احکام کا اجرأ کرتا ہے۔ جسکے لئے قرآن و حدیث کے ضابطہ کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی اسلئے کہ اول اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ قرآن و حدیث کی فہم میں کامل سمجھے جاتے ہیں۔ کہ قرآن انہیں کی زبان میں نازل ہوا۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں انکا قرآن وحدیث کا سمجھنا آسان ہے۔ لہٰذا اجرائے قرآن میں وہ اپنی ذاتی فہم سے وقت کے مطابق اجتہاد کرنے کے اہل تھے۔ دوسرے۔ یہ کہ اگر اقتدارِ اعلیٰ کے نظام میں کسی موقع پر۔ تدبیر کی ضرورت پڑی تو اس میں بھی اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اعلےٰ فہم و فراست کے مالک تھے۔ کہ انمیں نسبی طور حکمران صلاحیتیں پائی جاتی تھیں۔ کہ وہ امورِ اقتدار اعلیٰ کو انجام دینے میں بھی اعلیٰ صلاحیتیوں کے مالک تھے ـــــ تیسرے۔ اگر کسی موقع پر خلیفہ کی طرف سے کسی معاملہ میں اجتہاد کیا گیا ـــــ اسکے لئے بھی۔ اصحاب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل کو مدِ نظر رکھتے تھے۔ جس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت موجود ہو ـــــ بقیہ معاملات میں۔ جہاں۔ قرآن وحدیث سے۔ سنت موجود نہ ہو تو کسی معاملہ کے فیصلہ میں۔ اصحابِ رسول اللہ سے دریافت کیا جاتا۔ کہ کسی اصحابی کو ایسی کوئی حدیث معلوم ہو۔ تو اسکے مطابق عمل کیا جاتا۔ درحقیقت خلفائے امت میں۔ دین۔ اجرائے رسالت کیلئے قرآن وحدیث کا علم مکمل۔ اکمل پایا جاتا ہے۔ جہاں تک دین پر تعمیل کا تعلق ہے۔ قرآن وحدیث کا علم حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے لیکر۔ قیام قیامت تک ایک اکمل علم کی حیثیت میں قائم رہیگا۔ جس میں کسی اجتہاد کی ضرورت نہیں۔ نہ کسی حکم میں۔ تاویل اپنی طرف سے کرنے کی ضرورت ہے۔ سوائے۔ اقتدارِ اعلیٰ کے نفاذ میں۔ کہ یہ عمل دین کی حیثیت نہیں رکھتا۔ نہ اسکے لئے ''وحی'' لازم ہوئی ـــــ اجتہاد لازمی ہوتا ہے۔ اسی اجتہادی عمل میں خلیفہ اور خلافت میں۔ مجلس مشاورت کا وجود پایا جاتا ہے ـــــ جہاں خلیفہ کیلئے امورِ اقتدار اعلیٰ میں اجتہاد کو لازم سمجھا گیا۔

۱؎ خلافتِ اسلامی (الــدیــن الاســلام) میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد وحی و احکام ساقط تھے۔ اسلئے اقتدارِ اعلیٰ کے استحکام کیلئے۔ حدیثِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا۔ کسی فروعی حکم (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خصوصیاتِ شرائط سے سوا۔ اعلیٰ عقلی صلاحیت میں۔ سیاست۔ اعلیٰ فہم و تدبر۔ بہتر منصوبہ بندی (محض اقتدارِ اعلیٰ کے تحفظ و استحکام کیلئے) ہونا ضروری سمجھا گیا ـــــ کہ الدین الاِسلام سے سوا۔ نظامِ حکومتِ اسلامی کے استحکام و وسعت کیلئے وقت کی ضرورت کے مطابق (قانون) احکام وضع کئے جائیں۔ ایسے احکام و قوانین جو ایک اولوالعزم صاحبِ قرآن۔ (اعلیٰ صلاحیت کے مالک) خلیفہ سے جاری ہوں۔ اجتہـــاد سے تعبیر ہوتے ہیں۔ جبکہ ایسے احکام صرف اقتدارِ اعلیٰ (بالفاظِ دیگر) حکومت کیلئے مخصوص ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ احکام۔ براہ راست۔ خلیفہ (خلیفۃ المومنین) کے ذریعہ جاری ہوتے ہیں۔ ایسے احکام بھی دائرۂ قرآن و حدیث کے تحت جاری ہوتے ہیں ـــــ جو اسلامی (الدین) کی شمولیت کی بنا پر۔ الدین الاسلام۔ اور سلطنت اسلامی مل کر اصلاً خلافتِ اسلامی سے موسوم ہوتی ہے ـــــ یہ ایک اہم نکتہ ہے۔ کہ اس مقام پر۔ الدین الاسلام کی شرائط دینی سے سوا۔ انتخابِ خلیفہ میں (بوجہ اقتدار اعلیٰ کے) خصوصی ترمیم کی نوبت آئی۔ کہ خلیفہ کے انتخاب میں۔ قرآن و حدیث پر بحدِّ کمال عبور ـــــ اور ذاتی کردار و عمل میں ایک فرد کیلئے متقی ہونے سے علاوہ۔ صلاحیت میں نظامِ ملکی کے استحکام میں۔ سیاست و حکمران صلاحیت کا ہونا لازمی ہوا۔ کہ اجرائے قرآن و سنت کے ساتھ ایک خلیفہ میں خلافتِ اسلامی کو قائم رکھنے اور مزید فتوحات حاصل کرنے کی صلاحیت ہونا ضروری ہے۔ ایسی صورت میں۔ اسلامی ہیئتِ مسلمہ میں ایک الــــدین الاســـلام میں محض قرآنی احکام میں عبادات۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ کا عمل جاری رکھنا ـــــ دوسری۔ اقتدارِ اعلیٰ میں حکومتِ اسلامی کی صورت میں۔ خلیفہ ـــــ یا مجددِ زمانہ علمائے امت امامین کے وضع کردہ قوانین (جو استحکامِ حکومت کیلئے ہوں) پر اطاعت و عمل کرنا لازمی ہے۔ اس حال میں کہ دونوں ہیئتوں کا تصور الگ الگ قائم رہے۔ ان حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے۔

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) سے استفادہ (راہنمائی) حاصل نہ ہوسکتا تھا۔ جس بنا پر از روئے قرآن۔ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ۔ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ۔ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ ہدایت و احکام حاصل کرنا لازم ہوا۔ کہ ایک منتخب خلیفہ سے بحیثیت خلیفہ (امیر المومنین) ذاتی طور (ماسوائے قرآن و حدیث) راہنمائی حاصل کی جائے۔

بجائے اسکے کہ شرائطِ دینی کی صفات کے مطابق ایک خلیفہ کا خود انتخاب فرماتے ۔آپؓ نے امتِ مسلمہ میں چند مخصوص اصحاب کی نشاندہی فرمائی ۔جن ہستیوں سے مجلس ۱ شوریٰ تشکیل دی گئی ۔ان اصحاب میں مخصوص ہستیاں ۔(۱) حضرت علی کرم اللہ وجہہ (۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳) حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ (۴) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ (۵) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (۶) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ۔ایسی ہستیاں تھیں ۔جو صاحبِ علم ۔صاحبِ تقویٰ ۔ ہونے کے ساتھ عقلی فہم و تدبر میں ۔اعلیٰ صلاحیتوں کی حامل ۔سیاستدان اور اعلیٰ حکمران ذہن کی مالک تھیں ۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ۔یہ ہستیاں ۔''اجرائے رسالت''۔میں ۔صاحب علم قرآن و حدیث ۔متقی ۔ ہونے کے ساتھ ۔اقتدارِ اعلیٰ کے استحکام ۔وسعت و تحفظ میں اعلیٰ فہم و تدبر کی حامل تھیں ۔لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحیثیت مجلسِ شوریٰ ۔انکے ذمہ خلیفہ کا انتخاب رکھا ۔چنانچہ ان ہستیوں نے بحیثیت مجلسِ شوریٰ ۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا ـــــ یاد رہے ـــــ! اس سے قبل عہدِ رسالتؐ ـــــ عہدِ صدیقی ـــــ عہدِ فاروقی میں ۔مجلس شوریٰ کا خاص تصور قائم نہ تھا ۔لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وسیع مملکت اسلامیہ کے قائم ہونے کی بناء پر ۔محض اقتدارِ اسلامی میں ۔اجتہادی عمل کے تحت ۔عقلی منصوبہ بندی کیلئے ۔مجلس شوریٰ کا قیام ضروری سمجھا ۔اس صورت میں ۔خلافتِ اسلامی نے (جو صرف ''اجرائے رسالت'' کیلئے مخصوص تھی )۔اقتدار اعلیٰ کے عمل سے ۔ایک حکمران حیثیت حاصل کی ۔جس میں اقتدارِ دنیوی (یا ملکی) کو شامل کرنا لازمی ہو گیا ـــــ چونکہ یہ عمل ۔اجرائے رسالت میں شامل نہیں ۔اسلئے اقتدارِ اعلیٰ کی منصوبہ بندی میں ـــــ قرآن و حدیث کے ضابطوں سے سوئی وقت کے تقاضوں کے مطابق اجتہادی عمل کو شامل رکھنا ضروری ہوا ۔اس مقام پر تاریخِ اسلام میں اس حقیقت کو زیرِ نظر رکھنا ضروری ہے ۔بظاہر یہ عمل قرآنی حکم سے علاوہ محسوس ہوتا ہے ۔لیکن چونکہ قرآن ایک آخری صحیفہ ہے ۔جبکہ اس قرآن کی ہدایت قیامت تک باقی و جاری رہنے والی ہے ۔لہٰذا مابعدِ زمانہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی کا قیامت تک

---

۱ حقیقتاً اسلام میں مجلس شوریٰ کا وجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اسی ابتدائی مجلسِ شوریٰ سے قائم ہوا ۔

باقی رہنا ضروری ہے۔اسکی ترتیب یہی ہے۔کہ قرآن وحدیث کا علم ـــــ ''اجتہاد''۔کی صورت میں (علمائے امت۔خلفا۔کے ذریعہ) باقی رہیگا۔اور یہ ترتیب ـــــ ''اجتہاد'' ـــــ قرآنی آیت فَاِمَّا یَـاْتِیَـنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ (پارہ اول سورة ۲ آیت ۳۸) کے دائرۂ حکم کے تحت ہوگا۔اس آیت کا تعلق ورابطہ اس قرآنی آیت اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ج (پارہ ۵ سورة ۴ آیت ۵۹) سے ہے۔ہاں! جب تمہاری ذریت (آدمی) میں۔محض حصولِ دنیا کی خاطر۔حرص ولالچ۔خودغرضی۔نافرمانی عبادات کی بنا پر فساد وخونریزی پیدا ہو۔تم دنیا میں اپنی غرض کے حصول میں ـــــ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا۔ ایک دوسرے کو قتل کروگے۔تو فرمانِ الٰہی کے مطابق اصلاحِ انسانی کی ابتدأ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی۔ایک قانون۔اورایک رسول سے کی جاتی ہے۔جواللہ کی طرف سے حکمِ الٰہی کی تعمیل میں مخلوقِ انسانی کیلئے ایک قانون پیش کرتا ہے۔سولازمی ہے۔اَطِیْعُوا اللّٰهَ ـــــ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۔اللہ کے قانون تسلیم کرو۔یہ میرا حکم ہے۔میں نے ایک ''نبی'' کو اصلاحِ انسانی کیلئے بحیثیت رسول منتخب کیا۔سو رسول کی بھی اطاعت کرو۔مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ (پارہ ۲۸ سورة ۵۹ آیت ۷) ۔عادتِ الٰہی کے مطابق رسول کی اطاعت سے وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (پارہ ۲ سورة ۲ آیت ۱۴۳)۔اوررسول کی اطاعت میں ایک مخصوص جماعت رسول کی اطاعت میں قائم ہوتی ہے۔ ہاں۔یہ بھی اصولِ الٰہی ہے۔کہ قیامت تک اب اِسی آخری رسول کا علم علماءِ امت خلفاءِ امت کے ذریعہ مخلوقِ انسانی کو حاصل ہوگا۔لہٰذا نبی۔رسول خود ایک خلیفہ منتخب کرتا ہے۔اس کا حکم بھی مانو ـــــ خواہ میرا حکم ہو۔یا رسول کا حکم۔یا خود ایک خلیفہ منتخب کا حکم۔اس حال میں کہ یہ خلیفہ میرا حکم۔رسول کا حکم پہنچا کر۔مخلوقِ انسانی کو فلاح وہدایت اورنجات کی راہ تک پہنچائیگا۔

تاریخ اسلامی سے واضح ہے۔کہ اللہ تاابد زندہ ہے۔مگر رسول ایک مخلوق ـــــ انسان ہے۔ اسکا علم محدود زمانہ تک اس رسول کے ذریعہ جاری رہتا ہے۔اوررسول کے بعد اُمَّةً وَّسَطًا۔ قیامت تک باقی رہینگے۔جو اسی۔قرآن وحدیث۔اوراپنا علم وحکم جاری کرینگے۔یہ رسول اللہ کے

تربیت یافتہ ہیں۔انکی بھی اطاعت کرو۔لہٰذا ضروری ہوا۔کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اولی الامر۔خلفاً کی۔انکے علم کی اطاعت خواہ کسی صورت میں ہو تسلیم کرو۔چنانچہ حضرت عثمانؓ کا انتخاب اسی اصول پر ہوا۔

الدین الاسلام۔ایک رسول کے ذریعہ۔عبادات کا اجرا ہوا۔ ذٰلِکَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃِ۔ یہ ہمیشہ زندہ رہنے والا دین ہے۔یہ وہی الدین الاسلام ہے جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا۔جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیش کیا۔جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پیش کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ امانت حضرت عثمانؓ کے سپرد کر دی۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بناً کردہ الدین الاسلام اب ایک حکومت کی شکل اختیار کر چکا تھا۔لہٰذا ضرورت تھی کہ الدین الاسلام کی اشاعت اقتدارِ اعلیٰ کے واسطہ سے ہو۔ضروری تھا کہ ابتدأ رسالت میں الدین الاسلام کی اشاعت محض مخلوقِ انسانی کی ہدایت کیلئے مقرر تھی۔اور جب فلاح انسانی کے مقصد میں۔کفارِ قریش کی مزاحمت سے روکاوٹ پیدا ہوئی۔تو یہ ایک فطری ــــ الٰہی۔اصول ہے۔فلاح انسانی کی ہر مزاحمت کو قوت سے دفع کر کے مخلوق انسانی تک فلاح کا پیغام و حکم ہر حال میں پہنچایا جائے۔ایسی صورت میں یہ عمل ایک جذبہ کی حیثیت سے ہر فردِ مسلم (مومن) کیلئے ایک فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے۔جسکے لئے وہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے میں اللہ کے آگے جوابدہ ہوگا۔اسی ضابطہ پر الدین الاسلام اور خلافتِ اسلامی۔یا اقتدارِ اعلیٰ کے تصور پر تاریخ اسلامی مرتب ہوتی ہے۔درحقیقت یہ ایک الدین ہی ہے۔جو خلافت اسلامی کی شکل میں جاری ہو کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے سلسلہ وار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک وسیع ہوتا گیا۔

مجلسِ شوریٰ نے انہیں صفات و خصوصیات کی روشنی میں۔خلافت کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔کہ آپؓ کو دیگر صحابہ کے مقابلہ میں زیادہ قربِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حاصل تھا۔اور باقی صحابہ کے مقابلہ میں آپ کو شرائط دینی میں۔قرآن و حدیث۔فقہ و اجتہاد کے علم میں۔اور تقویٰ و عبادات میں۔اعلیٰ مقام حاصل تھا۔اسکے ساتھ ہی۔اقتدارِ اعلیٰ کے استحکام۔

وسعت وتحفظ کیلئے۔اعلیٰ فہم وتدبر۔قوتِ اجتہاد۔منصوبہ بندی۔اور حکمران صلاحیت میں بھی اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل تھے۔چنانچہ آپؓ کے عہدِ خلافت میں۔خلافتِ اسلامی میں۔اجرائے رسالت ۔بطریق سنتِ نبویؐ تبلیغِ دین کو فروغ حاصل ہوا ــــ اور اقتدارِ اعلیٰ کو بھی وسیع سرزمین تک فتوحات حاصل رہیں۔زمین پر عدل وانصاف کا دور دورہ رہا۔

یہ زمانہ خلافتِ اسلامی کے عروج کا تھا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت وقیادت میں۔دینِ اسلام۔اور اقتدارِ اسلامی میں بیشتر حکومتیں مغلوب ہوکر اقتدارِ اسلامی میں آچکی تھیں۔ ایسے موقع پر ایک وسیع مملکت اسلامی کے تحفظ اور اندرونی معاشی نظام میں (مادی حیثیت میں) منصوبہ بندی کیلئے۔اجتہادی صورت میں اصلاحیں کرنا ضروری تھیں۔اس فروعی منصوبہ بندی کیلئے آپؓ نے ذاتی اجتہاد سے بعض ایسی اصلاحیں کیں۔جو بظاہر طریقِ سنتِ نبویؐ کے خلاف سمجھی جاتی تھیں۔لیکن یہ امر ملحوظ رکھا جائے۔کہ اقتدارِ اعلیٰ کے تحفظ میں محض حصولِ ملک ودولت کا تصور نہ تھا۔ بلکہ اجرائے قرآن وسنت اور اجرائے رسالت کیلئے راہ ہموار کرنا تھا۔

جیسا کہ بیان ہوا۔کہ کفار کی مزاحمت کے سبب۔اجرائے رسالت (تبلیغ دین) میں۔ اقتدارِ اعلیٰ کی ضرورت پیش آئی ــــ اگر کفار مزاحمت نہ کرتے۔تو اسلام میں سوائے اجرائے رسالت۔''اقتدارِ اعلیٰ'' کا وجود نہ ہوتا نہ خلافتِ اسلامی میں۔حکومت۔یا حکمران ہیئت کا تصور شامل ہوتا ــــ حقیقتاً ''اقتدارِ اعلیٰ''۔وقت کی ضرورت تھی۔ورنہ یہ تصور دینِ اسلام کی جز نہیں بہر حال حق کے سامنے باطل کا وجود فطری عمل ہوتا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں دنیا کی عظیم سلطنتیں مغلوب ہوکر۔اسلام کے زیرِ نگیں آئیں۔جسکے نتیجہ میں۔دین اسلام میں فطری طور اقتدارِ اعلیٰ ــــ یا حکمرانی کی ہیئت پیدا ہوئی۔جسکے لئے شرائط دینی سے۔سوا۔اقتدارِ اعلیٰ کیلئے منصوبہ بندی میں۔اجتہادی عمل ضروری ہوا ــــ اس فروعی منصوبہ بندی کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے۔ذاتی اجتہاد سے بعض ایسی اصلاحیں کیں۔جو صرف اقتدارِ اعلیٰ کی وسعت۔استحکام۔اور تحفظ کیلئے لازمی تھیں۔جن میں ایک اہم اصلاح۔بیت المال کو قرآنی حکم کے مطابق استعمال کرنے

کی حدود سے۔ ہٹ کر ایسی مدوں میں استعمال کرنا تھا۔ جنکے متعلق قرآن میں احکام موجود نہ تھے۔ یا جن مدوں میں۔ اس سے قبل عہدِ رسالت ؐ۔ عہدِ صدیقیؓ۔ عہدِ فاروقیؓ میں بیت المال کی رقم خرچ کرنے کا موقع نہ آیا تھا۔۔۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے۔ وقت کی ضرورت کے تحت قبیلہ کے سرداروں کو بیت المال سے دولت [1] دی۔ اس نظریہ سے کہ ایسے لوگوں سے اقتدارِ اعلیٰ کے تحفظ اور معاونت کی توقع تھی۔ اسکے علاوہ اندرونی نظامِ مملکت کے استحکام کے مدنظر آپؓ نے اپنے معتمد۔ اور اعتباری رشتہ داروں کو بھی بیت المال سے رقمیں دیں۔ نیز نظام اقتدارِ اعلیٰ قائم رکھنے کیلئے اپنے پسندیدہ افراد کو خلافتِ اسلامی میں مناسب عہدوں پر مامور کیا۔ اسلئے کہ ایسے بااثر لوگوں سے۔ ان کے نزدیک خلافت کیلئے۔ دیانت۔ معاونت وحمایت کی زیادہ توقع کی جاسکتی تھی۔۔۔ حقیقتاً اس عمل میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات سے۔ خیانت۔ بدعہدی۔ یا اقربا پروری۔ یا غلط تدبیر کا جذبہ کارفرما نہ تھا۔۔۔ بلکہ اجرائے رسالت۔ اور اقتدارِ اسلامی کی بقا واستحکام کا واحد جذبہ واضح تھا۔

یہ زمانہ تھا۔ کہ بلاشبہ امت کا ہر فرد۔ اکابرین صحابہ سے لیکر امت کے ادنیٰ فرد تک قرآن و حدیث کے احکام کی تعمیل میں سرِ مو فرق نہ کرتے تھے۔ اس وجہ سے۔ امت کا ہر فرد ایک مبلغ کی حیثیت رکھتا تھا۔۔۔ کہ قرآن وحدیث کے خلاف ادنیٰ سی کوتاہی کو نظرانداز نہ کرتے تھے۔ لہٰذا۔ بعض لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس اجتہادی عمل سے اتفاق نہ کرتے ہوئے۔ ایسی اصلاحات کو خلافِ سنتِ نبویؐ سمجھا۔۔۔ چنانچہ تاریخ میں حضرت ابوذر غفاریؓ کا مشہور واقعہ اسی قسم کا تھا۔ کہ آپؓ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اجتہادی اصلاحات پر آپ کے خلاف آواز اٹھائی۔۔۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امورِ خلافت میں طریق نبویؐ۔ طریق صدیقی سے ہٹ کر ذاتی اجتہاد کو شامل کیا۔۔۔ لیکن یہ امر خلافِ ضابطۂ اقتدارِ اسلامی یا اصولِ ضابطۂ شرطِ خلافت تھا۔ کہ امورِ مملکت میں جہاں تک نظامِ اقتدارِ اسلامی کا تعلق ہے۔ عمومی حیثیت میں کسی فرد کو خلیفۂ وقت

---

[1] قرآن نے خود بھی بیت المال کو تالیف قلوب کیلئے صرف کرنے کی ہدایت دی۔ تاکہ لوگوں کو اسلام کی حمایت پر آمادہ کیا جائے۔

کے خلاف تنقید یا اعتراض کرنے کا حق نہیں ــــ سوائے مجلسِ شوریٰ کے کہ وہ خلیفہ کے کسی خلافِ شریعت فعل پر تنقید کرنے کی مجاز ہوسکتی ہے۔ اس حال میں کہ اس فعل کو قرآن وسنت کی رو سے "جائز" ۱ــــ یا "ناجائز" قرار دیا جائے ــــ حضرت ابوذر غفاریؓ کا احتجاج اسی نوعیت کا تھا۔ کہ آپ قرآن وسنتِ نبویؐ کے خلاف معمولی سے فعل کو حرام وگناہ تصور کرتے تھے۔ کہ امورِ خلافت۔ یا اجرائے رسالت کو ــــ اولیت۔ اور بنیادی حیثیت دے کر۔ اجتہاد سے کسی قسم کے ضابطے وضع نہ کئے جائیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل پر علے الاعلان غم و غصہ کا اظہار کیا ــــ وہ اختلاف یہی تھا کہ اجرائے رسالت ــــ اجرائے قرآن وحدیث میں۔ خلافتِ اسلامی میں اجتہادی عمل شامل نہ کیا جائے۔ یعنی خلافتِ اسلامی کی اساس۔ قرآن وحدیث کے سوا۔ ذاتی حکم کو شامل نہ کیا جائے ــــ صورت یہ تھی۔ کہ ابتدائے رسالت قومِ قریش۔ یا دیگر ایمان قبول کرنے والے لوگ سوائے اللہ ورسول کے احکام پر عمل اور اتباع کے کسی فروعی ذریعہ پر عمل

---

۱ جائز یا ناجائز: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں۔ خلیفہ کے کسی حکم پر علمائے امت تنقید کرتے۔ تو آپ حضرات فوراً صحابہ کا اجلاس طلب کرتے۔ اور متنازعہ مسئلہ پر قرآن وحدیث کے احکام صحابہ سے دریافت کرتے۔ صحابہ ایسے مسئلہ پر حدیث پیش کرتے۔ تو اُسی حدیث کے مطابق خلیفہ اپنا حکم واپس لیکر۔ علماً کے فیصلہ پر حکم جاری کرتے۔ ورنہ خلیفہ کا حکم جاری رہتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ یا خلیفہ۔ اقتدارِ اسلامی کی منصوبہ بندی کے مدنظر "اجتہاد" سے کام لیکر کوئی طریقہ اختیار کرتے۔ جو بعض اوقات سنت نبویؐ کے حکم کے مطابق نہ ہوتا تو خلیفہ حدیث کے مطابق عمل کرتا۔

جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے بھی واضح ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے۔ آپؐ کے بھیجے ہوئے اسامہ بن زیدؓ کی سرکردگی میں لشکر کو مدینہ میں روکنے سے انکار کردیا۔ صحابہ نے اور خود حضرت عمرؓ نے مصلحت وقت کے تابع لشکر اسامہ کو روکنے پر زور دیا۔ کہ منافقین فتنہ برپا کرنے پر آمادہ تھے۔ صحابہ کا یہ عمل اجتہاد کے تحت تھا۔ مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس مشورہ کو قبول نہ فرمایا ــــ ان واقعات سے واضح ہے کہ امور خلافت میں خلیفہ کے ہر حکم کی اطاعت میں کسی فرد کو اعتراض کا حق نہیں۔ نہ جائز ہے۔ جب تک کہ خلیفہ کے فعل پر شرعی طور اختلاف نہ پایا جاتا ہو۔

کرنے پر تیار نہ رہتے۔اس حال میں۔ کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر دیوانہ وار فدا آپؐ کے ہر حکم کی تعمیل اپنا فرض۔ یا ثواب مقصد نہ رکھتے تھے۔سوائے اسکے کہ آپؐ کی ذاتِ اقدس پر۔ اپنی جان۔ اپنا مال۔ اپنی ہر چیز قربان کرنے کیلئے ہر لحہ مستعد رہتے تھے۔اس حال میں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں۔ انہیں کسی حصول پر سوچنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ایسی صورت میں۔ نہ اقتدارِ اعلےٰ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ نہ کسی معاملہ میں انہیں ذاتی سوچ کا موقع آیا۔ حقیقتاً امتِ مسلمہ میں۔ ذاتی اجتہاد ایک فروعی انوکھی کیفیت تھی۔ جس پر توجہ کی جاتی۔ مگر یہ امر ضروری تھا۔ کہ اقتدارِ اعلےٰ کو اسلام کے ذریعہ فروغ حاصل ہو۔ بالآخر اس فروغ کا نتیجہ وقت پر امورِ دنیوی میں پھنس کر عروج پر خلافتِ اسلامی میں ــــ اجتہاد ــــ اور اجتہاد کو وقت کی ضرورت سمجھکر اولیت دینا پڑی۔ حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ نے آپؓ کے اعلانیہ تنقیدی رویہ کو۔ خلیفۂ وقت کے عملی منصوبہ میں دخل اندازی کے مدنظر زبدہ کے ایک ویران علاقہ میں نظر بند کر دیا۔اس خیال سے کہ عوام المسلمین آپؓ کے خلیفہ پر کئے گئے اعتراضات سے متاثر ہو کر تذبذب میں مبتلا نہ ہوں۔ یہ امر خلافتِ اسلامیہ ــــ اور عوام المسلمین میں انتشار پیدا ہو کر فتنہ کا سبب بن سکتا تھا ــــ جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اجتہادی اصلاحات وقت کی ضرورت کے تحت جائز اور درست تھیں ــــ اس حال میں کہ آپ کے اجرائے احکام میں امت کے صحابہؓ اور مجلس مشاورت (منتخب کردہ حضرت عمرؓ) کے اصحاب شامل ہوتے تھے۔

واضح ہو کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی فتح مبین پر۔ منکرینِ دین۔ منافقین کا روپ دھار کر اسلام میں پناہ لیتے رہے ــــ اور پسِ پردہ اسلام کو مٹانے کی سازشیں کرتے رہے ــــ لیکن حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت نے ہمیشہ عفو و درگزر سے کام لیکر کبھی منافقین سے تعرض نہ فرمایا ــــ یہاں تک کہ آپؐ کی اتباع میں جماعت مومنین۔ صحابہ بھی منافقین کی شرارتوں کے باوجود۔ درگزر سے کام لیتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے خود اہل ایمان کو خبردار کیا ــــ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۘ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ج (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۸،۹) یہ لوگ جو کہتے ہیں۔ ہم ایمان لائے اللہ پر اور قیامت پر۔ یہ مومن

نہیں۔ دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور مومنوں کو۔ یہ وہ کفار ہیں۔ جنہوں نے اسلام کو دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ اور پس پردہ وہ اسلامی قوت کو مٹانے کے درپے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ انہیں جانتے ہوئے بھی ان سے درگزر کرتے رہے۔ چنانچہ ابی ابن خلف رئیس المنافقین کھلم کھلا اہل اسلام کو اکثر موقعوں پر دھوکہ دیتا رہا۔ لیکن آپؐ اور صحابہؓ ہمیشہ ان منافقین سے درگزر کرتے رہے۔ نہ انکی سازشوں کو خاطر میں لاتے۔ لیکن منافقین ہمیشہ اندرون اہل اسلام کو مٹانے کی سازشیں کرتے رہے۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تدبر کی وجہ سے انہیں کامیابی نہ ہوسکی۔

حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں۔ چونکہ عرب وعجم کی سلطنتیں مغلوب ہو کر فنا ہو چکی تھیں۔ ان کے زمانہ میں بھی منافقین اسلام کو مٹانے کی سازشوں میں مصروف رہے۔ لیکن حضرت صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی ہیبت وجلال اور اعلےٰ تدبر کی وجہ سے منافقین کو جرأت نہ ہوسکی کہ وہ اسلام کے خلاف کسی قسم کی کھلم کھلا شرارت کر سکیں۔ لیکن منافقین کی ہر زمانہ میں اندرون سازشیں جاری رہیں ـــــ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافتِ اسلامی کا انتہائی عروج کا زمانہ تھا ـــــ مشرق و مغرب میں اسلام کی دھاک بیٹھی تھی۔ اسلام کو وہ سطوت حاصل تھی۔ جو سابقہ شہنشاہوں۔ قیصر و کسریٰ کو حاصل نہ تھی ـــــ زمانہ انسانیت کی سلامتی وامن کا تھا۔ مگر یہ عروج کا آخری زینہ ثابت ہوا۔ یہودی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذاتِ والا کو شہید کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کیلئے۔ قبل از وقت مجلس شوریٰ کا انتخاب کیا تھا۔ جنکی متفقہ رائے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بحیثیتِ خلیفہ انتخاب ہوا ـــــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت۔ ایک وسیع وعظیم سلطنت کی ہیئت اختیار کر چکی تھی۔ جسکے استحکام و تحفظ کیلئے۔ ایک عظیم صاحبِ فہم وتدبر سیاستدان اور صاحبِ قرآن خلیفہ کی شدید ضرورت تھی۔ کہ اجرائے رسالت کے ساتھ اقتدارِ اعلےٰ کی وسعت واستحکام کا کام بھی انجام دیا جا سکے۔ جسکے لئے مجلس مشاورت کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس عظیم ذمہ داری کو سنبھالنے کے لائق تھے ـــــ

یہ حقیقت ہے۔ کہ اتنی وسیع وعظیم۔ خلافتِ اسلامی ــــ اقتدارِ اسلامی ــــ سنبھالنے کی صلاحیت۔ سوائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اور کسی فرد میں پائی نہیں جاتی تھی۔ آپؓ نے چھ سال کی مدت پرامن طریقہ سے خلافت کا کام سرانجام دیا۔ آپؓ کی خلافت میں اقتدارِ اسلامی کو مکمل تحفظ ملا۔ اور مزید فتوحات میں کئی ممالک فتح ہوئے ــــ ظاہر ہے۔ اتنی وسیع سلطنت۔ خلافتِ اسلامی ــــ اقتدارِ اسلامی کیلئے۔ حالاتِ زمانہ کے مطابق۔ امورِ سلطنت میں۔ شرائطِ دینی کے ضابطۂ قرآن وسنتِ نبویؐ کے سوا۔ اجتہادی ضابطہ عمل میں آنا ضروری تھا ــــ اسلئے کہ یہ اجتہادی عمل محض اقتدارِ اعلیٰ کی حکمران ہیئت کیلئے وضع کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپؓ نے واضح طور پر امورِ مملکتِ اسلامی کے انتظام میں اصلاحیں کیں ــــ اور ذاتی طور احکام نافذ کئے۔

یہ ابتدائی وقت تھا۔ جب عوام المسلمین کے سامنے۔ خلیفۂ وقت کے۔ اجتہادی۔ احکام بروئے کار لائے گئے۔ چونکہ یہ عمل خلافت میں ''اجرائے رسالت'' ــــ کے ضابطہ سے علیحدہ سمجھا گیا۔ اسلئے ایسے احکامات کو خلافِ شریعت تصور کیا جانے لگا ــــ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ امتِ مسلمہ میں بعض صحابہ اور امت کے افراد نے ایسے احکامات پر تنقید شروع کی۔ اور یہ سلسلہ وسیع ہونے لگا۔ چنانچہ اس موقع پر منافقین نے (جنہیں عہدِ رسالت۔ عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں فتنہ پیدا کرنے کا موقع نہ ملتا تھا) ایسے حالات سے فائدہ اٹھا کر۔ مومنین کا روپ دھار کر اسی قسم کی تنقید کی آڑ لیکر خلافتِ عثمانی ــــ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کھلم کھلا اعتراضات [1] کی بھرمار شروع کی۔ اسی فتنۂ منافقین میں حضرت عثمانؓ کے خلاف بے بنیاد اور جھوٹے الزامات تراش کر کے عوام المسلمین کو غلط فہمی میں ڈالدیا۔ کہ بعض صحابہ نے بھی غلط فہمی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف

---

[1] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں۔ تاریخ اسلامی نے جو روایات پیش کی ہیں۔ حقیقتاً انکی اصل کچھ بھی نہیں۔ سوائے اسکے کہ یہ سب الزامات۔ صرف یہود و منافقین نے اسلام کی آڑ لیکر فساد پیدا کرنے کیلئے پیدا کئے۔ حقیقی تاریخ اسلامی کے مطابق۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذاتِ والا کا ایسے الزامات سے قطعاً کوئی واسطہ نہیں۔ بدقسمتی سے مورخینِ اسلام نے ایسی روایات کو درست سمجھکر قبول کیا ــــ

جذباتی انداز میں اعتراضات شروع کر دیئے۔منافقین کی سازش کامیاب ہوئی۔اور اہلِ اسلام انتشار کا شکار ہو گئے۔

یہ ایک حقیقت ہے ـــ جیسے قرآن حق ہے۔دینِ اسلام حق ہے ـــ خلافتِ اسلامی حق ہے ـــ اسی طرح خلافتِ عثمانیؓ عینِ سنتِ نبویؐ کے مطابق حق ہے ـــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بنائے کردہ خلافتِ اسلامی کیلئے۔امتِ مسلمہ میں۔کوئی ایسا فرد موزوں نہ تھا ـــ سوائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ـــ بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا۔کہ خلفائے اربعہ میں۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ـــ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ۔حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے برابر مقام رکھتے تھے ـــ آپؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تخلیق کردہ خلافتِ اسلامی کو مزید استحکام بخشا۔مگر منشائے الٰہی[1] تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قہرِ فاروقی کے مقابلہ میں۔نرم دلی۔درگزر اور عفو سے کام لیکر عوام المسلمین کیلئے جرم وسزا کو استعمال نہ کیا۔جسکے نتیجہ میں۔گزشتہ دورِ خلافت صدیقی۔فاروقی کے ناکام منافقین کو خاصا

---

[1] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے۔جس میں آپؓ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک خواب بیان کی۔جس میں ایک ترازو کا آسمان سے اترنا ذکر کیا۔تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم خواب سن کر بے حد رنجیدہ ہوئے۔آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا۔اور فرمایا کہ ''نبوت+'' کی خلافت تیس برس تک رہیگی۔پھر ملک سلطنت ہو جائیگا۔آپؐ نے فرمایا۔کچھ دنوں خلافت نبوت ہے۔پھر اللہ جسکو چاہے ملک دیدے (روایت کیا اس حدیث کو ترمذی۔ابوداؤد نے)

(حاشیہ در حاشیہ) + یہ واقعہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ـــ نبوت و رسالت کی طرف اشارہ ہے کہ ابتدائے زمانۂ رسالت سے لیکر تیس سال تک اجرائے قرآن۔الدین الاسلام کی ہئیت میں رہیگا۔جس میں اجرائے قرآن کی صورت میں۔صرف اس الدین میں عبادات کے عمل پر دین کی ہئیت قائم رہیگی۔اور تیس سال بعد اقتدارِ اعلےٰ کی حیثیت میں۔الدین الاسلام کی حیثیت ـــ سلطنت اسلامی ـــ یا خلافت اسلامی جیسی ہوگی جس میں تصورِ الدین کے ساتھ انتظامِ ملکی بھی خلیفہ کے ذمہ شامل ہوگا۔لازم ہے۔اس اقتدارِ اعلےٰ میں شرائطِ خلافت میں ترمیم کی صورت میں سیاست۔فہم و تدبر اور دنیوی وسائل روبہ کار آئینگے۔ایسی صورت میں الدین الاسلام میں۔مکمل جذبۂ عبادات۔احکامِ شرعی کی حیثیت ضعیف ہونے کا احتمال ہوگا۔

موقع فراہم ہوا۔ کہ وہ عرصۂ دراز سے پسِ پردہ سازشوں کو کھل کر کامیاب بنائیں ــــ افسوس! کہ بعض محققینِ اسلام اور مورخین نے حضرت عثمانؓ کی خلافت میں۔ آپؓ کی ذات سے منسوب اصلاحی احکامات پر سطحی تجزیہ و تحقیق کر کے حضرت عثمانؓ کی عظیم الشان خلافت کو داغدار کرنے میں کوتاہ فہمی سے کام لیا ــــ جبکہ یہ تمام تاریخی واقعات زیادہ تر منافقین کی سازشوں کی بنا پر اختراع کئے گئے تھے ــــ مخالفینِ اسلام نے بھی اس واقعہ میں۔ اسلام دشمنی کی بنا پر۔ غلط و بے بنیاد الزامات حضرت عثمانؓ کی ذاتِ بابرکات سے منسوب کر کے اس عظیم الشان دورِ خلافت کو مسخ کر ڈالا۔

واضح ہو کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت ایک شخصِ واحد کی خلافت نہ تھی۔ بلکہ امت کے بیشتر صحابہ۔ خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منتخب کردہ ارکانِ مجلس شوریٰ کے پانچ اولوالعزم۔ صاحب فہم و فراست اور متقی اصحاب بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے معاون و مشیر تھے۔ جنکی رائے و مشورہ سے تمام۔ اصلاحی احکام کا نفاذ ہوتا تھا ــــ ایسی صورت میں حضرت عثمانؓ کی ذات سے کوئی بھی۔ خلافِ اصولِ اسلامی عمل صادر ہوتا۔ تو اس پر ارکان خلافت۔ مجلسِ مشاورت گرفت کرتے۔ اس حال میں کہ خلیفہ کا مجلسِ مشاورت کی آرا سے متفق ہونا شرعی اعتبار سے لازم تھا۔ جبکہ ایسا کوئی واقعہ خلافتِ عثمانیؓ میں مشہور نہیں ــــ سوائے منافقین کے خودساختہ الزامات کے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اجتہادی احکام کو خلافِ سنت احکام ظاہر کر کے امتِ مسلمہ میں فتنہ پیدا کر دیا۔ اور آپ کے اجتہادی احکام پر (جو درحقیقت قرآن و سنت کی روشنی میں درست تھے) تنقید کر دی۔ چونکہ امتِ مسلمہ میں۔ یہ اجتہادی احکام بظاہر قرآن و سنت کے احکام سے سوا محسوس کئے گئے۔ اسلئے امتِ مسلمہ اس اختلاف سے متاثر ہو کر بعض لوگوں نے آپؓ کے اجتہادی عمل سے اتفاق نہ کیا۔ ظاہر ہے۔ اُس انحراف کے نتیجہ میں خلیفۂ وقت کے احکام سے انحراف کر کے۔ ان میں مخالفانہ رویہ پیدا ہو گیا۔ ایسی صورت میں۔ الدین الاسلام کی عظیم الشان ہئیتِ مسلمہ منتشر ہو کر۔ یہود منافقین اور دشمنانِ اسلام۔ کو اسلامی شیرازہ بکھیرنے میں ــــ کامیاب سازش کا موقع میسر ہوا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ امتِ مسلمہ حق و باطل کی تمیز میں تذبذب کا شکار۔ تحفظِ اسلام میں بے بس ہوئی۔ کہ منافقین۔ یہود دشمنانِ اسلام کو

اپنے باطل منصوبہ کا موقع ملا۔جس پر شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش آیا۔

درحقیقت جہاں تک خلافتِ عثمانیؓ کے دور میں آپؓ سے منسوب غلط اتہامات کا تعلق ہے ــــ جیسا کہ بیان ہوا۔کہ آپ کے وضع کردہ احکامات جو اقتدار اعلیٰ کے نظم و نسق سے تعلق رکھتے تھے ــــ ان کیلئے قرآن و حدیث سے ہدایات ملنا ممکن نہ تھا۔جبکہ اقتدارِ اعلیٰ کا۔دینی احکام سے تعلق نہیں ــــ کہ اسکے لئے قرآن و حدیث سے احکامات کو ملحوظ رکھا جاتا۔سوائے اسکے کہ اقتدارِ اعلیٰ کو دین کی وسعت کا ذریعہ بنایا جانا حالات کے مطابق ضروری تھا۔ایسی صورت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو بھی اجتہادی طریق اختیار کئے وہ درحقیقت وقت کی ضرورت کے تابع ضروری اور برحق تھے ــــ لیکن منافقین۔دشمنانِ اسلام نے واقعات کو گھناؤنی شکل میں پیش کر کے امتِ مسلمہ میں تذبذب اور انتشار پیدا کر دیا۔اور امت کے کم علم افراد نے ایسے واقعات کو قبول کر کے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔اس طرح منافقین کو اپنی سازشوں اور فتنوں کو کامیاب بنانے میں کھلی راہیں ملیں۔ ورنہ اتنی عظیم سلطنت میں خلیفۃ المومنین کا قتل آسان نہ تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت نے خلافتِ اسلامی کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ خلافت میں۔نہ خلیفہ کا وجود باقی رہا اور نہ ہی امت مسلمہ میں شدید انتشار کے باعث مجلس شوریٰ کی حیثیت باقی رہی۔ایسی صورت میں امتِ مسلمہ میں۔نہ خلیفہ کا انتخاب ممکن ہوا۔نہ مجلسِ شوریٰ سے خلیفہ کے انتخاب کی گنجائش رہی۔یہی دو صورتیں تھیں۔جن سے خلافت کیلئے آئندہ خلیفہ کا انتخاب ہونا تھا ــــ

حضرت عثان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافتِ اسلامی کیلئے ایک خلیفہ کے فوری تقرر کی ضرورت تھی۔لہٰذا اصولی طور حضرت عمرؓ کے منتخب کردہ اصحاب میں سے کسی شخص کو منتخب کیا جانا لازمی تھا۔ان میں شرائطِ خلافت کی رو سے موزوں اور بہتر شخصیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذاتِ گرامی تھی۔چنانچہ اکثر اصحاب کا حضرت علیؓ کی خلافت پر اتفاق ہوا۔اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس عہدہ کو قبول کیا ــــ بدیں وجہ کہ خلافتِ اسلامی میں۔اس وقت۔انتشار پایا جاتا تھا۔

امت پریشان حال تھی۔ ادھر اقتدار اسلامی کے نظم ونسق چلانے کیلئے فوری طور پر ایک خلیفہ کا ہونا اشد ضروری تھا۔ جس کیلئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خود اس عہدہ پر آنا ضروری سمجھا۔ کیونکہ انتخاب خلیفہ کیلئے مجلسِ شوریٰ کا اثر ختم ہو چکا تھا۔۔۔۔ دوسرے۔ یہ امر اصحاب کی ذمہ داری میں تھا کہ وہ خلافتِ اسلامی کے تحفظ اور نظم ونسق قائم رکھنے کیلئے فوری اقدام کریں۔ لہٰذا ضروری تھا۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس متزلزل خلافتِ اسلامی کی ساخت کو محفوظ کرنے کیلئے۔۔۔۔ بغیر انتخاب۔ خود خلافت کا عہدہ سنبھالیں۔۔۔۔ ورنہ احتمال تھا کہ بغیر خلیفہ۔۔ بغیر نظم ونسق سنبھالنے کے۔ خلافتِ اسلامی۔ منافقین کی یلغار کی زد میں آ کر اس کا وجود ختم ہو جاتا۔۔۔ یا مخالفینِ اسلام۔ بیرونی باطل قوتیں مملکتِ اسلامی پر دھاوا بول کر خلافتِ اسلامی کو ختم کر دیتے۔ ان حالات کے مدنظر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے۔ کچھ اپنی ذمہ داری کے مدنظر۔ اور کچھ صحابہ کی رائے سے۔ خلافت کا عہدہ سنبھالا۔ اور تمام خلافتِ اسلامی میں فرمان جاری کر دیئے۔۔۔۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے نتیجہ میں۔ منافقین کے حوصلے بڑھ چکے تھے۔ انہیں فتنہ اٹھانے میں کسی قسم کی مزاحمت [1] کا سامنا نہیں ہوا۔ بلکہ امت مسلمہ میں بعض لوگ منافقین کی سازش

---

[1] سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اسلام کے عظیم شہنشاہ۔ عظیم فاتح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بنا کردہ خلافتِ اسلامی میں جبکہ اسلام کے نامور مجاہدین کا وجود ابھی خلافتِ اسلامی میں موجود وقائم تھا۔۔۔ جو ہر لمحہ خلافتِ اسلامی کے محافظ ومعتمد تھے۔ ایسی عظیم طاقت کے ہوتے۔۔۔ منافقین کا کھلم کھلا۔ بغیر کسی مزاحمت کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں آسانی سے داخل ہو کر شہید کرنا۔ کیسے ممکن ہوا؟ جبکہ حضرت عثمانؓ کی مجلس ومعیت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ دیگر اصحاب موجود۔ منافقین کو نیست ونابود کر کے حضرت عثمانؓ خلیفۃ المومنین کو بچا سکتے تھے۔؟

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں۔ خلافتِ اسلامی وسیع زمین پر۔ بڑی قوتوں کو زیر کر کے غلبہ حاصل کر چکی تھی۔ کسی قوت کو اسلام پر یلغار کرنے کی جرأت نہ تھی۔

(۲) ابتدائی زمانہ میں۔ الدین الاسلام۔ خلافت اسلامی میں امتِ مسلمہ کے اولوالعزم۔ صاحبِ قوت وایمان اصحاب ابھی موجود تھے۔ جنکی موجودگی میں امتِ مسلمہ کا ایک ادنیٰ فرد بھی محفوظ تھا۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کا شکار ہو کر انکے ہمنوا ١ بن گئے۔ یہ منافقین کا اٹھایا ہوا فتنہ تھا۔ کہ ایسے موقع پر قاتلانِ حضرت عثمانؓ کی گرفتاری کا مطالبہ کیا جائے۔ اس طرح عزیزانِ ٢ حضرت عثمانؓ نے بھی منافقین کے اس مطالبہ

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

(۳) خلافت اسلامی میں۔ امت مسلمہ کے اولوالعزم مجاہدین کی موجودگی میں۔ منافقین کا شام و مصر سے سازشیں کر کے براہ راست حضرت عثمانؓ پر دھاوا بولنا۔ اور بغیر کسی مزاحمت کے آپؓ سے مجادلہ کرنے کی جرأت کرنا کس بنأ پر ہوا؟ کہ آپ منافقین کی شر سے محفوظ نہ ہو سکے؟

(۴) آیا۔ ان واقعات کا مظاہرہ۔ اصحاب اور مجاہدین خلافتِ اسلامی کی موجودگی میں ہوا؟ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

---

(حاشیہ صفحہ ہذا) ١ افسوس کہ جدید دور کے کمزور عقیدہ مسلمان بھی محض جہالت کے زیر اثر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان عالی کو مطعون بنانے میں ذوالنورین۔ دامادِ رسولؐ۔ عشرہ مبشرہ پر حرف لانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

٢ ایسے موقع پر منافقین نے موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی کہ انہوں نے بھی۔ مومنین کا روپ دھار کر قاتلان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی گرفتاری کا مطالبہ کیا۔ بدیں وجہ ایسے نازک موقع پر ایسے مسئلہ کا اٹھانا۔ امت میں مزید اختلاف پیدا ہو کر امت و خلافت انتشار کا شکار ہو جاتی۔ جبکہ ایسے موقع پر اولین اقدام خلیفہ کا انتخاب اور خلیفہ کے ذریعہ خلافتِ اسلامی کا استحکام انتہائی ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اعلان خلافت پر۔ قاتلان حضرت عثمان کی گرفتاری کا مسئلہ شدت اختیار کر گیا۔ جس میں اندرون منافقین پیش پیش تھے۔ کہ آپ کو انتظام خلافت میں مشکلات پیش آئیں۔ اور امت مسلمہ میں تفریق پیدا ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک بھی۔ اولین اقدام خلافت کا استحکام تھا۔ جبکہ قاتلانِ حضرت عثمانؓ میں۔ بعض قریبی صحابہ کے عزیزان بھی شامل تھے۔ ایسی صورت میں فوری طور انکی گرفتاری۔ یا سزا بھی جماعت صحابہ میں نفاق پیدا ہونے کا سبب بنتا تھا۔ اسلئے حضرت علیؓ نے فوری طور اس مسئلہ پر کاروائی سے گریز کیا۔ جس وجہ سے منافقین کو جماعت صحابہ میں تفریق پیدا کرنے کا موقع فراہم ہوا۔ جس پر حضرت علیؓ۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عزیزان کے درمیان شہادتِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جماعتِ صحابہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ اور اسی اختلاف کے نتیجہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان خلافت کو درمیان رکھکر معرکہ آرائی تک نوبت پہنچی۔

میں انکے ساتھ۔ قاتلانِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی گرفتاری کا مطالبہ کیا۔ اور اس مطالبہ کو بہت اچھالا گیا ـــــ بدقسمتی سے اس حادثۂ قتل میں بعض صحابہ کے عزیز بھی ملوث تھے۔ ضروری تھا کہ اگر

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ـــــ جبکہ ایسے حالات میں اصحاب کی مداخلت اور منافقین کے خلاف اقدام کرنا لازمی تھا؟ ـــــ اتنی وسیع و عظیم خلافتِ اسلامی کے سربراہ۔ خلیفہ کی شہادت تعجب خیز اور حیران کن ہے!

اس فکر میں۔ الدین الاسلام۔ کی بنیادی حیثیت کو زیرِ نظر رکھنا لازمی ہے کہ الدین الاسلام کی بنیادی حیثیت اس قرآنی حکم پر قائم ہوتی ہے۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ۔ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ کے حکم میں ''اَطِیْعُ'' ۔''اطاعت'' ۔ امتِ مسلمہ کے ہر اعلیٰ و ادنیٰ فرد کیلئے۔ ''اطاعت'' کے سوا ـــــ ایک حاکم کی اطاعت کے سوا ـــــ اپنی ذات۔ اپنی مرضی۔ اپنے اختیار و ارادہ کو ساقط کرنا۔ اس حال میں کہ انسان۔ اطاعت۔ میں وہی عمل اختیار کرے۔ اسی عمل کا پابند رہے۔ جو ایک مقتدرِ اعلیٰ سے صادر ہو۔ اسی تصور پر اطیعوا اللّٰہ اللہ کی اطاعت قائم ہوتی ہے۔ اسی تصور پر الرّسول کی اطاعت لازم ہوتی ہے۔ اور اسی تصور پر اولی الامر ۔ رسول کے بعد ایک قائم مقام خلیفہ (خلیفة الرسول) کی اطاعت۔ (بلا سوچے۔ بلا تحقیق) کرنا ـــــ اس حال میں کہ اس عمل کے۔ نتیجہ پر نظر نہ رکھی جائے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق ـــــ عقل ہے محوِ تماشا لبِ بام ابھی

الدین الاسلام میں اطاعت اسی انداز سے ہوتی ہے۔ کہ ایک منتخب خلیفۃ الرسول ـــــ (یا آگے چل کر خلیفۂ اسلام) قرآن و حدیث کے حکم کے مطابق مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ رسول کی اطاعت میں۔ جو کچھ بھی رسول حکم دے۔ اسکی بغیر دلیل۔ بغیر سوچ اطاعت کرو۔ یہ ہستی مستند بلا خطا منتخب ہے۔ اس حال میں کہ اسکے حکم میں خطا ہونا ممکن نہیں۔ ہاں ـــــ بلا خطا ہی امیر ہو سکتا ہے۔ یہی الدین الاسلام کا حقیقی تصور ہے ـــــ نہ رسول سے خطا ممکن ہے نہ اولی الامر سے خطا ممکن ہے! ـــــ

المختصر۔ اسی ضابطہ پر الدین الاسلام میں۔ ایک اولی الامر ـــــ ایک خلیفہ کا انتخاب موقوف ہے ـــــ اسی ضابطہ پر ایک خلیفہ کے انتخاب میں اطاعت کا تصور قائم ہے۔ اسی انتخاب کے تصور پر خلیفہ کی اطاعت میں بیعت کا تصور قائم ہوتا ہے۔ کہ ہر فردِ امت ایک منتخب خلیفہ کی اطاعت پر۔ بیعت کے عمل سے تائید و حمایت کرے۔ یہی صورت ہے۔ کہ ایک خلیفہ کے حکم پر ہر فردِ امت کا اطاعت کرنا۔ جس میں ہر فرد کے ذاتی اختیار و ارادہ کو استعمال کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں۔ کہ وہ ہر حال میں خلیفہ کے حکم کے خلاف اپنی ذات۔ اپنے ارادہ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فوری طور قاتلانِ عثمانؓ کو گرفتار کیا جاتا۔تو خود امتِ مسلمہ میں اختلاف اور فساد پیدا ہو جاتا۔یہ امر بھی منافقین کے حق میں جاتا۔کہ امتِ مسلمہ میں انتشار پیدا ہو کر وحدتِ امتِ مسلمہ میں رخنہ پیدا ہو

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) کو استعمال کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے انتخابِ رسالت میں۔اطاعت کیلئے الدین الاسلام کے اجرأ میں اطاعت پر بیعت کو مشروط نہیں کیا گیا۔اسلئے کہ یہ الـــدیـــن تمام مخلوقِ انسانی کیلئے مقرر ہے۔البتہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد۔الـدین کی ایک منفرد ہئیت قائم ہوئی۔جسکے لئے ایک ''خلیفہ'' کا تقرر ہوا۔اسلئے الـدیـن الاسلام میں۔ایک خلیفہ کی اطاعت میں بیعت کو شرط کیا گیا۔اسی ضابطہ پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے۔حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے انتخاب پر تمام امتِ مسلمہ کی اطاعت کیلئے۔بیعت کے ذریعہ حمایت وتسلیم کا عمل جاری ہوا۔اسی اطاعت کے تصور پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کا یہ فرمان واضح ہے۔کہ آپؐ نے فرمایا۔اگر میں قرآن وحدیث کے مطابق عمل (تمہاری راہنمائی) کروں تو میری اطاعت کرو ــــ ورنہ خلاف کرنے میں میری اطاعت تم پر لازم نہیں ــــ حقیقتاً۔اسلام۔اور خلافتِ اسلامی میں ایک خلیفہ کا انتخاب ــــ خلیفہ کی اطاعتِ کلّی ــــ اور بیعت۔اہم نکات اور ضابطے ہیں۔جو الـدیـن الاسلام۔اور خلافتِ اسلامی کی بنیادی اساس ہیں۔اسی بنیادی تصور پر۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تجزیہ ہوسکتا ہے ــــ

شرائطِ دینی۔شرائطِ خلافت کے مطابق۔ایک خلیفہ کا انتخاب جیسے بیان ہوا۔کہ ایک خلیفہ کے ذریعہ ہی ایک نئے خلیفہ کا انتخاب ہونا مقرر ہے ــــ جو صرف اجرائے الـدیـن الاسـلام کیلئے مخصوص ہے ــــ ہاں! ــــ ابتدائے عہدِ رسالت سے ہی۔حق و باطل کا معرکہ ہوتا رہا ــــ جسکے لئے ہر موقع پر الـدین الاسلام کی۔دینی حیثیت مبدل ہو کر حکمران حیثیت اختیار کرتی رہی ــــ لہٰذا۔جو احکام الـدین کیلئے مخصوص تھے وہ صرف اجرائے الـدین میں استعمال (روبہ عمل) ہوتے رہے۔اور وقت کی ضرورت کے مطابق۔الـدیـن کی حکمران ہئیت میں اجتہادی عمل لازم ہوا ــــ یہی صورت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے الـدیـن الاسلام میں پیش آئی۔کہ الـدیـن الاسلام۔کے تحفظ و استحکام ــــ بلکہ اجرائے دین کیلئے۔اقتدارِ اعلیٰ کی صورت اختیار کرنی پڑی۔اور ہاں! ــــ گو اقتدارِ اعلیٰ کی الدین الاسلام میں ثانوی حیثیت قائم ہوتی ہے۔تاہم چونکہ یہ عمل (قوت) بھی اجرائے الدین الاسلام میں شامل ہوتا ہے۔اسلئے اس عمل میں بھی اطاعتِ خلیفہ۔اطاعتِ احکام۔جن میں قرآن وسنت کے احکام ہی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔اسی تصور پر اس جماعت کو۔ہئیتِ مسلمہ۔یا خلافتِ اسلامی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جاتا۔ خلافتِ اسلامی اندرونی خلفشار کا شکار ہو کر۔ اس کا تحفظ واستحکام متاثر ہو جاتا۔ اسی مصلحت کے مدّنظر ـــــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک اولاً خلافتِ اسلامی کی ساکھ کو بحال کرنا ضروری

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) تصور کیا جاتا ہے ـــــ ایسے حالات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بنا کردہ خلافتِ اسلامی۔ میں ایک حکمران ہئیت کا تصور بھی قائم ہوا۔ یہی خلافتِ اسلامی بعینہٖ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ورثہ میں آئی۔ جیسے خلافتِ اسلامی کی تاریخ میں بیان کیا گیا ـــــ عہدِ رسالتِ حضور صلے اللہ علیہ وسلم میں۔ کفار نے اجرائے الـــدیـــن الاسلام میں شدید مزاحمت کی جسکے لئے اجرائے الدین الاسلام میں اقتدارِ اعلےٰ کی ضرورت ہوئی اور جب اسلام نے اقتدارِ اعلےٰ کے ذریعہ تمام عرب پر غلبہ حاصل کیا۔ تو کفار نے مقابلہ نہ کرنے کی وجہ سے منافقین کی شکل اختیار کی۔ یہ ہئیت کفار کی حضورؐ کی موجودگی میں ظاہر۔ واضح رہی۔ لیکن حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک اعلےٰ منصوبہ کے مطابق عمل کررہے تھے۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی سازشوں کو خاطر میں نہ لاکر انکی سازشوں۔ ریشہ دوانیوں پر انکی سرزنش نہ کی۔ تو خود اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو آگاہ کیا۔ کہ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۔ یہ کفار اب منافقت کا دوسرا رویہ اختیار کررہے ہیں۔ لیکن حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے۔ تدبر کے آگے منافق کامیاب نہ ہوسکے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مواخذہ نہ کرنے کے نتیجہ میں منافقین کھلم کھلا آزادانہ بھی اہل اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ جس پر اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بعض اوقات منافقین کی سازشوں کے نتیجہ میں نقصان اٹھاتے رہے۔ لیکن حکمِ رسول اللہؐ کے سامنے اصحابؓ بھی اطاعت پر خاموش ہوجاتے۔ ایک بار ابی بن خلف رئیس المنافقین کے بیٹے نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے عاجزانہ طور التجا کی کہ اسے اپنے باپ کے قتل کا حکم دیا جائے۔ لیکن حضورؐ نے اجازت نہ دی۔ یہ حالات تھے۔ کہ کفار۔ منافقین کی شکل میں اسلام کی ہئیت مسلمہ کو نیست و نابود کرنے کی کوشش میں ہمیشہ سازشیں کرتے رہے۔ لیکن حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اعلےٰ تدبر کے آگے منافقین کامیاب نہ ہوسکے۔ مگر اندرون ہر موقع پر سازشیں کرتے رہے ـــــ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کے اعلےٰ تدبر و فہم اور اعلےٰ تقویٰ و اعلےٰ صلاحیتوں نے بھی منافقین کو ظاہر شرارتیں کرنے کا موقع نہ دیا ـــــ اسی طرح حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں۔ آپکے عدل۔ اور جلال میں منافقین کو جرأت نہ ہوسکی کہ وہ خلافتِ اسلامی پر کھلم کھلا۔ سازش کرکے اسلامی خلافت کو نقصان پہنچائیں۔ لیکن حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد شام۔ مصر کے منافقین اندرون ایک وسیع طاقت اختیار کرچکے تھے۔ اس حال میں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذاتِ والا۔ بحثیت خلیفہ ایک اولوالعزم ہستی خلیفۃ المسلمین منتخب ہوئے۔ اور اقتدار اعلےٰ کو چلانے میں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تھا۔ جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے مملکتِ اسلامی کے مفتوحہ علاقوں میں ۔ منافقین کے فتنہ کا خطرہ تھا۔ لہذا ضروری تھا۔ کہ حضرت علیؓ مملکت کے تمام علاقوں کا نظم ونسق قائم رکھنے میں

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اعلیٰ تدبر وفہم، صلاحیت کے مالک تھے۔ آپؓ بھی منافقین کی منافقت کو خاطر میں نہ لا کر درگزر سے کام لیتے رہے۔ جسکے نتیجہ میں تمام منافقین نے ملکر حضرت عثمان غنیؓ کی شرافت اور حلیمی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر آپ کے خلاف کھلم کھلا بغاوت شروع کردی۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں۔ محققین اسلام کی تاریخی لغزشوں اور منافقین کی سازشوں کے نتیجہ میں حضرت عثمانؓ کے خلاف جو الزامات لگائے گئے۔ وہ سب منافقین یہود کی خود ساختہ اختراع ہے۔ جس میں محققین اسلام نے بھی بعض الزامات کی تائید کر کے ایک عظیم الشان خلیفۃ المسلمین کو داغدار کرنے کی کوشش کی۔

المختصر۔ آمدم برسر مطلب

منافقین (جنکا تواریخ میں ذکر آیا ہے) نے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی۔ (مثل حضور صلے اللہ علیہ وسلم) درگزر۔ اور منافقین کی سازشوں کو خاطر میں نہ لانے کی بنا پر۔ ایسے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اس بنا پر یہود و منافقین۔ خلافتِ اسلامی کی ہیئتِ مقتدرہ۔ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کردار وعمل سے اچھی طرح واقف تھے۔ کہ اہلِ اسلام ایک خلیفہ کی اطاعت میں شدت سے پابندی کرتے ہیں۔ بلا جرم بلا دلیل کسی سے مزاحم نہیں ہوتے۔ خصوصاً منافقین کے معاملہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق مواخذہ یا مزاحمت میں اپنی ذات سے کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔ اسلئے منافقین نے براہ راست حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف محاذ بنا کر بغاوت شروع کردی۔ اور بنائے فساد ـــــ زیادہ تر ان واقعات کو سامنے رکھا۔ جن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجتہادی عمل سے احکام و اصلاحات جاری کی تھیں۔ چونکہ آپ کا اجتہادی عمل واضح طور جاری تھا۔ اسلئے کہ اس مخالفت میں۔ احکام قرآن وحدیث سے سوا ایسے اجتہادی احکام تھے۔ جن پر منافقین کی مخالفت پر کسی کا اعتراض سامنے آنا بھی نہ ہوسکتا تھا اس لئے منافقین نے محض خلیفۃ المسلمین کے خلاف آپ کی خلافت کے خاتمہ اور آپ کی شہادت کا منصوبہ بنا کر۔ حضرت عثمانؓ سے ہی مجادلہ جاری رکھا ـــ حضرت عثمانؓ منافقین کی سازشوں سے آگاہ تھے۔ کہ منافقین امت میں فساد وخونریزی پیدا کرنے کی کوشش میں تھے۔ اسلئے امت کو اس معاملہ میں شامل نہ رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے۔ کہ منافقین شام ومصر سے انہیں اجتہادی مسائل کو سامنے رکھکر آپؓ کے اقدام کو خلافِ شرع ثابت کرنے کے بہانے سے حضرت عثمانؓ کی ذات پر الزام لگا کر انہیں خلافت (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اپنے فرمان جاری کریں۔اور فراغت پانے پر۔قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کی گرفتاری پر توجہ دیں۔ لیکن منافقین کا اثر غالب آچکا تھا۔اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر دباؤ ڈالا گیا۔کہ وہ فوری طور قاتلانِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے انکے خلاف مقدمہ چلائیں۔

عزیزانِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قریبی عزیزوں میں سے تھے۔ آپ خلافتِ فاروقی میں شام کے گورنر کے عہدے پر فائز تھے۔آپ نے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے قاتلانِ حضرت عثمانؓ کی گرفتاری کا مطالبہ کیا۔اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قاتلانِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فوری طور کاروائی نہ کرنا۔آپؓ کی دیدہ دانستہ لاتعلقی پر محمول کیا گیا۔جسکے نتیجہ میں حضرت علی کرم

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) سے علیحدہ کر کے۔ پھر انتخاب پر ایک فتنہ اور خونریزی کا راستہ نکالنا چاہتے تھے۔لہٰذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تمام اکابر صحابہ کو اور تمام امت مسلمہ کو اسی اطاعت کے عمل پر قطعاً منع کر دیا۔کہ آپؓ خود منافقین سے معاملات طے کر کے فتنہ کو ختم کر دینگے۔لیکن منافقین اپنی جگہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت سے برطرف کرنے کے بہانے شہید کرنے کا منصوبہ طے کر چکے تھے۔ادھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے محض امت مسلمہ اور اکابرین امت کو اس فساد سے دور رکھکر قتل و خونریزی سے محفوظ رکھنے کیلئے۔اپنا حکم جاری کر دیا۔جسکے نتیجہ میں تمام امت اور اصحاب اس ''اطاعت'' کے اصول کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم کے خلاف کسی قسم کا جوابی مقابلہ یا ذاتی اقدام کرنے سے مجبور تھے۔اس امر سے یہ واضح ہوسکتا ہے۔کہ باوجود کثرت سے صحابہ موجود ہونے کے سوائے حضرت علی۔اور امام حسن و حسین علیہم السلام کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس معاملہ میں مداخلت سے مجبور سطحی طور حضرت امامین علیہما السلام کو آپؓ کی حفاظت پر مامور کیا گیا۔لیکن اس امر میں بھی اطاعتِ امیر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سختی سے آپؓ کے معاملہ میں مداخلت کی بنا پر آپؓ کی صحیح طور حفاظت نہ ہوسکی۔جسکے نتیجے میں اتنی عظیم الشان خلافت۔دانا۔اولوالعزم مجاہدین اسلام کے ہوتے۔بےبسی کی حالت میں مجبور آپؓ کیلئے کسی قسم کے تحفظ یا منافقین کو ختم کرنے پر عمل پیرا نہ ہوسکے۔اس حال میں کہ خلیفہ کے حکم پر اطاعت کے نتیجہ میں آپ نے اس سانحہ کے وقوع کو قبول کر لیا۔ ان واقعات میں انتخاب خلیفہ۔اور خلافتِ اسلامی کے اجرأ میں بنیادی عمل۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ۔ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ وَاُولِی الْاَمْرِ کا بنیادی تصور قائم رکھنا لازمی ہوتا ہے۔

اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان نزاع پیدا ہوا ـــــ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کو تسلیم نہ کیا ـــــ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عدم تسلیم کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی ـــــ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلافت کو ''اجرائے رسالت'' (الدین الاسلام ۔ بغیر قوتِ اقتدارِ اعلیٰ) کے بنیادی [1] تصور پر قائم کرنا چاہتے تھے ۔ اسکے مقابل

---

[1] یعنی الدین الاسلام میں ۔ سلطنت (خلافتِ اسلامی) کی ہئیت ہونے کے باوجود مقصدِ خلافت میں ابتدائے طریقِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الدین الاسلام ـــــ عبادات و شریعت کو قائم رکھا جائے ۔ لہٰذا خلافتِ اسلامی میں ۔ شرائطِ خلافت میں ترمیم نہ کی جائے ۔ کہ خلیفہ کیلئے انتخاب خلیفہ میں ۔ ایک فرد کے فہم وتدبر و سیاست ۔ حکمرانی کو الدین کی شرائط پر فوقیت نہ دی جائے ۔ ایسی صورت میں جب دین و عبادت میں ۔ حصول دنیوی کو ۔ شامل رکھا گیا ۔ لازمی طور امت مسلمہ میں ۔ حصولِ دنیا میں توجہ مبذول ہوکر ۔ جذبۂ ایمانی میں ضعف پیدا ہونے سے الدین الاسلام کی ہئیتِ مسلمہ کمزور ہوگی ۔ یہ امر قوت الدین الاسلام میں تنزل کا باعث بنیگا ۔ اسکے برعکس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ۔ فطرۃً ایک مومن کی حیثیت رکھتے تھے ۔ مگر عروج اسلام کے متمنی تھے کہ اسلام کو تادیر وسعت و استحکام حاصل ہو ۔ جسکے لئے انکے خیال میں یہ بات تھی ۔ کہ امت مسلمہ جتنی وسعت پذیر ہوگی ۔ اور اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت ۔ حکمران حیثیت حاصل کرتی جائیگی ۔ جسکا نتیجہ کثرتِ دولت کی وجہ سے ۔ خلفاً متاثر ہونگے ۔ شرائطِ دینی کے مطابق ۔ ایک خلیفہ میں ۔ عبادات وتزکیہ کم ہوتا جائیگا ۔ اگر اسکے ہاتھ میں تلوار نہ رہی تو اقتدار کمزور ہونے کے باعث اغیار اسلام پر غالب ہوجائینگے ۔ نیز دولت کثیر کے نتیجہ میں امت مسلمہ سے بھی عبادات کا جذبہ باقی نہ رہیگا ۔ احتمال ہے کہ عبادت مستقل نہ ہونے کے باعث ۔ اسی دولت کی ہوس میں ۔ امت مسلمہ یا خلفاً ۔ میں ابتدائی جذبۂ اسلامی قائم نہ رہنے کی وجہ سے اسلام ۔ امت مسلمہ فساد وتنزل کا شکار ہوکر اسلامی اقتدار اعلےٰ ۔ اسکے ساتھ ۔ اسلامی ہئیت مسلمہ (اتحادِ اسلامی) اتحاد قومی سے محروم ۔ کسی وقت اغیار کے محکوم ہو جائینگے ۔ یہ تصور ایک مومن ـــــ مدبر ۔ ذی عقل سیاستدان کیلئے لرزہ خیز تھا ۔ اسلئے حضرت امیر معاویہؓ کے نظریہ میں ۔ الدین الاسلام کی وسعت کے ساتھ خلافتِ اسلامی (حکمران حیثیت میں) اپنی قوت بازو کی طاقت سے اسلام کے نام پر ہر زمانہ میں قوتِ اسلامی ـــــ خلافتِ اسلامی ۔ قائم رہ سکتی ہے ۔ ضرورت ہے ۔ خلافت ۔ اور خلیفہ کے انتخاب میں اقتدار اعلےٰ کی ساکھ ۔ ضابطہ کو شامل رکھا جائے ۔ اور شرائط دینی میں ۔ قرآن وحدیث کے احکام کے ساتھ اجتہاد کو شامل رکھکر ۔ ایک خلیفہ کیلئے مومنانہ کردار کے ساتھ ۔ حکمران ذہن ۔ اور سیاستدان ہونا لازم سمجھا جائے ۔ تو ایسی صورت میں اسلامی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اقتدارِ اعلیٰ کے بنیادی تصور پر۔ ذاتی اجتہاد کی صورت میں۔شرائطِ دینی کے ضابطوں سے ہٹ کر ایک خلیفہ کیلئے۔ مدبر سیاستدان۔ صاحب فہم وتدبر ہونا ضروری سمجھتے تھے ـــــ یہ ایک بنیادی اختلاف خلافتِ اسلامی میں ایک خلیفہ کے انتخاب میں پیدا ہوا۔اور یہی بنیادی اختلاف حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ کا اصل سبب بنا۔ جس میں ذاتی مقصد کا کوئی تصور شامل نہ تھا۔سوائے استحکام دین کے۔کہ اسلام کو دوام حاصل ہو۔

درحقیقت حضرتِ عثمانؓ کی شہادت کا بنیادی سبب آپ کا شرائطِ خلافت میں اجتہادی اصلاحات پر عمل کرنے میں امتِ مسلمہ میں اختلاف پیدا ہونا ہی تھا ـــــ جیسا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے احتجاج سے واضح ہے۔کہ آپ نے خلافت میں۔سنتِ نبویؐ۔شرائط دینی سے سوا۔آپؓ کی اجتہادی اصلاحات پر مخالفت کی ـــ اسی طرح بعض صحابہ کا بھی اس امر پر اتفاق نہ تھا۔کہ خلافتِ اسلامی میں۔''اجرائے رسالت'' کو بحال رکھنے کیلئے امورِ خلافت میں اجتہادی اصلاحات وضع کی جائیں۔لیکن ـــ اقتدارِ اعلیٰ کیلئے خلیفہ کیلئے ایسا کرنا ضروری تھا۔کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت سے ہی۔کفارِ مکہ (قریش) کی مزاحمت پر اجرائے دین میں اقتدارِ اعلیٰ (قوت) کو استعمال کرنا پڑا (ضروری ہوا)۔اور اسی بنیادی عمل پر ہی۔ جہاد کی فرضیت نازل ہوئی۔ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ'' وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ج (پارہ۹ سورۃ۸ آیت۳۹) اسی بنیادی نقطہ پر۔آئندہ خلافتِ اسلامی میں۔ایک خلیفہ کے انتخاب اور امورِ سلطنت میں قرآن و حدیث سے سوا۔اجتہادی احکام پر اختلاف پیدا ہوا۔یعنی عہد رسالت میں شرائطِ خلافت میں۔ اجرائے الدین کیلئے ایک خلیفہ کی صفت میں۔خلیفۃ الرّسول کی حیثیت میں۔ایک متقی دیندار۔

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) سطوت دنیا پر وسیع زمانہ تک قائم رہیگی۔یہی وہ نظریہ تھا۔جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نظریہ سے تصادم رکھتا تھا۔کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جانتے تھے۔کہ ان شرائطِ دینی کے تحت خاندانِ رسالت خلافت کے مستحق ہو سکتے ہیں اور شرائط دینی ہوتے ہمارے نظریہ کے مطابق انتخاب ہونا ممکن نہیں سوائے مصالحت کے۔جو حضرت حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسینؓ کے واقعہ میں رونما ہوئی۔

صاحبِ عمل ہونا لازمی تھا۔اوراب اجرائے الـــدیـــن کے ساتھ استحکام ریاست ۔مفتوحہ ممالک کی حفاظت واستحکام کیلئے ۔ایک خلیفہ کی صفت میں ۔ایک مدبر سیاستدان ۔صاحبِ تدبر حکمران صلاحیت کومقدم رکھنالازمی تھا۔جسکے لئے قرآن ۔سنت نبویؐ سے سوا۔زمانہ اوروقتی ضرورت کے تابع ۔جبکہ خلافت اسلامی یاحکومت وسلطنت کے استحکام کیلئے ۔قرآن وحدیث سے احکامات اورضوابط حکومت میسر نہ ہوں (محض حکومت چلانے کیلئے ) قوانین واحکام کیلئے (اولی الامر ــــ خلفاً میں اجتہادی صلاحیت پر )احکام وضع کئے جائیں ۔جیسے بعدزمانۂ خلافت اموی ۔عباسی ۔عثمانی ترکی کے دور میں ۔علمائے امت نے الدین میں عقائد( بمطابق قرآن وسنت )وضع کر کے دین اسلام (اسلامی علوم ) ۔اورقوانین مرتب کئے۔

حضرت علیؓ کی خلافت میں ۔آپؓ کا ''اجرائے رسالت'' کیلئے سنتِ نبویؐ ۔طریقِ صدیقیؓ کے مطابق عمل کرنا ــــ اوردوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اجتہادی عمل کے مطابق خلافت چلانا۔اورشرائطِ دینی ــــ شرائطِ خلافت ــــ سے علاوہ ایک خلیفہ کے انتخاب میں ۔ایک فرد کیلئے ۔ایک مدبر سیاستدان ۔صاحبِ فہم وفراست ۔ انتظامِ امورسلطنت میں حکمران ذہن کا مالک ہوناضروری سمجھا گیا۔یہ اسلئے کہ خلافتِ اسلامی ایک حکمران سلطنت کی ہئیت حاصل کر چکی تھی ۔اسلئے اس سلطنتِ اسلامی کے تحفظ وبقا کیلئے ایک مدبر سیاستدان فرد کا انتخاب لازم تھا ــــ اس حال میں کہ شرائط دینی کے تحت ایک فرد (خلیفہ ) میں مومنانہ صفاتِ عبادت ۔تحفظِ خلافتِ اسلامی کیلئے کافی نہ ہوسکتی تھیں ۔ جب تک ایک خلیفہ میں حکمران صلاحیت اورتدبر وسیاست کی خصوصیات موجود نہ ہوں خلافت کیلئے موزوں نہیں سمجھا جاتا تھا۔اسی بنیادی نظریہ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اورحضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ۔ انتخاب خلیفہ پر اختلاف ۱؎ شدت اختیار کر گیا۔ایک طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حمایت میں

---

۱؎ تاریخ اسلام میں ۔اس تاریخی واقعہ میں ۔بے حد مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا۔یہاں تک کہ اسلامی محققین نے (جنکی تاریخ میں سند (تصدیق ) کی جاتی ہے ) ــــ روایات پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بیشتر صحابہ آپ کے نظریہ کے حامی تھے۔جن میں اکثر صحابہ، متقی صاحبِ علم لوگ شامل تھے۔دوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں بھی کئی صحابہ آپ کے نظریہ ۱؎ اجتہاد کے حامی

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اولوالعزم اصحاب وتابعین پر واقعات کو بلا تجزیہ وتحقیق۔انکے ناقص عمل کی تائید وحمایت کی جسکے نتیجہ میں۔حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتی شخصیت کو داغدار کیا گیا۔جس سے خود اسلام کی عظمت متاثر ہوتی ہے۔

بعض تاریخی روایات پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولوالعزم ہستی پر بھی بہتان عائد کئے گئے اور (بعد زمانہ شیعہ فرقہ نے محض عناد کی بنأ پر۔اور اہل اسلام تاریخ دان نے بھی) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کردار پر شدید الزامات عائد کر کے۔(قوم اموی پر) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مخالف الزامات عائد کر کے ـــــ اسلام کی عظمت کو داغدار ثابت کیا۔

درحقیقت۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ کے اختلافات اور محاذ آرائی پر ـــــ تاریخ اسلامی کے بنیادی حقائق پر کسی محقق۔کسی مورخ۔کسی عالم نے قرآن وحدیث کے بنیادی نکتہ الـدیـن الاسـلام ـــــ اِنَّ الـدِّیْـنَ عِـنْـدَ الـلّٰـهِ الْاِسْلَامُ کے حقیقی مفہوم کو زیرِنظر ـــــ شامل نہ رکھا جس وجہ سے۔تاریخ اسلام میں۔اسلام کی مقدس واولوالعزم ہستیوں کے خلاف غلط گھناؤنے تصورات پیدا کر کے۔اسلامی عظمت کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی۔نعوذ باﷲ من ذالک

حقیقت ہے۔کہ تاریخ اسلامی کی بنیاد۔قرآن سے واضح ہے۔اور قرآن اللہ تعالیٰ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

---

**حاشیہ صفحہ ھذا** ۱؎ ان اصحاب میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی۔جو ایک عظیم محدثہ ومجتہدہ کا مقام رکھتی تھیں۔حضرت امیر معاویہؓ کی حامی تھیں۔چنانچہ آپؓ معرکہ جمل میں شریک ہوئیں۔اور آپ کی معیت پر ہی یہ معرکہ ''جنگ جمل'' سے موسوم ہوا۔آپؓ کا حضرت امیر معاویہ کی حمایت میں ''جنگِ جمل'' میں شریک ہونا۔محض ایک اجتہادی نظریہ کے تحت تھا ـــــ وہ یہی کہ ایک خلیفہ کے انتخاب میں۔سیاست وتدبر مقدم رکھا جائے۔دوسرے شرائطِ خلافت میں۔اقتدارِ اسلامی میں اجتہاد پر خلافتِ اسلامی کے امور طے کئے جائیں ـــــ اسکے سوا اور کوئی وجہ سامنے نہیں آتی۔جس بنأ پر ایک عظیم المرتبت ام المومنین تربیت یافتہ زوجۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ایک اولوالعزم دامادِ رسول۔اور صاحبِ علم وحکمت۔محبوبِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف محض خلافت کے حصول میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیتیں ـــــ یہ اس لئے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو۔امتِ مسلمہ کی ایک عظیم۔صاحب علم محدثہ اور مجتہدہ۔تسلیم کیا گیا ہے۔

تھے۔کہ خلافت میں۔خلیفہ کے انتخاب میں۔شرائطِ دینی سے علاوہ اقتدارِ اسلامی کے نظم ونسق۔اور تحفظ ووسعت قائم رکھنے میں۔ایک مدبر سیاستدان فرد کا تقرر مقدم رکھا جائے ــــ نتیجہ اس اختلاف

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) کی ہدایت وفلاح کی ضامن ہے۔جس کی قرآن خود ضمانت دیتا ہے۔مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ لا هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ○ (پارہ۲۹ سورۃ ۶۷ آیت۳) ــ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط (پارہ۲۱ سورۃ ۳۰ آیت۳۰)۔تم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کسی قسم کا نقص نہ پاؤ گے۔تم کائنات خلقت کی کسی تخلیق میں ــــ قانونِ فطرت کے خلاف کسی قسم کا نقص ثابت نہ کرسکو گے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو۔آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی پیغمبرانہ۔راہنمائی۔اور رسالت میں۔مخلوقِ انسانی کیلئے بھیجا ــــ اس حال میں۔کہ قانونِ فطرت کے مطابق۔کائنات کا ایک ذرہ بھی۔رسول اللہ کی راہنمائی میں۔ذرہ بھر قدم اٹھانے میں مجبور ہو ــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ''عقل کل'' کی حیثیت رکھتی ہے۔آپؐ کی ذات سے غلطی کا کسی موقع پر احتمال نہیں ہوسکتا۔آپ کی ذات سے راہنمائی کا جو بھی عمل ہوا ــــ اس میں کبھی۔غلطی ــــ رخنہ ــــ (غلط نتیجہ) کا امکان نہیں ہوسکتا ــــ اسی طرح آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے منتخب کردہ۔اصحاب (دوست) آپ کی صحبت وتربیت میں آنے والی اولوالعزم ہستیوں سے کسی۔علمی ــــ عملی غلطی۔کا تصور ــــ خود ذاتِ الٰہی کی وحدانیت میں نقص نکالنے کے مترادف ہے۔خصوصاً جو اعلانیہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مسلمہ نامزد ملکوتی ہستیاں تسلیم شدہ ہیں۔انکے کردار وعمل پر حرف لانا کفر کے برابر ہوسکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ عالی ہو۔یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات عالی ہو۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذاتِ عالی ہو جن ہستیوں کے متعلق۔ان اصحاب کی ذاتی۔علمی۔عقلی خصوصیات کی قرآن میں خود اللہ ــــ اور اللہ کے مقبول محبوب (مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی ع) کی سنددی ہے ــ انکے کردار پر حرف لانا۔گویا اللہ کی۔رسول اللہ کی عظمت پر حرف لانا ہے ــــ محمدؐ رسول اللہؐ۔کے اصحاب۔عزیز ــــ تابعین۔رسول اللہ کے ساختہ ــــ تربیت یافتہ کے خلاف۔انکے کردار وعمل کے خلاف ایک ذرہ بھر نکتہ چینی۔رسول کی عظمت پر حرف لانا ہے۔

تاریخ اسلام میں بھی۔اگرچہ محققین ومورخین نے۔خلفائے اربعہ میں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔یا حضرتِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ۔یا اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان والا میں کسی قسم کی خلاف شریعت محمدیؐ ایک ذرہ بھر نقص پیدا کیا۔گویا یہ اسکی بدباطنی پر محمول کیا جاتا ہے۔اور یہ مورخین کی بھی۔ناقص علمی ہے۔کہ انہوں نے قرآن وحدیث اور نسبت رسول اللہ میں تاریخ اسلامی میں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کا یہ ہوا۔ کہ امت مسلمہ دو نظریات میں تقسیم ہوگئی۔ صحابہ کی ایک کثیر جماعت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت تسلیم کی۔ اور دوسری طرف صحابہ کی ایک کثیر جماعت نے حضرت امیر معاویہؓ کے

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ایسے غلط واقعات میں اسلام کی شان کو داغدار کر دیا۔ یہ امر بھی۔ اجرائے قرآن میں نقص پیدا ہونے کا سبب بنا ہے۔

یہ حقیقت ہے۔ اسلام کی بنیاد تاریخ اسلام پر ہے ــــ تاریخ اسلام کی بنیاد ــ قرآن ــــ قرآنی تاریخ ہے۔ قرآن۔ حق ہے ــــ جنہوں نے قرآن۔ تسلیم کیا۔ قرآن ــــ اور محمد رسول اللہؐ کی راہنمائی میں۔ ان سے غلط عمل کا تصور ممکن نہیں۔ سوائے اسکے کہ واقعات وحقائق کو غلط۔ روایت ــ تحقیق و تجزیہ سے پرکھا ہو ــــ

قرآن کے نزول میں۔ قرآنی علم ــــ یا بعثت۔ نبی۔ یا رسول پر۔ رسول سے کسی غلط فہمی ــــ کسی غلط علم ــــ لاعلمی۔ حال و مستقبل کے قول وفعل میں۔ نقص یا خامی ممکن نہیں ــــ رسول کی صحبت۔ تعلق ــ قول و فعل۔ حال و مستقبل پر فیصلہ ــ رسول کے کسی قول وفعل میں نقص نبوت و رسالت کی نفی تصور کی جاتی ہے ــــ انہیں حقائق پر۔ تاریخ اسلام ــــ یا اسلام ــــ یا الدین الاسلام ــــ کا حقیقی تصور قائم کرنا ہے۔

قرآن۔ اللہ تعالیٰ کی منشا پر مخلوقِ انسانی کی فلاح ونجات کے لئے نازل ہوا جس پر اللہ نے دعوے کیا۔ کہ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰهِ ط (پارہ ۱۱ سورۃ ۱۰ آیت ۶۴)۔ قرآن کے حقیقی حقائق میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوسکتا ــــ قرآن عرب میں نازل کیا گیا ــــ قرآن مکہ میں نازل ہوا ــــ قرآن حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ذریعہ پیش کیا گیا ــــ قرآن ذریت بنی اسمٰعیلؑ ــــ قوم قریش وہاشمی پر نازل ہوا۔ قومِ قریش عرب۔ اور عربی کلام ــــ عربی طرزِ زندگی کے حامل۔ کسی حد تک عرب معاشرہ میں رہنے والے لوگ۔ دنیا کے مختلف معاشروں سے ایک مخصوص معاشرہ۔ تہذیب وعلم کے لوگ۔ تھے۔ جنکے معاشرے کے مطابق قرآن بھی اسی معاشرے کے مطابق نازل ہوا ــــ یہ قوم پاکیزہ معاشرہ سے ناآشنا۔ اللہ کی ہدایت وراہنمائی پر چلنے پر تیار نہ تھی۔ اللہ نے قرآن کی شکل میں ایک پاکیزہ معاشرے کا ضابطہ قومِ قریش کیلئے بھیجا ــــ جسکے لئے ایک اولوالعزم۔ نبی کو رسول۔ راہنما حیثیت میں بھیجا ــــ کائنات فطرۃ کی مطابقت کرو ــ فلاح پاؤ گے ــــ اسکا طریق یہ ہے۔ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ (پارہ ۲۸ سورۃ ۵۹ آیت ۷) ــــ یہ میرا فرستادہ منتخب رسول ہے ــــ اسکے ذریعہ ہی۔ جو میں کہوں اسے مانو ــــ یہ قوم ذریتِ اسماعیل سے تھی ــــ آزاد تھی۔ اپنا خود ساختہ معاشرہ اختیار کیا تھا۔ جو جی میں آئے کر گزرے۔ اپنی بات منوانے میں سینکڑوں سال خونریزی پر آتے رہے ــ مگر اب اللہ واحد القہار کا حکم نازل ہوا۔ بعض نے قبول کیا۔ عادت تھی ــ بعض نے انکار کیا ــ مخالفت کی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نظریہ کی حمایت میں۔ آپ کا ساتھ دیا۔ حضرت امیر معاویہؓ اس وقت شام کے گورنر تھے۔ لہٰذا۔ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ـــــ جسکے نتیجہ میں۔ دو مقرب

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ـــــ جنہوں نے تسلیم کیا۔ تو صرف فرمایا۔ عقلمندی کے ساتھ! ـــــ مانیگے تو اللہ کا ہی حکم مانیگے ـــــ رسول نے یہی کہا اللہ کا حکم مانو! ـــــ ایسا مانا ـــــ جیسا کہ ماننے کا حق ہوتا ہے ـــــ اس حال میں رسولؐ کی عظمت تسلیم کرنے کے باوجود ـــــ یا رسول اللّٰہ کیا یہ آپکا حکم ہے؟ ایک واقعہ حدیث کی شکل میں مثال دی جاتی ہے!۔ ایک (صحابیہ نو مسلم) کا ایک صحابی سے رشتہ کیا جاتا ہے ـــــ عورت یہ رشتہ نہیں مانتی ـــــ اصحاب حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے عورت کے انکار کے متعلق عرض کرتے ہیں۔ حضورؐ اپنی رائے ظاہر فرماتے ہیں ـــــ صحابی مومن ہے (غالباً شکل وصورت میں پسند نہ ہو)۔ عورت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنتی ہے۔ تو حضورؐ کی خدمت میں عرض کرتی ہے:۔

یا رسول اللہ میری شادی میں آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) کا حکم ہے۔ کہ اللہ کا؟ یعنی شادی قبول کرنے میں اللہ نے حکم دیا ہے۔ تو اللہ کا حکم ہر حال میں قبول کرنا لازم ہے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم پر تسلیم وعمل میں ہم پابند نہیں کہ مانا جائے ـــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حکم نہیں مشورہ ہے۔ جہاں تک تعمیل حکم کا تعلق ہے۔ اللہ کا حکم تسلیم کرنا فرض ہے۔ مگر (آپکے حکم سے) انکار کیلئے ہم پر پابندی نہیں ـــــ البتہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے آگے۔ آپؐ کا حکم بھی واجب تسلیم ہوسکتا ہے۔ لہٰذا عورت نے عظمتِ رسول پر تسلیم کیا رشتہ قبول کیا ـــــ یہ ایک واقعہ خود امت (عبد) کا ہے۔ جسکے لئے ایسی قباحت پر کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم خود راہنما ہیں۔ جنکی اطاعت لازمی ہے۔ وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ ـــــ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ ـــــ امت کیلئے الدین الاسلام میں ہر صاحبِ حکم کا ذاتی حکم تسلیم کرنا بھی واجب ہے ـــــ اسلئے قرآن نے رسول کی راہنمائی کے مدنظر مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ۔ اطاعتِ حکم میں شدتِ اطاعت میں۔ اطاعت کا پہلو واضح کر دیا۔

یہ وہ قوم قریش ہے۔ جنہوں نے ہٹ دھرمی پر انکار شدت سے کیا۔ اور وہ بھی ہیں۔ جنہوں نے اطاعت پر کائنات کی کسی محبوب سے محبوب ترین شے کو خاطر میں نہ لایا۔ نہ پروا کی۔

جنہوں نے تسلیم کیا انہوں نے شدت کے ساتھ حکم رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۸ آیت ۱۸) اللہ راضی ہوا۔ ان جانثاروں سے۔ جنہوں نے مکہ کے ہتھیار بند وحشیوں سے۔ نہتے ہاتھوں (عمرہ میں) قتال میں۔ دیوانہ وار قتل ہونے میں حکم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دستِ مقدس پر اپنی جانوں کو بیچ ڈالا ہاں! (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان انتخابِ خلیفہ۔ اور خلافت میں محض ایک نظریہ کے اختلاف پر ایک عظیم معرکہ رونما ہوا۔ کہ ایک وحدت دو فریق میں بٹ گئی۔

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) مکہ۔ مدینہ۔ کے ان جانثاروں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذاتِ عالی نے سانپوں کے سوراخوں پر اپنی ایڑیاں رکھدیں۔ مکہ کے کفار نے کلمۂ محمد رسول اللہؐ کہنے پر مار مار کر بے ہوش کر دیا ـــ ہوش آیا۔ تو پوچھا محمد صلے اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں؟ یہی حال ہر اصحاب رسول اللہ کا ہے کہ اللہ کے دین۔ دینِ رسول اللہ پر۔ اپنی جانیں۔ اپنے عزیز و اقارب۔ اپنے مال کی قربانی ہیچ سمجھکر۔ دین رسول اللہ کی بقا و استحکام کے جذبہ میں۔ کسی قسم کی قتل و غارتگری کو خاطر میں نہیں لاتے۔ محض بقائے دین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مقصود ہے ـــ دنیا ـــ دنیا کے محققین۔ بر افعل تصور کرتے ہیں۔ مگر یہ جانثاران رسول اللہ ہیں جو ناموسِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے اپنے ماں باپ۔ اپنا بیٹا اپنی۔ ماں ـــ بیوی کو قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے ـــ مسجد نبوی میں ایک بار مجلس نبوی میں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ (میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں) تشریف فرما ہیں ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن جہاد کے واقعات سناتے ہیں۔ ابا جان جہاد میں کبھی آپ میری تلوار کی زد میں آتے تو میں درگزر کر جاتا ـــ حضرت ابوبکرؓ جذبات میں آ کر جھنجلا کر فرماتے ہیں۔ اللہ کی قسم اگر تم میری زد میں آتے تو میں تمہیں قتل کئے سوا نہ چھوڑتا۔ جو عاشقِ رسول۔ ناموسِ رسول اللہ پر مر مٹنے والا ہو۔ وہ ہزاروں جانیں لینے سے کب خاموش بیٹھا رہتا ہے ـــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا قانون ہے۔ حدیبیہ میں حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ اڑی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شہادت کو قانونی حیثیت دیکر۔ جہاد کا حکم دیا یعنی فرمانِ رسول اللہ کے مطابق۔ اگر مومنوں میں سے۔ کفار سے ایک فرد انسانی کا قتل ہو۔ تو مومنوں پر جہاد واجب ہوتا ہے۔ خواہ نہتا ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں دنیا میں لاکھوں مسلمان کفار کے ہاتھوں قتل ہوتے ہیں۔ تو مسلمان مصلحت پر اتر آتے ہیں۔ تو ایسے جذبہ پر اللہ کی نوید ہے فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۲۴) انتظار کرو کہ اللہ تم پر ایک شدید عذاب نازل کرے جس عذاب سے تم بچ نہیں سکتے۔ ایسی صورت میں مسلمان کیلئے قیامت تک سوائے پریشانی کے سکون میسر نہیں ـــ واضح الفاظ میں اس نکتہ کو بیان کیا جاتا ہے ـــ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عظمت کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے علے الاعلان بیان فرمایا۔ اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا ـــ ہمارے سینۂ مقدس میں اسرار و حکمت کا خزانہ ہے۔ علیؓ اس حکمت کے وارث ہیں۔ ہمارے وارث ہیں ـــ ہماری حکمت علیؓ کے ذریعۂ مخلوق انسانی کو عطا ہوگی ـــ جانو۔! ایسی عظیم المرتبت سے۔ کسی فاش غلطی کا الزام۔ یقیناً کفر سے تعبیر ہوتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذاتِ والا کا محض تخت حکومت ـــ ''خلافت'' کے لالچ میں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان شدید نزاع۔ اور آپس کے اختلاف میں۔ جنگ کی نوبت آنا۔ جبکہ دینِ اسلام میں ہر دو اصحاب کا مقام بلند تھا۔ اور ہر

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) مخلوقِ انسانی کا قتل کرنا ـــــ جیسے خود اللہ کا ـــــ نعوذ باللہ کلمۂ کفر کہنے کے مترادف ہوسکتا ہے ـ کسی ملک کی ذلت و پستی کی بنا ـ حکومت کا آئین ـ و قانون ـ عدلیہ ـ انتظامیہ ـ اور دیگر اربابِ اختیار کا ذاتی غیر مہذب کردار ـــــ اس قوم کی پستی کا سبب ہوتا ہے دشمن انہیں حربوں سے کسی ملک میں انتشار پیدا کر کے ـ ملک میں افتراق و شکست کے آثار پیدا کرتا ہے ـــــ تاریخ اسلامی کا مطالعہ کرنے سے واضح ہے ـ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت میں ـــــ ایک تنِ واحد کے ھُدٰی ـــــ قانونِ الٰہی کی تبلیغ و اشاعت میں ـ کفارِ عرب جھنجلا گئے ـ جان گئے ـــ اس قرآنِ عظیم کے نفاذ پر ـ کفار عرب کی غیرتیں ـ عزتیں ـ مسمار ہو کر رہاری ـ شیطانی قوتیں فنا ہو جائینگی ـ ہاں انہیں اِس قوت عظیم کے ساختہ ـ عدل ـ نظام ـ اور پاکیزہ کردار ـ قوتوں کے غلبۂ اقتدار کا واضح شکل و تصور نظر آ رہا تھا ـ وہ اس قوت کا کسی قوت کے ذریعہ مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکتے تھے سوائے اسکے ـ ’’تکذیب‘‘ ـــــ جھٹلانا ـ آئین کی حیثیت بے قیمت بنانا ـــ کردار کو غلط بنانا ـــــ ایسے حربے تھے ـ کہ مخالفین اسلام ـــــ اسلام کی پاکیزہ ہیئت و حیثیت کو غلط انداز میں پیش کر کے ـــــ اسلام کی ہیئتِ مسلمہ کو پارہ پارہ کر دیں ـ

تاریخ میں آپ کے اصحاب ـ خلفاً کے زمانہ کا تصور شامل رکھنا ضروری ہے ـ کہ کفارِ عرب میں ـ مخالفین اسلام میں ـــ قریش ـ جو اپنی علمی قوت میں اعلےٰ مقام رکھتے تھے ان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی صاحب علم و فقہ ہستی تھے ـ جو قرآن عظیم جیسی کتاب عظیم کو سمجھنے والی ہستی تھے ـ ان میں حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) جیسی بہادر ـــ جرنیل ـ صاحب علم و فقہ ہستی تھے حضرت عمر ابن العاص (رضی اللہ عنہ) دنیا کے عظیم سیاستدان ـ عظیم سیف اللہ حضرت خالد بن ولیدؓ ـ ابوجہل ـــ ابوالحکم ـ جیسی ہستیاں موجود تھیں ـــــ ان میں کفارِ عرب کے وہ غیور قومیں تھیں ـ جو ایک جانور کے پانی پینے پر نہ ختم ہونے والے جھگڑے پر سالہا سال کی خونریزی سے نہ تھکتے تھے ـ بالآخر یہی قوم ـــ تھک کر اپنی لڑکیوں کو دینے پر آمادہ ہوئے ـــ اپنی دولت قربان کرنے پر تیار ہو گئے ـ اپنی عزت ـ اپنی غیرت پیش کر کے غلام بننے پر تیار ہو گئے ـــ یہ سب صرف اس لئے ـ کہ قرآن قانونِ الٰہی ـ ان پر مسلط نہ کیا جائے ـ کفارِ عرب ہر سطح پر غلامی قبول کرنے پر تیار ہو گئے مگر قانون اسلامی (قرآنی آئین) قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے ـــ لہٰذا کفارِ عرب کی یہ مخالفت برابر مقابل رہی ـ کہ کسی طرح اسلامی سطوت ـ جو لوگوں کے دلوں پر مسلط ہو جاتی ہے ـ اس حربہ کو بے اثر کیا جائے ـــ تاریخ کا تجزیہ کیا جائے ـ یہ ایک عالمگیر انقلاب تھا جو تمام عرب و عجم میں پھیلنے والا تھا ـ جس سے ـ نصاریٰ ـــ یہود بھی متاثر ہونے والے تھے لہٰذا ـــ نصاریٰ ـ یہود (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دو اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقرب مانے جاتے تھے۔اس واقعہ پر عمیق تجزیہ کی ضرورت ہے۔کہ آیا۔ان دو اصحاب اور انکے حامی کثیر جماعتِ صحابہ کس حد تک اپنے عمل میں۔حق پر تھے ۔۔۔

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) نے۔بڑھ چڑھ کر کفار عرب کا مخالفت اسلامی میں ساتھ دیا جانو یہ قومیں۔روزِ اول سے ۔۔۔ اس قانون الٰہی کے مقابل ہوئے۔قوم بنی اسرائیل میں کفار نے انبیاءؑ کے دین اسلام کی مخالفت کی۔انہیں قتل کیا۔اور جب اسلام۔دین محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کا موقع آیا۔یہود و نصاریٰ عرب کی مظلوم دنیا پر چھا کر۔بہت قوت حاصل کر چکے تھے۔تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عروج۔اور اپنی فنا و پستی کا خاکہ انکی نظروں میں آیا ۔۔۔ تو یہود منافقین نے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے دور رسالت سے ہی مخالفت شروع کی۔یہود خصوصاً۔تجارت۔مال و دولت ۔طاقت اور علم و عقل و شعور میں عرب میں۔مخلوقِ انسانی پر غالب تھے۔انہوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اسلام میں فتنہ و فساد۔شروع کر دیا۔تاکہ مثل سابق نبیؑ اور امت محمدی کو زک پہنچائیں مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے مقابلہ میں انہیں کامیابی حاصل نہ ہوسکی تاہم باقی قبائل عرب۔کفار قریش کے ساتھ مل کر اندرون سازش میں مصروف رہے۔مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فہم و تدبر اور اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔خصوصاً حضرت ابو بکر صدیق۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں انہیں اسلامی عظمت و جلالِ صدیقی۔جلالِ فاروقی میں کھلم کھلا دین اسلام کی مخالفت کی جرأت نہ ہوسکی اس دوران۔خلافتِ فاروقی میں۔الدین الاسلام کے ساتھ۔خلافتِ اسلامی نے سلطنت کی حیثیت اختیار کر کے کئی عظیم قوتوں کو زیر کر کے قوی قوت حاصل کی۔لیکن۔کفار عرب۔نصاریٰ خصوصاً یہودی اسلام کی یہ سربلندی اور وسعت برداشت نہ کر سکے انہوں نے سیاسی حربہ کے ساتھ منافقانہ حیثیت سے اسلام میں فساد و بغاوت کے آثار پیدا کر دیئے۔یہودی فطرتاً مفتن تھے انہوں نے علمی حیثیت میں عقائد کے اختلاف کو سامنے رکھکر اسلامی قوت میں نفاق و فتنہ کی سازشیں کر کے ہئیت مسلمہ میں رخنہ کے آثار پیدا کر کے۔اب منافقانہ طریقہ پر۔دینی عقائد کی آڑ میں کھلم کھلا بغاوت شروع کر دی۔افسوس کی بات ۔۔۔ اسلام میں۔قرآن و حدیث کے بعد اجتہاد کا عمل شروع ہوا ۔۔۔ یہ نہایت نازک زمانہ تھا۔جس سے یہود کو بہت کامیابی حاصل ہوئی۔افسوس کہ مورخین اور محققین اسلام میں۔تاریخ اسلام مدون کرتے وقت اس نزاکت وقت کا احساس نہ ہوا۔اور لاعلمی میں۔اکابرین اسلام ۔۔۔ صحابہ۔اور خلفائے اسلام کو بلا جواز فتنہ میں ملوث کر کے اسلام اور اولوالعزم ۔اصحاب کے کردار کو داغدار بنا کر اسلام کی عظمت کو مسخ کرنے کا موقع دیا۔ان واقعات میں۔جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آپ نے اجتہاد کو خلافت اسلامی میں شامل کیا۔وہ محض۔خلافت اسلامی۔اقتدار اعلیٰ کی حکمران ہیئت میں وقتی تقاضوں کے تحت (اجتہاد) ضروری تھا۔اسی بنیاد پر حضرت عثمان رضی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جیسا گزشتہ بیان ہوا۔ کہ مسئلہ اصل انتخابِ خلافت کا ہے۔ کہ از روئے قرآن وحدیث ـــــ از روئے سنتِ نبویؐ۔ خلیفہ کا انتخاب "کس غرض سے" ـــــ اور کس "بنیادی اصول"۔ پر ہوتا ہے ـــــ

اس مقام پر چند حقائق پر بہ نظرِ عمیق غور کرنا ضروری ہے۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لیکر جنگ صفین تک واقعات میں۔ خلافتِ اسلامی میں اختلاف کا بنیادی سبب کیا تھا ـــــ اس موقع پر مورخین نے جو تاریخ ترتیب دی ہے۔ انہوں نے تاریخ کی تدوین میں واقعات کو سطحی نظر سے تحقیق میں لاکر بنیادی اسباب پر نظر نہیں ڈالی۔ وہ ہے۔ خلافت کا بنیادی تصور ـــــ

یعنی کائنات یا مخلوق پر کسی شخصیت کو حاکمیت کا حق حاصل نہیں۔ سوائے ایک خالق احکم الحاکمین کے۔ کہ وہ کائنات۔ اور انسان کا خالق ہے۔ باقی مخلوق عبد (غلام) کا درجہ رکھتی ہے۔ اس اعتبار سے حاکمیت اللہ کو لازم ہے۔ اسکی حاکمیت میں کسی بندے کو انتخاب کا حق حاصل نہیں۔ اللہ کی یہ حاکمیت تا ابد قائم رہیگی۔ ایسی صورت میں انسان ہر حال میں عبد (غلام) کی حیثیت میں رہنے کا

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اللہ عنہ کے عہد خلافت میں۔ ماسویٰ قرآن وحدیث خلافت میں الدین الاسلام ـــــ شریعت (قرآن وحدیث) کے دائرہ میں ضروری احکام واضح کرنے کی ضرورت پڑی جو اجتہاد کی شکل میں رائج کرنے کی ضرورت پڑی ـــ ایسے احکام (جو صرف شریعت اسلامی کیلئے استعمال کئے جاتے تھے) کو خلافِ قرآن و سنت سمجھکر۔ امت مسلمہ (صحابہ) نے اختلاف کیا۔ اسی اختلاف سے فائدہ اٹھاکر۔ کفار عرب۔ یہود نے۔ امت مسلمہ میں۔ منافق بن کر ان خلفاءؓ کے خلاف امت مسلمہ میں افتراق پیدا کر کے وحدت اسلامی میں تفرقہ پیدا کر دیا۔ اور خود بے معنی۔ اور منافقانہ اعتراض اٹھا کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف غلط واقعات منسوب کر کے۔ اہل ایمان میں تفرقہ کی شکل پیدا کردی۔ درحقیقت یہ حقیقی واقعات نہیں۔ جو ان خلفاءؓ۔ حضرت عمرؓ کا جبر۔ حضرت عثمانؓ کے متعلق خلاف سنت افعال اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کیلئے جنگ اور لشکر کشی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خلافت کے حصول کیلئے۔ یزید کے ساتھ جنگ کرنا۔ ایسے واقعات کو تاریخ میں۔ بلا تحقیق۔ بلا تصدیق۔ بلا حقیقت جگہ دی گئی۔ جس میں خود امت مسلمہ تائید کرنے پر مجبور ہے۔ یہ حقیقتاً عظمتِ اسلام کے ساتھ ایک ظلم عظیم ہے۔ جس سے اسلام کے دوام میں قرآن وحدیث۔ کی پیشگوئیوں کی تکذیب کی جاتی ہے۔

پابند ہے۔دوسری نوعیت ـــــ رسول کی ہے ـــــ کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی طرف سے انسانوں میں سے کسی فرد کو منتخب (مصطفیٰ) کر کے حاکم بنا کر اسکی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔لہٰذا بندے پر رسول کی اطاعت لازم ہے۔جس میں بندہ رسول کے کسی فعل پر۔نہ سوال کرنے کا حق رکھتا ہے نہ اعتراض کرسکتا ہے ـــــ تیسری نوعیت۔رسول اپنی امت میں سے کسی فرد کو بحثییت حاکم منتخب کرتا ہے ـــــ لہٰذا ایسے فرد پر کسی شخص کو اسکے فعل پر نہ اعتراض کرنے کا حق ہے۔نہ افرادِ امت کے ذریعہ ایسے فرد کا انتخاب لازم ہے ـــــ اب رہا سوال ''حاکمیت''۔کا کیا تصور ہے؟

''اللہ کی حاکمیت'' ـــــ وہ خالق ہے۔اور بندہ مخلوق ـــــ خالق کو مخلوق پر فطری طور حاکمیت کا حق حاصل ہے۔کہ بندہ اس کی ملکیت ہے ـــــ یہ حاکمیت کا حقیقی پہلو ہے ـــــ کہ بندہ (انسان) خالق کی مِلک ہوتے ہوئے اپنی مرضی اپنے اختیار سے کوئی قدم اٹھا نہیں سکتا ـــــ حاکمیت کا دوسرا پہلو ''ھـــدیٰ'' کا ہے ـــــ یعنی حاکم کا حکم ماننا ـــــ لیکن اس حکم میں ''ذات''۔کا واسطہ نہیں ـــــ کہ میرا حکم مانو۔نہیں!۔بلکہ کائناتِ فطرۃ میں جو نظام اس نے تخلیق کیا ـــــ اسکے بگاڑنے میں اپنی طرف سے کوئی غلط اقدام نہ کرو۔جس سے نظامِ کائنات میں خلل واقع ہونے کا احتمال ہو ـــــ ایسے اقدام سے خود انسانی آبادی میں فساد پیدا ہو کر انسان ہلاکت کا شکار ہو جاتا ہے ـــــ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایسے اقدام سے باز رکھنے کیلئے ـــــ ایک اصلاحی ضابطہ مرتب کر کے حکم دیا۔کہ اس ضابطہ کی پیروی کرو۔یہ بھی ''حکم'' ہے۔مگر اس حکم میں ذات کا واسطہ نہیں ـــــ بلکہ اس حکم میں فلاحِ انسانی مقصود ہے ـــــ جیسے ایک آقا کے غلام کی خدمت صرف اسکے آقا کیلئے وقف ہوتی ہے ـــــ اللہ کی حاکمیت میں یہ تصور نہیں کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی ذات کیلئے استعمال کرے۔کیونکہ اللہ اس صفت سے منزّہ ہے۔کہ بندوں سے اپنی ضرورت پوری کرنے کی اسے احتیاج ہو ـــــ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حاکمیت میں۔اسکا ''حکم'' محض مخلوقِ انسانی کی فلاح کیلئے نافذ ہوتا ہے ـــــ البتہ اس ''حکم'' کے نفاذ کیلئے اللہ تعالیٰ خود ایک فرد کا انتخاب کرتا ہے۔جو اللہ کے حکم کا نفاذ کرتا ہے۔اسے ''رسول'' کہا جاتا ہے ـــــ ایسے فرد کی اطاعت انسان کیلئے لازم ہے۔کہ انسان رسول کے ذریعہ اللہ

کے حکم کی اطاعت کرے۔ چونکہ یہ رسول، اللہ کے احکام پیش کرتا ہے۔ اسلئے اس رسول کی اطاعت انسان پر لازم ہے ـــــ رسول، اللہ تعالیٰ کا منتخب کردہ فرد ہوتا ہے۔ اسلئے بذاتہٖ رسول کے احکام و ہدایات پر بھی تسلیم واطاعت لازمی ہے۔ جس میں انسان کو کسی اعتراض یا عدم تسلیم کی گنجائش نہیں۔ نہ ایسا موقع ہے۔ کہ ایسے رسول کا انتخاب عام انسانوں سے ہو ـــــ ہاں! رسول کی اطاعت۔ یا تعمیل ''حکم'' ـــــ رسول کی ذات کیلئے نہیں۔ بلکہ انسان کی اپنی فلاح کیلئے ہے جس میں رسول کی ذات کیلئے کوئی مفاد یا خدمت کا تصور نہیں ـــــ سوائے اسکے کہ رسول مخلوقِ انسانی کی فلاح وسعادت کیلئے ـــــ محنت کرتا ہے ـــــ تکلیفیں اٹھاتا ہے ـــــ مصائب جھیلتا ہے ـــــ اور پھر یہ تصور اہم ہے ـــــ کہ یہ حاکم ـــــ یہ رسول دینی تعمیل ارشاد و تبلیغ میں۔ اللہ کے نزدیک ذمہ دار ہے۔ کہ آیا۔ اُس نے اللہ کے احکام کے نفاذ میں اپنا کردار پورا کیا! ـــــ جبکہ اس ''حکم'' ـــــ میں صرف مخلوق انسانی کی ہدایت و فلاح کا واحد مقصد پایا جاتا ہے ـــــ یہی وہ ''اہم نکتہ'' ہے۔ جس میں ''اللہ کی حاکمیت'' ـــــ اور اللہ کے منتخب کردہ ذمہ دار ''رسول کی حاکمیت'' میں احکامِ الٰہی کے نفاذ کیلئے ـــــ ''انتخاب'' ـــــ کیا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ۔ اپنے احکام کے نفاذ کیلئے کسی فرد کا انتخاب کرتا ہے۔ تو اس انتخاب میں۔ صرف نفاذِ احکامِ الٰہی ـــــ ان احکام کی تعمیل ـــــ اور نفاذِ احکامِ الٰہی کی ذمہ داری پوری کرنا ـــــ ایک حقیقی پہلو ''حاکمیت'' کا واضح ہوتا ہے۔ اس امر سے واضح ہے۔ کہ احکامِ الٰہی کے نفاذ میں کسی بندے کو انتخاب کا حق حاصل نہیں ـــــ دوسرے حاکمیت کی ذمہ داری نبھانے میں اللہ کے محاسبہ کا خوف ـــــ یعنی مخلوقِ انسانی کو بہرصورت فلاح تک پہنچانے کی ذمہ داری پوری کرنا ـــــ اور تیسری اہم بات یہ ہے کہ۔ احکامِ الٰہی کے نفاذ۔ کیلئے اس نظام کی وسعت، دوام واستحکام کو قائم رکھنا۔ اس حال میں۔ کہ کسی موقع پر۔ مخلوقِ انسانی۔ اس ''ہدایت'' ـــــ کے حصول میں محروم نہ رہے ـــــ اس ایک حقیقی مقصد کی اہمیت کے مدِنظر ضروری ہوتا ہے۔ کہ مخلوقِ انسانی میں۔ ہر ذمہ دار فرد اس ذمہ داری پورا کرنے میں۔ جبکہ وہ ذاتی طور اس ذمہ داری کا اہل ہو۔ محاسبۂ خداوندی کے ذمہ دار ہونے میں۔ کسی بھی حائل قوت سے مقابلہ کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ اس حال میں۔ کہ انسانی حیثیت میں۔ منشاءِ الٰہی

کے پورا ہونے میں اپنے عزیز سے عزیز تر۔ غالب سے غالب تر رشتہ کو خاطر میں نہ لائے۔

واضح ہو اسی ضابطہ پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ اجرائے احکامِ الٰہی ـــــ اجرائے رسالت۔ کا ایک اعلیٰ ''نمونۂ عمل'' پیش کیا۔ تاریخ شاہد ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نفاذِ احکامِ الٰہی میں۔ اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے میں۔ انتہائی تکالیف اٹھائیں۔ تبلیغ دین میں مشکلات۔ مصائب۔ درد و غم جھیلے۔ اس حال میں اپنے عزیز تر رشتوں کو خاطر میں نہ لائے۔ اس جدو جہد کے نتیجہ میں۔ وسیع سرزمین پر اقتدار حاصل ہوا۔ یہ ایک فطری نتیجہ تھا۔ کہ مخلوقِ انسانی کو باطل خداؤں سے نجات دلا کر۔ ایک خدا کی حاکمیت میں لایا جائے ـــــ بلاشبہ اس اقتدار میں زمین کے خزانے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاؤں تلے جمع ہو گئے۔ لیکن یہ عطا۔ یہ حصول۔ ''اجرائے رسالت'' (الـــدیـــن الاســـلام) ـــــ میں شامل نہیں ـــــ سوائے اسکے کہ نفاذِ احکامِ الٰہی سے مخلوق انسانی کیلئے نجاتِ آخرت کا ذریعہ مہیا کیا جائے ـــــ جس میں حصولِ اقتدارِ دنیوی سے دنیوی استفادہ کا قطعاً تصور شامل نہیں۔ کہ مخلوقِ انسانی کو دنیوی زندگی میں آسودگی حاصل ہو ـــــ ہاں۔ اس مقصد کیلئے۔ ایک منتخب نبی کیلئے انتخاب میں۔ احکامِ الٰہی کے نفاذ میں۔ مخلوقِ انسانی کیلئے راہ نجات حاصل کرنے کی اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کہ وہ اس فریضہ کو پورا کرنے میں اپنا مال۔ جان۔ عزیز و اقارب کی محبت تک قربان کرنے پر آمادہ رہے۔ اس حال میں کہ اپنی ذات کیلئے۔ کسی منفعت کے حصول کی خواہش دل میں نہ لائے ـــــ یہی وہ ضابطہ ہے۔ جس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نفاذِ احکامِ الٰہی ـــــ اور اجرائے رسالت کی تکمیل کی۔ اور آپؐ کے بعد نفاذِ احکامِ الٰہی۔ اور اجرائے رسالت۔ قیام قیامت تک باقی رہنے کیلئے ایک خلیفہ (خلف)۔ قائم مقام کا وجود ضروری ہوا۔ جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق۔ اجرائے رسالت میں۔ ذمہ دار ہوگا۔ کہ وہ مخلوق انسانی کیلئے ''ہدایت''۔ ھُدیٰ ـــــ کا لائحہ عمل (احکامِ قرآن و حدیث کی صورت میں) فراہم کر کے۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو مخلوقِ انسانی میں جاری رکھے ـــــ یہی وہ طریقِ عمل ہے۔ جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک منتخب فرد کے ذریعہ پورا کرنا ہے۔ ایسے فرد کو۔ (حضورؐ کے بعد آپؐ کے مشن (ذمہ داری) پورا کرنے

والا)۔''خلیفہ'' سے موسوم کیا گیا۔اور نفاذِ احکام الٰہی (قرآن) اور احکام حضرت محمد رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے مرتب کردہ ضابطہ (حدیث) کے مطابق لائحہ عمل کو خلافت ـــــ خلافت اسلامی ١؎ سے تعبیر دیا گیا۔لہٰذا آئندہ اسی ''بنیادی تصور'' پر خلافتِ اسلامی میں۔ایک خلیفہ کا انتخاب۔اور خلافت میں۔نفاذِ احکامِ الٰہی۔اجرائے رسالت ـــــ کے مطابق۔اپنی ذمہ داری پوری ہونا ـــــ ''دینِ اسلام'' سے تشبیہ دیا ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ نے اس۔مقام کیلئے۔خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب فرمایا۔جس میں۔دین اسلام میں کسی فرد کو انتخاب کا حق نہیں دیا گیا ـــــ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قائم مقام خلیفہ کے انتخاب کیلئے۔خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔جہاں عوام المسلمین کو انتخاب کا حق نہیں دیا گیا ـــــ تاریخ شاہد ہے۔ کہ ان مقدس ہستیوں نے۔خلافت کے حقیقی مقصد کو سامنے رکھ کر۔نفاذِ احکامِ الٰہی ـــــ قرآن و حدیث ـــــ کے اجرا کے سوائے کسی فروعی تصور کو اجرائے رسالت میں شامل نہیں کیا اور اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں ـــــ مخلوقِ انسانی کیلئے نجاتِ آخرت کے حصول میں۔دردو غم ـــــ دل سوزی۔ احتسابِ خداوندی کا لرزہ خیز تصور انکے ذہنوں پر طاری رہا۔انکے ذہن۔خواہشِ دنیا۔حصول لذتِ مال وزر۔لذتِ حکمرانی سے یکسر خالی رہے ـــــ ہاں! ـــــ ''یہی تصور'' ـــــ ''یہی ضابطہ'' ـــــ ''یہی مقصد'' ـــــ ایک قائم مقام ـــــ خلیفہ کیلئے مقرر ہوا۔جس پر ایک خلیفہ کا انتخاب ہونا مقرر ہے ـــــ خواہ ایک فرد۔خود مقامِ خلافت پر فائز ہو۔یا خلیفہ قبل از وقت کسی فرد کو خلافت کیلئے۔ منتخب کرے ـــــ ظاہر ہے۔ایسے نازک مقام پر کسی کا خلافت قبول کرنا۔یا خلافت کی خواہش کرنا ـــــ آسان نہیں کہ وہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو کر۔محاسبہٴ الٰہی سے سرخرو ہو سکتا ہو ـــــ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحثیت خلیفہ اپنی زندگی میں کسی فرد کا انتخاب نہیں فرمایا ـــــ جبکہ سنتِ نبویؐ کے تحت۔سنتِ صدیقی کے تحت خلیفہ خود اپنی زندگی میں۔خلیفہ منتخب۔کرنے کا

---

١؎ اسی الٰہی عمل کو جمہوریت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

مجاز ہوا ـــــ لیکن جیسا کہ اقتدارِ اعلیٰ کی صورت میں ۔خود اقتدارِ اعلیٰ کے تحفظ و استحکام کی بھی ضرورت پیدا ہوئی ـــــ اسلئے خلیفہ کے انتخاب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ـــــ (اجتہادی حیثیت میں) مجلسِ شوریٰ[1] تشکیل دیکر انکے سپرد خلیفہ کا انتخاب کیا ـــــ اور مجلس شوریٰ نے سنتِ نبویؐ کے ضابطے کے تحت مقامِ خلافت کیلئے ۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذاتِ والا کو موزوں سمجھا۔ اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سنت نبویؐ کے مطابق انتظامِ خلافت سرانجام دینے میں یکسرِ مو سنتِ نبویؐ کے خلاف عمل نہیں کیا۔سوائے اسکے کہ وقت کی ضرورت کے تحت اجتہاد کا ذاتی عمل ضابطۂ خلافت میں شامل کرنا لازمی سمجھا یہ عمل بھی اجرائے رسالت کیلئے ضروری تھا۔جس میں آپؓ کا ذاتی مفاد شامل نہ تھا۔کہ آپ نے اپنی ذات کیلئے ۔یا اپنے عزیزوں کیلئے کسی نفع کی خواہش کی ہو۔اس حال میں ۔کہ آپؓ بھی۔سابقین خلفاؔ کی طرح صاحبِ تقویٰ ۔صاحبِ علم ۔صاحبِ تدبر۔اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے ہوئے اللہ کے محاسبہ سے ڈرنے والے تھے۔اور پھر آپؓ کی خلافت میں جہاں تک اقتدارِ اعلیٰ کے نظام کے چلانے کا تعلق ہے۔آپ خود صاحبِ فہم و تدبر تھے۔اور آپکی خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تشکیل کردہ مجلس مشاورت اور صحابۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ کے ہر قدم پر معاون رہے۔ایسی صورت میں آپؓ کی ذاتِ قدسی پر کسی قسم کا غلط اتہام۔یا آپؓ کی ذات سے بے بنیاد الزامات یا نقائص منسوب کرنا۔کسی طرح بھی جائز نہیں ـــــ یہ باور کرنا ـــــ یہ سمجھنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت انکے سنتِ نبوی کے خلاف اقدام۔یا اقتدارِ اعلیٰ کے نظام میں کسی عدم صلاحیت ۔یا ذاتی اغراض کے نتیجہ میں واقع ہوئی۔بالکل لغو اور بے بنیاد نظریہ ہے۔ایسا خیال دینِ اسلام سے نفرت و بغاوت کے جذبہ کے تحت ہوسکتا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد ایک خلیفہ کا تقرر گزشتہ بیان کئے گئے حقائق پر ہی ہونا ضروری ہوگا ـــــ جسکے لئے خلفائے سابق کی سنت کے مطابق یا خلیفہ خود۔خلیفہ کا انتخاب

---

[1] مجلس شوریٰ کے ارکان میں۔(۱) حضرت عثمان ابن عفانؓ (۲) حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ (۳) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (۴) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۵) حضرت طلحہؓ (۶) حضرت زبیر بن العوامؓ مقرر کئے گئے۔

کرے۔ یا مجلس شوریٰ کے ذریعہ خلیفہ کا انتخاب ہو۔ لیکن اس موقع پر خلیفہ شہید کئے گئے۔ اور مجلسِ شوریٰ کی حیثیت بھی متاثر ہوگئی۔ کہ ان سے کسی خلیفہ کا انتخاب ہونا ممکن نہ ہوسکا۔

اس مقام پر پھر اسلام۔ خلافت۔ خلیفہ۔ کے انتخاب پر۔ گزشتہ بیان کی گئی صفاتِ خلافت کے بنیادی تصور کو سامنے رکھ کر تجزیہ ضروری ہے کہ

(۱) اول۔ ''حاکمیت'' ــــ حاکمیت میں اصل تصور۔ خالقیت (خالق ہونے کا) ہے۔ اس حاکمیت میں حکمران تصور نہیں۔ بلکہ معبود کا تصور ہے۔

(۲) دوسرا۔ حاکم کا حکم ــــ یعنی فلاحِ انسانی کیلئے۔ فلاحی احکامات وہدایات۔ جو فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی ــــ اللہ تعالیٰ کے ابتدائی فرمان میں۔ قرآن نے واضح کیا۔ کہ یہ ہدایت (حکم کی صورت میں) فلاحِ انسانی کیلئے ایک ضابطہ کی شکل میں نازل ونافذ ہوگی۔

(۳) تیسرے۔ فلاحِ انسانی میں۔ دارِ آخرت کا تصور ــــ یعنی احکام کے نفاذ کا مقصد حاکم کی خدمت نہیں۔ بلکہ خود انسان کی آخرت کی ''نجات'' کیلئے احکام کی اطاعت کرنا ــــ اس مقصد میں حصولِ دنیا کا تصور موجود نہیں۔

(۴) چوتھا۔ احکام کے نفاذ کیلئے۔ ایک مخصوص فرد کا منتخب ہونا۔ یعنی ایک رسول کے ذریعہ احکامِ الٰہی پر انسان کو عامل بنانا۔ اور اُسے نجاتِ آخرت عطا کر کے اپنی ذمہ داری پوری کرنا ــــ

(۵) پانچواں۔ احکامِ الٰہی میں۔ (محض مخلوقِ انسانی کی نجاتِ آخرت کے نظریہ کے تحت) رسول کی اطاعت کرنا ــــ اور احکام کے نفاذ میں رسول کی مدد کرنا ــــ اور اس ضابطۂ الٰہی کو محفوظ کر کے۔ اسکی وسعت اور دوام کیلئے جدوجہد۔ اپنا ایک فریضہ سمجھنا ــــ جس میں قرآنی حکم ''جہاد'' کا عمل قائم کیا گیا۔ یہ جہاد محض اقتدارِ اعلیٰ کے استحکام۔ تحفظ۔ اور الدین الاسلام کی وسعت واستحکام (دونوں) کیلئے عمل میں لایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ (خلافت کا یہ ایک اہم نکتہ ہے)۔

واضح ہو کہ انہیں نکات پر خلافتِ اسلامی کی تشکیل ہوتی ہے۔ لہٰذا اجرائے رسالت میں۔ خلافت کا تصور۔ بنیادی تصور ــــ انہیں نکات کے مطابق ہونا۔ ایک حقیقی خلافت سے تعبیر ہو

سکتی ہے۔

(۱) قرآن ۔ احکامِ الٰہی کی ایک جامع کتاب ہے۔ جس میں قرآن نے واضح اعلان کیا ـــــ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ (پارہ۳ سورۃ۳ آیت ۷) اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات کتاب کی شکل میں نازل کئے۔ اس میں ''احکامات'' ـــــ (حکم) ہیں۔ جو صرف مخلوقِ انسانی کی آخرت کی نجات حاصل کرنے کیلئے نافذ کئے جاتے ہیں۔ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ یہ قرآن کی اصل غایت (مقصد) ہے۔

(۲) رسول۔ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ ۔ خطاب ہے رسول کی طرف کہ وہ ان احکامات کا نفاذ کرے ـــــ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط (پارہ۵ سورۃ۴ آیت۶۴)۔ نہیں رسول بھیجا جاتا۔ مگر اللہ خود اسے منتخب کرتا ہے۔ کہ مخلوقِ انسانی اللہ کے قانون کے مطابق۔ (تعمیل احکام۔ نفاذِ احکام میں) اسکی اطاعت کرے۔ لہٰذا ''بنیادی تصور'' ـــــ اللہ کی حاکمیت ـــــ احکام کا نفاذ ـــــ ''رسول'' کا انتخاب محض نفاذِ احکام کی خاطر ـــــ اور رسول کی اطاعت ـــــ اور اس انتخاب میں۔ ایک منتخب فرد (رسول) کی ذمہ داری۔ کہ ایک منتخب فرد کیلئے۔ احکامِ الٰہی کے نفاذ میں اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ جسکا پورا کرنا ایک فرد کے فرائض میں شامل ہوتا ہے۔

اب یہاں تاریخ اسلام میں عہدِ خلافتِ عثمانؓ کے بعد واقعات کا سلسلہ جاری ہوتا ہے ـــــ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بھی۔ جبکہ امتِ مسلمہ انتشار کا شکار ہو کر خلافت سے محروم ہو جاتی ہے۔ تو ایسے موقع پر اوپر بیان کئے گئے حقائق کے مطابق ہی خلیفہ کا انتخاب ہونا ضروری ہے ـــــ جسکے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چھ منتخب اصحاب (مجلس شوریٰ) میں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذاتِ والا کو مقامِ خلافت کا اہل سمجھا جاتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک خلافت۔ یا خلیفہ کا وجود۔ احکامِ الٰہی ـــــ قرآن کے احکامات۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت (قول و فعل) احکام کی صورت میں مخلوقِ انسانی تک پہنچانا ـــــ ان میں روحانیت پیدا کرنا۔ یُزَکِّیْهِمْ ـــــ اور شریعتِ مطہرہ پر انسان کو عامل بنا کر۔ مومن۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کی صفات

انسان میں پیدا کرنا۔ جس عمل میں صرف دارِ آخرت کی نجات کا واحد تصور پایا جاتا ہے۔ لہٰذا۔ ایک خلیفہ کے انتخاب میں شرائطِ دینی کی خصوصی صفات کو لازم رکھا جائے۔ کہ خلیفہ صرف دینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ــــ اجرائے قرآن ــــ اجرائے رسالت۔ کے سوا۔ کسی دُنیوی ضابطہ کو نہ شامل کرے۔ نہ دنیوی حصول کے نظریہ کے مطابق۔ شرائطِ خلافت میں فروعی ضابطے شامل کرے ــــ جنکا تعلق اجتہاد سے ہو۔ جس ضابطہ سے شرائطِ دینی کی صفات کی اہمیت ختم ہو جائے۔ اسلئے کہ اجرائے قرآن وسنت میں۔ احکامِ الٰہی ــــ احکام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اجتہادی حکم کی نہ گنجائش ہے۔ نہ موقع۔

جیسا کہ پیشتر شرائطِ دینی کے متعلق بیان ہوا۔ کہ شرائطِ دینی صرف۔ بعثتِ رسول ــــ نزولِ قرآن ــــ اجرائے قرآن ــــ اجرائے رسالت ــــ قرآن وحدیث پر عمل ــــ اور خاص کر یہ تصور کہ۔ قرآن وحدیث کے عمل سے۔ نجاتِ آخرت کا واحد مقصد رکھنا ــــ جس میں ایک خلیفہ کیلئے شرائط خلافت میں ــــ (۱) ایک فرد کا قرآن وحدیث پر بدرجہ اولیٰ علم وعبور ہونا ــــ (۲) ایک فرد کا امتِ مسلمہ میں بدرجہ اولیٰ قرآن وحدیث پر عامل ہونا۔ (۳) متقی۔ پرہیز گار ہونا۔ جملہ عبادات کا بدرجہ اولیٰ حامل ہونا ہے۔ یہ اسلئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا دین ــــ دینِ اسلام ــــ شریعت ــــ قرآنی احکام کا نفاذ ــــ قرآنی احکام پر عمل ــــ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت پر ــــ عمل کرنا ــــ اور مخلوقِ انسانی تک یہ علم پہنچا کر۔ انہیں آخرت کے عذاب سے بچانا۔ اسلام کی اصل ہئیت ہے۔ ہاں! ــــ ''اللہ کی حاکمیت'' ــــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ''بعثت'' ــــ ''قرآن کا نزول'' ــــ ''قرآن وحدیث پر عمل''۔ یہ اصل مقصد ــــ اصل دین ــــ اصل اجرائے رسالت ــــ اصل خلافتِ اسلامی۔ کا اصل تصور ہے۔ اسکے سوا۔ باقی عمل۔ فروعی عمل ــــ قرار دیا جاتا ہے ــــ

یہی نظریہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا تھا۔ کہ خلافت میں۔ شریعت کا بنیادی تصور قائم رکھا جائے۔ جس سے قرآن کی روحانیت۔ تقویٰ۔ عبادات وعملِ صالح۔ انسان کو میسر ہوں۔ اور اسی

مقصد کو ہر حال میں ملحوظ رکھا جائے۔ جسکے لئے سوائے قرآن وسنت کی راہنمائی کے کسی اور ذریعہ کی ضرورت نہیں ــــ یہ امر دین سے تعلق رکھتا ہے ــــ کہ قرآن اپنے علم کی خود شرح کرتا ہے ــــ وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۴ آیت ۱۷) البتہ ہم نے قرآن کے علم کو سمجھنے میں آسان بنایا ــــ اور جو علم انسانی ادراک سے باہر ہے۔ اسکی شرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات سے کردی ــــ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ۔ وَ يُزَكِّيْهِمْ ۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ۔ وہ قرآن پڑھکر سناتے ہیں۔ اور تمہارا تزکیہ روحانی جسمانی کرتے ہیں۔ اور قرآن کے تمام ظاہری ــــ باطنی معانی تم کو سمجھاتے ہیں ــــ اس حال میں کہ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط (پارہ ۶ سورۃ ۵ آیت ۳)۔ اب یہ قرآن کافی ہے تمہارے لئے کہ تم نجاتِ آخرت حاصل کرنے میں اس سے مکمل مواد پاسکو اور اس عمل سے تم اپنا مقصد پانے میں کامیاب رہو ــــ اور اس عمل کے سوا اور کوئی عمل نہیں۔ جسکے لئے تم جستجو کرو۔ جسکے حصول کیلئے تم کوئی اور فروعی ذریعہ اختیار کرو ــــ بس اپنے ہر عمل میں نجاتِ آخرت کا واحد تصور و مقصد قائم کرو۔ جسکے لئے قرآن وحدیث سے راہنمائی حاصل ہونا کافی ہوسکتا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چھ مخصوص اصحاب کی نامزدگی میں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خلافت کیلئے تقرر واجب تھا ــــ اس تقرر کی صورت یہ تھی۔ کہ اول حضرت علی کرم اللہ وجہہ شرائطِ دینی (خلافت) کے مطابق ایک خلیفہ کے انتخاب کے حامی تھے ــــ دوسرے۔ خلافتِ اسلامی میں فوری طور ایک خلیفہ کا تقرر ضروری تھا ــــ تیسرے۔ ضابطۂ خلافت کے تحت اگر خلیفہ اپنی زندگی میں اپنے بعد ایک خلیفہ نامزد نہ کرسکا۔ اور ایسے موقع پر مجلس شوریٰ کا وجود قائم نہ ہو۔ تو ایک فرد میں شرائطِ دینی کے اوصاف موجود ہوں۔ تو وہ خود مقامِ خلافت پر بغیر کسی انتخاب کے فائز ہو۔ تو ایسے فرد کو خلیفہ تسلیم کیا جانا۔ جائز اور درست ہوگا ــــ چوتھے۔ تمام اصحاب اور اُمتِ مسلمہ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ کہ انفرادی حیثیت میں ہو ــــ یا اجتماعی حیثیت میں تحفظِ خلافت ــــ اور اجرائے رسالت کی اشاعت بہر طور قائم رکھنے

میں فوری اقدام کریں۔تا کہ خلافتِ اسلامی ـــ یاالدین الاسلام کسی موقع ۔خلیفہ(خلیفة الاسلام) سے خالی نہ ہو۔

ان حالات میں ۔خواہ نامزدگی ۔مجلس شوریٰ سے ہو ـــ یا عوام المسلمین کی مرضی سے ـــ خواہ خود ایک فرد (شرائطِ دینی کی جملہ صفات کے ساتھ) خلافت پر فائز ہو ـــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس مقامِ خلافت کے جائز حقدار تھے ـــ چنانچہ اسی اصول کے تحت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عوام المسلمین نے انہیں خلافت کیلئے مجبور کیا ـــ یا صحابہؓ کے اصرار پر ـــ یا خود اپنے فیصلہ پر خلافتِ اسلامی کا عہدہ سنبھال لیا ـــ چنانچہ آپؓ نے بحثیت خلیفہ تمام مملکتِ اسلامی میں اپنے فرمان جاری کئے ـــ جوامتِ مسلمہ کے ہر فرد پر واجب التسلیم تھے ـــ ان فرامین میں بنیادی طور دینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اشاعت اور دین کا استحکام مقصود تھا ـــ

اس مقام پر ضمناً ایک بات سامنے آتی ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد۔وفات کی صورت میں خلیفہ کیلئے کس کا انتخاب ہوتا؟ ـــ اسکے لئے طے شدہ بات یہی تھی۔ کہ اس انتخاب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نامزد کردہ صحابہ میں سے ہی ۔خلیفہ کا انتخاب ہوتا۔ کیونکہ ان چھ اصحاب کا انتخاب خود ایک خلیفہ کے ذریعہ ہوا تھا۔لہٰذا۔بقیہ چار اصحاب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ـــ حضرت سعد بن ابی وقاص ـــ حضرت طلحہ ـــ حضرت زبیر رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کا انتخاب ہونا عامۃ المسلمین کے ذریعہ ـــ یا چیدہ اصحاب کے ذریعہ ضروری ہوتا۔جن میں۔نہ امام حسن و امام حسین علیہما السلام کی نامزدگی سامنے آئی۔ نہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے موقع تھا۔ کہ انہیں مقامِ خلافت پر فائز کیا جاتا۔ یا وہ خود کو خلافت کا حقدار سمجھتے۔یقیناً ایسی مقدس ہستیوں کے ذہن میں ایسا کوئی خیال یا ایسی کوئی خواہش پیدا نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ خلافت کے حصول میں۔ اصولِ شریعت کے خلاف جنگ وجدل [1] پر آمادہ ہوتے۔نہ انہوں نے حصولِ خلافت کیلئے کوئی قدم

---

[1] تاریخ اسلام میں مورخین نے بلا تحقیق روایات لکھ کر اسلام کی عظمت کو داغدار کیا۔ کہ اصحاب رسول اللہؐ کے خلاف ہرزہ سرائی کی۔ کہ تختِ خلافت کے حصول میں اتنی خونریزی۔اور فساد ـــ ایک ہیئت مسلمہ۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اٹھایا۔نہ انہوں نے مقام خلافت کے حصول کیلئے جنگ لڑی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چھ اصحابہ کی نامزدگی۔ایک اسلامی قانون کی حیثیت رکھتی ہے۔ کہ آپ کے نامزد کردہ اصحاب میں سے ہی کسی خلیفہ کا تقرر ہونا۔اصولِ شریعت یا شرائطِ خلافت کے تابع لازمی تھا۔اسلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خلافت پر فائز ہونا لازمی تھا ـــــ لہٰذا اس مقام پر ایسی کوئی صورت نہیں۔کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک مقرب و معزز۔صاحبِ ایمان ہستی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔صاحبِ تقویٰ۔صاحبِ ایمان ہوتے ہوئے صرف حصولِ خلافت کیلئے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے خلافت چھیننے کیلئے جنگ کریں۔یہ امر قطعاً خلافِ ایمان ہے ـــــ جسکی توقع امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کرنا۔سراسر بد باطنی ہے ـــــ

تاریخی شواہد سے یہ امر واضح ہے۔کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے صرف قاتلانِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کاروائی کا مطالبہ [1] کیا (جیسا کہ تاریخ اسلام سے واضح ہے)۔کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ایک عظیم سانحہ ـــــ اور ظلمِ عظیم تھا۔اس بنا پر کہ آپؓ کی خلافت میں۔منافقین یہود۔

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) امتِ مسلمہ۔پاکیزہ کی ہیئت میں ان سے سرزد ہوئی۔سوائے اسکے۔جو بھی الزامات ـــــ شدید اتہامات ان پاکیزہ۔رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ مخلوقِ انسانی کیلئے مخصوص بے غرض قوم سے اتنے شدید الزامات وابستہ کئے گئے۔بے بنیاد۔جھوٹے لغو واقعات (اگر گدھے حیوان کے آگے دہرائے جائیں۔تو وہ بھی متاثر ہو کر نفی میں سر ہلائیں) یہ سب بے بنیاد واقعات یہود و نصاریٰ۔دشمن اسلام منافقین کے خود ساختہ فتنہ ہیں۔جو ان تربیت یافتہ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور امتِ مسلمہ کے نام منسوب کئے گئے ہیں۔افسوس ہے ان محققین و مورخین پر جو حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ خلفاً پر لغو روایات کی بنیاد پر غلط بے بنیاد واقعات کی تاریخ اسلام میں حمایت کرتے ہیں۔

[1] افسوس انکی عقلوں پر۔جو یہ نہ سمجھ سکیں۔دنیا کی عظیم ترین ہستیوں میں شمار۔پاکیزہ ہستیاں۔بلا وجہ معمولی سے واقعات پر۔شدید خونریزی کا سبب بن سکتے ہیں؟ جبکہ ان کی اپنی ذات کیلئے کوئی نفع موجود نہیں۔

دشمنانِ اسلام کھلم کھلا بغاوت پر آمادہ ہو چکے تھے۔ جنکا فوری طور قلع قمع کرنا ضروری تھا۔ اس حال میں کہ۔ باغی منافقین کی بغاوت وشرارت کے نتیجہ میں۔ خلافت اسلامی۔ خلیفہ کی قیادت سے محروم۔ متزلزل ہو رہی تھی۔ فی الحقیقت خلافتِ اسلامی کے ایک عظیم ستون کو گرا کر اسلامی عظمت کو شدید نقصان پہنچایا گیا۔ جس پر فوری طور توجہ دینا ضروری تھا۔ اسلئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے واقعہ کی اہمیت کے مدنظر حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر دباؤ ڈالا۔ کہ وہ باقی امورِ خلافت کے انتظام کے مقابلہ میں۔ قاتلانِ حضرت عثمان کے خلاف کاروائی کریں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک اولاً سطوتِ اسلامی کے تحفظ واستحکام کا مسئلہ انتہائی ضروری تھا۔ کیونکہ شہادتِ حضرت عثمانؓ کی وجہ سے۔ منافقین کی سازشیں۔ وسیع وشدید ہو چکی تھیں۔ سربراہِ اسلام نہ ہونے کی صورت میں عوام المسلمین بھی۔ تذبذب اور انتشار کا شکار ہو چکے تھے۔ ایسے موقع پر قاتلان حضرت عثمانؓ کے خلاف کاروائی کرنے کی صورت میں۔ اقتدار اسلامی میں شدید خطرات پیدا ہونے کا احتمال تھا۔

یہی وہ ایک متنازعہ فیہ مسئلہ تھا۔ جس پر اصلاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ کا بنیادی طور اختلاف پیدا ہوا۔ حقیقتاً اس مقام پر ان حضرات کے درمیان خلافت کا حصول اصل سبب نہیں ہو سکتا تھا۔

یہاں اس امر کو۔ مطالعہ تاریخ اسلام میں۔ زیر نظر رکھنا از حد ضروری ہے ــــ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں۔ آپؐ کے مقربین ومعزز صحابہ کی حیثیت۔ کیا تھی۔ کہ صحابہ کے آپس کے درمیان اعلےٰ نسبی خاندان کی نسبت سے تعلقات کس انداز کے تھے۔ خصوصاً۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ــــ حضرت امام حسن علیہ السلام۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اور دیگر اصحابہ کے درمیان باہم خاندانی۔ قومی روابط (ملنا جلنا۔ کلام وسلوک) کس انداز کے تھے؟ ــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی قربت کے لحاظ سے صحابہ ایک دوسرے سے کس طرح برتاؤ رکھتے تھے۔

واضح ہو کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والوں کی قرآن نے فضیلت کا ایک معیار۔ اور متعین مقام واضح کر دیا۔ کہ بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ

اَتْقٰکُمْ ط (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۹ آیت ۱۳) اسکے علاوہ خاندانِ نبوت کی بناءٔ پر اہل بیت کو بھی باقی صحابہ میں محض قربتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بناءٔ پر فضیلت حاصل ہے۔ ہاں۔ یہ سب فضیلت صرف محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی نسبت سے تعلق رکھتی ہے۔ اول یہ کہ ''نسبی تفوق''۔ کہ آپ خاندان ابراہیمی۔ ذریتِ اسماعیل علیہ السلام میں۔ ''ہاشمی'' ___ قریشی ___ مُطلبی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ نسبی نسبت ہے۔ کہ ان خاندانوں کو انکی اخلاقی شرافت۔ انکی اعلےٰ صفاتِ انسانیت کی بناءٔ پر مخلوق میں فضیلت عطا ہے ___ دوسرے ''رسالت کا تفوق'' ___ یہ کہ آپؐ کائنات میں افضل الخلائق ___ افضل الانبیاء۔ افضل الرّسل ___ ہیں۔

ان دو فضائل میں۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے نسبت رکھنے والوں کو ''اسی نسبت سے'' ___ فضیلت واحترام کا مقام حاصل ہے۔ لہٰذا۔ نسبی لحاظ سے اھل بیت۔ اجداد۔ والدین۔ عزیز و اقارب۔ اولاد۔ ذریت کو باقی مخلوق میں فضیلت واحترام عطا ہے ___ جن میں ___ اجدادِ مصطفےٰؐ (ہاشمی۔ قریشی۔ مطلبی وغیرہ) حضرت عبدالمطلب۔ حضرت عبداللہ کی ذاتِ عالی۔ حضرت آمنہ۔ حضرت ابوطالب علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اس درجہ کے افرادِ خاندان۔ حضرت عباسؓ۔ انہیں میں امہاتِ خاندان ___ یہ سب نسبتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بناءٔ پر فضیلت یافتہ ہیں ___ اسکے ساتھ۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نسبی درجہ کے افراد ___ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر برادران وخواہرانِ نسبی علیہم السلام ان ہستیوں کی فضیلت بھی۔ نسبی اعتبار سے لائقِ احترام ثابت ہے۔ اور ساتھ ہی ''رسالت'' ___ کے اعتبار سے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت امام حسن علیہ السلام۔ حضرت امام حسین علیہ السلام۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا۔ ازواج میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا الصلوٰۃ والسلام۔ حضرت عائشہ صدیقہ و دیگر امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا مقامِ فضیلت باقی مخلوق میں بلند ہے۔ لہٰذا ہر فردِ امتِ مسلمہ کیلئے بہر صورت ان متعلقین کی عزت واحترام واجب ہے ___ اسی وجوب کی بناءٔ پر ہر زمانہ میں امت ایسی ہستیوں کو عزت وفضیلت کی نگاہ سے ان کے مقام کے مطابق دیکھتی رہتی ہے ___ دیکھتی رہیگی ___ اور اسی تصور پر انکے گزشتہ واقعات

میں انکی شخصیتوں پر۔ انکے متعلق ''ذاتی فیصلہ'' ـــــ ''ذاتی رائے'' ـــــ قائم کرتے ہیں ـــــ اسی نسبتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد۔ خلافتِ اسلامی میں ہونے والے واقعات کا تجزیہ کرنا ضروری ہے ـــــ اول یہ۔ تمام صاحبِ فضیلت افراد کی فضیلت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے وابستہ ہے۔ معاذ اللہ اگر حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کسی اور خاندان یا قبیلہ سے ہوتے تو پھر ان افراد کو فضیلت حاصل نہ ہوتی۔ اور پھر امت کیلئے چونکہ ان کی عزت واحترام واجب ہے۔ تو اسی نسبت سے انکے لئے ''امام'' اور ''حضرت'' کے القاب احتراماً استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے آپؐ کے مقربین کو مخلوق میں فضیلت واحترام عطا ہوتا ہے ـــــ البتہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بیشتر صحابہ۔ آپؐ ہی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اکثر صحابہ جن میں مقربین صحابہ بھی شامل ہیں۔ ایک ہی خاندان قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن میں آپس کے برتاؤ میں کمتری یا برتری کا احساس پایا نہیں جاتا۔ ایسی صورت میں صحابہ کے درمیان آپس میں وہ آداب استعمال نہیں ہوتے جیسے امت آداب واحترام کا جذبہ رکھتی ہے۔ اس مساوی حیثیت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قریبی صحابہ آپس میں۔ ''عمر''۔ ''علی''۔ ''عثمان''۔ وغیرہ اصل نام سے پکارتے ہیں۔ یا عربی رواج کے مطابق ''ابو'' (بکر) ''ابن''۔ (عثمان ابن عفان) کی کنیت یا القاب سے مخاطب ہوتے ہیں ـــــ اسی مساوی حیثیت میں انکے آپس کے برتاؤ میں بھی ایک قبیلہ۔ ایک نسب ہونے کی صورت میں ان آداب کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ جو آداب امت کے افراد استعمال کرتے ہیں یا امت کے جذبات میں احترام پایا جاتا ہے۔ اس تصور کے مدنظر واقعات کو دیکھا جائے ـــــ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ـــــ یا دیگر صحابہ کے درمیان کسی نسبی برتری کا جذبہ استعمال نہیں ہوتا۔ انکے آپس کے برتاؤ میں بھی خاندانی نسبت کے اعتبار سے ایک دوسرے کے درمیان برتری کا احساس پایا نہیں جاتا۔ اسلئے ان واقعات میں۔ افرادِ امت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت سامنے رکھکر یہ خیال کریں۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ چونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے

زیادہ قربت رکھتے ہیں۔ اسلئے حضرت امیر معاویہؓ کا حضرت علیؓ سے مقابلہ جائز نہیں! ـــ ایسا نہیں ـــ بلکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی۔ چونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت میں۔ نسبتی قربت رکھتے تھے۔ لہٰذا انمیں ایسا کوئی احساس پایا نہیں جاتا تھا۔ کہ وہ کسی برتری کے احساس سے حضرت علیؓ سے مجادلہ میں باز رہتے۔ اس بناء پر بھی۔ کہ واقعات براہِ راست دین (قرآن وسنت) سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس میں سوائے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے کسی فرد کی مداخلت یا ذاتی رائے۔ ذاتی عمل کو۔ کسی برتری کی صورت میں مداخلت کا حق نہیں دیا جاتا۔ امت میں یہ ایک جذبہ ہے۔ جو صحابہ کے درمیان تفاوت کا احساس نہیں دلاتا۔ اسی احساس کے تابع ہم صحابہؓ کے افعال کا جائزہ لیتے ہیں۔ جس سے حقیقتِ حال سامنے نہ آنے سے ـــ تذبذب پیدا ہو جاتا ہے۔ اور حقیقت کو سمجھا نہیں جاتا۔ اور اسی بنیادی سبب پر توجہ نہیں کی جاتی۔ کہ امتِ مسلمہ۔ اور خصوصاً اصحابِ رسول اللہؐ میں سوائے احکامِ الٰہی۔ حدیثِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی تکمیل کے سوا۔ اپنی ذاتی منفعت کا کسی کو نہ احساس تھا۔ نہ کسی شے کے حصول میں فساد پیدا کرتے۔

جہاں تک اصحاب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ کا تعلق ہے۔ ان میں امت جیسا وہ جذبہ واحساس درمیان میں استعمال نہ ہوتا تھا۔ لہٰذا امیر معاویہؓ نے ـــ ایک اصحابی ـــ ایک مومن ـــ کی حیثیت سے حضرت علیؓ کے مقابل مجادلہ شروع کیا۔ اس حال میں کہ آپؓ بھی خلافت میں گورنر (امیر) کی حیثیت رکھتے تھے۔ اکابرین صحابہؓ میں شمار تھے۔ اور نسبی اعتبار سے بھی۔ حضورؐ کے خاندان [1] سے تعلق رکھتے تھے۔ جبکہ مسئلہ خلافت میں نسبی تفوق پر انتخاب یا فضیلت شرط نہیں۔ اسلئے دین کے مسئلہ میں کسی نسبی حیثیت کو خاطر میں نہیں لایا جاتا۔ جس پر انتخاب (انتخاب خلیفہ) کا مدار ہو۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ کی ذات سے متعلق حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں آپؓ کے متعلق دعائیں۔ بشارتیں۔ اور خوشنودی کے آثار بیان کئے گئے ہیں۔ یہاں حضرت امیر معاویہؓ سے متعلق چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔ ''امین''

---

1 نسبت میں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ ام حبیبہؓ کے بھائی تھے۔

(۱) عن و اثلة مرفوعًا اَنّ اللّٰهُ ائتُمِنَ عن وَحْیِہٖ جبرئیل و اناو معاویة و کادُ ان یبعث معاویة نَبِیًّا من کثرت عِلْمِہٖ و استمانۂ علٰی کلامِ رَبِّی یَغْفِرَاللّٰهُ لمعاویة ذنوبہٖ ووقاہُ حسابه الٰی ان قال وجعلۂ هادیًا و مهدیًا وهُدٰی بہٖ (اللّلالی المصنوعه ۱ : ۴۱۹)

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے مرفوع حدیث بیان کی فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی پر جبرئیل کو امین بنایا۔ مجھےؐ اور معاویہ کو امین بنایا قریب ہے قیامت کے دن معاویہؓ کثرتِ علم اور کلامِ الٰہی کا امین ہونے کی وجہ سے ایک امت بن کر اٹھیگا۔۔۔ اللہ تعالیٰ معاویہ کے گناہ معاف فرمائے۔۔۔ اسے حساب سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہادی و مہدی بنائے۔ اور مخلوق اُس سے ہدایت حاصل کرے۔

اسی کتاب کے حوالے سے ص۴۲۳ پر ایک حدیث بیان کی گئی ہے۔

(۲) عن اِبْنِ عمر کان النّبِیُّ صلے اللّٰه علیه وسلّم مع زوجَتُهٗ اُمّ حبیبة فی قَبّة فَاَقبلُ معاویة فقال لها النّبِیُّ صلے اللّٰه علیه وسلم یا اُم حبیبة هٰذا اَخُوکِ قد اقبلُ اماانّهٗ یَبْعَث یَوْم الْقِیٰمَةِ علیه ردآءَ مِنْ نُوْرِ الْاِیمان ۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے۔۔۔ آپؐ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھا۔ تو فرمایا۔ اے امِ حبیبہ یہ تیرا بھائی آرہا ہے۔۔۔ یہ محقق بات ہے۔ کہ قیامت کے دن جنتیوں میں اللہ تعالیٰ اسے یوں اٹھائیگا۔ کہ اس پر نورِ ایمان کی ایک چادر ہوگی۔

(۳) وعن عبداللّٰهِ ابن عمر انّ معاویة کان یکتُبَ بین یدی رسول اللّٰهِ صلے اللّٰه علیه وسلم ۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر لکھا کرتے تھے۔۔۔ یہ مشہور ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اِنَّ اللّٰهَ ائتُمِنَ عَنْ وَحْیِہٖ انا ومعاویة۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی بھی تھے۔۔۔

"امین"

علامہ جلال الدین سیوطی نے ایک روایت بیان کی ہے۔

(۴) عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ ان جبرئیل اتی النَّبِیُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال یا مُحَمَّدُ اقرًا معاویۃ اَلسَّلَامُ و استوصی بہٖ خَیرًا فَاِنَّہٗ اَمِینُ اللّٰہَ علٰی کتابہٖ وَوَحْیِہٖ وَ نِعْمَ الْاَمِیْنُ ۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ جبرئیل امین نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم معاویہ کو السلام علیک کہو۔ اسکو عمدہ وصیت فرمائیں۔ کیونکہ وہ کتاب الٰہی کا امین ہے ــــ اللہ تعالیٰ کی وحی کا امین ہے۔ اور بڑا عمدہ امین ہے۔

(۵) و عن عر باض بن ساریۃ قال قال رسول اللّٰہ صلّے اللّٰہ علیہ وسلم اَللّٰھُمَّ عَلِّمَ معاویۃ الْکِتٰبَ و الحساب ووقہٖ العذاب ۔عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اللہ معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذاب سے بچا۔

ایک حدیث میں یہ دعا بھی ہے ــــ دعائے رسولؐ۔ بشارت حکومت

(٦) عن مسلم بن مخلداَنّ النّبی صلی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسلم قال لمعاویۃ اللّٰھُمّ علمہ الکتٰب و الحساب وَمکن لَہٗ فی البلاد ۔وقع سُوء العذاب ۔ مسلم بن مخلد سے روایت ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اللہ معاویہ کو علم عطا کر اور حساب کا علم عطا کر اور اسے حکومت دے۔ اور عذاب سے بچا۔

بشارتِ رسولؐ

(۷) عن سعید بن العاص ان معاویۃ اَخَذ الارادۃ بعد ابی ہریرۃ یتبعُ رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وَسلم وَاشْتَکِیٰ ابو ہریرۃ ھُوَ یوصی رسول اللّٰہِ صلّے اللّٰہ علیہ وسلم رفع رأسہ الیہ مرّۃ او مرّتین و ھو یتوضأ فقال یا معاویۃان ولیت امرًا فاتق اللّٰہ و اعدل قال فما زلت اظنَّ الٰی مبتلی بعمل [1] بقول رسول اللّٰہ حتّٰی ابتلیت (رواہ احمد و ابو یعلی) سعید بن العاصؓ روایت کرتے ہیں ــــ کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے بعد حضرت

---

[1] اشارہ ہے۔ ام سلمہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہؓ کی خواب کی طرف۔ (خواب صفحہ ۲۷ پر)

امیر معاویہؓ نے پانی کا لوٹا پکڑا۔اور حضورؐ کے پیچھے چلنے لگے۔حضرت ابو ہریرہؓ نے شکایت کی ـــــ حضورؐ وضو فرما رہے تھے۔کہ اس دوران سر مبارک اٹھا کر۔ایک یا دو بار ان کی طرف دیکھا۔آپؐ وصیت فرما رہے تھے ـــــ اور فرمایا۔اے معاویہ اگر تم حاکم بنو تو اللہ سے ڈرنا اور عدل کرنا ـــــ حضرت امیر معاویہؓ کہتے ہیں۔مجھے ہمیشہ خیال رہتا۔کہ حضورؐ کے فرمان کے مطابق اس فتنہ میں ضرور مبتلا ہونگا ـــــ

محاسنِ امیر معاویہؓ

(۸) وعن ابی الدّرداء قال ما رأیت احدًا لعبد رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم اَشْبَہَ الصلٰوۃ بِرسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم من احدکم ھٰذا یعنی معاویۃ ابودرداؓ فرماتے ہیں۔کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ سے زیادہ مشابہت رکھنے والا نماز پڑھانے والا۔امیر معاویہؓ کے سوا کوئی نہیں دیکھا ـــــ

(متذکرہ بالا روایات مجمع الزوائد ومنبع الفوائد از علامہ نور الدین الہیتمی سے نقل کی گئی ہیں)

ان حقائق اور ارشاداتِ نبویؐ کو سامنے رکھکر ـــــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان ''تنازعہ'' کے اصل اسباب کو زیرِ نظر رکھکر ہی اس معرکہ کے جائز ـــــ ناجائز ہونے کا فیصلہ دینا ضروری ہے۔

واضح ہو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف بذات خود ایک واقعہ نہیں۔بلکہ اس واقعہ کی ابتدا خلافتِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہے۔وہ ''بنیاد'' جیسا کہ گزشتہ بیان ہوا۔''اجرائے رسالت'' ـــــ کے ساتھ اقتدار اعلےٰ کی ہیئت کا ظاہر ہونا ہے ـــــ یعنی اجرائے رسالت میں۔قُمْ فَاَنْذِرْ کے حکم کے مطابق صرف اجرائے قرآن ـــــ احکامِ الٰہی ـــــ خوفِ قیامت۔محاسبۂ قیامت اور نجاتِ آخرت کا اصل تصور ـــــ اور واحد انسانی عمل ہے ـــــ جس میں اجرائے رسالت کیلئے۔ایک خلیفہ کا تقرر ـــــ شرائطِ دینی کے تحت۔لازم رکھا گیا ـــــ اسکے مقابل۔اقتدار اعلےٰ ایک ثانوی ہیئت ہے۔جو دین ـــــ یا اجرائے رسالت سے متعلق نہیں۔

کہ قرآن وسنت کے احکام کے ضوابط پر اسکی تعمیر ہو ـــــ یا اسکا اجرأ ہو۔ اسلئے اقتدار اعلیٰ کی تعمیر کیلئے۔ اجتہادی ضابطے مرتب کئے جاتے ہیں۔ جسکے لئے چونکہ اقتدار اعلیٰ اجرائے رسالت کے ساتھ ساتھ جاری رہتا ہے۔ اسلئے اقتدار اعلیٰ کے ضوابط بھی اجرائے رسالت۔ قرآن وسنت کی حدود کے اندر ہی مرتب کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا ایسے ضوابط مرتب کرنے کیلئے۔ قرآن وسنت کے ساتھ اجتہادی عمل ضروری ہوتا ہے ـــــ جسکے لئے شرائطِ دینی کے سوا ایک خلیفہ یا جماعتِ اسلامی میں۔ اعلیٰ فہم وتدبر۔ سیاست۔ اور حکمران ذہن ہونا لازمی ہے۔ دین اسلام میں اقتدار اعلیٰ کا تصور اگرچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت میں ہی پیدا ہوا۔ کہ تبلیغِ اسلام میں ''اجرائے رسالت'' سے سوا۔ مخالفین اسلام کی جنگ وجدل۔ مزاحمت ودفاع کیلئے۔ احکام الٰہی سے سوا۔ عقلی تدابیر سے کام لینا ضروری ہوا۔ لیکن آپ کے زمانۂ رسالت میں۔ نہ اقتدار اعلیٰ کی کوئی ٹھوس ہیئت ظاہر تھی نہ اسکے لئے (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں) کسی تدبیر کی ضرورت پڑی کہ اس طریق کو اجرائے دین میں شرعی طور استعمال کرنا لازمی ہوتا۔ ایسے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اقتدار اعلیٰ کے ضابطوں پر انحصار نہ کیا گیا۔ اور عہد فاروقی میں جب اجرائے رسالت میں۔ وسیع سرزمینِ عجم تک قرآن وسنت کا عمل پھیلا۔ اور وسیع زمین اسلام کے دائرۂ اقتدار میں آئی۔ تو قدرتی طور اقتدار اعلیٰ کی ہیئت نمایاں ہوگئی۔ اور یہ ہیئت اجرائے رسالت میں جز کی حیثیت اختیار کر گئی۔ جسکے لئے۔ خلافتِ اسلامی میں ـــــ اقتدار اسلامی کیلئے اجتہادی عمل لازم ہوگیا ـــــ یہ زمانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا ـــــ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ احکامِ شریعت کے شدت سے پابند تھے۔ اور ایسے میں بھی اقتدار اعلیٰ کے نظام کیلئے اجتہادی ضابطوں کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ تو اس وقت بھی اقتدار اعلیٰ کی ہیئت۔ اجرائے رسالت کے ضابطوں کے زیر اثر رہی۔ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافتِ اسلامی میں کئی اجتہادی اصلاحیں کیں ـــــ جیسا کہ بیان ہوا۔ کہ کفار مکہ کی اہل اسلام پر یلغار نے اقتدارِ اعلیٰ کی ضرورت پیدا کردی ـــــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں۔ عرب وعجم کی وسیع سرزمین خلافتِ اسلامی کے زیر نگیں آچکی تھی۔ ایسی

صورت میں ۔خلافتِ اسلامی میں مفتوحہ ممالک کے تحفظ اور اشاعتِ اسلام ـــــ اجرائے رسالت کیلئے ۔اقتدارِ اعلیٰ ۱؎ کو استعمال کرنا ضروری ہوا ـــــ لہٰذا انتخابِ خلیفہ ۔اور خلافت میں ـــــ اقتدارِ اعلیٰ کے تحفظ و استحکام کیلئے ـــــ شرائطِ دینی سے سوا۔اجتہادی عمل کو ضروری سمجھا گیا ـــــ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ۔خلافت کے ساتھ اقتدار اعلیٰ کی منصوبہ بندی میں ۔شرائطِ دینی سے سوا۔ایک خلیفہ کیلئے ۔صاحبِ فہم و تدبر ـــــ سیاستدان ۔اور حکمران ذہن ہونا ضروری تھا ـــــ جسکے لئے قرآن وسنت سے علاوہ خلیفہ اپنے تدبیر و فہم سے اقتدار اعلیٰ کے ضوابط اختراع کرے۔ تاکہ خلافتِ اسلامی میں ۔اقتدارِ اعلیٰ کو استحکام و تحفظ اور وسعت و دوام حاصل ہو ـــــ حضرت امیر معاویہؓ کے خیال میں اجرائے رسالت میں ۔اقتدارِ اعلیٰ کو زیادہ مستحکم بنانے کا منصوبہ تھا۔آپؓ اسلام میں داخل ہونے کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے۔ بیشتر جنگوں میں آپ شامل رہے۔اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ رسالت کے بعد آپؓ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں گورنر کے عہدے پر فائز رہے۔انہیں امن اور جنگ کے تجربات پر عبور حاصل تھا۔آپؓ نے عرب وعجم کے عروج و زوال کا پورا تجزیہ کیا تھا ـــــ یہی وجہ تھی ۔کہ عہدِ فاروقی سے ہی آپ یہ احساس رکھتے تھے۔کہ خلافتِ اسلامی کے بقا و وسعت کیلئے ۔اجتہادی عمل کی ضرورت پیش آئیگی ـــــ انہوں نے گزشتہ ادوار کے شہنشاہوں کی حکمرانی کے اثرات کا مطالعہ کیا تھا ـــــ کہ گزشتہ دور میں عوام الناس شہنشاہوں کی امارت ۔اور شاہی جلال سے مرعوب ہوکر انکے مطیع ۔فرمانبردار۔غلام ہوتے رہے ـــــ اِدھر یہ تاثر بھی عوام الناس کے ذہنوں پر طاری تھا۔کہ اسلام میں نہ دارالخلافہ ہے۔نہ شاہی امارت ہے۔نہ خلیفہ میں شہنشاہی جلال کا کوئی اثر ہے ـــــ نہ شاہی دبدبہ ہے ـــــ یہ ایسی کمی ہے۔جس سے عوام الناس اسلام کی طرف رجوع کرنے میں دلکشی یا دلچسپی

---

۱؎ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بذاتِ خود اجتہادی اصلاحوں میں حکومتِ اسلامی سے متعلق نظام جو آپ نے وضع کیئے ۔ڈاک کا نظام ۔قاضیوں کا تقرر ۔خزانہ (بیت المال) کا دفتر ۔فوجی دفتر ۔مردم شماری ۔شہروں کی آبادی ۔محکمہ پولیس ۔محکمہ سی۔آئی ۔ڈی۔اور کئی ایک اصلاحات ۔سب اقتدارِ اعلیٰ کے نظام سے تعلق رکھتے ہیں۔جو بظاہر دین کی جز میں شامل نہیں ـــــ

نہیں پاتے۔ضرورت ہے۔کہ عوام الناس کے سامنے ایسے آثار لائے جائیں۔جن سے لوگ مرعوب ہوکر۔اسلام کی طرف رجوع کریں ـــــ دوسرا خیال یہ تھا۔کہ جیسے جیسے اسلام دنیا کی وسعتوں میں پھیلتا جاتا ہے۔ابھی کئی باطل طاقتیں باقی ہیں۔جوآئے دن اسلام کو مٹانے کے درپے وآمادہ رہتی ہیں۔ بظاہر اسلامی ہئیت دیکھکر وہ اقتدارِ اسلامی پر یلغار کرنے کی جرأت نہ کرسکینگی۔اور اسلامی لشکر کی ہئیت ان پر طاری ہوکر پسپائی اختیار کرینگی ـــــ لہٰذا۔اجرائے رسالت (اجرائے قرآن وسنت) کیلئے۔اقتدارِ اعلیٰ کے استحکام کو اولیت دی جائے ـــــ جس میں ایک خلیفہ کے تقرر کیلئے۔دینی شرائطِ خلافت کے مقابلہ میں۔ایک خلیفہ کیلئے۔صاحبِ فہم وتدبر۔سیاستدان ہونا بھی لازمی رکھا جائے ـــــ اور جہاں تک تبلیغ دین کا تعلق ہے۔اس عمل کو ثانوی حیثیت دی جائے ـــــ کہ اقتدار اعلیٰ کے ذریعہ۔باطل قوتوں کو زیر کرکے اسلام کا مطیع بنایا جائے ـــــ تو اسلام میں داخل ہونے میں۔اسلام (علمائے امت) خود انہیں آدابِ انسانیت سکھا کران میں روحانی لذت پیدا کریگا ـــــ اس طرح اقتدارِ اعلیٰ کے ذریعہ اجرائے رسالت کا مقصد پورا ہونے میں آسانی پیدا ہوگی۔

یہ زمانہ تھا۔کہ خلافتِ اسلامی۔وسیع سرزمین کو زیر کرکے ایک وسیع سلطنت کی ہئیت اختیار کرچکی تھی ـــــ اور اسی سلطنت کی شکل میں اس سلطنت کا تحفظ واستحکام ضروری ہو چکا تھا۔لہٰذا اس عمل میں ابتدائے اجرائے رسالت (خالص تبلیغ دین) جیسا طریق استعمال کرنے سے اقتدار اعلیٰ کی وسعت واستحکام۔اور دیگر امورِ سلطنت انجام نہیں دیئے جاسکتے تھے۔جسکے لئے انتخابِ خلیفہ میں۔ایک خلیفہ کا نظامِ اقتدار اعلیٰ کی انجام دہی۔اور منصوبہ بندی میں صاحب فہم اور سیاستدان ہونا لازمی تھا ـــــ اس طرزِ عمل سے۔شرائطِ دینی کے ضابطے پر انتخاب نہ ہونے کی صورت میں۔ دینِ اسلام کی روح مجروح ہونے کا اندیشہ تھا۔یعنی ایک خلیفہ کی صفات میں۔امت میں سب سے زیادہ قرآن وحدیث کا عالم ہونا ـــــ امت میں سب سے زیادہ عمل میں صاحب ریاضت وتقویٰ ہونا۔اور خلافتِ اسلامی کو صرف تبلیغ دین۔اجرائے قرآن وسنت ـــــ اجرائے رسالت کیلئے مخصوص کرنا ـــــ اسکے برعکس ایک خلیفہ کا تقرر محض فہم وتدبر اور سیاستدان ہونے ـــــ پر موقوف رکھا

جائے۔اس حال میں کہ وہ شرائطِ دینی کے اوصاف نہ رکھتا ہو ــــ ایسی صورت میں اجرائے رسالت کا حقیقی تصور یکسر ختم ہو جاتا ہے ــــ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسا کہ انکے نظریات بیان کئے گئے۔ کہ خلافتِ اسلامی ایک سلطنت کی ہیئت اختیار کر چکی تھی۔جس میں۔اتباعِ قرآن وسنت سے علاوہ سلطنتِ اسلامی کے استحکام وانتظام کیلئے چونکہ قرآن سے احکام حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔اس لئے اجتہاد کے ذریعہ احکام وانتظام کو شامل کیا جائے۔تا کہ خلافتِ اسلامی کی ہیئت کو مستقل طور طویل زمانہ تک استحکام و وسعت حاصل ہو۔اس طرح اجرائے رسالت کا عمل بھی طویل زمانہ تک باقی رہے ــــ لیکن حضرت علیؓ اس اصول اور نظریہ سے متفق نہ تھے۔اس خیال سے۔کہ اگر اجرائے رسالت میں۔قرآن و سنت پر عمل اور اتباع کی صورت میں۔شرائطِ دینی پر خلیفہ کا تقرر نہ ہوا۔تو رفتہ رفتہ مادی وسائل پر بھروسہ کرنے سے حصولِ دنیا کی خواہشات بڑھکر اسلام میں۔قرآنی ــــ روحانی عمل۔عبادات و تقویٰ پر رجوع ختم ہو کر امت سے روحانی عمل کی خاصیت ختم ہو جائیگی۔اور مسلمان صرف حصولِ دنیا کیلئے ہی جدوجہد کرینگے۔اور اسلام کا نام برائے نام رہیگا ــــ چونکہ بعثتِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم ــــ اجرائے قرآن۔محض۔ایمان وتقویٰ کیلئے ہی عمل میں آنا ضروری تھا۔تو خلافت کی بنیاد قرآن و سنت کے احکام تک ہی محدود ہونا چاہیے۔تا کہ مخلوقِ انسانی کو حصول دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی نجات کا سامان میسر ہو ــــ یہ ایک حقیقت ہے۔کہ اسلام۔دین ــــ خلافتِ اسلامی کا اصل مقصد یہی ہے ــــ لیکن یہ ایک فطری امر ہے۔کہ حق کے مقابل باطل کا عمل سامنے آتا ہے۔تو اسکے لئے مادی وسائل کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔اسلئے ایسے ذرائع بھی لازم ہو جاتے ہیں۔ایسی صورت میں مادی ذرائع بھی اجرائے رسالت کے استحکام ودوام کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں ــــ البتہ انسانی سرشتِ خاکی کا تقاضا ہے۔کہ انسانی خواہشاتِ نفسانی انسان کو مادیت کے قریب اور روحانیت سے دور کرنے کی عادی ہوتی ہیں۔اسلئے حصولِ ہدایت کیلئے۔ایک متقی۔صاحب علم۔صاحب قرآن ہادی کی ہر لحہ ضرورت رہتی ہے ــــ یہی ہادی۔ایک رسول۔ایک خلیفہ کی شکل میں ہر زمانہ میں

مخلوقِ انسانی کو میسر آنا چاہیے۔اسی نظریہ پر خلافتِ اسلامی میں ۔ایک خلیفہ کا تقرر۔بحیثیت نائب رسول ۔قائم مقام رسول اللہؐ۔شرائطِ دینی کے مطابق ہونا ضروری ہے ـــــ اور اسکے ساتھ ۔دینِ اسلام میں علمائے امت کا وجود ہونا بھی اشد ضروری ہے ـــــ اس حال میں کہ اگر خلافتِ اسلامی کو اقتدارِ اعلیٰ کی صورت میں چلانا پڑا۔تو امت کے علمائے حق ۔لوگوں کی اصلاح اور عبادات وتقویٰ ـــــ اور نجاتِ آخرت کیلئے ۔قرآن وسنت کے اجرأ سے علم وعمل فراہم کریں۔تو اس صورت میں دونوں ۔صورتوں میں ۔اجرائے رسالت کا مقصد پورا ہو جاتا ہے ـــــ ہاں! یہ یادرکھنا چاہیے۔کہ اسلام میں ۔اجرائے رسالت ( تبلیغ دین ) ہو۔یا اقتدار اعلیٰ کی صورت ـــــ اہل اسلام کی اس سلسلہ میں جدوجہد اپنی ذات کیلئے نہیں۔ بلکہ اجرائے رسالت اور استحکام و دوام کیلئے۔عبادات و تقویٰ اور نجات آخرت کے تصور پر ہی ہوتی ہے۔جس میں کسی فرد کیلئے ۔نہ حصولِ مال و زر کی خواہش ۔نہ امارت وحکمرانی کی خواہش درمیان میں پائی جاتی ہے۔جیسا کہ بیان ہوا۔خلافت کے حصول میں ۔غم ومصائب ۔دل سوزی۔مشکلات ۔فاقہ ۔قناعت ۔دنیا سے لاتعلقی ـــــ عجز۔پستی۔ احساس ذمہ داری ۔اور محاسبۂ خداوندی کے شدید اثر کا احساس ہوتا ہے ایسی صورت میں ۔خواہ اجرائے رسالت تبلیغ دین کی صورت میں ہو یا اقتدار اعلیٰ کی حکمران حیثیت میں ہو۔بنیادی تصور۔ بنیادی مقصد۔ایک متقی ۔صاحبِ علم خلیفہ کا تقرر اور اسکے ساتھ قرآن وسنت پر مکمل عمل پر ہی خلافتِ اسلامی کی بنیاد۔نتیجہ خیز اور حقیقی ہوسکتی ہے۔دینی اعتبار سے امت کا ہر فرد اجرائے الدین الاسلام میں خوف قیامت اور محاسبہ قیامت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

یہی صورت ان ہر دو اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ـــــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان زیرِ نظر تھی۔ ہر دو اصحاب حصولِ خلافت میں ایک ہی مقصد اجرائے قرآن وسنت کے دوام واستحکام کا نظریہ رکھتے تھے۔جہاں تک تاریخ اسلام میں ۔ جنگ صفین کا ذکر ہے ـــــ میں کہتا ہوں۔محقق ہونے کے باوجود ان ہر دو اصحاب کے مابین تنازعہ میں بنیادی حقائق پر نظر نہیں ڈالی گئی ـــــ یہ ظاہر ہے۔کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر

معاویہؓ کے درمیان جنگِ صفین کو ''خلافت'' کے حصول پر معرکہ آرائی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ حقائق پر غور کرنے سے یہ تاریخی واقعہ ثابت کرتا ہے۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد۔ خلافت کیلئے حضرت علیؓ کا انتخاب اصولِ شریعت کے تابع ضروری تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایسے موقع پر خلافت کیلئے نامزد ہونے کا کوئی موقع نہ تھا۔ نہ اصولی طور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ بات تھی۔ کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں شرائطِ دینی۔ شرائطِ خلافت کے تحت اپنے آپ کو لائقِ خلافت سمجھتے ہوئے محض حصولِ خلافت کیلئے جنگ کریں۔ سوائے اس کے انکی نظر میں یہ تصور ضرور تھا کہ انکے نظریہ کے مطابق الدین الاسلام کی ہیئت کے ساتھ کسی حد تک۔ اقتدارِ اعلیٰ کو شرائطِ دینی میں۔ شامل کر کے اجرائے قرآن وسنت اور تعمیل احکامِ قرآنی کیلئے خلافت اسلامی تادیر وسیع قوت کے ساتھ قائم رہے۔ اس حال میں کہ آپؓ کے نزدیک یہ ممکن تھا۔ کہ حکمران حیثیت میں وہ اس نظریہ کو عملی جامہ پہنانے میں بہتر صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہاں یہی ایک نکتہ ہے۔ کہ اس جدوجہد میں حضرت امیر معاویہؓ کے ذہن میں اور کوئی خواہش۔ یا ذاتی نفع ہرگز نہ تھا۔ اسی نظریہ پر حضرت امیر معاویہ نے۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ حضرت امام حسن علیہ السلام سے مقامِ خلافت حاصل کیا۔ جبکہ وہ جانتے تھے۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتخاب (مجلسِ شوریٰ) کے پانچ افراد میں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی نامزد ــــ مستحق۔ خلیفہ ہو سکتے ہیں۔ جس ضابطہ کے خلاف حضرت امیر معاویہؓ کا۔ کسی اور نظریہ کے تحت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں حصول خلافت کیلئے جنگ کرنا (انکے نزدیک بھی) ایک گناہ عظیم کے مترادف تھا اور اسی ضابطہ کے تحت امام حسن علیہ السلام۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد۔ تمام شرائط خلافت میں بدرجہ اولیٰ متصف بہ صفاتِ اولیٰ۔ مستحقِ خلافت سمجھے جاتے تھے جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس حقیقت کو سمجھتے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد حضرت امام حسنؓ ہی اس مقام کے اہل ہیں۔ اس حال میں کہ حضرت امیر معاویہؓ بخوبی اس امر سے واقف تھے۔ کہ امام حسن علیہ السلام ہی شرائطِ دینی۔ شرائطِ خلافت کے تحت خلافت کے جائز حقدار ہیں ــــ اس حال

میں نہیں کہ آپ خاندان نبی ـــ نسب النبی کے لحاظ سے خلافت کے حقدار ہوں۔ سوائے اسکے کہ آپؓ کی حیثیت ایک امتی ـــ یا اصحابی کی ہو۔ جبکہ امت مسلمہ میں ایسے وقت میں ہزاروں۔ متقی۔ مومن بہ اعلےٰ صفات موجود تھے۔ البتہ حضرت امیر معاویہؓ اصحابِ رسول للہ صلے اللہ علیہ وسلم میں سے تھے۔ آپؓ حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں ایک صحابی کی حیثیت سے شام کے گورنر رہے ـــ حضرت عثمانؓ کی شہادت پر آپؓ نے ایک والی (عزیز) کی حیثیت سے۔ خلافت کا مطالبہ نہیں کیا۔ بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بحیثیت خلیفۃ المسلمین مطالبہ کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلان کو اگر وہ خود انکا محاسبہ نہیں کرتے۔ تو انہیں انکے حوالے کردیں ـــ اس امر سے واضح ہے۔ کہ شرائطِ دینی کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہ خلافت کیلئے نامزد کئے گئے۔ نہ خلافت میں انکا حق سمجھا گیا۔ چنانچہ اس امر کی تصدیق۔ نہج البلاغہ مع شرح میثم بحرانی صفحہ نمبر ۵:۱۹۴ کے بیان سے واضح ہو جاتی ہے ـــ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تمام شہریوں کو ایک گشتی چٹھی لکھی۔ کتبہ الیٰ اھل الامصار یقص فیه ما جدیٰ بینه و بین اهل صفین و كان بدا امرنا انا التقینا و القوم من اهل الشام والظاهر انّ ربّنا واحد و نبینا واحد و دعوتنا فی الاسلام واحدة ولا نستزيد هم في الایمان بالله والتصدیق برسوله ولا یستزیدوننا الامر واحد الاما اختلفنا فيه من دم عثمان ۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تمام شہریوں کو ایک گشتی مراسلہ لکھا۔ کہ صفین میں ہمارے اور اہل شام کے درمیان جو جنگ ہوئی ـــ اس سے کوئی غلط فہمی نہ ہو کیونکہ ہمارا رب ایک ہے ـــ نبی ایک ہے ـــ ہماری دعوتِ اسلام ایک ہے۔ ہم شامیوں کے مقابلہ میں اور اللہ رسول کے ایمان و یقین میں۔ زیادتی کا دعویٰ نہیں کرتے۔ نہ وہ ہمارے مقابلہ میں یہ دعوےٰ کرتے ہیں۔ اللہ و رسول کے ایمان پر ہم اور وہ برابر ہیں ـــ اختلاف صرف قتل عثمان پر ہے۔ اور یہی تنازعہ کی وجہ ہے ـــ ایسا ہی ایک بیان حضرت امیر معاویہؓ سے منسوب ہے۔ جو نہج البلاغہ کی شرح درۃ النجفیہ صفحہ ۳۰۱ پر درج ہے۔

وہ یوں کہ حضرت امیر معاویہؓ سے جنگ صفین کی وجہ پوچھی گئی۔ تو آپ نے فرمایا فقال معاویة لست اقاتله لانّی افضل منه ولکن اقاتله لیدفع الی قتلته عثمان (رضی اللّٰه عنه) حضرت معاویہؓ نے فرمایا۔ کہ حضرت علیؓ سے میری جنگ اس بنأ پر نہیں ہوئی کہ میں اس سے افضل ہوں (حقدارِ خلافت ہوں) بلکہ اسلئے ہوئی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قاتل میرے حوالے کر دیں۔

اور جہاں تک تاریخی اعتبار سے جنگ صفین کا تعلق ہے۔ یہ امر محقق ہے۔ کہ اس جنگ میں ہر دو اصحاب کی حمایت میں۔ کثرت سے صحابہ ایک دوسرے کے ساتھ جنگ میں شامل ہوئے ـــــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہزاروں اصحاب نے جنگ میں شرکت کی۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہزاروں صحابی شامل ہوئے۔ اس حال میں نہیں کہ انہوں نے الدین الاسلام سے بغاوت کی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ یہ سب اہل اسلام مومن تھے ـــــ اور پھر ایک طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ جنکی حضور صلے اللہ علیہ وسلم خود تعریف فرماتے ہیں۔ کہ دَمُّکَ دَمِیْ ۔ تمہارا خون میرا خون ـــــ اور علی مجھ سے ہے.......... اور پھر داماد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ اور ادھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ برادر نسبتی (ام حبیبہؓ کے بھائی۔ جو ام المومنین ہیں) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی۔ مبشر رسولؐ۔ جنکی خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حکومت کی بشارت دی۔ اور سب سے اہم یہ مقام کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ امت کی عظیم محدثہ۔ و مجتہدہ حضرت امیر معاویہؓ کی حمایت (دمِ عثمانؓ) میں بہ نفس نفیس جنگ میں شریک ہوئیں۔ اور اونٹ پر سوار ہو کر لشکر کی قیادت فرما رہی ہیں۔ اسی نسبت سے اس جنگ کو جنگ جمل کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ حقیقتاً دشمنانِ اسلام۔ یہود نے اس جنگ کو کثیر تعداد میں قتل سے گھناؤنی شکل میں پیش کیا۔

ان حقائق کی روشنی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان اختلاف ـــــ تنازعہ ـــــ جنگ۔ حصول خلافت کیلئے نہیں۔ بلکہ ابتداً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقامِ خلافت پر فائز ہونے پر حضرت امیر معاویہؓ کا صرف اور صرف قاتلانِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی گرفتاری کا مسئلہ تھا۔ یہ اختلاف اس حد تک وسیع ہوتا گیا ـــــ کہ آخر حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت

علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت تسلیم کرنے سے اعراض کیا ــــــ ایسے موقع پر بھی۔ منافقین نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اس بارود میں آگ لگائی۔ دونوں طرف کے حامیوں میں شامل ہوکر۔ ہر دو اطراف کے منافقین نے۔ ہر دو اصحاب کے خلاف سَبُّ دشتم۔ گالیاں۔ اور نکتہ چینی کا زہر پھیلا کر ان میں فساد کی شکل پیدا کر دی۔ اور یہ باور کیا جا سکتا ہے۔ کہ اس اختلاف میں ایک عظیم جنگ اور قتل و غارت گری کا فسانہ محض یہود و منافقین کی اختراع کے سوا اتنی عظیم جنگ کا واقع ہونا ایک بے معنی افسانہ ہے۔

یہ حقیقت ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اہمیت بڑھ گئی۔ کیونکہ اب خلافتِ اسلامی میں۔ نہ خلیفہ کی حیثیت قائم تھی۔ نہ مجلس مشاورت کا وجود باقی رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نامزد کردہ مجلس شوریٰ کے افراد نے بھی علیٰحدگی اختیار کر لی۔ لہٰذا ایسے موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابل ایک شخصیت کو ابھرنے کا موقع ملا۔ وہ شخصیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کی ہی تھی۔ مشیت الٰہی ــــــ اور بشارتِ رسول اللہ کو پورا ہونا تھا ــــــ (صفحہ ۶۴۔۶۵ پر)

فرمانِ نبویؐ کے مطابق نبوت کی خلافت (اجرائے رسالت) تیس برس تک رہیگی۔ پھر ملک سلطنت ہو جائیگا ــــــ پھر اللہ جسکو چاہے۔ سلطنت دے دے ــــــ دوسرا فرمان۔ ''اے معاویہ تو حکمران بنے تو عدل کرنا'' ــــــ اور دعائے رسولؐ '' وَمَكِّنْ لَهُ فِي الْبِلَادِ '' ہاں مشیت الٰہی کو بھی پورا ہونا تھا۔ کہ منافقین کی سازش اور خود بعض کوفی مسلمانوں کی منصوبہ بندی کے نتیجہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شہید کر دیا گیا ــــــ خلافتِ اسلامی پھر ایک ''حقدار'' ۔ خلیفہ سے محروم ہو گئی۔ اس مقام پر بھی۔ اب نہ خلیفہ کے ذریعہ کسی فرد کا خلافت کیلئے انتخاب ہونا ممکن رہا۔ نہ مجلسِ مشاورت کے ذریعہ کسی فرد کا انتخاب ہونا ممکن ہوا۔ اس وقت امت مسلمہ پھر انتشار کا شکار ہو گئی ــــــ ہاں۔ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ خود کسی فرد کا انتخاب کرتے ــــــ تو اسکی بھی گنجائش نہیں تھی ــــــ کہ انکی نظر میں کوئی لائقِ خلافت ہوتا۔ حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق وہ خود رائے نہ دیتے۔ کیونکہ خلافت کے

انتخاب میں انکے آپس میں اختلاف تھا ____ لہٰذا عوام المسلمین ہی کسی فرد کا انتخاب کرتے۔ ایسی صورت میں۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی ذاتِ عالی اس مقام کی اہل تھی۔ کہ ان میں شرائطِ خلافت کے تمام اوصاف بدرجہ اولیٰ موجود تھے۔ اس لحاظ سے حضرت امام حسن علیہ السلام ہی کو خلافت کا حقدار تصور کیا جانا۔ عین اصول شریعت کے تابع درست تھا۔ لیکن۔ اس وقت حضرت حسنؓ کے مقابل۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اہمیت حاصل ہو چکی تھی ____ انہوں نے۔ اس موقع پر اپنے نظریہ کو تقویت دینے کی کوشش کی۔ اول یہ کہ ابھی انکا مطالبہ قاتلانِ حضرت عثمانؓ کے خلاف کاروائی کرنا باقی تھا۔ جسکے لئے امام حسن علیہ السلام موقع کی مناسبت سے (جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خیال کے مطابق یہ عمل بے موقع تھا) ایسا کرنے کے حق میں نہ تھے ____ دوسرے۔ خلافتِ اسلامی میں اندرونی خلفشار ____ منافقین کی شدید سازش ____ اور کھلم کھلا بغاوت اور اہم بات منافقین کی یہ کہ انہوں نے۔ ''شیعانِ علی''۔ کا روپ دھار کر حضرت علیؓ کی شہادت کا ماتم کرنا شروع کیا ____ ظاہر ہے۔ یہ فساد۔ ایک طرف امت مسلمہ کے خلاف تھا۔ دوسرے حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف۔ کہ انہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دشمن بنایا گیا۔ دراصل یہ روپ واقعی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حمایت میں نہ تھا۔ بلکہ ملتِ اسلامیہ میں انتشار و ضعف اور خلافتِ اسلامی کو مٹانے کا ایک منافقانہ منصوبہ تھا۔ اس میں امام حسن علیہ السلام فرزندِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیلئے بھی کوئی محبت و عقیدت نہ تھی۔ بلکہ منافقین حالات سے فائدہ اٹھا کر خلافتِ اسلامی کو ختم کرنے کی کوشش میں تھے۔ تاریخ کا تجزیہ غور سے کیا جائے۔ تو لازمی ایسے واقعات خود سامنے آتے ہیں ____

یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ امتِ مسلمہ اور اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ احکامِ الٰہی۔ احکامِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اطاعت و عمل کرنے میں شدت سے پابندی کرنے والے تھے۔ کہ جیسے احکام ہوتے اس پر عمل کرنے میں ذرہ بھر فرق نہ ہونے دیتے۔ اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ خلافتِ اسلامی کے اجرا و وسعت میں اصحاب رسول اللہ کا عمل سنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہوتا۔ جہاں تک خلافتِ اسلامی میں۔ خلیفہ کا انتخاب سنتِ رسول اللہؐ۔

سنتِ اصحابِ رسول اللہ کے مطابق ۔ایک ضابطہ۔ایک اصول کے مطابق ۔شرائطِ دینی کے تحت مقرر تھا۔اسکے خلاف صحابہ وامت میں کوئی بھی فرد ۔شرائط کے خلاف عمل کرنے پر کسی طرح بھی اپنے منصوبہ پر اپنی رائے کو داخل کرنے پر تیار نہیں ہوسکتا۔اسی ضابطہ پر جبکہ۔انتخاب خلافت میں شرائط دینی کی اہمیت کو لازم رکھا گیا ـــ تو اصحاب رسول اللہ ہوں ۔یا نسب رسول اللہ سے تعلق رکھنے والے ہوں ـــــ کوئی بھی حصولِ خلافت میں خواہش کرنے کا مجاز نہ تھا۔اسی ضابطے کے تحت ابتدائے خلافت میں ۔نسبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو شرائطِ خلافت میں لازم نہ رکھا گیا۔اس حال میں کہ نسبی اعتبار سے۔اول حضرت علیؓ کو خلافت کیلئے منتخب کیا جاتا۔یا اسی نسبت سے حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسینؓ کو وارث خلافت تصور کیا جاتا ـــــ ایسا نہیں ـــــ بلکہ اصول شرائطِ خلافت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے نسبی رشتہ کے مقابلہ میں ۔خلیفہ مقرر کیا۔اوراس کے بعد بھی نسبی اعتبار کے لحاظ سے حضرت علیؓ ۔یا امام حسن وحسینؓ کو حقدارِ خلافت تسلیم کیا جاتا۔ایسا نہیں۔اس حال میں کہ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان نسبی تعلق کو شرائط خلافت میں ۔لازم نہیں سمجھا گیا۔اور نہ حضرت علی ۔امام حسن ۔امام حسین علیہم السلام نہ دیگر نسبِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے والوں نے نسبی احساس کی بناء پر خود کو وارثِ خلافت سمجھا۔اسلئے کہ یہ عمل محض اجرائے قرآن وسنت کے تصور پر قائم تھا۔کہ ایسا شخص اجرائے قرآن وحدیث میں عملِ رسالت ۔قرآن وحدیث کے احکام کو مخلوقِ انسانی تک پہنچانے کا ذمہ دار۔لائقِ محاسبہ ـــ ہوگا۔اسلئے شرائط دینی کے مطابق ۔سوائے اولیٰ صفاتِ علم وعمل کے ۔کوئی فرد ۔خود خلافت کے لئے دعویٰ کرنے کا مجاز نہیں ۔ایسی صورت میں ۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک سوائے شرائطِ دینی ۔اپنی نسبی ۔نسبت ۔یا قرب رسول اللہ کی بناء پر۔حصولِ خلافت میں سعی کرنا۔انکےؓ نزدیک بھی جائز نہ تھا۔نہ ہی حضرت امام حسن علیہ السلام کے نزدیک ۔ جب تک کہ امت شرائط دینی کے تحت انہیںؓ ۔خلافت کیلئے منتخب نہ کرے۔حضرت امام حسنؓ کے ذہن میں بھی حصولِ خلافت کا تصور قائم ہونا۔آپ کی ذاتِ عالی کی خصوصیت سے۔ممکن نہ تھا۔جسکے لئے آپؓ

میں۔خلافت کے حصول کی خواہش پیدا ہوتی۔ہاں۔شہادت حضرت عثمانؓ کے موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خلافت کے مقام پر فائز ہونا۔شرائط وحالات کے عین مطابق۔درست تھا۔اول یہ کہ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منتخب کردہ مجلس مشاورت کے ارکان میں سے تھے۔جنہیں خلافت پر منتخب کیا جانا تھا ـــــ دوسرے وقت کی نزاکت کے تحت جب خلافتِ اسلامی بغیر خلیفہ کے تقرر کے انتشار کا شکار ہو رہی تھی۔ضروری تھا۔کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تحفظِ خلافت اسلامی کے مدنظر خود مقام خلیفہ پر فائز ہوتے۔انکے لئے یہ دونوں صورتیں لازم وواجب تھیں۔جس کے لئے کسی فرد کو (خواہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کیوں نہ ہوں) حضرت علیؓ کے مقابلہ میں حصولِ خلافت کیلئے۔آپؓ سے جنگ کرنا لازم تھا۔اور نہ ہی حضرت امیر معاویہؓ یہ جذبہ رکھتے تھے کہ وہ خلافِ شرائطِ دینی۔حصولِ خلافت کیلئے حضرت علیؓ سے جنگ کرتے۔اس حال میں۔کہ حضرت امیر معاویہؓ۔کامل۔صاحبِ تقویٰ۔مومن اور سنتِ رسول اللہ کی پیروی میں۔ذرہ بھر خلاف سنت اقدام کرنے میں اتنی وسیع جنگ کا سبب بنتے ـــــ یہ واضح ہے۔کہ اتنے عظیم المرتبت اصحابِ رسول اللہ محض حصولِ خلافت کیلئے۔خلاف سنتِ رسول اللہ کوئی اقدام کرتے ـــــ اگر ایسا ہوا۔تو واضح ہے۔کہ اس جنگِ جمل یا جنگ صفین میں واقعات وحقائق کچھ اور ہیں۔جن پر محققین۔نہ احاطہ کر سکے نہ تجزیہ کر سکے ـــــ جبکہ ان دونوں ہستیوں کے متعلق یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے۔کہ ان میں کون حق پر ہے۔اور کون حق پر نہیں۔جبکہ ایک طرف دامادِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔حق پرست۔اور دوسری طرف مبشرِ رسول اللہ اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ حضرت امیر معاویہؓ کی حمایت میں حضرت علیؓ کے مقابل نبرد آزما ہیں۔ظاہر ہے۔ایسے موقع پر کسی کو بھی غیر حق پر موردالزام ٹھہرایا نہیں جا سکتا۔اسکا اصل سبب یہی کہ باطنا دونوں ہستیوں میں وجہ فساد ایسا بنیادی مسئلہ ہے۔جسکے نتیجے میں۔نتیجتاً دونوں ہستیاں حق پر ثابت ہوسکتی ہیں۔ان میں بنیادی تصور۔الـدیـن الاسـلام کے دوام واستحکام اور اجرائے رسالت کا جذبہ ہوسکتا ہے ـــــ

یہ ایک الٰہی منصوبہ کے تحت عمل میں آتا ہے۔جسکا تجزیہ عقل سے نہیں ہوسکتا۔اسی نتیجہ

میں۔حضرت علیؓ کی شہادت واقع ہوتی ہے۔اور اسلام پھر ایک آزمائش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔اور پھر یہی ایک کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔کہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد۔شرائط دینی کے مطابق کس کا خلافت کیلئے انتخاب ہو۔یہ ایک حقیقت ہے۔کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان تنازعہ اور جنگ کے باوجود۔قرآن وسنت کی پیروی کرنے والے ہر دو اصحاب شرائطِ دینی کے مطابق انتخاب خلیفہ کے اصول پر قائم ہیں۔اسلئے یہ قوی یقین کے ساتھ تسلیم کرنا ایک حقیقت ہے۔کہ اس حال میں حضرت امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کی خلافت (اصولِ شرائط دینی کے مطابق) کو تسلیم کرتے ہیں۔صرف متنازعہ مسئلہ انکے حسب منشأ پورا کرنے کا اختلاف درمیان میں خلافت حضرت علیؓ کو تسلیم کرنے میں مانع رہا۔یہ تنازعہ دو ہستیوں کے درمیان شہادتِ حضرت علیؓ پر ختم ہو گیا ــــ جبکہ اس مسئلہ میں حصولِ خلافت کا تنازعہ ــــ درمیان میں نہیں تھا۔اور اب واحد مسئلہ۔خلافت اسلامی میں۔ایک خلیفہ کا انتخاب اور دوسرا۔خلافتِ اسلامی۔الدین الاسلام کے اجرأ میں۔تحفظ واستحکام کا اہم مسئلہ ہر فرد کے زیرِ غور تھا ــــ اس مقام پر بھی۔یہ محسوس ہوگا۔کہ حضرت امیر معاویہؓ نے خود حصول خلافت میں جدوجہد کی۔بلاشبہ ــــ ایسا محسوس ہوتا ہے ــــ! لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان جنگ کے احساس سے الگ ہو کر سوچا جائے۔تو ان کے آپس میں خلافت کے حصول پر جنگ کا خیال باطل تصور کیا جائے۔تو ایسے موقع پر بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جستجو۔ذاتی خواہش پر نہیں تصور کی جاتی۔بلکہ اول سے آخر تک۔خلافتِ اسلامی اور الدین الاسلام کے تحفظ۔استحکام کا واحد جذبہ انکے (حضرت امیر معاویہؓ) ذہن میں تھا۔کہ فی الوقت خلافتِ اسلامی کی منتشر حالت۔اور کمزور ساخت کے مدنظر۔آپؓ کا اس حقیقت کی طرف توجہ دینا۔ضروری تھا۔کہ حضرت امیر معاویہؓ کے نزدیک یہ ضروری تھا کہ امت مسلمہ کے فرد کی حیثیت سے ان پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی۔کہ باوجود۔وصف کے آپ خلافتِ اسلامی کی باگ ڈور خود سنبھال کر خلافتِ اسلامی کا تحفظ کریں۔یہ ایک شرعی۔شرائط دینی کا اہم نکتہ ہے۔کہ ہر فردِ امت پر خلافتِ اسلامی۔الدین الاسلام کی وسعت واستحکام اور

دوام کیلئے جستجو کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔اسی اصول وجذبہ کے تحت حضرت امیر معاویہؓ کے مقابلہ میں کوئی ایسی ہستی نہ تھی جو یہ ذمہ داری اپنے کاندھوں پر اٹھاتی۔ایسے واقعات میں حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔کہ ایک صاحبِ ایمان مومن۔اور سنتِ نبویؐ پر کامل اطاعت کرنے والی ہستی۔خلاف سنت اقدام کرنے پر کسی طرح بھی تیار نہیں ہوسکتی۔انکے نزدیک شرائط دینی کے تحت۔ اول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منتخب کردہ اصحاب میں ابھی چند ہستیاں موجود تھیں۔جو اصول شرائطِ دینی کے تحت انتخاب خلیفہ کیلئے۔باقی تھے۔انکے ہوتے۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے حقدار نہیں ہوسکتے تھے۔اسلئے انکا خلافت کے حصول میں جستجو کرنا۔خلاف شریعت تصور ہوتا تھا۔ دوسرے۔بلاشبہ نسبی اعتبار سے۔آلِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں حضرت علیؓ کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام لائق خلافت تسلیم کئے جاسکتے تھے۔ایسی صورت میں بھی حضرت امیر معاویہؓ حصول خلافت میں جستجو کرنے کے مجاز تصور نہیں ہوتے تھے ـــــ اسلئے یہ کسی طرح باور نہیں کیا جاسکتا۔کہ ان حالات کے ہوتے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حصولِ خلافت میں جدوجہد کرتے۔ نہ آپ نے ایسا کیا۔سوائے اسکے کہ حالات کے مطابق۔اب سوائے حضرت امام حسن علیہ السلام کے کوئی فرد لائقِ خلافت تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔اس حال میں کہ اب اصحاب میں۔فروعی تنازعہ کا اثر بھی باقی نہیں رہا تھا۔کہ حضرت امیر معاویہ تنازعۂ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو سامنے رکھکر۔کسی کی خلافت تسلیم نہ کرتے ـــــ بلکہ اب آپ کے دل میں یہ خواہش کہ استحکام خلافت کیلئے ایک مدبر صاحب فہم و فراست۔اور صاحب قرآن وحدیث فرد اس مقامِ خلافت پر فائز ہو۔جسکے لئے آپؓ کو اپنی فراست پر بھروسہ ویقین مسلم تھا۔کہ انکے بغیر خلافتِ اسلامی وقوعہ مشکلات اور دشمن اسلام منافقین کے شر سے تحفظ حاصل کرکے وسعت وتحفظ حاصل نہیں کرسکتی۔لیکن صورت یہ تھی۔کہ از روئے شرائط خلافت آپ براہ راست مقام خلافت پر فائز نہیں ہوسکتے تھے۔جب تک حضرت امام حسن علیہ السلام کی ذات درمیان میں حائل تھی۔کہ امت آپؓ کو خلافت کیلئے منتخب کرتی۔ایسی صورت میں حضرت امیر معاویہؓ کو اپنے منصوبہ کو روبہ عمل لانے کا قانونی حق حاصل نہ ہوسکتا ـــــ نہ وہ خلاف سنت ایسا اقدام

کرنے پر آمادہ ہوتے ۔ یہی حالات تھے ۔ جس بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن علیہ السلام سے یہ حق اصولاً حاصل کرنے کی کوشش کی ۔ کہ اگر حضرت امام حسنؓ اس امر کی شہادت اور سند دیں ۔ کہ ایک غیر مستحق فرد (حضرت امیر معاویہؓ) کے مقابلہ میں آپ خلافت کی ذمہ داری قبول کرنے میں حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں دست بردار ہوں ۔ تو آپ کو یہ حق حاصل ہو جاتا ۔ کہ بغیر خلیفہ کے انتخاب کے یا مجلس مشاورت کے انتخاب کے حضرت امیر معاویہؓ خود مقام خلافت پر فائز ہو کر انتظامِ خلافت سنبھال لیں ۔۔۔ جسکے لئے ۔ امت کا آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا شرائط خلافت ۔ شرائط دینی ۔ کے تحت ضروری تھا ۔ چنانچہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بمعہ حضرت امام حسینؓ کے بیعت کی ۔۔۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کیلئے ایسے پُرفتن ماحول میں منافقین کی منظم سازش میں ۔ اتنی وسیع سلطنت کا تحفظ کرنا مشکل امر تھا ۔ اور پھر سابقہ فسادات ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین قاتلان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مسئلہ ابھی طے نہیں ہوا تھا ۔ اسلئے حضرت امیر معاویہؓ نے ''فریق ثانی'' کی حیثیت میں ۔ خلافت کو اپنے ہاتھ میں لینے کا ارادہ کیا بدیں وجہ ۔۔۔ ایک یہ کہ ایسے وقت میں ۔ سلطنت اسلامی کے تحفظ اور اندرون منافقین کی بغاوت اور خلافتِ اسلامی کی بقا کیلئے ۔ ایک مدبر سیاستدان کی صلاحیتیں ہی کار آمد ہو سکتی ہیں ۔ دوسرے خلیفہ ہونے کی صورت میں ہی ۔ قاتلانِ حضرت عثمان سے انتقام لیا جا سکتا ہے ۔ تیسرے منافقین کے شر کو ختم کرنے کیلئے بھی ایک مدبر حکمران ذہن کی شدید ضرورت تھی ۔ حقیقتاً یہ اہم واقعات تھے ۔ جو سلطنتِ اسلامی میں رونما ہو چکے تھے ۔ جنکے لئے ۔ شرائط خلافت سے سوئی ایک سیاسی ۔ اور حکمران سیاستدان فرد کی اشد ضرورت تھی ۔ اس میں حضرت امیر معاویہؓ کا حصولِ خلافت میں جدوجہد کرنا ۔ انکی اپنی ذات کیلئے نہ تھا ۔ کہ وہ سلطنت کی دولت اور امارت سے اپنی خواہشِ نفسانی کو پورا کریں ۔ ہرگز نہیں ۔ انکی نظر میں اسوقت بھی ۔ اقتدارِ اعلیٰ کا استحکام اور اس وسیع مملکتِ اسلامی کو دشمن منافقین کی شر سے محفوظ رکھنے کا واحد مقصد تھا ۔ اور ۔ یہی مقصد انکے ذاتی نظریہ میں پہلے ہی سے موجود تھا ۔ کہ اب خلافتِ اسلامی میں ۔ صرف

اجرائے رسالت کا ایک انداز نہیں رہا۔ بلکہ اب خلافتِ اسلامی ایک سلطنت کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ اور یہی ذریعہ (اقتدارِ اعلیٰ) اجرائے رسالت کے استحکام کا ذریعہ بن سکتا تھا۔ لہٰذا اب اس سلطنت کی بقا۔ وتحفظ کیلئے تدبر وسیاست استعمال کرنا ضروری تھا۔ جو وہ اپنی دانست میں سمجھتے تھے۔ کہ انکے سوا یہ کام کسی اور فرد سے ہونا ممکن نہیں۔ اسلئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے محض۔ خلافتِ اسلامی۔ اجرائے رسالت ــــ وسعتِ دین۔ کی بقا کے مدِّ نظر خود خلافت کو اپنے ہاتھ میں لینے کیلئے اقدام کیا ــــ یہ خیال رہے۔ کہ اس وقت کے حالات کے مطابق۔ منافقین نے شیعانِ علی کے روپ میں۔ شرانگیزی کا سلسلہ شروع کر دیا ــــ ظاہر ہے ــــ اس وقت حضرت علیؓ کی حامی جماعت۔ دوسرے امام حسن علیہ السلام کی حامی جماعت ــــ ایک طرف۔ اور دوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حامی جماعت متصادم ہو کر اتحادِ مسلمین میں تفرقہ پیدا ہو جاتا۔ اور اہل اسلام ایک عظیم فتنہ کا شکار ہو کر اسلامی ساخت کو شدید نقصان پہنچتا ــــ اور ایسا ہی ہونا تھا ــــ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ حضرت امام حسنؑ کی خلافت میں۔ نہ خود خلافت کا دعویٰ کر سکتے تھے۔ نہ اسکے مجاز ہو سکتے تھے۔ کیوں کہ شرائطِ دینی کے مطابق۔ اور عوام المسلمین کی حمایت کے مطابق حضرت امام حسن علیہ السلام خلافت کے اہل تصور کئے جاتے تھے ــــ لہٰذا مصلحتِ وقت کے تحت ضروری تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ حضرت امام حسن علیہ السلام سے خلافت سے دستبردار ہونے کا مطالبہ کریں۔ تاکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ضابطۂ خلافت کے تحت۔ خلافت پر فائز ہونے کا حق حاصل ہوتا۔ ایسے موقع پر اگر امام حسن علیہ السلام دستبرداری سے انکار کرتے۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپؑ کے خلیفہ ہوتے ہوئے خلافِ ضابطہ۔ خلیفہ ہونے کا دعویٰ کرتے۔ تو امتِ مسلمہ میں پھر ایسا ہی معرکہ اور خون خرابہ ہوتا۔ جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان پیشتر رونما ہو چکا تھا۔ اور یہ چیز دشمنانِ اسلام کے حق میں جاتی جس سے سلطنتِ اسلامی کمزور ہو کر باطل قوتیں غالب آ جاتیں۔ اور پھر سطوتِ اسلامی کا بحال ہونا۔ ناممکن ہو جاتا۔ اس موقع پر حضرت امام حسن علیہ السلام کی دانش نے یہ حقیقت پہچان لی۔ کہ حضرت

امیر معاویہؓ کے حصولِ خلافت میں۔آپ کے دستبردار ہونے میں کیا نتائج برآمد ہونگے۔کہ فی الواقع ۔خلافتِ اسلامی کی بقاوتحفظ اور انتظام چلانے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسی اولوالعزم۔ مدبر شخصیت کی ذات سے۔اسلام کو تحفظ و وسعت مہیا ہوسکتا ہے۔اور آپ کے انکار کی صورت میں خود۔اسلام کی ہئیت میں تنزل آسکتا ہے ___ اس حال میں کہ ___ جبکہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے نزدیک بھی حصولِ خلافت سے مقصد صرف۔اجرائے رسالت۔اور اقتدارِ اعلیٰ کا تحفظ و استحکام ۔اور خلافتِ اسلامی کو دشمنانِ اسلام ___ منافقین کی شر سے محفوظ کرنا ہی تھا۔دوسرے یہ کہ اگر شرائطِ خلافت کے تحت حضرت امام حسن علیہ السلام خلافت کا دعویٰ کرتے۔ایسی صورت میں حضرت امیر معاویہؓ کیلئے سوائے خاموشی اور کوئی چارہ نہ ہوتا۔احتمال ہوسکتا تھا کہ حضرت امام حسنؑ کی خلافت میں منافقین اور کوئی فتنہ برپا کرتے۔جسکا سنبھالنا حضرت امام حسن علیہ السلام کیلئے دشوار ہوجاتا۔ایسی صورت میں بھی اسلامی اقتدار اعلیٰ کے کمزور ہونے کا خطرہ تھا۔یہ امر حضرت امام حسنؑ کے زیر نظر تھا۔اور اسی سوچ کے نتیجہ میں۔حضرت امام حسن علیہ السلام خلافت سے بخوشی دستبردار [1] ہو گئے۔ اور خلافت اسلامی ایک عظیم حادثہ سے محفوظ ہوگئی ___ لہٰذا ایسے موقع پر انتخابِ خلیفہ کیلئے۔نہ کوئی فرد لائقِ خلافت تھا۔نہ کوئی فرد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابل ایسے حالات میں خلافتِ اسلامی کو تحفظ و استحکام دینے کی صلاحیت رکھتا تھا ___

---

[1] واضح رہے۔کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے دستبردار ہونے کی صورت میں تاریخ کے مطابق۔آپکے مطالبات میں پچاس ہزار درہم سالانہ کی ایک کثیر رقم کا مطالبہ خلافت دینے کے معاوضہ میں نہ تھا۔بلکہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی ذاتی سوچ کے مطابق۔جبکہ اقتدارِ اعلیٰ کی صورت میں۔بیت المال کی دولت عام مدوں میں خرچ ہوتی تھی ___ جبکہ یہ رقم غربا و مساکین کیلئے وقف ہوتی تھی ___ لہٰذا آپ نے یہ رقم بیت المال سے حاصل کر کے غربا و مساکین پر صرف کرنے کیلئے حاصل کرنی تھی۔تاکہ اتنی رقم غربا و مساکین میں صرف کی جائے۔جہاں تک امام حسن علیہ السلام کے تقویٰ کا تعلق ہے۔آپ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے نقش قدم پر چلنے والے۔فاقوں میں گزارنے والے۔اور اپنی تمام دولت صدقات و خیرات پر صرف کرنے والے تھے۔ایسی صورت میں یہ رقم اپنی ذات کیلئے نہ تھی بلکہ بیت المال کی رقم اصل مقام پر خرچ کرنے کی غرض سے حاصل کرنا تھی۔

یہ موقع تھا۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو موقع فراہم ہوا۔ کہ وہ اپنی دیرینہ خواہش کے مطابق۔ خلافتِ اسلامی کو۔ اقتدارِ اعلیٰ کی ہیئت میں اپنے نظریہ کے مطابق چلاتے ــــــ اور یہ واضح ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہؓ اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں خاص مقام رکھتے تھے۔ آپ حد درجہ متقی و عابد ــــ صاحبِ تقویٰ ہونے کے ساتھ۔ ایک حکمران ذہن کے مالک تھے۔ آپ نے خلافت کے حصول میں۔ خواہشِ نفس کو آگے نہیں آنے دیا۔ کہ آپ میں خواہشِ دولت وامارت۔ یا عیش پرستی کا جذبہ پایا جاتا ہو۔ انکی نظر میں صرف دین اسلام کی سربلندی اجرائے رسالت میں۔ اجرائے قرآن وسنت کیلئے۔ مستقل دوام کا تصور تھا۔ اور وہ اسی طرح کہ خلافت کے دوام و بقا کیلئے۔ ایک مدبر سیاستدان۔ حکمران کا ہونا لازمی تھا ــــ جس میں شرائطِ خلیفہ میں اجتہادی عمل کو لازم کیا گیا۔

الغرض حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں۔ انتظامِ خلافت میں آپ کو کسی مزاحمت کا سامنا نہ ہوا۔ اور آپ نے اپنی تدبیر کے مطابق سلطنت اسلامیہ کو استحکام دیا۔ اور اجرائے رسالت کیلئے راہیں آسان ہوتی رہیں ــــ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حضرت امام حسنؑ کا خلافت پر فائز ہونا۔ نسبتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تحت سبطِ رسولؐ۔ یا فرزند علی کرم اللہ وجہہ کی حیثیت سے نہ تھا۔ نہ آپ اس حیثیت میں خلیفہ ہونے کے مجاز تھے۔ جب تک کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی ذات سے آپ کو شرائطِ خلافت کے اصول کے مطابق خلیفہ منتخب نہ کرتے۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے (فرزند یا وارث ہونے کی حیثیت میں) اصولِ شریعت کے تحت ایسا نہیں کیا۔ یا شاید شہادت کے وقت موقع نہ مل سکا۔ تاہم امام حسن علیہ السلام شرائطِ خلافت کے تحت ہی مقامِ خلافت پر فائز ہو سکتے تھے۔ اور اگر آپؑ میں شرائطِ خلافت کی صفات موجود نہ ہوتیں۔ تو آپؑ کو خلیفہ منتخب ہونے کا کوئی جواز ــــ کوئی حق نہ ہوتا ــــ چنانچہ بشارتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق ــــ کہ "حسنؓ ایک آنے والے عظیم طوفان سے اسلام کی ساخت کو بچانے والا ہوگا۔ آپ کے ہاتھ سے ایک عظیم فتنہ فرو ہوگا"۔ وہ یہی فتنہ تھا کہ آپ نے حقیقت کو پہچان کر خلافت حضرت امیر معاویہؓ کو سونپ دی۔ اور خود بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اوراب جیسا کہ شرعی ضابطہ کے مطابق۔خلیفہ کا انتخاب ـــــ

(۱) خلیفہ اپنی زندگی میں۔اپنے قائم مقام خلیفہ کا انتخاب کرتا ہے۔

(۲) خلیفہ کی اچانک موت پر مجلس شوریٰ خلیفہ کا انتخاب کرتی ہے۔

(۳) مجلس شوریٰ نہ ہونے کی صورت میں عوام المسلمین پہلے مجلس شوریٰ کی نشاندہی کر کے ان میں سے مجلس شوریٰ کے افراد کا انتخاب ہوتا ہے۔یہی مجلسِ شوریٰ خلیفہ کا انتخاب کرتی ہے۔یہ صورتیں میسر نہ ہوں تو براہِ راست عوام سے خلیفہ کا انتخاب ہونا ازروئے شریعت جائز نہیں ـــــ

حضرت امیر معاویہؓ کی نظر میں یہ مسئلہ ضرور تھا۔کہ انکے بعد ایک مدبر سیاستدان۔صاحبِ فہم۔حکمران ذہن کا مالک ہی۔خلیفہ ہونا چاہیے ـــــ البتہ یہ امر حقیقت پر مبنی ہے۔کہ مدبر سیاستدان ہونے کی صورت میں ایک فرد کا شرائطِ دینی کی صفات سے متصف ہونا بھی لازمی ہے۔گو ۔سلطنتِ اسلامی کے نظام کیلئے۔شرائطِ دینی سے سوا۔فہم وتدبر۔اور سیاست کا ہونا ہی ضروری ہے۔ لیکن جہاں تک اجرائے رسالت کی روح کا تعلق ہے۔خلیفہ کیلئے ہر حال میں صاحبِ علمِ قرآن و حدیث۔صاحبِ تقویٰ وعبادات ہونا اور قرآن وحدیث۔شریعت کا اجرا کرنا ضروری ہوگا۔بغیر ان صفات کے اگر ایک فرد۔فہم وسیاست میں اعلےٰ فہم کا مالک ہے۔وہ مقامِ خلافت پر فائز ہونے کا کسی طرح بھی مجاز نہیں ـــــ جہاں تک حضرت امیر معاویہؓ کی مومنانہ صفات کا تعلق ہے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور امام حسن علیہ السلام کے بعد۔شرائطِ دینی۔کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ اس موقع پر صحیح معنوں میں۔خلافتِ اسلامی کیلئے خلیفہ ہونے کے مستحق اور موزوں تھے۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اہم مسئلہ صرف۔خلافتِ اسلامی ـــــ اقتدارِ اعلےٰ کے تحفظ کیلئے۔ ایک خلیفہ کا تقرر۔بہر صورت ضروری تھا ـــــ انہیں اس موقع پر اندازہ تھا۔کہ اس وقت قطع نظر شرائطِ دینی کے۔خلافتِ اسلامی کے تحفظ وبقا کیلئے۔ایک صاحبِ فہم وتدبر سیاستدان آدمی کی ضرورت ہے۔جو اس اقتدارِ اسلامی کی ساخت کو باطل طاقتوں کی یلغار سے محفوظ رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس حال میں بھی۔کہ ایسا شخص شرائطِ دینی کی پوری صفات نہ رکھتا ہو ـــــ جبکہ حضرت امیر معاویہ

رضی اللہ عنہ کے نزدیک حصولِ خلافت۔ میں ذاتی اغراض۔ ہوسِ حکمرانی۔ ہوسِ جاہ و دولت کا ذرہ بھر مقصد پایا نہ جاتا تھا ـــــ اس حال میں کہ آپ مبشرِ رسولؐ کاتبِ وحی ـــــ ایک مومنانہ کردار کے مالک تھے۔ اس مصلحت کے تابع ـــــ ایسے موقع پر انتخابِ خلیفہ کیلئے۔ خلیفہ بحیثیت سربراہ موجود نہ ہو اور مجلسِ مشاورت بھی موجود نہ ہو ـــــ عوام المسلمین بھی منتشر ہوں۔ اسکے سوا چارہ نہ تھا کہ حضرت امیر معاویہؓ خود خلافت کا عہدہ سنبھالیں۔ اور پھر آپؓ کی خلافت میں۔ آپ کے مومنانہ کردار سے یہ ثبوت فراہم ہوسکتا ہے۔ کہ آپ نے۔ اقتدارِ اعلےٰ میں اپنی ذمہ داریوں کو کس انداز میں پورا کیا۔ آیا آپؓ نے اقتدارِ اسلامی کو اپنی کسی غرض یا نفع یا کسی دنیوی خواہش کو پورا کرنے میں استعمال کیا۔ یا خلافتِ اسلامی کے حقیقی مقصد۔ اجرائے رسالت۔ اور تحفظِ اقتدارِ اسلامی کا مقصد پورا کیا۔ تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے۔ کہ آپؓ نے اپنے دورِ خلافت میں۔ سنتِ نبویؐ کے خلاف۔ بیت المال یا اقتدارِ اسلامی کی قوت کو اپنی ذات کیلئے استعمال نہ کیا۔ اور جہاں تک آپ کے مومنانہ کردار کا تعلق ہے۔ آپ بھی۔ خلفائے اربعہ کے نقش قدم پر چلنے والے۔ حد درجہ متقی۔ صاحبِ عبادت۔ خوفِ خدا سے ڈرنے والے۔ اور امورِ خلافت کی انجام دہی میں محاسبۂ خداوندی کے خوف سے راتوں کو گریہ کرنے والے تھے ـــــ یہ امر واضح ہے۔ کہ آپ کے نظریہ کے مطابق خلیفہ کیلئے۔ شاہی لباسِ فاخرہ سے اپنی شاہانہ ہئیت کا مظاہرہ ضروری تھا لیکن آپ نے اپنے دورِ خلافت میں بیت المال سے خلافِ ضابطہ ایک درہم بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا۔ اور آپ کی سیاسی بصیرت اور فہم و تدبر سے خلافتِ اسلامی ـــــ اقتدارِ اسلامی کو مکمل تحفظ ملا۔ اور بہت سے ممالک اقتدارِ اسلامی کے زیرِ اقتدار آئے۔ امتِ مسلمہ نے ـــــ اصحابہ نے۔ خلافتِ اسلامی کی ہئیت میں۔ خلافتِ اسلامی کو استحکام دینے میں آپ کی قیادت میں اسی طرح جہاد کیا۔ جس طرح خلفائے اربعہ کی خلافت میں انکا عمل تھا ـــــ

حضرت امیر معاویہؓ کے زمانۂ خلافت میں ـــــ آئندہ ایک خلیفہ کے انتخاب کی یہ معقول صورت موجود تھی ـــــ کہ شرائطِ خلافت کے ضابطہ کے تحت۔ خلیفہ خود کسی فرد کے انتخاب کا مجاز ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر۔ نہ عوام المسلمین سے خلیفہ کا انتخاب لازم ہے۔ نہ مجلسِ شوریٰ کے ذریعہ خلیفہ کے

انتخاب کا موقع ہے۔ایسی صورت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ کسی فرد کا خود انتخاب کریں ـــــ اس حال میں۔کہ خلافت کیلئے۔ایک صاحبِ فہم و تدبر ـــــ سیاستدان۔حکمران ذہن رکھنے والے فرد کو اولیت دی جائے۔جس سے ایک طرف اقتدارِ اسلامی کی بقاو تحفظ کا عمل پورا ہو۔دوسری طرف۔علمائے امت قرآن وحدیث کے اجرأ سے مقصدِ اجرائے رسالت پورا کریں۔

یہاں پھر اس اصول کا اعادہ کرنا ضروری ہے۔کہ مقامِ خلافت کیلئے شرائط دینی کے ضابطہ کے تحت ہی ایک فرد کا منتخب ہونا۔سنتِ نبویؐ کے مطابق ضروری ہوتا ہے۔جس میں۔نہ کسی کی قرابت لازمی ہے۔نہ نسبی حیثیت پر کسی کو منتخب کیا جاسکتا ہے۔نہ خلافت وراثت کی صورت میں منتقل ہوتی ہے۔خلفائے ثلاثہ کے انتخاب کی بھی یہی صورت رہی۔کہ انکا انتخاب سنتِ نبویؐ۔سنتِ صدیقیؓ۔سنتِ فاروقیؓ کے مطابق ہوا۔جس میں کسی نسبی۔یا قومی تعلق کا دخل نہ تھا ـــــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خلیفہ کیلئے منتخب ہونا بھی۔نہ قومی تعلق کی بنأ پر تھا۔نہ نسبی قرابت کی بنأ پر تھا۔سوائے اسکے کہ اول حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نامزد کردہ اصحاب میں انکا نام بھی آتا تھا۔دوسرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد امت میں سب سے افضل۔عبادت وتقویٰ۔علم۔اور فہم وتدبر میں کوئی فرد انکے مقابل لائق خلافت نہیں تھا ـــــ لہٰذا ضروری تھا۔جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو موقع نہ مل سکا کہ وہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ کیلئے نامزد کریں۔یا منتخب کریں۔حضرت علیؓ شرائط دینی کے اعتبار سے بھی۔یا خود اپنی ذات سے مقام خلافت پر فائز ہوں۔ایسی حیثیت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ امت میں خلیفہ تسلیم کئے گئے۔اور آپؓ کے بعد۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت امام حسن علیہ السلام کا انتخاب نسبی قرابت کی بنأ پر نہیں تھا۔سوائے۔شرائطِ دینی کے مطابق انکا انتخاب جائز تھا۔کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام ہی خلافت کیلئے موزوں تھے ـــــ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سابق نامزد کردہ صحابہ میں سے کسی کو منتخب کیا جاتا۔لیکن خلافتِ اسلامی میں رونما ہونے والے واقعات اور اسلامی خلافت پر آنے والے حادثات کی بنأ پر حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کو تسلیم کیا گیا ـــــ لہٰذا آئندہ بھی انہیں اصولوں پر ایک خلیفہ کے انتخاب

میں ـــ ''فروعی'' ـــ یا ''اجتہادی'' ۔طریق کو شرائطِ دینی میں شامل رکھنا ضروری ہوا ـــ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد ایک خلیفہ کا تقرر اسی ضابطہ کے تحت ہونا لازمی تھا ـــ جسکے لئے ۔ایک خلیفہ کے انتخاب میں ۔اولاً شرائطِ دینی کے اصول کو اولیت دی جائے ۔اسکے ساتھ ۔اقتدارِ اسلامی کی ہیئت میں ۔فہم و تدبر سیاست ۔کی خصوصیت کو شامل رکھا جائے ـــ اس مقام پر حضرت امام حسن علیہ السلام کے بعد ۔حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذاتِ عالی ۔کو یہ خصوصیت حاصل تھی ۔کہ آپ کے بعد ۔نسبت ۱ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے ۔شرائطِ دینی کی تمام صفات بدرجہ اولیٰ حضرت امام حسین علیہ السلام کو حاصل تھیں ۔اور جہاں تک اجرائے رسالت کا تصور سامنے آتا ہے ۔اسکی تکمیل کیلئے حضرت امام حسین علیہ السلام کے سوا ۔امتِ مسلمہ میں کوئی فرد ۔خلافت کا اہل نہیں ہوسکتا تھا ۔کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ۔شرائطِ خلافت کے مطابق خود حضرت امام حسین علیہ السلام کو بحیثیت خلیفہ ـــ اپنی زندگی میں نامزد کریں ۔لیکن اس سے قبل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت امام حسن علیہ السلام سے عہدۂ خلافت حاصل کرنا ۔اس امر کی نشاندہی کرتا ہے ۔کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ـــ جبکہ آپ کے انیس (۱۹) سالہ دورِ خلافت میں ۔خلافتِ اسلامی کو بے حد وسعت و استحکام حاصل ہو چکا تھا ۔ضرورت اس امر کی تھی ۔کہ اتنی وسیع و عظیم سلطنتِ اسلامی کی تحفظ و بقا کیلئے ۔شرائطِ دینی سے سوا ۔ایسے شخص کا انتخاب ہو ۔جس میں وسیع فہم و تدبر ۔سیاست ۔حکمران صلاحیت پائی جاتی ہو ۔اس وجہ سے ۔کہ اب سلطنتِ اسلامی میں صرف ۔قرآن و حدیث کے اجراٗ کی ذمہ داری ہی نہیں تھی ۔بلکہ حکمران حیثیت میں ۔ایک عظیم سلطنت خلافتِ اسلامی ۔اقتدار اعلےٰ کے انتظام و انصرام ۔اور منصوبہ بندی کی بھی ضرورت تھی ۔جس میں خلافتِ اسلامی کی ہیئت حکمران سلطنت کی ہو چکی تھی ۔لہٰذا سلطنتِ اسلامی کی بقا پر ہی ۔خلافتِ اسلامی کا دارومدار تھا ۔ایسی صورت میں ۔ایک خلیفہ کیلئے شرائطِ دینی سے سوا ایک حکمران ذہن اور ذہنی صلاحیتوں کی شدید ضرورت تھی ۔بلکہ شرائطِ دینی کے مقابل ۔حکمران صلاحیت کی صورت

---

۱ تربیت

میں فہم و سیاست کو اولیت دینا ضروری تھا ــــ جہاں تک حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذاتی فضیلت کا تعلق ہے ــــ امتِ محمدیؐ میں ــــ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ قرآنی فیصلہ کے مطابق ۔آپ اعلیٰ وارفع مقامِ فضیلت کے حامل تھے ۔لیکن یہاں سوال سلطنتِ اسلامی کے تحفظ و بقا کا تھا ــــ جسکے لئے انسانی ذہنی صلاحیتوں کا ہونا ضروری تھا۔اس خیال کے مدنظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس معاملہ میں وہی طرزِ عمل تھا۔ جو انہوں نے حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ روا رکھا۔ جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک انکا طرزِ عمل اللہ ورسول کے نزدیک اور حالتِ زمانہ کے نزدیک ۔شرعی ضابطہ ۱؎ کے تحت تصور ہوتا تھا۔اس حال میں ۔کہ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ۔دنیوی ۔مال وزر اور جاہ وجلال کی نہ خواہش کی نہ تاریخ انکے حق میں کسی امارت ۔کسی عالی شان حیثیت کی خواہش کا ثبوت پیش کرسکتی ہے۔

تاریخ سے یہ امر واضح ہے۔کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی ۔اس مصلحت کی بناء پر۔کہ منافقین ومخالفین اسلام کو فساد پیدا کرنے کا موقع نہ ملے ۔کہ وہ یہ عذر سامنے رکھ کر واویلا کریں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے محض اپنی شان وشوکت اور حصول عروج ودولت کی خواہش پر جبراً حضرت امام حسنؓ سے خلافت چھین لی۔یہ امر امت مسلمہ میں

---

۱؎ یہاں یہ امر ضرور زیرِ نظر رکھنا ہے۔کہ شریعتِ اسلامی میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ــــ خلافت اور خلیفہ کا مقام۔کسی خاص نسبت پر منحصر نہیں رکھا گیا ــــ سوائے اسکے کہ شریعتِ اسلامی میں ۔امتِ محمدی ( صلے اللہ علیہ وسلم ) میں سے بغیر کسی خاص نسبت کے ایک فرد کا انتخاب ہو۔جس میں شرائطِ دینی کے جملہ اوصاف موجود ہوں۔اس انتخاب میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی قربتداری یا اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قربت ہو یا امت کا ادنیٰ فرد۔ آزاد ہو یا غلام ــــ صرف ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقکم کی خصوصیت کو اہمیت دی گئی۔جس میں ایک اعلیٰ نسب فرد کے مقابلہ میں ایک غلام کو بھی خلافت کا حق دیا جاسکتا ہے۔ایسی صورت میں ۔خلفائے ثلاثہ۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت امام حسن علیہ الصلوٰۃ السلام۔امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیتیں انہیں شرائط دینی کے تحت خلیفہ منتخب ہوئیں۔

تفرقہ اور فتنہ کا سبب بن سکتا تھا۔ ورنہ آپ سے بیعت لینا اصولِ خلافت کیلئے ضروری نہ تھا ــــ آپ سے بیعت نہ لینے سے کچھ فرق نہیں پڑتا تھا۔ یہ بیعت صرف اس فتنہ کو قطع کرنے کیلئے ایک اقدام تھا۔ کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو جائز تصور کرتے ہوئے ــــ شرائطِ انتخابِ خلافت کے ضابطہ کے تحت آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جس میں کسی اعتراض واختلاف کا موقع کسی کو نہ مل سکتا تھا۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ــــ ایسی ہی صورت پیدا ہونے کے خیال سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (جبکہ تمام امت مسلمہ میں، امام حسین علیہ السلام میں شرائطِ خلافت کے مطابق ــــ خلیفہ کی صفات واضح تھیں) قبل از وقت ایک منصوبہ کے تحت اپنی دانست میں۔ اپنے بیٹے یزید کو اس کا اہل وموزوں سمجھا کہ وہ حضرت امیر معاویہؓ کے بعد سلطنتِ اسلامی کے تحفظ و بقا و وسعت کیلئے۔ سیاست وفہم و تدبر میں اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اس حال میں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود ایک صاحبِ فہم و فراست۔ صاحب تدبر شخصیت تھے۔ کہ وہ کسی فرد میں ایسی خوبیوں کا اندازہ کر سکیں ــــ یہ امر قابل غور ہے۔ کہ جہاں تک بحیثیت خلیفہ حضرت امیر معاویہؓ کے کردار کو دیکھا جائے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں۔ یزید کا انتخاب کرنا شرائط خلافت۔ اصولِ شریعت۔ یا ضابطۂ خلافت کے تحت ہی ہو سکتا تھا ــــ اس حال میں کہ انتخابِ خلیفہ میں۔ ضابطۂ خلافت اور شرائطِ خلافت کو ملحوظ رکھنا ضروری تھا ــــ جس میں اول۔ ضابطہ کی رو سے۔ ایک خلیفہ اپنی زندگی میں۔ کسی فرد کو جو خلافت کا اہل ہو۔ منتخب کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس بناء پر کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت امام حسن علیہ السلام کی جگہ خلیفہ منتخب کرنا۔ تمام امت مسلمہ کی حمایت سے ہوا۔ کہ تمام امت مسلمہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی یہاں تک کہ حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ دونوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور حضرت امیر معاویہؓ کو مقام خلافت عطا ہوا۔ ایسی صورت میں حضرت امیر معاویہؓ کو شرائطِ خلافت کے تحت حق حاصل تھا۔ کہ جس کو وہ خلافت کیلئے منتخب کریں۔ ہر فردِ امت کیلئے اسکو خلیفہ تسلیم کرنا شرعی اعتبار سے ضروری تھا۔ ایسی صورت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے نزدیک

جائز تھا۔ کہ آپؑ بھی یزید کی بیعت قبول کرتے ۔فرق صرف کوفہ کے لوگوں کی طرف سے خطوط پر تحقیق کے لئے آپ کا کوفہ جا کر حالات جاننا تھا۔لہٰذا یہ امر لازم تھا۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی زندگی میں ۔سلطنت اسلامی کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کیلئے ۔خود بھی تدبیر کریں ـــــ اور کسی اہل فرد کو خلافت کیلئے منتخب کریں۔اس حال میں کہ اصولِ خلافت کے تحت ایسے خلیفہ کا حکم جاری ہو۔ اور کسی کو اختلاف کرنے کا موقع حاصل نہ ہو ـــــ یا جیسا کہ اس معاملہ میں امتِ مسلمہ کے فرد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کہ شرائطِ خلافت کے خلاف ـــــ شرائطِ دینی کے خلاف۔ کسی فرد کے مقامِ خلافت پر مامور ہونے پر۔ نہ اسکے حکم کو تسلیم کیا جائے ۔نہ اسکی اطاعت کی جائے ـــــ یا ایسی صورت میں بھی ۔جیسے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے درمیان اسی نظریہ کے اختلاف پر۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت امیر معاویہؓ کے نظریہ کے مطابق خلافت چلانے پر اختلاف کیا۔اور حضرت امیر معاویہؓ نے محض شرائط دینی پر ہی خلافت چلانے پر اتفاق نہیں کیا۔ یہی صورت اب بھی رونما ہونے والی تھی۔ کہ منافقین حضرت امام حسین علیہ السلام کو شرائط دینی کے مطابق خلیفہ تسلیم کر کے ان کی اطاعت کا اظہار کرتے اور دوسری طرف حضرت امیر معاویہؓ اور انکے حامی اس اطاعت کو تسلیم نہ کرتے ۔تو یہ امر وجہِ فساد بن جاتا ـــــ لہٰذا حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی زندگی میں یزید کو خلافت کیلئے ۔منتخب کرنے میں امتِ مسلمہ (اصحاب اور جملہ عوام المسلمین) سے حمایت حاصل ہونے کی جدوجہد کی ـــــ تا کہ اندرون امتِ مسلمہ میں منافقین کی سازش سے یزید کے تقرر پر امت میں باہمی اختلاف وفساد برپا ہو کر۔خلافتِ اسلامی پھر بحران کا شکار نہ ہو ـــــ جس میں ۔مثل جنگِ صفین ۔حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کے درمیان ایک نئی جنگ کا آغاز ہونا ضروری تھا۔

یہاں پر حقیقت زیرِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ کہ اصولِ شریعت کے تحت ۔ جہاں تک ۔خلافتِ اسلامی میں ۔''انتخابِ خلافت''۔ کا تعلق ہے۔ یہ امر واقع ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے نزدیک ۔خلافتِ اسلامی ۔نہ کسی کی ملکیت تصور کی جاتی تھی ۔نہ خلافت وراثت کی صورت

میں کسی کو منتقل کی جاتی تھی۔ یہ امر حضرت امام حسین علیہ السلام کے زیرِ نظر تھا۔ کہ آپ نسبِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت میں خلافت حاصل کرنا اپنا حق نہیں سمجھتے تھے ــــ نہ آپؑ کو یہ احساس تھا۔ کہ حضرت امیر معاویہؓ۔ انکا حق غصب کر کے یزید کو خلافت دے رہے ہیں ــــ نہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ خیال تھا۔ کہ وہ (حضرت امیر معاویہؓ) خلافت کو حضرت امام حسینؑ کا حق جان کر کسی سازش کے تحت یزید کے سپرد کر رہے ہیں۔ سوائے اسکے کہ وقت کی نزاکت اور وقت کی ضرورت کے تحت۔ اقتدارِ اسلامی کے تحفظ و بقاو سالمیت کی خاطر ایک ایسے فرد کو خلیفہ بنانا چاہتے یا ایک ایسے فرد کو منتخب کرنا چاہتے تھے۔ جو ان کے نزدیک فہم و تدبر۔ سیاست۔ اور حکمران منصوبہ بندی میں بہتر صلاحیت کا حامل اقتدارِ اسلامی کو تحفظ و وسعت فراہم کرنے کا اہل ہو ــــ ایسی صورت میں جبکہ اصل مقصد صرف۔ سلطنتِ اسلامی کی بقا ہو ــــ اور اس مقصد میں بھی حقیقی مقصد اجرائے رسالت ہی تھا ــــ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا حضرت امام حسین علیہ السلام۔ اور یزید کے درمیان ــــ بناءِ فساد۔ یا واقع جنگِ کربلا۔ کا تصور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ــــ

ہاں!۔ یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ قطع نظر۔ قومی رشتہ کے۔ قبیلہ بندی کے۔ خاندانی تعلق کے۔ یہ وہ لوگ تھے۔ جنہوں نے ایک خاص نظریہ کے تحت ــــ خاص مقصد کے تحت ــــ خاص اصول کے تحت ــــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر۔ اپنی جان ــــ اپنے ماں باپ ــــ ہاں ماں باپ ــــ اولاد۔ بیٹے۔ بیٹیاں ــــ اور تمام مال قربان کرنا۔ اپنا ایک خاص مقصد متعین کر رکھا تھا ــــ اسی جذبہ سے سرشار ہو کر ــــ وہ اسلام ــــ خلافتِ اسلامی کے تحفظ و بقا میں کسی قریبی رشتہ اور اپنی جان کو خاطر میں نہ لاتے تھے ــــ ہاں! ــــ یہی وہ جذبہ ہے جس کے تحت ہر فرد نے صرف دینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تحفظ و اجراء میں کسی رشتہ۔ کسی قرابت۔ کو خاطر میں نہ لا کر۔ حسنِ نیت سے اپنا کردار ادا کیا ــــ جس میں کسی فرد کی۔ خواہش نفس ــــ ذاتی خودغرضی کو دخل نہیں۔

یہ حقیقت ہے ــــ کہ جہاں تک ان مقدس ہستیوں (اکابرین اصحاب ــــ تابعین) کے کردار کا تعلق ہے۔ خلافتِ اسلامی میں۔ خلافت سے متعلق جو بھی واقعات رونما ہوئے ــــ ان میں

۔ "بنیادی نکتہ" ــــ صرف اجرائے رسالت ــــ اجرائے قرآن وسنت کیلئے۔ مخلوقِ خدا کو آسان راہ فراہم کرنے کے سوا کچھ بھی نہ تھا ــــ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذاتِ عالی ہو ــــ یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات ہو ــــ حضرت امام حسن علیہ السلام کی ذاتِ عالی ہو۔ یا امام عالی مقام حضرت امامِ حسین علیہ السلام کی ذاتِ اقدس ہو۔ ان ہستیوں کے نزدیک امتِ مسلمہ کے ایک فرد کی حیثیت سے۔ ہاں!۔ ایک "فرد" کی حیثیت سے شریعتِ اسلامی ــــ اجرائے رسالت ــــ کے دوام وتحفظ کے لئے ــــ اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں ــــ اپنے عزیز واقربا کے تعلق کی پرواہ نہ کرنا ــــ اپنی جان ومال قربان کرنا۔ ایک فریضہ کی حیثیت رکھتا تھا ــــ جہاں تک حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ ــــ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ صفین رونما ہونے کا تعلق ہے۔ اس میں نظریہ حصولِ خلافت نہیں ــــ بلکہ "انتخاب خلیفہ"۔ میں شرائط خلافت پر اختلاف نے اور کچھ قاتلانِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کاروائی نہ کرنے کی وجہ سے جنگ کی نوبت ۱؎ پیدا ہوئی ــــ اس حال میں کہ ہر فریق اپنے نظریہ کی سچائی میں مخلص تھا۔ کسی فریق میں ذاتی عناد یا انتقام کا جذبہ کارفرما

---

۱؎ افسوس کہ تاریخ اسلامی کے محققین اور مورخین نے ہئیت مسلمہ۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا پیغمبرانہ (النبی ورسول) تجزیہ نہ کیا۔ کہ جو رسول کائناتِ عالم کی ہدایت وراہنمائی کیلئے مبعوث کئے گئے۔ اور جنہوںؐ نے چالیس سالہ کردار کی ضمانت دیکر اپنی پاکیزہ شخصیت کی دلیل پیش کی ــــ اور قرآن نے جو کائناتِ عالم کیلئے واحد راہنمائی دینے کا دعوےٰ کرنے والی کتاب اللہ، حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کردار کی علی الاعلان ــــ امام المرسلین۔ خاتم النبیین کی شہادت دیتی ہے۔ اور اس صداقت پر خود امتِ مسلمہ میں اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ ــــ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ۔ کی سند دیتے ہیں۔ اتنی لایعنی۔ بے معنی اور ہیبت ناک خونریزی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم۔ کے تربیت یافتہ۔ اصحاب کے نام اسقدر ظلم انگیز جنگیں۔ ان مقدس ہستیوں کے سر تھوپتے ہیں۔ کہ سنکر اہل ایمان بھی تذبذب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جیسے فی الواقع۔ حضرت علیؓ۔ امیر معاویہؓ۔ حضرت امام حسین وحسن علیہما السلام سے یہ جنگیں واقع ہوئی ہیں۔ جبکہ ان تمام گھناؤنے۔ نا قابلِ یقین واقعات کے محرک قوم بنی اسرائیل کے دشمن اسلام یہودی ہیں۔ جنہوں نے محض اسلام کی ساخت کو ایسے واقعات سے گھناؤنا بنا کر اسلام کی عظمت کو داغدار کرنے کی کوشش کی۔ اور افسوس کہ تاریخ اسلام کے مرتبین۔ مورخین نے ایسی روایتوں کی تائید وحمایت سے اسلام کی حقانیت کو مسخ کر ڈالا۔

نہ تھا۔ نہ ایسا موقع تھا۔ کہ کسی فردِ امت مسلمہ میں۔ اجرائے قرآن وسنت کے سوا اور کوئی مقصد ہوتا۔ یہی کیفیت حضرتِ امام حسین علیہ السلام اور یزید کے درمیان۔ حادثاتِ جنگ رونما ہونے میں واضح ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں۔ تمام مملکتِ اسلامیہ کے عوام المسلمین کی تائید حاصل کرنے میں جدوجہد کی۔ اس خیال کے مدِنظر کہ اصولِ شریعت ــــ شرائطِ خلافت کے تحت۔ جب تک ضابطۂ خلافت کے مطابق۔ انتخاب کی صورت میں کسی فرد کا انتخاب نہیں ہوتا۔ خلافت کو نہ کسی کی وراثت تصور کیا جاتا ہے۔ نہ کوئی خلافت کو اپنا حق سمجھ کر اسکے حصول میں اقدام کر سکتا ہے ــــ لہٰذا ایسے موقع پر حضرتِ امام حسین علیہ السلام سے حصولِ خلافت کیلئے کسی قسم کا اقدام قابلِ یقین نہیں تھا۔ کہ آپؑ قرابتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بناء پر خلافت کو اپنا حق سمجھ کر یا وراثتِ نبویؐ سمجھ کر یزید کے خلاف خود خلافت حاصل کرنے میں جنگ پر آمادہ ہوتے۔ جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کا حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت ہونا تاریخ سے ثابت ہے ــــ اسکے مقابل حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کے حق میں۔ حصولِ خلافت میں راہ ہموار کرنا۔ اس خیال کے تحت نہیں۔ کہ آپ حضرت امام حسین علیہ السلام کا حق غصب کر کے یزید کو خلیفہ بنا رہے ہیں بلکہ ان کی نظر میں ضابطۂ خلافت کے تحت ایک خلیفہ کا اپنی زندگی میں خلیفہ کا انتخاب کرنا جائز تصور ہوتا تھا۔ جس کیلئے وہ اپنی دانست میں یزید کو اس کا اہل سمجھتے تھے۔ جس میں۔ یزید کا بیٹا ہونے کا تصور قطعاً شامل نہیں۔ کہ آپ نے جان بوجھ کر بیٹا ہونے کی حیثیت سے اسے خلافت پر فائز کیا۔ ایسا ہرگز نہیں۔ نہ ہی حضرت امام حسین علیہ السلام کے نزدیک۔ شرائطِ خلافت کے تحت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام خلاف ضابطہ تصور ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا ــــ اور آپ کے بعد یزید کو خلافت کا حق دیا گیا۔

یہ امر غور طلب ہے۔ کہ حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر۔ انتخابِ خلیفہ پر عوام المسلمین میں بحث ہونا ضروری تھا۔ کہ انکے بعد شرائطِ خلافت کے مطابق۔ شرائط دینی کی صفات پر

حضرت امام حسین علیہ السلام ہی خلافت کے حقدار تصور ہوتے تھے۔ کہ آپ امتِ مسلمہ میں۔قرآن وحدیث کے علم پر بدرجہ اولیٰ عبور رکھتے تھے۔اور اپنی ذات کے اعتبار سے۔زہد وتقویٰ میں اعلےٰ و ارفع مقام رکھتے تھے۔ایسی صورت میں آپؑ کا خلافت کیلئے منتخب ہونا یقینی تھا۔لیکن یہ حقیقت ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ذہن میں ذاتی طور ایسا کوئی خیال آنا ممکن [1] نہ تھا۔ کہ وہ حصولِ خلافت میں یزید کے خلاف کوئی بھی اقدام کریں۔ایسے موقع پر امتِ مسلمہ میں پھر انتشار پیدا ہونے کا ایک موقع آیا۔ کہ منافقین یہود ـــــ دشمنانِ اسلام اور خاص کر کوفہ کے شیعانِ علی نے۔مسئلہ خلافت کو پھر سے اٹھا کر فتنہ کے حالات پیدا کر دیئے۔جس میں ایک سوچی سمجھی سازش اور منصوبہ کے تحت۔ یہود۔منافقین۔اور شیعانِ علی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ''وصی اللہ'' کا خطاب دیکر۔ خلافت کو آپؓ کا حق ظاہر کر کے خلفائے اسلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں علے الاعلان کردار کشی شروع کر دی۔اُسوقت خلافتِ اسلامی کا باطل قوتوں پر غلبہ وہیبت طاری تھا۔لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد منافقین کی

---

[1] یہ امر زیرِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ کہ بجائے خود حضرت امام حسین علیہ السلام کے ذہن میں ایسا خیال ہونا ضروری نہیں تھا۔ کہ آپ خود خلافت کے حصول میں کوئی اقدام کرتے ـــــ یا حصولِ خلافت کیلئے جدوجہد کرتے۔ جہاں تک حقائق کا تعلق ہے۔حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذاتِ عالی کا تعلق ہے۔انکے لئے ایسا کوئی موقع نہ تھا۔ کہ وہ خود حصولِ خلافت کیلئے۔خود سامنے آ کر یزید کے خلاف کھڑے ہوتے ـــــ سوائے اسکے کہ امتِ مسلمہ کے ایک عام فرد کی حیثیت سے۔یا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نسب کے قریبی تعلق کی بنا پر آپ پر یہ لازم تھا۔ کہ وہ خلافت کیلئے۔ شرائط دینی کے مطابق۔ایک صاحبِ قرآن۔صاحبِ علم۔متقی فرد کے انتخاب میں۔جائز حقدار کی خلافت کی تائید و تسلیم کرتے۔بصورت دیگر۔غیر حقدار کے انتخاب پر لازماً اختلاف اور مجادلہ کرتے۔لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت امیر معاویہؓ کے یزید کے انتخاب پر کوئی مخالف قدم نہیں اٹھایا۔صرف اپنی شرعی ذمہ داری کے زیر اثر انکے لئے یزید کی خلافت تسلیم کرنے کیلئے شرائطِ دینی کے تحت یزید کا خلیفہ ہونا۔جائز یا ناجائز تحقیق کرنا ضروری تھا۔جس بنا پر انہیں یزید کے انتخاب پر ذاتی طور تحقیقی قدم اٹھانے کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی۔

سازشیں کامیابی کے ساتھ امتِ مسلمہ میں انتشار پیدا کرنے میں برسرِ عمل ہو چکی تھیں ـــــ اسکے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان جنگ میں بھی انکے سازشی منصوبے برابر جاری رہے ـــــ لہٰذا منافقین کیلئے یہ موقع بہتر تھا ـــــ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد۔ یزید کی خلافت کے خلاف بغاوت کی شکل پیدا کرنے کی غرض سے۔ کوفی منافقین نے حضرت امام حسینؑ کو استعمال کرنے کا منصوبہ بنا کر آپ کو وارثِ خلافت ظاہر کر کے۔ انتخابِ خلافت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کو شرائطِ دینی کا اہل قرار دیکر انکے نام خطوط بھیجنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ کہ آپ ہی خلافت کے جائز حقدار ہیں۔ اور ہم آپ ہی سے بیعت خلافت کرینگے۔ اس بنا پر انہوں نے یزید پر جھوٹے الزامات تراشے کہ یزید کا کردار صحیح نہیں۔ نہ وہ شرائطِ دینی کے مطابق خلافت کا حقدار ہو سکتا ہے۔ جبکہ کوفیوں کے اس مطالبہ میں کوئی حقیقت۔ سچائی نہیں پائی جاتی تھی۔ مقصد صرف حضرت امام حسین علیہ السلام کو یزید کے مقابل لا کر۔ اسلامی ساخت کو نقصان پہنچا کر ختم کرنے کا منصوبہ تھا۔ چنانچہ منافقینِ اسلام کے اس سازشی منصوبہ کے کامیاب ہونے کے آثار نمایاں ہو گئے۔ کہ کوفیوں کے خطوط میں بیانات نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو ذاتی اقدام کرنے پر مجبور کر دیا۔

تاریخ اسلام سے یہ بات ثابت ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یزید کو خلافت دینے میں۔ آپ کی کوششوں پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف سے کسی قسم کا اعتراض یا اختلاف پایا نہیں گیا ـــــ بلکہ یزید کے خلیفہ ہونے کے موقع پر بھی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے۔ خلافت کو وراثتِ نبویؐ کے دعوے پر۔ حاصل کرنے کی غرض سے ذاتی طور پر کوئی عملی اقدام نہیں کیا ـــــ بلکہ ـــــ چونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام۔ اپنی عبادت و تقویٰ۔ قربِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ـــــ علوم قرآن و حدیث پر بدرجہ اولیٰ۔ اعلےٰ مقام کے حامل تھے ـــــ ایسی صورت میں۔ شرائطِ خلافت کے تحت۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا خلافت کیلئے۔ موزوں اور منتخب ہونا۔ یقینی تھا ـــــ اس ضابطہ کے مطابق بھی۔ جبکہ کوئی فرد خلافت کو خود اپنے ہاتھ میں لینے کا مجاز

ہوتا ہو حضرت امام حسین علیہ السلام نے خود خلافت کے حصول کا دعویٰ نہیں۔کیا ہاں۔حضرت امام حسین علیہ السلام کیلئے۔دو صورتوں میں۔حصولِ خلافت کیلئے اقدام کرنا ضروری تھا۔اول یہ کہ خلیفہ کی وفات پر جبکہ مجلس شوریٰ کا خلافت میں قیام ہو ــــ تو مجلس شوریٰ کے ذریعہ شرائطِ دینی کے ضابطہ کے تحت ہی خلیفہ کا انتخاب ہوسکتا ہے۔مجلس شوریٰ کی موجودگی ممکن نہ ہو۔تو ایک فرد بذات خود۔امتِ مسلمہ میں۔اجرائے رسالت۔کے لئے۔شرائط دینی کے اوصاف ہوتے ہوئے۔خلافت حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے۔اس حال میں کہ امت مسلمہ میں۔ہر فرد کیلئے۔فرداً فرداً۔خلافتِ اسلامی کا تحفظ اور اجرائے رسالت کیلئے اقدام کرنا اسکے فرائض دینی میں شامل ہوتا ہے۔کوتاہی اور تغافل کی صورت میں۔ایک شخص اللہ کے نزدیک لائق احتساب۔یا قابلِ مواخذہ قرار دیا جاتا ہے۔ایسی صورت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کیلئے ضروری تھا کہ وہ۔اجرائے رسالت۔کے فریضہ کیلئے خود خلافت حاصل کرنے میں ذاتی طور اقدام کریں۔لیکن۔انکے لئے ایسا کرنا بھی۔انکی نظر میں۔جائز تصور نہ تھا۔اسلئے کہ ضابطۂ خلافت کے اصول کے تحت۔حضرت امیر معاویہؓ اپنی زندگی میں۔بحیثیت خلیفہ۔یزید کو خلیفہ نامزد کر چکے تھے۔جسکے لئے حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف سے۔حصولِ خلافت کیلئے۔کوئی اقدام کرنا۔ضابطۂ خلافت کے تحت لازم نہ ہوتا تھا ــــ

افسوس کا مقام ہے۔کہ محققینِ اسلام۔مورخین نے بھی۔خلافت کے بنیادی اصولوں کو سامنے نہیں رکھا۔اور نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان جنگ ''صفین'' کے بنیادی اسباب پر غور کیا ــــ اور نہ ہی حضرت امام حسین علیہ السلام۔اور یزید کے درمیان بنیادی حقائق پر نظر کی۔جس بنا پر امتِ مسلمہ ان واقعات کی حقیقت سمجھنے میں ہمیشہ تذبذب کا شکار رہی۔اور نہ ہی ان واقعات میں۔کسی کے ''حق'' ــــ کسی کے ''ناحق'' ــــ کا فیصلہ کرنے میں ''حق'' و ''ناحق'' [1] میں تمیز کر سکی ــــ اور لاعلمی۔اور غلط حقائق پر اسلام کی حقیقی ہیئت کو مسخ کیا گیا ــــ

---

[1] ان حقائق پر تجزیہ کیا جائے۔کہ حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کے بعد۔یزید کو خلیفہ منتخب ہونے کیلئے۔اگر یزید شرائط دینی کے مطابق مومن یا پاکیزہ کردار مانا جاتا۔تو پھر حضرت امام حسینؓ کے خلیفہ ہونے پر (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لہٰذا۔ یہ امر حقیقت پر مبنی ہے۔ قیامِ خلافتِ اسلامی۔ اجرائے خلافتِ اسلامی ـــــ اجرائے رسالت ـــــ اجرائے اقتدارِ اسلامی میں متعلقین خلفائے اسلام کے ذہنوں میں حصولِ خلافت میں اپنی ذاتی اغراض خواہشِ حکمرانی۔ خواہشِ مال و زر ـــــ حصولِ دنیا میں آرام و آسائش ـــــ کا ذرہ بھر تصور موجود نہ تھا۔ نہ ہو سکتا تھا۔ سوائے اسکے کہ۔ حکم الٰہی کے تابع صرف۔ اور صرف۔ دینِ الٰہی کے نفاذ میں۔ اجرائے رسالت (اجرائے قرآن وحدیث) میں مخلوقِ انسانی تک احکام پہنچا کر انہیں آخرت کے عذاب سے نجات دلانا ایک واحد مقصد۔ اور ایک واحد تصور تھا ـــــ کہ ازروئے قرآن وسنتِ نبوی علیہ السلام ایک فرد امت یا اصحاب کہاں تک خلافت کے معاملہ میں مداخلت کرنے کا جواز رکھتے ہیں۔ جس بنیادی مقصد کی تکمیل میں۔ خلافتِ اسلامی میں رونما ہونے والے واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ اور یہ حقیقت ہے۔ کہ قیام خلافتِ اسلامی کیلئے ـــــ سنتِ نبویؐ کے مطابق۔ شرائطِ خلافت۔ شرائطِ دینی کی صورت میں۔ ایک ضابطہ متعین ہو چکا تھا۔ جس میں ایک خلیفہ کا انتخاب۔ امورِ خلافت میں۔ اول اجرائے قرآن وسنت ـــــ اجرائے رسالت کے تصور پر ہی۔ امورِ خلافت طے کرنے کے ضوابط مرتب ہو چکے تھے ـــــ لہٰذا ان امور میں نہ کسی کی ذاتی مداخلت۔ نہ کسی کے حق ہونے کا تصور۔ خلافت میں شامل کئے جا سکتے ہیں ـــــ ہاں انہیں ضوابط پر۔ خلفائے اسلام کا تعین وتقرر لازم آتا ہے۔ چنانچہ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لیکر حضرت امام حسنؓ اور یزید کی خلافت تک انہیں ضوابط کے دائرے میں خلافت کا وجود قائم ہوتا رہا۔ اور انہیں ضوابط کے تحت۔ انتخاب خلیفہ کا عمل جاری رہا۔ جس میں کسی فرد کی ذاتی اغراض۔ ذاتی مداخلت کا ذرہ بھر عمل شامل نہیں ـــــ

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) واقعات کربلا رونما ہونے کا موقع نہ آتا۔ یہ محض منافقین یہود کی سازش کے نتیجہ میں۔ اعتراض یا اختلاف پیدا ہوا۔ جبکہ خود محققین بھی یزید پر قبیح الزامات کی تائید پہ متفق نہیں۔ کہ یہ الزامات یہود کے ساختہ الزامات ہیں ـــــ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جنہوں نے انیس سال تک خلافت کی۔ اور اسلام میں۔ ضابطۂ ہدایت کو قائم رکھا۔ ممکن نہیں کہ یزید کو شراب نوشی اور زنا کی اجازت دیتے۔ کہ وہ دینی اعمال کی تعمیل میں بد باطن ہو سکتا؟

یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ جیسا بیان ہوا۔ کہ خلافتِ اسلامی میں۔ ایک خلیفہ کا شرائطِ خلافت کے مطابق انتخاب ہونا ایک اصول کے تحت لازمی تھا۔ کہ اجرائے رسالت ــــ اور اجرائے اقتدارِ اسلامی کے لئے۔ ایک سربراہ۔ ایک امیر کا انتخاب۔ اور حکم جاری ہونا ضروری ہے ــــ اور جیسے کہ اجرائے رسالت (حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی تبلیغ میں ہی) کے ساتھ اقتدارِ اعلیٰ کی ضرورت پڑی۔ ایسی صورت میں شرائطِ خلافت میں بھی چند اضافی ضوابط کو شامل کرنے کی ضرورت پڑی۔ ان ضوابط میں۔ ایک ضرورت یہ پیدا ہوئی۔ کہ۔ اگر خلیفہ اپنی زندگی میں کسی فرد کا خلافت کیلئے انتخاب نہ کر سکے۔ اور مجلس شوریٰ کا وجود بھی موجود نہ ہو۔ اور حالات ایسے پیدا ہوں۔ کہ ایک خلیفہ کا ان شرائط کے موجود نہ ہونے کی صورت میں۔ انتخاب ہونا ممکن نہ ہو ــ تو اصولِ اسلام کے تابع۔ امتِ مسلمہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ کہ وہ بہر صورت۔ خلافتِ اسلامی کے تحفظ و بقا کیلئے۔ تدبیر کرے [1]۔ تا کہ خلافت کا نظام قائم رہے۔ ایسی صورت میں۔ جو بھی فرد۔ قرآن وحدیث پر کماحقہٗ عبور رکھتا ہو ــــ اور تقویٰ وعبادات کا حامل ہو۔ اس پر فرض عائد ہوتا ہے۔ کہ وہ بغیر کسی انتخاب کے۔ خلیفہ کے فرائض انجام دینے میں۔ خود خلافت کے امور انجام دینے میں پیش قدمی کرے ــــ ایسی صورت میں ایسے فرد پر شرعی اعتبار سے خلافت پر متمکن ہونا ضروری اور واجب ہوتا ہے ــــ

---

[1] اسکی ایک واضح مثال حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر واضح ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے غسل میں مصروف تھے۔ ادھر باہر قبائل میں سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ کے تقرر پر بحث ونزاع ہورہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس نزاع کو دیکھ رہے تھے۔ کہ قبائل اپنے اپنے سرداروں کو خلیفہ بنانے پر جھگڑ رہے ہیں۔ کہ اس نزاع پر قبائل میں جنگ کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں آدمی بھیجا کہ فوراً باہر آئیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا کہ انہیں فرصت نہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں باہر آنے پر مجبور کر دیا۔ آخر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تجہیز چھوڑ کر حضرت عمرؓ کے پاس تشریف لائے اور انہیں واقعات بتائے گئے۔ جس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبائل میں تقریر فرمائی اور ایک خلیفہ کے انتخاب کی مہم شروع کی۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قطع نظر قبائل کے آراء کے ــــ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر بیعت کر کے آپ کو خلیفہ تسلیم کیا۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت امام حسین علیہ السلام کے زمانہ کی یہ ایک خاص نوعیت تھی۔ کہ حضرت امیر معاویہؓ کی وفات پر۔ آپ (حضرت امام حسینؓ) کے زہد و تقویٰ ـــ علم القرآن و حدیث پر کامل عبور ـــ اور قُرب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صفات کے اعتبار سے امت مسلمہ میں آپکا انتخاب ہو ـــ یا آپ بذاتِ خود۔ خلافت پر فائز ہوں۔ یہی ایک نکتہ ہے۔ جس پر حضرت امام حسینؓ کا خلافت کے امور میں مداخلت کا فریضہ ادا کرنے میں جائز اقدام تصور کیا جاتا ہے ـــ جبکہ آپؑ کے مقابلہ میں یزید کو یہ خصوصیات حاصل نہ تھیں ـــ لیکن حضرت امیر معاویہؓ کا بحثیت خلیفہ شرائطِ خلافت کے تحت یزید کو خلافت کیلئے منتخب کرنا ـــ حضرت امام حسینؓ کو معاملاتِ خلافت میں دخل دینے میں مانع تھا ـــ جبکہ اصولاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا۔ یزید کیلئے انتخاب جائز ہوسکتا ہے۔ یہی وہ موقع تھا۔ جہاں دشمنانِ اسلام یہود اور بد باطن کوفیوں کی بد باطنی۔ اور شیعانِ علی کے انتقامی جذبہ کو ـــ موقع فراہم ہوا۔ کہ وہ اقتدارِ اسلامی کی ساخت کو نقصان پہنچائیں۔

تاریخ شاہد ہے۔ اس میں ذرہ بھر مغالطہ نہیں۔ یہ کہ عراق کے کوفیوں کی طرف سے حضرت امام حسین علیہ السلام کو خطوط بھیجے گئے۔ کہ ضابطۂ خلافت کے تحت۔ جبکہ یزید آپ کے مقابلہ میں۔ خلافت کا حق دار ١ نہیں۔ (اس بنا پر کہ یزید شرائطِ خلافت کے مطابق قرآن و حدیث کا نہ علم

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) بدیں وجہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود انہیں مقام خلافت پر متعین فرمایا تھا۔ اس امر سے واضح ہے۔ کہ حضورؐ کے بعد ـــ یا ایک خلیفہ کی وفات کے بعد خلافتِ اسلامی میں۔ ایک خلیفہ کا فوری طور انتخاب ہونا ضروری ہے۔ اور حالات کے مطابق اگر خلیفہ یا مجلس شوریٰ کا وجود موجود نہ ہو تو ایک فرد شرائط دینی کے اوصاف پر خود خلافت سنبھالنے کیلئے سبقت کرے۔

یہاں قبائل کے اختلافات کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذاتی اقدام۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خلیفہ مقرر ہونا ـــ اس امر کی دلیل ہے۔ کہ اول خلافتِ اسلامی میں خلیفہ کی وفات کے بعد ایک خلیفہ کا فوری طور انتخاب کرنا۔ یا منتخب ہونا یا خود خلیفہ بننا ضروری ہے۔ اور اس امر میں امت مسلمہ کا فوری تدبیر کرنا ضروری ہوتا ہے۔

١ واقعہ کربلا۔ تاریخ اسلامی کی تدوین میں غلط روایات بلا تحقیق شامل کی گئیں۔ اور یہ تحقیق نہ ہوسکی کہ یہ سب فتنہ۔ یہود کی سازش پر ہوا۔ اور وقت کی نزاکت کے مطابق۔ یہود نے جیسا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رکھتا ہے۔نہ تقویٰ میں کامل ہے۔یا یہ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام۔یزید کے مقابلہ میں۔شرائط خلافت کی صفات میں افضل علم وعمل کے مالک ہیں) سوائے اسکے کہ یزید کو محض۔فہم و تدبر اور سیاست میں بہتر صلاحیت کی بنأ پر خلافت دی گئی ـــــ ایسی صورت میں۔محض اجرائے قرآن وسنت ۔اجرائے رسالت کے بنیادی مقصد کے مدّ نظر حضرت امام حسین علیہ السلام کیلئے لازم تھا۔کہ وہ اس فریضہ کوادا کرنے میں۔اپنی ذمہ داری پوری کریں۔ورنہ اللہ ورسولؐ کے سامنے آپ لائق احتساب ۔اور واجب مواخذہ ہونگے۔اسی قسم کے خطوط حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں بھیجے گئے۔ان مراسلات کے بھیجنے میں۔خصوصاً منافقین اور شیعانِ علی کی شرارت اور سازش شامل تھی۔کہ حضرت امام حسین علیہ السلام یزید کی خلافت کوتسلیم نہ کرینگے۔اسکے ساتھ ہی۔امام حسین علیہ السلام مجبور ہونگے کہ آپؑ یزید کے خلاف مزاحمت کرینگے۔لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ قدم اٹھایا۔ کہ اصلاحِ احوال کیلئے آپؑ امت مسلمہ کی آرا۔اور خصوصاً عراق کے عوام کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا بذات خود مشاہدہ کرکے۔کسی حقیقی نتیجہ پر پہنچکر۔آیا یزید کی خلافت میں۔کوفیاں کے خطوط میں بیان کردہ اعتراضات درست ہیں۔کہ ہم پر خلافتِ اسلامی کی حفاظت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہو؟ ـــــ یا یزید کی خلافت اپنے فرائض میں درست ثابت ہے۔تا کہ ہم یزید کی مخالفت سے احتراز کریں۔یا خلافت کے معاملہ میں مداخلت سے گریز کریں۔

حالاتِ زمانہ ـــــ خلافتِ اسلامی ـــــ اور امتِ مسلمہ پر مخالفین اسلام منافقین کی سازش کے نتیجہ میں۔انتشار پر عمیق تجزیہ سے یہ امر ثابت ہے۔کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ضابطۂ خلافت کے اصولوں کے مدِّ نظر۔نہ خلافت کے حق کا دعویٰ کیا۔کہ وہ رشتۂ رسولؐ۔آلِ رسولؐ۔کی حیثیت میں خلافت کا حق رکھتے ہیں۔نہ انکے ذہن میں ایسا تصور پیدا ہونا ممکن تھا کہ مقام خلافت کے

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) پر ایک سازش کے تحت شدید الزامات کی آڑ میں انہیں شہید کر دیا۔اسی طرح یزید کے خلاف خلافِ شرع الزامات لگائے گئے۔کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خلافت ثابت کرنے سے۔یزید کے خلاف خلافت ثابت نہ ہونے کیلئے الزامات تراشے جائیں۔ورنہ مورخین خود اس واقعہ کے تسلیم میں معترض ہیں۔

تحفظ کیلئے یزید سے خلافت چھین لینے میں کوئی اقدام کریں ـــــ نہ انکا معاملاتِ خلافت میں مداخلت کا کوئی مقام۔کوئی وقت ـــ آتا تھا۔جس کے لئے آپ یزید کے خلاف کوئی اقدام کرنے پر آمادہ ہوتے۔سوائے اسکے۔کہ (کوئی) شرائطِ دینی۔شرائط خلافت کے ضابطہ کی آڑلیکر حضرت امام حسین علیہ السلام کو مجبور کریں کہ امت مسلمہ دو دھڑوں میں بٹ کر خلافتِ اسلامی میں نیا فتنہ پیدا ہو کر انتشار پیدا کریں۔یہی ایک سازش۔فتنہ تھا۔کہ آپ کو اجرائے دین کی خاطر رشتۂ رسول اللہ کا واسطہ دلا کر انہیں مداخلت پر مجبور کیا گیا۔یہی وہ واحد جذبہ تھا۔جس پر حضرت امام حسین علیہ السلام نے۔نہ یزید کی سلطنت پر دھاوا بولنے کی غرض سے سفر اختیار کیا۔نہ آپ نے یزید سے مجادلہ کرنے کی غرض سے یزید سے ملنے کا ارادہ کیا۔نہ یزید کے خلاف محاذ آرائی کی نیت سے کوفہ کا سفر اختیار کیا۔سوائے اسکے کہ کوفیوں اور دیگر امت مسلمہ کے افراد سے انکی جائز شکایات کا اندازہ کر کے اپنی ذمہ داری کا جائزہ لینے کی غرض سے کوفہ کا سفر اختیار کیا ـــــ ایسے موقع پر بھی۔دشمنانِ اسلام منافقین نے یزید کی جماعت۔اور ابن زیاد کے لشکر میں شامل ہو کر ایسے حالات پیدا کر دیئے۔اور ایسے بے بنیاد الزامات حضرت امام حسین علیہ السلام کے خلاف اختراع کیے۔جن سے۔حضرت امام حسین علیہ السلام کے خلاف محاذ آرائی کی صورت پیدا کی گئی۔حقیقتاً لشکرِ یزید میں ابنِ زیاد۔شمر جیسے بد باطن۔دشمنِ رسول۔دشمنِ آلِ رسول موجود تھے۔جنہوں نے انتقامی جذبہ میں۔دیدہ دانستہ۔سازش کے تحت حضرت امام حسین علیہ السلام کے خلاف ذاتی طور محاذ بنا کر آلِ رسول کو ختم کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا ـــ یہی وجہ تھی کہ حضرت امام عالی مقام کی طرف سے مصالحت کیلئے پیش کی گئی تجویزوں کو ابن زیاد نے قبول ہونے کا موقع نہ دیا۔کہ ان مصالحتوں سے۔حضرت امام حسین علیہ السلام کیلئے بچ جانے کا موقع ملتا تھا۔جبکہ ابن زیاد ہر حالت میں حضرت امام حسینؑ اور آل رسول کو ختم کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا ـــــ

جہاں تک حضرت امام حسین علیہ السلام کا کوفیوں کے خطوط پر عمل کرنے کا سوال ہے۔ بنیادی چیز یہ ہے۔کہ تاریخی شواہد کے مطابق۔حضرت امام حسینؑ۔نہ یزید کے خلاف۔خلافت

حاصل کرنے کی نیت رکھتے تھے۔ نہ خلافت کے تقرر کے خلاف کوئی اقدام کرنا چاہتے تھے۔ نہ ایسا کوئی مقام تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حصولِ خلافت کیلئے از روئے شریعت کوئی اقدام کرنے کے مجاز ہوں۔ یہ امر واضح ہے۔ کہ آپ نے صرف اصولِ شریعت کے تابع۔ دینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے استحکام۔ واجرا کی جو ذمہ داری آپ پر اس ضابطہ دینی کے تحت عائد ہوتی تھی۔ اسی ذمہ داری کو سامنے رکھ کر کوفیوں نے خطوط لکھ کر انہیں مجبور کر دیا کہ خلافت ایسے شخص کے سپرد نہ کی جائے۔ جو شرائطِ دینی کے خلاف نہ کامل علم رکھتا ہو۔ نہ کامل عامل ہو۔ نہ ہی اس کی خلافت میں اجرائے رسالت کا فریضہ ادا کرنے کو اہمیت دی جاتی ہو ـــــ اس پر بھی۔ جیسا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اقوال۔ اور خطبات سے واضح ہے۔ کہ آپ خلافت کے معاملات میں قطعاً دخل دینا نہیں چاہتے تھے۔ اسلئے کہ اس سے قبل ایسے ہی واقعات رونما ہونے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ میں امت مسلمہ انتشار کا شکار ہو چکی تھی ـــــ دوسرے حضرت امام حسن علیہ السلام کی خلافت کے نتیجہ میں۔ آپ کے اور امیر معاویہؓ کے درمیان پھر ایک جنگ ہونا ضروری ہو گئی تھی۔ اور اب حضرت امام حسین علیہ السلام کے معاملاتِ خلافت میں دخل دینے سے امت مسلمہ میں دوبارہ ایک جنگ کا واقع ہونا ضروری تھا۔ اس مصلحت کو سامنے رکھکر حضرت امام حسین علیہ السلام ایسے حالات پیدا کرنے پر تیار نہ تھے۔ کہ یزید کے خلاف کسی معاملہ میں کوئی اقدام کرتے۔ جبکہ دوران فسادِ کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام نے لشکر ابنِ زیاد سے یہ مطالبہ کیا۔ کہ ہمیں واپس جا کر یزید سے مصالحت کرنے کا موقع دو۔ اسلئے کہ امام حسین علیہ السلام ۔بذاتِ خود یزید کے خلاف کسی قسم کی معرکہ آرائی یا مجادلہ کی نیت سے کوفہ نہیں جا رہے تھے۔ ظاہر ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی اس مصالحت سے واضح ہے۔ کہ اگر آپ یزید کے خلاف اقدام کی نیت سے نکلتے تو پھر آپؑ کی طرف سے مصالحت کا سوال پیدا ہی نہ ہوتا۔ جیسے بیان ہوا۔ کہ یہ اصل حقیقت ہے۔ کہ کوفیانِ عراق۔ منافقین اور شیعان علی کی ایک سازش ہی کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ لوگ یزید کی حکومت کو کسی طرح برداشت نہ کر سکتے تھے۔ جسکے لئے انہوں نے حضرت امام حسینؑ کی

ذات کو استعمال کرنے کی کوشش میں۔آپ کو اپنی ذمہ داری کا احساس دلانے میں۔یزید کی کردار کشی کیلئے اس کے خلاف ایسے حوالے دیئے۔کہ وہ خلافت کا اہل نہیں۔کہ اگر آپ نے اس وقت دینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے استحکام و اجراً۔اجرائے رسالت میں عملی قدم نہ اٹھایا تو اللہ و رسولؐ کے نزدیک قیامت کے دن آپ قابلِ مواخذہ ہونگے۔وغیرہ۔جبکہ حالات ایسے تھے۔کہ یزید کی خلافت میں۔خلافتِ اسلامی۔یکسر ایک سلطنت کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔جسکے لئے ـــــ اجتہادی عمل لازم ہو کر خلیفہ کے ذاتی اجتہادی احکام کا نفاذ و اجراً ضروری تھا۔اس حال میں کہ یہ احکام اجتہادی۔خلیفہ کے ذاتی احکام سے متعلق تھے۔جو قرآن و حدیث سے ثابت نہ تھے۔یہ ایسی صورت تھی۔کہ خلافت میں ـــــ اجرائے رسالت۔کا عمل ظاہراً محسوس نہ ہوتا تھا۔نیز یہ عمل خلافِ شرائطِ دینی۔ضابطۂ خلافت کے خلاف سمجھا جاتا تھا ـــــ یا محسوس کیا جاتا تھا۔ایسی صورت میں۔جب خلافت میں۔شرائطِ دینی کے ضابطہ کے تحت۔انتخاب خلیفہ نہ ہو۔اور خلافت میں۔سنتِ نبویؐ کے مطابق اجرائے قرآن و سنت کو لازم نہ رکھا جائے۔تو ایسے خلیفہ۔اور ایسی خلافت کو شرعاً تسلیم کرنا جائز نہیں۔بلکہ ایسے خلیفہ اور خلافت کے خلاف ـــــ (امتِ مسلمہ کی ذمہ داری کے اصول پر) جہاد کرنا لازم ہوتا ہے ـــــ اسی نکتہ کو سامنے رکھکر کوفیوں نے حضرت امام حسینؑ کو ایسی خلافت کے خلاف اقدام پر مجبور کر دیا ـــ جو کسی حد تک جائز اقدام محسوس ہوتا تھا۔لیکن یہ خیال رہے۔کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس خیال کے مدنظر کہ ایسے اقدام سے پھر سے امتِ مسلمہ میں منافقین کی سازش کے نتیجہ میں جنگ کی صورت پیدا ہونا یقینی ہے۔اسلئے یہ ایک حقیقت ہے۔کہ حضرت امام حسین علیہ السلام۔تربیت یافتہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔فراستِ مومن کے حامل۔اولوالعزم صحابی ـــ اور ذاتی طور اعلےٰ صاحب فہم و تدبر ہوتے ہوئے۔ان حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے۔نہ یزید کے خلاف ـــ اسکی خلافت کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھاتے ـــ نہ اپنی ذات کیلئے خلافت حاصل کرنے میں یزید کے خلاف محاذ آرائی کرتے ـــــ نہ یہ خیال کہ کسی غاصب فاسق کے خلافتِ اسلامی پر جبراً قبضہ کرنے پر آپ دینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کیلئے یزید سے خلافت

چھین کر خود خلافت چلاتے۔ سوائے اسکے کہ آپ کوفیوں کے کہنے کے مطابق۔ اپنی ذمہ داری کے جواز کیلئے۔ تمام واقعات کی تحقیق کے بعد کوئی فیصلہ کرتے لیکن ـــــ ابن زیاد اور اسکے ساتھ دشمنانِ دین ـــــ دشمنانِ رسول نے اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ کہ حضرت امام علیہ السلام کے خلاف محاذ کھول کر انہیں کربلا کے مقام پر محصور کر کے۔ بغیر کسی جواز کے حملہ کر کے شہید کر دیا ـــــ جبکہ تاریخی شواہد سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ نہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے یزید کے خلاف کوئی اقدام کیا۔ نہ ایسا کوئی موقع تھا۔ کہ آپ یزید کے خلاف جہاد کرتے۔ ایسی صورت میں یزید کیلئے بھی آپؑ کے خلاف کوئی شدید اقدام کرنے کا موقع نہ تھا۔ کہ آپ کو اپنی بیعت کیلئے۔ مجبور کرتا۔ سوائے اسکے کہ اگر حضرت امام حسین علیہ السلام منافقین کوفہ اور شیعان علی کے اکسانے پر محض کوفیوں کے خطوط میں بیان کئے گئے حالات کا جائزہ لینے کیلئے کوفہ تشریف لے جاتے ـــــ ایسی صورت میں یزید کیلئے یہ خطرہ لاحق تھا۔ کہ آپؑ کے کوفہ پہنچنے پر۔ کوفیوں کی۔ (منافقانہ) حمایت پر۔ کہیں امتِ مسلمہ کے لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کو خلافت کیلئے منتخب کریں۔ اور اکثریت انکی حامی ہو کر ان سے بیعت کرتی۔ ایسی صورت میں۔ احتمال تھا۔ کہ امت مسلمہ میں ایک اور جنگ مثل سابق (حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ) حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کے درمیان پیدا ہو کر۔ تمام امت مسلمہ اس جنگ کی لپیٹ میں آجاتی جس سے خلافتِ اسلامیہ۔ سلطنت اسلامیہ کا وجود ختم ہو جاتا ـــــ یا دوسری صورت یہ۔ کہ یزید کو خلافت سے دستبردار ہونے کے سوا چارہ نہ رہتا تو لازمی حضرت امام حسین علیہ السلام خود بخود خلیفہ منتخب ہوتے۔ ایسی صورت میں نظریہ حضرت امیر معاویہؓ کے مطابق خلافتِ اسلامی۔ سلطنت اسلامی۔ کسی فتنہ کا شکار ہو کر۔ اسکی ساخت کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو جاتا۔

یہ حقیقت ہے۔ کہ اگر بد باطن کوفی۔ اور منافقین حضرت امام حسین کو خطوط نہ لکھتے۔ نہ انہیں انکی ذمہ داریوں کا حوالہ دیکر۔ خلافت کے معاملات میں دخل دینے پر مجبور کرتے۔ تو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ذہن میں خلافت سے متعلق کوئی ایسا خیال آنا ممکن نہ تھا۔ کہ وہ خلافت کے حصول کیلئے مدینہ سے کوفہ کا سفر کرتے۔ اور اگر آپؑ کوفیوں کی سازش کا شکار ہو کر مدینہ سے سفر اختیار

نہ کرتے۔تو واقعہ کربلا کا ظہور نہ ہوتا ـــــ نہ بد باطن منافقین کو حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنے کا موقع ملتا۔حالات حسب معمول جاری رہتے۔اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرح یزید کی خلافت بغیر کسی تنازعہ کے جاری رہتی اور حضرت امام حسین علیہ السلام حسب معمول زندگی گزارتے۔کیونکہ ایسا ہی موقع حضرت امام حسن علیہ السلام کی خلافت میں پیش آیا۔جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے۔حضرت امام حسن علیہ السلام سے خود خلافت پر متمکن ہونے کیلئے۔آپؑ سے خلافت حاصل کی۔محض اس نظریہ وخیال کے تحت کہ ایسے موقع پر اتنی عظیم سلطنتِ اسلامی کی بقاو تحفظ کیلئے۔شرائطِ دینی سے سوا۔ایک خلیفہ کیلئے۔حکمران صلاحیت سیاست وتدبر کی اشد ضرورت کے مدنظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خود خلافت حاصل کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت تھی۔لہٰذا۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام ازروئے شریعت جائز تصور کیا جانا لازمی تھا۔ جس بنأ پر حضرت امام حسن علیہ السلام نے حضرت امیر معاویہ کو خلافت سپرد کر دی۔ایسی ہی کیفیت حضرت امام حسین علیہ السلام کی خلافت کے موقع پر پیش آئی جس بنأ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے۔حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں۔سلطنت اسلامی کی بقاؤ سالمیت واستحکام کے مدنظر یزید خلافت کیلئے منتخب کیا۔اگر منافقین کوفہ شیعان علی فتنہ نہ پیدا کرتے۔تو لازماً حضرت امام حسین علیہ السلام۔مثل حضرت امام حسن علیہ السلام۔حضرت امیر معاویہ کے انتخاب خلافت کی تائید میں۔یزید کی خلافت کو تسلیم کرتے جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر دونوں حضرات علیہما السلام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے امن وسلامتی سے وقت گزارا ـــــ اور مابین میں کسی فتنہ کا موقع نہ آیا ـــــ لیکن شہادت امام حسینؑ مقدر ہو چکی تھی۔کہ کوفیوں کی سازش کا نتیجہ اسی صورت میں ظاہر ہونا تھا۔

یہ امر واضح ہے۔کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید میں۔مقامِ خلافت پر فائز ہونے میں۔''فرق'' ـــــ وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق یزید کے لئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتخاب۔کس بنیاد پر ہوا۔؟ ـــــ

تاریخ اسلام سے واضح ہے۔ کہ اصول شرائطِ دینی ـــــ شرائطِ خلافت کے تحت۔ متعین صفاتِ خلیفہ کے مطابق انتخابِ خلیفہ ہونا لازم ہے۔ جس میں رسالت کیلئے الٰہی انتخاب ہوتا ہے۔ یہ انتخاب (اصطفیٰ) محض اجرائے قرآن ـــــ احکامِ الٰہی کیلئے ہوتا ہے۔ جس میں حکمرانی کا تصور موجود نہیں ـــــ اور بعد زمانہ وسعتِ اسلامی میں اقتدارِ اعلیٰ کی ایک علیٰحدہ نوعیت خلافتِ اسلامی میں پیدا ہوئی ـــــ جس سے شرائطِ دینی ـــــ شرائطِ خلافت میں اجتہادی عمل کو شامل کرنا ضروری ہوا ـــــ

شرائطِ دینی چونکہ احکامِ الٰہی ۔ اجرائے قرآن (قرآن وحدیث) سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس میں ۔ صفاتِ خلیفہ میں ۔ قرآن وحدیث پر کامل عبور۔ اور عمل میں تقویٰ وعبادات میں افضل عمل ہونا شرط ہے ـــــ اسلئے خلیفہ کا انتخاب انہیں شرائط پر ہونا ضروری ہوا ـــــ اسکے مقابل اقتدارِ اعلیٰ میں حکمرانی کا تصور شامل ہوا۔ جسکے لئے۔ علم وعمل ۔ علم قرآن ـــــ تقویٰ سے علاوہ حکمران ذہن ـــــ تدبیر وسیاست کی خصوصیت کا پایا جانا ضروری تھا۔ جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ۔ کی ذاتِ اقدس سے الدین الاسلام (شریعت) کیلئے وحی کا نزول جاری نہیں رہ سکتا۔ نہ اقتدارِ اعلیٰ کیلئے ہدایات نازل ہوسکتی ہیں۔ سوائے اسکے۔ کہ خلیفہ کے انتخاب کیلئے۔ ایک متقی ۔ مومن ۔ صاحبِ القا فرد ہو۔ جو اپنی قوتِ القا۔ یا ذہنی تدبر سے اقتدارِ اعلیٰ کی تدبیر وہدایت کیلئے ذاتی طور احکام جاری کرے۔ کہ اقتدارِ اعلیٰ الدین الاسلام کے دائرہ میں رہ کر اسلام کی ہیئتِ مسلمہ طویل زمانہ تک قائم رہے۔

اسلامی تاریخ سے واضح ہے۔ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ـــــ خلافتِ رسالت نے ایک وسیع حکمران حیثیت اختیار کی۔ جسکے لئے ایک خلیفہ کے انتخاب میں۔ شرائطِ دینی (خلافتِ رسالت) سے علاوہ اجتہادی عمل لازم ہوا۔ کہ اس خلافتِ رسالت کو جو اقتدارِ اعلیٰ کی شکل میں۔ حکمران حیثیت حاصل کر چکی ہے۔ اس کی بقا وسالمیت ۔ واستحکام کیلئے اجتہادی عمل کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔ جسکے لئے ایک خلیفہ کے انتخاب میں چند

اجتہادی ضابطے وضع کرنے ضروری ہوئے۔ وہ اجتہادی ضابطے یہ ہیں۔

(۱) اصول شریعت کے تابع جیسا واضح ہے۔ کہ رسول کا انتخاب (اصطفیٰ) اللہ کی ذات سے ہوتا ہے۔ جو انتخاب صرف رسالت اجرائے احکام الٰہی کیلئے مخصوص ہوتا ہے۔ جسکے لئے رسول کیلئے اللہ تعالیٰ سے براہِ راست ''ہدایت'' ۔حاصل کی جاتی ہے۔ اس حصولِ ہدایت میں۔ سوائے ہدایاتِ الٰہی ـــــ احکامِ الٰہی میں۔ کسی اجتہادی عمل کی نوبت نہیں آتی کہ رسول پر وحی کا سلسلہ (الدین الاسلام کی حیثیت میں) جاری رہتا ہے۔

(۲) رسول کے بعد قائم مقام رسول۔ (خلیفہ الرسول) براہ راست رسول سے اسکا انتخاب۔ بحیثیت خلیفہ رسالت ـــــ اجرائے قرآن وحدیث ـــــ کیلئے ہوتا ہے ـــــ

(۳) اسکے بعد تاریخ اسلام کی روشنی میں۔ جب اجرائے رسالت میں اقتدارِ اعلیٰ سے نئی صورت میں حکمران حیثیت حاصل ہوئی۔ تو اجرائے رسالت کے ساتھ سلطنت اسلامی (خلافت اسلامی) کیلئے ایک خلیفہ کے انتخاب میں۔ ضابطہ انتخاب میں۔ اجتہادی صورت پیدا ہوئی۔ وہ یہ کہ انتخابِ خلیفہ میں۔ رسول کے ذریعہ انتخاب کے بعد۔

خلافتِ اسلامی (سلطنتِ اسلامی) میں۔ خود خلیفہ کے ذریعہ ایک خلیفہ کا انتخاب ہوا۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا براہ راست انتخاب ہوا ـــــ اس میں عوام المسلمین کے ذریعہ خلیفہ کا انتخاب شرط نہیں۔ سوائے اسکے جیسے اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے انتخابِ خلیفہ میں تاریخ سے عوام سے رائے لینے کا تصور پایا جاتا ہے۔ یہ اصل انتخاب نہیں۔ بلکہ اس زمانہ میں مختلف اقوام وقبائل کے حالات کے مطابق ہر فرد سے تائید وحمایت حاصل کرنے کا طریق اختیار کیا گیا۔ تا کہ افراد یا قبائل کے فروعی اختلاف سے امت مسلمہ کی وحدت میں فتنہ پیدا ہونے کا احتمال باقی نہ رہے۔

اسکے بعد تاریخ اسلام سے انتخابِ خلیفہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہادی عمل واضح ہے۔ کہ آپ نے چھ اصحابِ امت کو بحیثیت مجلس شوریٰ منتخب کیا۔ اور اسی مجلس شوریٰ کے ذریعہ ایک

خلیفہ کا انتخاب لازم ہوا۔ چنانچہ تاریخ اسلام سے واضح ہے۔ کہ اس مجلس شوریٰ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بحیثیت خلیفہ انتخاب ہوا۔ اس امر سے واضح ہے۔ کہ خلافتِ اسلامی میں۔ ایک خلیفہ کے ذریعہ ـــــ خلیفہ کا انتخاب ہونے کے بعد خلیفہ اپنی زندگی میں۔ یا خود خلیفہ کا انتخاب کرتا ہے۔ یا مجلس شوریٰ کے ذریعہ خلیفہ کا انتخاب ہونا شرائط دینی کا اہم ضابطہ مقرر ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں۔ اگر حادثاتی طور خلیفہ وقت موجود نہ ہو۔ تو خلیفہ کے بعد ـــــ خلیفہ کی عدم موجودگی میں۔ مجلس شوریٰ ہی ایک خلیفہ کا انتخاب کرنے کی مجاز ہے۔ اس عمل میں بھی۔ عوام المسلمین کے ذریعہ خلیفہ کا انتخاب ثابت نہیں۔

اسکے بعد جیسا کہ تاریخ اسلام سے واضح ہے۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر خلیفہ کے ذریعہ خلیفہ کا انتخاب ممکن نہ ہوسکا۔ اور منافقین کی طوفانی یلغار کے نتیجہ میں۔ خلافتِ اسلامی انتشار کا شکار ہوکر۔ مجلس شوریٰ کا وجود بھی۔ مستحکم نہ رہ سکا۔ جسکے نتیجہ میں۔ نہ خلیفہ سے خلیفہ کا انتخاب ہوسکا۔ نہ مجلس شوریٰ کو خلیفہ منتخب کرنے کا موقع مل سکا ـــــ

اس کے بعد ان صورتوں میں۔ جب خلیفہ کے ذریعہ خلیفہ کا انتخاب ممکن نہ ہو۔ نہ مجلس شوریٰ کی حیثیت برقرار ہو۔ تو اس موقع پر تیسری صورت اصولِ شرائطِ خلافت کی یہ ہوتی ہے۔ کہ اولاً مجلسِ شوریٰ کا وجود مستحکم کیا جائے۔ اسکا طریق یہ ہے۔ کہ بحیثیت مجموعی۔ عوام المسلمین۔ میں شرائط دینی کے ضابطہ کی روشنی میں مخصوص افراد کی نشاندہی کی جائے۔ جو لوگ۔ عبادت و تقویٰ۔ فہم و فراست و تدبر میں اعلیٰ مقام رکھتے ہوں۔ انہیں مجلسِ شوریٰ ترتیب دینے پر آمادہ کیا جائے۔ یہی جماعت جن کی عوام المسلمین نشاندہی کریں۔ ان افراد سے مجلس شوریٰ ترتیب دیکر ان سے ـــــ یا ان میں سے۔ ایک خلیفہ کا انتخاب کیا جائیگا۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ترتیب دی ہوئی مجلس شوریٰ سے خلیفہ کا انتخاب ہونا۔ لازمی تھا۔ مگر شہادت حضرت عثمانؓ کی وجہ سے مجلس شوریٰ انتشار کا شکار ہوکر خلیفہ کا انتخاب نہ کرسکی۔

اسکے بعد اگر خلافتِ اسلامی میں افتراق و انتشار شدت اختیار کر جائے۔ اور مجلس شوریٰ

کے ارکان کا انتخاب بھی مشکل ہو جائے تو ایسی صورت میں جیسا کہ ہر فردِ امتِ مسلمہ کیلئے۔ دینِ اسلام۔ خلافتِ اسلامی کی بقاؤ تحفظ اور اجرائے رسالت کی ذمہ داری فرد کی حیثیت میں لازم ہے۔ ایسی صورت میں امتِ مسلمہ کا ہر فرد۔ محض تحفظ و بقائے اسلام کی خاطر۔ خود حصولِ خلافت کیلئے پیش قدمی کرنے کا مجاز ہے۔ اس حال میں کہ اس میں شرائط دینی کی صفات موجود ہوں۔ ایسا شخص بغیر کسی انتخاب کے خود خلافت پر فائز ہوسکتا ہے۔ اور امت مسلمہ پر ایسے فرد کی اطاعت واجب ہوتی ہے۔ اسلئے کہ اصولِ شریعت میں۔ رسالت کے بعد خلافتِ اسلامی میں۔ ایک خلیفہ کے بعد فوری طور نئے خلیفہ کا تقرر اشد ضروری ہوتا ہے۔

ان ضابطوں کی روشنی میں۔ خلافتِ اسلامی میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بعد۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت۔ اور اسلام کی رسالت اور اقتدارِ اعلیٰ کی خلافتِ اسلامی میں۔ طریق انتخاب خلیفہ کا ضابطہ واضح اور متعین ہے۔ انہیں ضابطوں کے عین مطابق ایک خلیفہ کا خلافتِ اسلامی کی وقتی ہئیت میں۔ انتخاب لازم ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کے درمیان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ انتخاب کا اسی ضابطہ کی روشنی میں تجزیہ کیا جاتا ہے۔ کہ حالات زمانہ کے مطابق۔ خلافتِ اسلامی میں۔ شہادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں منافقین اور دشمنانِ اسلام کی اندرون وسیع پیمانہ پر سازش کے نتیجہ میں۔ خلافتِ اسلامی میں باوجود وسیع مملکت اسلامی ہونے کے حادثات رونما ہوتے رہے۔ جنکے نتیجہ میں۔ خلافتِ اسلامی ہر وقت خطرات سے پُر دشمنان اسلام کی سازش و یلغار کی زد میں رہتی۔ ایسی صورت میں خلافتِ اسلامی کے تحفظ اور بقاو استحکام کیلئے۔ ایک خلیفہ کیلئے۔ شرائطِ دینی۔ تقویٰ عبادات۔ اور علم میں کامل ہونے کے ساتھ ایک مدبر۔ سیاستدان۔ صاحب فراست اور حکمران ذہن ہونا اشد ضروری تھا ___ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پیشتر اسی نظریہ کے حامی تھے۔ کہ خلافتِ اسلامی یعنی خلافتِ رسالت کے

استحکام و وسعت کیلئے۔ مادی ذرائع ۔یا اجتہادی عمل کو اولیت دی جائے۔ اسی نظریہ کے مطابق حضرت امیر معاویہؓ نے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولوالعزمی ۔قربِ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت۔ اور علم وتقویٰ میں افضل ترین ہستی تسلیم کرنے کے باوجود۔ محض خلافتِ اسلامی پر دشمنانِ دین کی یلغار اور مخالفت کے مدنظر یزید کو ان اجتہادی۔ صفات میں موزوں سمجھکر خلافت کیلئے منتخب کیا ـــ اور پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک تو مقامِ خلافت پر انیس سال متعین رہے۔ آپ کے دور خلافت میں خلافتِ اسلامی کو انتہائی استحکام اور دینِ اسلام کو عروج و وسعت حاصل ہوا۔ اس دور میں امتِ مسلمہ کے ہر فرد نے آپکی خلافت کو تسلیم کیا۔ جن میں امت کے اولوالعزم اصحاب شامل ہیں ۔جن میں حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام نے بھی آپ کی خلافت کو تسلیم کر کے بیعت کی۔ ایسی صورت میں ضابطہ شریعت ۔شرائط دینی کے اصول پر حضرت امیر معاویہؓ کا خود کسی فرد کا انتخاب کرنا ایک ضابطہ کے تحت۔ درست ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اصولی طور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کو خلافت کیلئے مقرر کرنا ـــ کسی طرح شرائطِ خلافت کے خلاف نہیں۔ کہ شرائطِ دینی ـــ شرائطِ خلافت کے تحت۔ ایک خلیفہ ـــ خلیفہ منتخب کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ جبکہ یہ تقرر (انتخاب) جائز تصور کیا جاتا ہے۔ یہ تقرر بہ جبر نہیں ہوا۔ کسی سیاسی سازش کے تحت نہیں ہوا۔ نہ کسی خواہشِ نفسانی کے جذبہ کے حصول کے تحت ہوا۔ بلکہ امت مسلمہ کے علم میں ہوا جس پر بیشتر اصحاب و امت۔ اس طریق انتخاب کے حامی تھے۔ ورنہ اگر عوام المسلمین کے خلاف ہوتا۔ تو ہر شخص اسی انتخاب پر حضرت امیر معاویہؓ کے انتخاب پر انتخاب کی ابتدا ٔ سے ہی مخالفت کرتا۔ لیکن تاریخ سے ایسا ثابت [1] نہیں۔ یہ امر غور کرنے کا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ انیس سال خلافت پر قائم رہے۔ اور انہوں نے حقِ خلافت ایک مومن کی حیثیت سے ادا کیا۔ ایسی صورت میں ایسا گمان کرنا بھی۔ گناہ کے مترادف ہے۔ کہ

---

[1] تاریخ سے اصحاب امت۔ یا امتِ مسلمہ سے جو اختلاف۔ پیش کیا جاتا ہے۔ وہ من کل الوجود تمام امت مسلمہ یا اصحابہ سے اختلاف واضح نہیں بلکہ یہ اختلاف ان نظریات پر ہے۔ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ کے نظریات کے مطابق۔ دو جماعتوں کے درمیان۔ موجود تھا۔

حضرت امیر معاویہؓ نے محض لالچ یا بیٹے کی محبت یا کنبہ پروری کے جذبہ کے تحت یزید کو خلیفہ منتخب کیا۔ یا جیسا کہ مورخین اسلام نے اپنی تاریخوں میں روایتی۔غیر حقیقی واقعات۔ یزید کے متعلق۔ یزید کا فاسق و فاجر ہونا تسلیم کیا۔ عقلِ سلیم یہ تسلیم نہیں کرتی۔ کہ حضرت امیر معاویہؓ جیسے عظیم مدبر۔ صاحبِ شریعت۔ متقی خلیفہ کی موجودگی میں انکا بیٹا باغی اور گنہگار کردار ہو اور باپ اس کے افعال پر باز پرس نہ کرے۔ اور خلافِ شریعت اسے دنیا کی عظیم ترین خلافت اسکے حوالے کر دے (جبکہ حضرت امیر معاویہؓ نے محض دین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بقا کی خاطر جدوجہد کی)۔ ایسا نہیں۔ یہ صرف منافقین ۔ دشمنان اسلام ۔ اور خصوصاً شیعان علی کی ناپاک اور وسیع سازش کی بدولت اسلام کی وحدت کو مٹانے کے منصوبے کے تحت یزید پر بے جا الزامات اور گھناؤنے الزامات تراش کر اسلامی خلافت میں فتنہ پیدا کرنے کی سازش قرار دی جاسکتی ہے۔ البتہ اس مقام پر۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کے درمیان۔ ''جائز'' ۔ ''ناجائز'' ۔ کا ''فرق'' ___ واضح ہونے کیلئے۔ خلافتِ اسلامی کا بنیادی تصور۔ اجرائے رسالت کا واحد مقصد۔ سامنے رکھنا ضروری ہے ___ اسکے لئے یہود و منافقین اور شیعانِ علی کے لغو۔ بے بنیاد۔ افسانوی واقعات سے قطع نظر ایک حقیقت کو زیر نظر رکھنا ہے ___ کہ اصولِ خلافتِ اسلامی ___ خلافتِ صدیقیؓ ۔ خلافتِ فاروقیؓ ۔ خلافتِ عثمانیؓ ۔ خلافتِ حیدریؓ کے مطابق ۔ خلافتِ اسلامی ___ یا اقتدارِ اسلامی کی صورت میں۔ یزید کا بحیثیت ___ خلیفۃ المسلمین (خلیفہ اسلام) کیا کردار۔ حقیقی تاریخ سے ثابت ہے۔ اس تاریخ میں صرف ___ خلافتِ اسلامی ___ اور اقتدارِ اسلامی کی ہیئت کا جائزہ لینا ہے۔ کہ یزید کے زمانۂ خلافت میں۔ سلطنتِ اسلامی ___ خلافتِ اسلامی کو۔ صحیح وسعت و استحکام ___ اور اجرائے رسالت میں دوام و استحکام حاصل ہوا۔ یا نہیں۔؟ ___ دوسری بات جہاں تک یزید کے ذاتی کردار کا تعلق ہے۔ اس میں اللہ و رسول کے نزدیک ''حق'' کو سامنے رکھنا ہے۔ کہ منافقین یہود ___ اور شیعانِ علی اور انکے علماء نے یزید کے کردار کو نہایت گھناؤنی شکل میں پیش کیا۔ آیا یہ واقعات درست [1] ہیں؟ ___ یا حضرت امیر معاویہ

---

[1] کوئی ذی عقل۔ ذی ہوش۔ یہ باور نہیں کر سکتا۔ کہ ایک وسیع امتِ مسلمہ میں۔ کوئی فرد۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رضی اللہ عنہ کا انتخاب خلافِ سنتِ نبویؐ تھا۔ کہ ایسے کردار کے مالک کو خلافت سپرد کر دی۔ جسکا وہ حق نہیں رکھتا تھا۔ یا یہ کہ حضرت امیر معاویہؓ۔ جیسے گزشتہ آپ کی صفات کے متعلق احادیث نبویؐ میں۔ آپ کا مقام اعلیٰ وارفع تھا۔ کہ آپ کاتب وحی اور مبشرِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اولوالعزم صحابی کا درجہ رکھتے تھے اس حال میں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود آپ کی مومنانہ صفات وفراست کو سراہا ہے۔ ایسی صورت میں یہ قطعی ممکن نہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ محض بیٹا ہونے کی صورت میں۔ آپ اپنے بیٹے کو خلاف سنت اقدام۔ عمل میں اتنا آزاد چھوڑ دیتے۔ کہ اس فاسق و فاجر صحبت (امتِ مسلمہ) میں جرم و گناہ کرنے کی کھلی آزادی۔ دیتے۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بحثیت خلیفۃ المسلمین (ایسے جابر وقہار) خلیفہ کی موجودگی میں خلافتِ اسلامی میں یزید کو جرم و گناہ کی اتنی آزادی دینا یکسر کفر۔ لغو اور بے بنیاد الزام کے سوا کچھ نہیں۔ جبکہ ایسے عظیم خلیفۃ المسلمین کا یزید کو خلیفہ منتخب کرنا۔ انکی حقیقی شانِ خلافت کے مطابق تھا۔ اسی تصور پر یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ ایسے اولوالعزم۔ متقی۔ اعلیٰ فہم وفراست کا حامل فرد جو یوم قیامت کے محاسبہ سے لرزاں۔ جسکا دُرّہ۔ درۂ شریعت۔ درۂ خلافت تمام عالم پر غالب تھا۔۔۔ اپنے بیٹے یزید کو ان فاسقانہ۔ مجرمانہ اعمال

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ذاتی طور مومنانہ صفات۔ اور اسلامی اصول وضوابط (قرآن وحدیث) سے آگاہ نہ تھا۔ کہ ایک وسیع امت مسلمہ پر ایک فردِ واحد غالب آکر۔ خود خلافت حاصل کر سکتا ہے۔ یا انیس سال کی مدت تک شانِ اسلامی کو برقرار رکھتے۔ اسلام (الدین الاسلام) کو مستحکم اور وسیع کر سکتا ہے۔ اس حال میں کہ زمین پر دشمنانِ اسلام اس اسلامی خلافت کو نیست و نابود کرانے میں اپنی تمام قوتیں صرف کرتے رہے۔ لیکن اسلام۔۔۔ خلافتِ اسلامی۔ خلافتِ حضرت امیر معاویہؓ تمام قوتوں پر غالب رہی۔ اس زمانہ میں۔ الدین الاسلام کی ہیئت مسلمہ برقرار رہی۔ کہ حضرت امیر معاویہؓ کے مومنانہ کردار سے اسلامی ساخت زمانہ پر قائم رہی۔ کہ شریعتِ اسلامی کو بھی عملی اعتبار سے فروغ حاصل رہا۔ (افسوس ایسی دشمنِ اسلام عقلوں پر) کیا ایسے خلیفۃ المسلمین کی ذات کے ہوتے۔ ادعائے عدلِ فاروقی کے مثال آپ اپنے بیٹے یزید کی اصلاح۔ سے مجبور۔ اسے شراب و زنا سے باز رکھنے میں مجبور ہو کر اسے حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقابل خلیفہ نامزد کرتے؟ جبکہ تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں۔ الدین الاسلام۔ اور خلافتِ اسلامی پر کسی دشمنِ اسلام۔ منافقین۔ اور شکستہ سلاطین کو آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ ہو سکی۔

پر آزاد چھوڑتا۔اور جہاں ایک خلیفة المسلمین نے مخلوقِ انسانی کی ہدایت۔اورالدین الاسلام کی وسعت و استحکام کی خود ذمہ داری لی ہو۔اسکا بیٹا فاسق و فاجر امتِ مسلمہ میں آزاد۔ باغی ہوکر آزاد پھرتا۔اور یہ کہ یزید اپنے والد کی اصلاح سے امتِ مسلمہ میں دیندار حیثیت حاصل کرنے سے محروم۔شراب۔زنا میں غرق ہوتا۔اور ایسا اولوالعزم خلیفہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا حقِ خلافت ایک آزاد فاسق و فاجر بیٹے کے سپرد کرتا ! ــــ جہاں امتِ مسلمہ اور اصحاب امت میں اتنی استطاعت باقی تھی۔کہ وہ عام حیثیت میں امت کے ایک فرد کے خلافِ شرع عمل پر اسکی سرزنش سے لاتعلق نہ رہتے۔اور خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایسی فاش غلطی کے مرتکب ہوتے۔جس پر خلافتِ اسلامی الدین الاسلام کی ہئیت مسلمہ کا انحصار تھا۔حقیقتاً جہاں تک منافقین اسلام سے ہٹ کر محققین و مورخین کی تحقیق کا تعلق ہے۔ایسے محققین کی تحقیق و تجزیہ میں یزید کے خلاف ایسے گھناؤنے الزامات کی تصدیق و تائید افسوسناک ہے۔جس سے خود ہئیت مسلمہ کی ساخت مجروح ہوتی ہے۔حقیقتاً یزید کے متعلق تمام برائیاں۔کردارکشی سب۔کوفیوں۔یہودیوں۔منافقین اور شیعانِ علی کے خودساختہ اتہامات ہیں ــــ جنکی کوئی حقیقت نہیں ــــ البتہ اس بات کو تقویت دینے کیلئے۔تاریخ اسلام سے دلائل حاصل کئے جاسکتے ہیں۔کہ یزید کی خلافت میں۔سلطنتِ اسلامیہ کو حکومت کی حیثیت میں کس قدر وسعت ملی۔کتنی فتوحات حاصل ہوئیں۔کتنی باطل قوتیں مٹ گئیں ــــ اور خلافتِ اسلامی کی حیثیت میں۔اجرائے رسالت میں۔دین رسول اللہ کو کتنی وسعت و استحکام ملا ــــ جسکے نتیجہ میں خلافتِ اسلامی کا وجود مستحکم ہوا۔یا زوال پذیر ہوئی ؟ ــــ ان سوالات کے جوابات کے نتائج پر فیصلہ ایک حقیقت کو سمجھنے پر ہوسکتا ہے۔کہ اگر یزید کی خلافت میں۔اقتدارِ اسلامی کی حیثیت بہتر طور قائم رہی۔اجرائے دین میں دوام و استحکام قائم رہا۔ایسی صورت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذاتی انتخاب اصولِ شرائط خلافت کے مطابق جائز اور درست ثابت ہوتا ہے۔ اسی اصول کے مطابق یزید کی خلافت جائز قرار دی جاسکتی ہے۔انہیں حقائق کے مطابق یزید کے کردار و عمل کا نمونہ واضح ہوجاتا ہے ــــ اسکے مقابل انہیں حقائق کی روشنی میں حضرتِ امام حسین

علیہ السلام کے کردار و عمل کا نمونہ بھی سامنے آتا ہے۔ کہ بحیثیت ایک مومن ــــ صحابی ــــ مقربِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ جبکہ یہ امر واضح ہے۔ کہ اصولِ شریعت اور ضابطۂ انتخابِ خلافت کے تحت۔ خلافت نہ وراثت میں ملتی ہے۔ نہ کوئی فرد ذاتی طور خلافت کے حصول کا دعوےٰ کر سکتا ہے ــــ ایسی صورت میں۔ یہ بات۔ حضرتِ امام حسین علیہ السلام سے منسوب کرنی۔ کہ آپؑ نے خلافت کو حقِ وراثت سمجھکر یزید کے خلاف جہاد کیا۔ یا حضرت امام حسین علیہ السلام نے یزید کے بدکردار ہونے کی وجہ سے خلافت خود اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے۔ یزید کے خلاف جنگ کی۔ یا یزید کے بیعت کرنے سے انکار کیا۔ یا اس سے قبل حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے محض حصولِ خلافت کے لئے جنگ کی ــــ لغو اور بے بنیاد ہے۔ دوسرے واقعہ کربلا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کے درمیان محض حصولِ خلافت کے لئے جنگ کا نتیجہ ہے!۔ ایسا ہرگز نہیں۔! بلکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات سے سنتِ نبویؐ کے خلاف ایک معمولی

---

۱؎ جہاں تک حضرت امام حسین علیہ السلام کے یزید کے ہاتھ بیعت نہ کرنا۔ اور یزید کا حضرت امام حسین علیہ السلام کو بیعت پر مجبور کرنا ــــ اور اسی بیعت نہ کرنے کو واقعہ کربلا کا سبب قرار دیا جانا۔ تاریخ سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ ع ''سرداد نہ داد در دستِ یزید'' میں جو تصور قائم کیا جاتا ہے وہ حقیقت پر مبنی نہیں ــــ بلکہ حقائق ان واقعات سے مختلف ہیں۔ اس امر میں سب سے پہلے۔ اسلام میں ''بیعت'' ــــ کے حقیقی مفہوم کو زیر نظر رکھنا ضروری ہے ــــ

قرآن میں ایک فرد کے دین (اسلام) میں داخل ہونے پر۔ محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کیلئے۔ ''بیعت'' کو لازم نہیں رکھا گیا۔ سوائے اسکے بعض اہم مواقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بیعت لینے کا حکم ہوا۔ جیسے عورتوں سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی ــــ اسکے بعد خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ مقامِ حدیبیہ پر اصحاب سے۔ ذاتی طور بیعت لی ــــ یہ بیعت ــــ الٰہی حکم کے تحت نہیں تھی۔ بلکہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذاتی فیصلہ پر تھی ــــ یہ فیصلہ اس نظریہ کے تحت ہوا ــــ کہ اسلام میں ــــ اگر اہلِ اسلام میں سے ایک ادنیٰ فرد بھی۔ کفار کے ہاتھوں قتل ہو۔ تو اہلِ اسلام کے ہر فرد پر کفار کے خلاف قتال واجب ہوتا ہے۔ یہ فیصلہ حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی افواہ پر ــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ عمرہ میں جانے والے نہتے اصحابؓ سے بیعت کی صورت میں فرمایا ــــ کہ اصحاب کے ہر فرد نے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اقدام کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ سنتِ نبویؐ کے تحت ۔ضابطۂ خلافت کے خلاف محض وارث نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہونے کی حیثیت سے ۔خود کو خلافت کا حق دار سمجھتے ۔یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) میں اپنی جانیں قربان کرنے کا پختہ عزم کے ساتھ عہد کیا۔قرآن نے اسے ''بیعتِ الشجر'' (بیعتِ رضوان) کے واقعہ سے منسوب کیا۔جیسے قرآن نے خود اسکی وضاحت کی لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۸ آیت ۱۸) اس بیعت کی رُو سے اہل اسلام کے ہر فرد پر یہ واجب ہو جاتا ہے۔کہ اگر اہل اسلام کا ایک فرد بھی کفار کے ظلم سے قتل ہو۔تو وہ بغیر کسی سوچ کے ایک لمحہ بھی کفار سے قتال کرنے میں تاخیر نہ کرے اور اگر اہل اسلام نے ایک مسلمان کے قتل پر مصلحت بینی اور تغافل اور کوتاہی سے کام لیا۔تو قرآنی حکم کے مطابق ایسی قوم پر اللہ کا عذاب واجب ہو جاتا ہے ـــ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۲۴)

اسکی مثال ہندوستان میں۔مسلمانانِ ہند نے ایک چھوٹے سے خطۂ زمین پر مسلمانوں کی علیٰحدہ حکومت قائم کرنے میں۔اپنے۔مال۔جان۔عزت۔آزادی قربان کردی۔جسکے نتیجہ میں دس کروڑ مسلمانوں کو اپنی تقریباً ساٹھ ہزار عورتیں ہندوؤں کو دینا پڑیں۔یہ اغوا شدہ عورتیں۔ہندو کے قبضہ میں آئیں اور تقریباً چالیس سال کی مدت میں۔ان عورتوں سے کم از کم پانچ لاکھ بچے ہندوؤں کی اولاد میں۔شامل ہوئے۔لاکھوں بچے قتل ہوئے۔اور آخر ہندو کا غلام ہو کر۔اپنی دینی حیثیت کھونا پڑی۔اور سینتالیس سال سے چند نفوس کی آزادی کے صلے میں ہمیشہ کی غلامی قبول کرنا پڑی ـــ جہاں ہمیشہ مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔لیکن علیٰحدہ اسلامی حکومت بنانے والے مسلمان ٹس سے مس نہیں ہوتے۔اس لئے۔کہ ان مسلمانوں نے نہ کسی لیڈر کے ہاتھ پر بیعت کی۔نہ حلف لیا۔نہ اپنی ایمانداری کی ضمانت دی۔نہ ان۔اسلام کے نام پر بھینٹ چڑھنے والے مسلمانوں کی مظلومیت کا احساس کیا۔اس حال میں۔کہ یہ مسلمان سینتالیس سال سے۔صرف پاکستان کی حمایت کے نتیجہ میں۔ہندوؤں کی غلامی۔اور ستم رانی کا شکار و بے گناہ قتل ہو رہے ہیں۔لیکن ایک آزاد ملک کے آزاد مسلمان سوائے مصلحت بینی ان مظلوموں کیلئے سوائے احتجاج کے۔بیعتِ رضوان کا اعادہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔نہ چالیس سال میں اس قلیل قطعہ زمین کو اسلام (پاکستان) نام دینے کے قابل ہوئے۔ایسے موقع پر اس حکومت اسلامی پر۔جبکہ ہندوستان میں لاکھوں مسلمان۔پاکستان بنانے میں۔پاکستانیوں کی مدد کے صلہ میں قتل کئے جاتے ہیں۔یہ فرض عائد ہوتا ہے۔کہ جن مسلمانوں نے پاکستانیوں کی آزادی کیلئے۔جان و مال اور اولاد کو قربان کیا۔اور اس آزادی کے نتیجہ میں دائمی غلامی حاصل کی انکے لئے۔کفار سے قتال میں ایک لمحہ بھی تاخیر۔عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عنہ کے بحیثیت خلیفۂ اسلام یزید کو خلیفہ مقرر کرنے پر اختلاف کرتے ہوئے یا دینِ اسلام کی ساخت کو یزید کی (نعوذ باللہ) لادینیت سے محفوظ کرنے کیلئے۔ یزید کے خلاف کوئی عملی قدم اٹھانا لازم و

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

اسلام میں یہ ایک مقام۔ بیعت کا ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مقام حدیبیہ پر۔ اصحاب سے بیعت لی۔ اسکے علاوہ بعض قبائل سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض امور کے متعلق بیعت لی ـــــ اور بحیثیت مجموعی دین میں داخل ہونے یعنی اسلام قبول کرنے پر ''بیعت'' شرط نہیں رکھی گئی ـــــ یہ رسالت کی حیثیت میں اسلام کی ہیئت تھی۔ اسکے ساتھ ہی۔ حضورؐ کے زمانہ میں بھی اقتدار اعلیٰ کی ہیئت قائم ہوئی۔ اس ہیئت میں ہی مقام حدیبیہ پر ''بیعت''۔ کا تصور پایا جاتا ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد۔ یہی ہیئتِ رسالت۔ ''خلافت''۔ کے نام سے متعارف ہوئی۔ جس میں ایک منتخب جانشینِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو واجب قرار دیا گیا۔ (۱) اول۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ۔ دین اسلام میں داخل ہونے میں۔ اللہ کی اطاعت کو واجب کیا گیا۔ اس حال میں۔ کہ اس اطاعت میں۔ ''بیعت'' ـــ شرط نہیں ـــــ (۲) دوسرا۔ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں۔ دین میں داخل ہونے میں۔ ''بیعت'' شرط نہیں ـــــ (۳) تیسرا۔ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت مسلمہ میں سے۔ مخصوص دینی شرائط کے تابع۔ مقامِ صاحب امر ہونے کی صورت میں۔ احکامِ الٰہی ـــ اور احکامِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر صاحبِ امر کی اطاعت کرنا ـــــ لازم ہوا ـــــ چنانچہ۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ۔آپؐ کے جانشین صاحبِ امر کو ''خلیفہ'' کے خطاب سے پکارا گیا۔ جسکے لئے امت مسلمہ کو۔ خلیفہ کی اطاعت کیلئے۔ بیعت کو شرط کیا گیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد تاریخ سے یہ امر ثابت ہے۔ کہ مقامِ خلافت پر فائز ہونے کے ساتھ۔ امت مسلمہ کے ہر فرد کیلئے ـــــ ''بیعت'' کو لازم رکھا گیا ـــــ اس حال میں۔ کہ خلیفہ۔ قرآن وحدیث کے اجزأ میں کامل اکمل عبور ہونے کے ساتھ۔ عمل میں بھی بدرجہ اولیٰ عامل ہو۔ اور امتِ مسلمہ کو دین (قرآن وحدیث) پر عامل ہونے میں جو ذاتی طور احکام پیش کرے ان پر تعمیل و اطاعت کی جائے۔ نیز یہ امر بھی زیر نظر رکھنا ہے۔ کہ اقتدارِ اعلیٰ کی ہیئت قائم ہونے کی صورت میں۔ خلیفہ (اور مجلس شوریٰ) کی طرف سے۔ جو احکام۔ دینِ اسلام کی وسعت و استحکام کے متعلق صادر ہوں۔ امت کیلئے ان احکام کی اطاعت واجب و لازم قرار دی گئی ـــ جسکے لئے ضابطہ ''بیعت'' کو لازم رکھا گیا۔

یہی وہ ضابطہ ہے جس پر۔ ''بیعت'' کا تصور قائم ہوا ـــــ کہ دین اسلام سے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جائز سمجھتے ـــــ البتہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت ۔منافقین کی سازش کے نتیجہ میں یا شمرِ لعین ۔اور ابن زیاد دشمنِ آلِ رسول کے ہاتھوں واقع ہوئی ۔واقعہ کربلا میں ۔حضرت امام حسین علیہ

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) متعلق ـــــ اور اقتدارِ اعلیٰ سے متعلق احکام میں خلیفہ کی اطاعت کا عہد کیا جاتا ہے ـــــ جسے اصطلاح شریعت ۔یا اقتدارِ اعلیٰ میں ''بیعت'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ۔تاریخ سے ظاہر ہے ۔کہ تمام امتِ مسلمہ ـــ امت کے تمام صحابہ نے آپؓ کے دستِ مبارک پر بیعت کی ۔جبکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں ۔ایسی ''بیعت'' ـــ قرآن وحدیث سے واضح نہیں ۔گویا ۔یہ ''بیعت'' رسالت کی ''بیعت'' میں شامل نہیں ۔بلکہ ''بیعتِ خلافت'' ۔میں ۔امتِ مسلمہ کے ہر فرد کیلئے ۔ایک خلیفہ کے ہاتھ پر ''بیعت'' ۔لینا محض خلیفہ سے جاری کردہ احکام کی اطاعت لازمی ہے ۔اسلئے بھی کہ اب دین کی اشاعت میں ۔اقتدارِ اعلیٰ کے ذریعہ ۔اجرائے قرآن وسنت لازم ہوا ـــ اسی انداز پر ۔خلافتِ اسلامی میں ۔آئندہ ۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ ۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۔ان حضرات کے دستِ مبارک پر بیعت لی گئی ۔لہذا ۔یہ ''بیعت'' ۔خلافت کی ایک اہم جز کی حیثیت رکھتی ہے ـــ جسکا مطلب یہ ۔کہ امت کا ہر فرد ایک فرد کے ۔شرائطِ دینی کے مطابق ۔خلیفہ منتخب ہونے پر ۔خلیفہ کے ہر حکم کی اطاعت تسلیم کرتا ہے ۔اور اس حکم پر قائم رہنے کا عہد کرتا ہے۔

یہاں یہ امر زیرِ نظر رکھنا ضروری ہے ۔کہ ایک خلیفہ کی اطاعت مشروط رکھی گئی ـــ کہ اول ایک خلیفہ شرائطِ دینی کے ضابطہ کے مطابق ۔منتخب کیا گیا ہو ـــ دوئم ۔خلیفہ شرائطِ دینی کے جملہ اوصاف سے متصف ہو ۔اس حال میں ۔کہ وہ ان شرائط پر بدرجہ اولیٰ ۔عالم اور عامل ہو ـــ ان جملہ اوصاف میں کسی قسم کی کوتاہی پر خلیفہ کی نہ اطاعت لازم ہے ۔نہ اسکے حکم کی اطاعت واجب ہے ۔اسکی مثال تاریخ اسلام میں ۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے واضح ہوتی ہے ۔ ایک مثال یہ کہ ۔ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے احتجاج کیا ۔کہ ہم آپ کی خلافت تسلیم کرنے پر تیار نہیں ۔(یعنی ہم آپکی اطاعت کرنے پر تیار نہیں) اسلئے کہ آپ کی قمیض مال غنیمت میں آئے ہوئے کپڑوں کی (فی کس) پیمائش سے زیادہ ہے ـــ دوسری مثال ۔ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات گشت کے دوران ایک بڑھیا کے خیمے تک پہنچے ۔جسکے پاس کھانے کو کچھ میسر نہ تھا ۔تو آپ نے بڑھیا سے پوچھا ۔تمہیں بیت المال سے کچھ نہیں ملتا ۔بڑھیا نے کہا ۔خلیفہ کو ہماری حالت کا احساس نہیں ۔نہ ہماری خبر گیری کی پرواہ ہے ۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ۔اماں خلیفہ کو تمہاری حالت کا علم نہیں ـــ تو بڑھیا نے جواب دیا ۔تو (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

السلام اور آپ کی آل۔ اور جمعیت مومنین پر مظالم ــــ ایک داستانِ الم کی صورت میں قیامت تک رنج وغم کی یاد دلاتی رہیگی ــــ بظاہر صورت کچھ بھی ہو۔ یزید کی خلافت جائز ہو ــــ یا ناجائز ــــ لیکن

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اسے خلافت سے دستبردار ہونا چاہیے۔ جس خلیفہ کو امت کی حالت کا علم نہیں۔ اور وہ امت کے نادار انسانوں سے بے خبر رہے۔ اُسے ''خلیفہ بننے کا حق نہیں''۔ لہٰذا۔ ایسے خلیفہ کی اطاعت عوام المسلمین پر واجب نہیں۔ یاد رہے بڑھیا کا یہ قول خلافتِ اسلامی کی ایک خلیفہ کی ذمہ داری کی نشاندہی کر کے۔ اصولِ خلافت کی ایک اہم شق (اصول+) قرار دی جاتی ہے۔

یہ حقائق ہیں۔ جن پر ــــ ''بیعت'' ــــ کا تصور قائم ہوتا ہے۔ اول اجرائے رسالت ــــ کے معاملہ میں۔ دوئم۔ اقتدارِ اسلامی ــــ یا سلطنتِ اسلامی کے متعلق امور میں۔ ایک منتخب خلیفہ کی اطاعت کیلئے۔ ہر فردِ امت کی بیعت کا لازم ہونا ــــ کہ ہر فرد کیلئے۔ ایک منتخب خلیفہ کی اطاعت و بیعت لازم ہوگی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق۔ بعض تاریخوں میں یہ حوالہ دیا جاتا ہے۔ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک پر سب امت نے بیعت کی مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس بیعت میں ''تاخیر کی'' ــــ گویا آپؓ صدیق اکبرؓ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے ''حق میں نہ تھے'' ــــ یا بیعت کرنے پر'' آمادہ نہ تھے'' ــــ جس تاخیر سے یہ مطلب اخذ کیا جاتا ہے۔ کہ آپؓ خود خلیفہ بننے کے خواہشمند تھے۔ یا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں خود کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔ ایسا تاثر محض کوتاہ فہمی۔ اور اصل حقائق سے نابلد ہونے کے سبب ہے۔ کہ۔ ''بیعت'' کے مفہوم ــــ اور تقاضوں پر نظر نہیں رکھی جاتی ــــ وہ یہ کہ ــــ شرائط دینی کے مطابق۔ امتِ مسلمہ کے ہر فرد پر یہ واجب ہے۔ کہ ذاتی طور وہ دینِ اسلام ــــ اجرائے رسالت۔ کی اشاعت و ترویج۔ اور وسعت و استحکام کا ذمہ دار ہے۔ امت مسلمہ کے ہر فرد پر یہ لازم ہے۔ کہ دین میں داخل ہونے کے ساتھ۔ دینی علم حاصل کرنے کے ساتھ۔ اسکی اہم ذمہ داری ہے۔ کہ وہ دینی علم (قرآن و حدیث) ہر فردِ انسانی تک پہنچانے کی سعی کرے۔ بصورتِ دیگر دین کی اشاعت میں۔ تغافل ــــ کوتاہی ــــ لاتعلقی پر وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائق۔ احتساب و مواخذہ ہوگا۔ یہ ہر فردِ ملت کی ایک ذاتی اہم ذمہ داری ہے ــــ لہٰذا۔ اسی ذمہ داری کے تحت۔ ایک فرد اس امر کا بھی ذمہ دار ہے۔ کہ اشاعتِ اسلام ــــ اجرائے رسالت ــــ میں ایک خلیفہ کے انتخاب میں۔ اگر خلیفہ جملہ صفات سے متصف ہے۔ تو اسکی اطاعت۔ اسکی معاونت ــــ ایک (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

---

حاشیہ در حاشیہ +قانون

اسکی خلافت ـــــ اسکی سربراہی میں۔ وارثِ نبوت۔ راکبِ دوشِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ کو شہید کر کے ذریتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بیخ کنی کی گئی۔ جو عالمِ انسانی میں ایک عظیم سانحہ

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) فریضہ کی حیثیت سے پوری کرے۔ بصورتِ دیگر۔ ایک فرد کی حیثیت سے بھی۔ اگر ایک فرد میں صفاتِ خلیفہ موجود نہ ہوں۔ یا ایک فرد۔ اشاعتِ دین۔ اجرائے رسالت میں سعی کرنے میں کامل نہ ہو۔ تو ایسی صورت میں ـــ ایسے خلیفہ کی اطاعت۔ بیعت۔ اور معاونت سے گریز کیا جائے۔ اس حال میں کہ اُس کے خلاف جہاد کرنا لازم ہوگا ـــ

ان حقائق کی روشنی میں۔ ایک فردِ امتِ مسلمہ کیلئے۔ خواہ وہ اکابر اصحاب سے ہو یا عام امت سے ہو۔ جب تک ایک خلیفہ کی صفاتِ خلافت مسلّمہ نہ ہوں۔ ایک فرد اسی نظریہ کے تحت۔ بیعت میں۔ تاخیر کرے تو جائز ہو سکتا ہے۔ اس حال میں کہ ہر فرد اپنے عمل کے مطابق۔ اپنی فہم کے مطابق۔ حق کو تسلیم کرنے۔ اور ناحق سے انحراف کرنے کا حق رکھتا ہے۔ تاوقتیکہ۔ اپنی دانست میں ایک فرد حق حاصل کرنے میں مطمئن نہ ہو ـــ اس مقام پر یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ ''مقام خلافت'' امتِ مسلمہ کے ہر فرد کیلئے۔ ایک امانت کی حیثیت رکھتا ہے۔ جسکی حفاظت ہر فردِ امت کیلئے واجب ہے۔ کہ مقامِ خلافت ایسے فرد کے سپرد کیا جائے جو شرائطِ دینی کے ضابطہ کے مطابق خلیفہ ہونے کا اہل ہو۔ اسکے لئے سعی کرنا ہر فردِ امت کیلئے لازم ہے۔ بصورتِ دیگر۔ کسی بھی نااہل فرد کے خلاف جو خلافت کا حق نہ رکھتا ہو۔ اسکے خلاف ہر فردِ امت کیلئے جہاد واجب ہوتا ہے جسکے لئے بیعت سے انکار ضروری ہوتا ہے۔ یہی ایک حقیقت ہے۔ جس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت میں تاخیر کا سبب ہوسکتا ہے۔ کہ اپنے مقامِ صحابیت اور قربِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ اور بشارتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں۔ اپنی بیعت کے فیصلہ میں اطمینان حاصل کریں۔ یہ نہیں کہ آپؓ نے محض ذاتی غرض کے تحت۔ عہدۂ خلافت حاصل کرنے کی خواہش میں۔ یا خلافت وراثتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خیال سے۔ صدیق اکبرؓ کی بیعت میں تاخیر کی ہو ـــ نہیں۔ بلکہ امتِ مسلمہ پر ایک خلیفہ کی بیعت واطاعت۔ اللہ ورسول کے نزدیک مبنی بر حقیقت ہونے میں اپنی فہم کے مطابق۔ حق ہونے کی صورت میں۔ جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس فکر پر اطمینان حاصل کرنا ضروری تھا ـــ یہ صورت ہر مقام پر۔ ہر مرحلہ پر۔ ''بیعت'' کیلئے ضروری سامنے آتی ہے۔ اس صورت میں۔ یہ ایک نکتہ واضح ہوجاتا ہے۔ کہ بحیثیت مجموعی۔ امتِ مسلمہ کے ہر فرد کی ''بیعت'' ـــ اور ''اطاعت'' ـــ سے ایک خلیفہ کی صحیح معنوں میں حقِ خلافت کی تائید وتصدیق ہوجاتی ہے۔ بصورتِ دیگر اگر عوام المسلمین میں۔ ایک خلیفہ کی خلافت میں۔ اختلاف ـــ شک وظن کی صورت پیدا ہو۔ تو خود امتِ مسلمہ میں۔ افراد کی اپنی ذمہ داریوں کے نتیجہ میں اختلاف وانتشار پیدا ہوتا ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی حیثیت رکھتا ہے ـــــ البتہ ان واقعات کا رونما ہونا مشیت الٰہی کے تحت تصور کیا جاتا ہے۔ کہ ایسا ہونا مشیت الٰہی میں مقدر ہو چکا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اس مقام پر ایک باریک نکتہ پر غور کرنا ضروری ہے۔ کہ ایسے موقع پر۔ جب امتِ مسلمہ میں انتشار کے آثار نمایاں ہوں۔ تو ہر فردِ امت کیلئے اپنی ذاتی ذمہ داری کے تحت (یعنی۔ دین کی اشاعت میں ایک فردِ امت کی ذاتی ذمہ داری میں۔ اسکی ذاتی کوتاہی۔ یا نافہمی کی صورت میں ذاتی فیصلہ کی بنا پر۔ جائز یا ناجائز اقدام اور فیصلہ کی صورت میں اللہ ورسول کے سامنے اس کی باز پرس۔ احتساب۔ اور مواخذہ ہو) اپنی بریت (نجات) کیلئے انفرادی صورت میں اقدام کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا اپنی فہم کے مطابق ایک فرد۔ حقیقت پہچانکر ایک نظریہ کو قبول کر کے۔ بحثیت مجموعی ایک جماعت کی شکل اختیار کرتا ہے۔ اور اختلاف کی شکل میں ہر فرد اپنی فہم کے مطابق ایک جماعت میں شامل ہو کر ـــــ (محض اپنی ذمہ داری کے تصور پر) اپنے نظریہ کی تقویت میں۔ جدو جہد کرتا ہے۔ ایسی صورت میں ایک امت میں دو فریق میں۔ نظریاتی اختلاف کی صورت میں۔ مجادلہ اور مقاتلہ تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے ـــــ یہی وہ مقام ہے۔ جہاں ہر فردِ امت کیلئے۔ ایک خلیفہ کی ''بیعت'' ـــــ پر تامل ہوتا ہے۔ آیا۔ یہ شخص شرائطِ دینی کے مطابق مقامِ خلافت کا حق رکھتا ہے! تاوقتیکہ ایک فرد کو اپنے فیصلہ پر اطمینان نہ ہو۔ وہ بیعت کرنے میں تاخیر سے کام لیتا ہے ـــــ اس حال میں۔ کہ اسکے فیصلہ پر امتِ مسلمہ کے اتفاق۔ و انتشار کا انحصار ہوتا ہے اور انتشار کی صورت میں خود وحدتِ امت میں تفرقہ پیدا ہو کر۔ دین اسلام کی ساخت کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ کا حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیعت میں تاخیر محض آپ کی سوچ کے نتیجہ میں۔ ''فیصلہ'' کرنے کا سبب تھا۔

تاریخ اسلام میں۔ خلفاً اربعہ ـــــ خصوصاً۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ امام حسن علیہ السلام اور یزید کی خلافت میں رونما ہونے والے واقعات پر عمیق غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو گی۔ کہ ان واقعات میں جو تاریخی بیانات۔ اور حقائق پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں بنیادی اسباب و علل پر تحقیق نہیں کی گئی ـــــ اور اس عدم توجہی کے نتیجہ میں۔ ایک حقیقت گھناؤنی صورت اختیار کر گئی۔ جسکے نتیجہ میں اکابرین اسلام۔ انکے کردار۔ اور دینِ اسلام کی حقیقی ہیئت کو مسخ کر دیا گیا۔

یہی صورت حضرت امام حسین علیہ السلام کے واقعہ کربلا میں۔ آپؓ سے منسوب واقعہ ـــــ یزید کے ہاتھ پر ''بیعت'' نہ کرنے کے مفروضہ میں پیش کی جاتی ہے۔ جس سے اصل مقصد مفقود ہو جاتا ہے۔

جہاں تک حضرت امام حسین علیہ السلام کا یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا سوال ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بحثیت خلیفۂ اسلام یزید کو خلیفہ بنانے کی صورت میں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

واضح ہو کہ۔ ابتدائے اسلام۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس بحیثیت نبی ـــــ بحیثیت رسول۔ خود امام تھے۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم۔ قرآنی ارشاد۔ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ۔ وَیُزَکِّیۡهِمۡ۔

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کیلئے خلافت حاصل کرنا۔ شرائطِ خلافت کے تحت۔ مناسب نہ تھا۔ جبکہ آپؑ یہ جانتے تھے۔ کہ شرائطِ خلافت کے مطابق ـــ خلیفہ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) کے تقرر کے بعد ـــ اب حصولِ خلافت کیلئے اقدام۔ شرعی اعتبار سے جائز نہیں ـــ اس حال میں کہ۔ شرائطِ دینی (شرائطِ خلافت) کی رو سے کوئی فردِ امت مقامِ خلافت پر فائز ہونے کا مجاز نہیں۔ جب تک ایسے فرد کی۔ خلیفہ یا مجلس مشاورت۔ یا عوام المسلمین کی طرف سے نشاندہی نہ کی گئی ہو۔ اسکے ساتھ ہی آپؑ انفرادی حیثیت میں دین کی اشاعت و ترویج میں امتِ مسلمہ کے ایک فرد کی حیثیت سے (اسکے علاوہ نسبِ رسول اللہؐ۔ قربِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے بھی) دین کے متعلق۔ اجرائے رسالت میں اپنی ذمہ داری کا قوی احساس بھی رکھتے تھے۔ یہ ایک عام عقل کی بات ہے۔ جو حق ہے۔ کہ آپؑ کیلئے ایسی فکر لازمی تھی ـــ لہٰذا آپ کیلئے۔ تاوقتیکہ آپ کوفہ پہنچکر۔ کوفیوں کے خطوط میں بیان کردہ حقائق کی بذاتِ خود تحقیق نہ کرتے۔ آپ پر ان حالات میں۔ یزید کی بیعت کرنے کا یا انکار کرنے کا کسی صورت میں موقع نہ تھا۔ بلکہ اس مقام پر یزید کے ہاتھ پر آپؑ کا بیعت کرنے کا موقع بھی نہ آیا تھا۔ البتہ اگر کوفیوں کی طرف سے خطوط نہ آتے۔ اور آپ کو ایسے واقعات نہ سنائے جاتے۔ تو اصول ضابطۂ خلافت کے تحت۔ آپؑ بلاشبہ یزید کی خلافت کو شاید تسلیم کرتے اور بیعت بھی کرتے۔ اسلئے کہ یہ امر اصولِ شرائطِ دینی۔ شرائط خلافت کے عین مطابق جائز و واجب تھا۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود بحیثیت خلیفہ یزید کو نامزد کیا۔ جسکا تسلیم ہر فردِ امت کے لئے لازم تھا ـــ جبکہ اس سے قبل حضرت امام حسن۔ امام حسین علیہا السلام نے یزید کے والد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تائید و حمایت میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس میں۔ اصولِ دین کے تحت یزید کی بیعت کرنے میں کوئی قباحت نہ ہوتی ـــ سوائے اس کے کوفیوں کے خطوط کے مضامین نے یہ صورت پیدا کر دی۔ کہ تاوقتیکہ امام حسین علیہ السلام انکے قول کے مطابق تحقیق کے بعد ایک فیصلہ پر آتے کہ ان پر اشاعتِ اسلام میں ایک خلیفہ کی حیثیت میں۔ ذمہ داری نہیں آتی۔ آپ کا بیعت کرنے میں تامل کرنا ایک دینی اصول کے تحت جائز تھا۔ اور اسی بیعت کے نتیجہ میں۔ یزید کے نزدیک آپ کے بیعت نہ کرنے میں۔ جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ کے اختلاف میں۔ امت نظریات کے اختلاف کی بناء پر دو فرقوں میں بٹ گئی تھی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا یزید کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے پر بھی امت میں انتشار پیدا ہونا یقینی تھا۔ یہ امر یزید کی خلافت میں۔ کمزوری اور مشکلات پیدا کرنے کا سبب بنتا تھا۔ اسی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ کے مطابق۔خود ہی عالم۔خود ہی معلم۔خود ہی رہبر و راہنما۔خود ہی سربراہ تھے۔خود ہی امام تھے۔آپ نے ایک صاحبِ شریعت کی حیثیت میں۔عالمِ انسانی۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) خیال کے مدنظر یزید کے نزدیک حضرت امام حسین علیہ السلام کا بیعت ہونا ضروری تھا۔تا کہ امت (عوام المسلمین) مزید انتشار کا شکار نہ ہو۔ایسے حالات میں منافقین شیعانِ علی کو امتِ مسلمہ میں فساد کرنے کا ایک بہتر موقع حاصل ہونا تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے۔جبر طاقت سے (خلافت کے جائز حقدار) امام حسینؓ سے خلافت چھین کر یزید کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ورنہ اصول شرائطِ دینی کے تحت حضرت امام حسین علیہ السلام کے نزدیک۔یزید کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے کی کوئی اور وجہ موجود نہ تھی کہ آپؑ بیعتِ خلافت سے انکاری تھے ___ اور یہ جو تاریخی واقعہ پیش کیا گیا ہے۔کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات سے اپنی زندگی میں یزید کو خلیفہ منتخب کیا۔اور صحابہ اور جملہ امتِ مسلمہ سے یزید کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت و اطاعت حاصل کرنے کی کوشش کی۔اور یزید کو بھی تاکید کی کہ حضرت امام حسینؓ سے بیعت حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔اس امر میں بنیادی نظریہ یہی تھا۔کہ آپ نے بہ جبر یزید کیلئے بیعت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ افہام و تفہیم کے ذریعہ۔یزید کے خلیفہ بنانے کی وجہ واضح کر دی کہ یزید فہم و تدبر اور حکمران ذہن سے۔خلافتِ اسلامی کے تحفظ و استحکام میں کامل ہے۔جس سے سلطنت اسلامیہ کسی بحران یا شکست سے محفوظ رہ سکتی ہے۔خطرہ ہے۔تو منافقین اور دشمنانِ اسلام کی اندرون سازش سے۔کہ وہ لوگ امت مسلمہ میں "اس بہانہ سے" تفریق ڈالنے میں کامیاب ہو جائینگے۔اور امت مسلمہ خود آپس میں دست و گریبان ہو کر امتِ مسلمہ کی ساخت کمزور ہو جائیگی ___ اسی خیال کے مدنظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیاست سے کام لیکر محض منافقین کی سازش کو ناکام بنانے کی غرض سے حضرت امام حسینؓ سے بیعت حاصل کرنے کی کوشش کی۔اور یہی خیال یزید کا تھا۔کہ ان حالات میں امت میں فتنہ پیدا ہو کر اسکے ہاتھ سے خلافت نہ چلی جائے۔اس حال میں کہ اگر منافقین کو حضرت امام حسینؓ کی بیعت کے ذریعہ فتنہ کا موقع مل گیا ___ تو (کسی حد تک) وہ شرائط دینی ___ شرائط خلافت کے تحت خلافت سے دستبردار ہوگا۔پھر یزید کیلئے مقامِ خلافت پر فائز رہنے کا نہ جواز حاصل ہوگا نہ موقع مل سکیگا۔اس حال میں اگر حضرت امام حسین علیہ السلام کو مقام خلافت پر فائز کیا گیا۔تو منافقین اور دشمنانِ اسلام۔اور غیر مذہب طاقتیں خلافتِ اسلامی پر یلغار کر کے نقصان پہنچائینگے ___ ورنہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا یزید کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے میں۔یہ خیال نہ تھا۔کہ وہ یزید کی خلافت کے خلاف یکسر انکی خلافت کی تائید و حمایت کرنے پر تیار نہیں۔یا اس غرض سے کہ آپؑ خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ایسا نہیں ___ بلکہ محض اس خیال سے کہ کوئی منافقین نے یزید کے خلاف الزامات عائد کر کے اس کے خلافت کا جائز حقدار (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خصوصاً امتِ مسلمہ کوقرآن کا درس دیا۔خود ایک سربراہ کی حیثیت میں اقتدار اعلیٰ کو بہتر تدبیروں سے تقویت بخشی۔ایک صاحب طریقت نبی کی حیثیت میں وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ہونے میں شبہ ڈالدیا۔۔۔۔ ایسی صورت میں واضح ہے۔کہ نہ یزید نے محض اپنی خلافت تسلیم کرانے میں امام حسین علیہ السلام کو بیعت پر مجبور کرنے کا کوئی جبر یہ عملی قدم اٹھایا۔سوائے اسکے کہ اس میں شمر لعین۔ اور ابن زیاد دشمنِ رسول۔اور منافقین کی سازش کے منصوبے کے تحت۔حضرت امام حسین علیہ السلام کیلئے حالات شدید پیدا کئے۔جسکے نتیجہ میں انہیں۔شہید کیا گیا۔۔۔ اور نہ امام حسینؓ یزید کے خلاف۔یا اسکی خلافت کے خلاف تھے۔ کہ یزید کی بیعت کرنے پر بلا وجہ انحراف کرتے۔لہٰذا یہ امر واضح ہے۔کہ اس واقع میں۔یزید کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرنے میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف سے انکار نہ ہوتا۔نہ یزید آپؓ کو بیعت پر مجبور کرتا۔۔۔ یہاں یہ امر زیر نظر رکھنا ہے۔یزید اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے درمیان ایسی نوبت نہیں آئی۔کہ یزید نے۔حضرت امام حسین علیہ السلام کو بیعت کیلئے مجبور کیا ہو۔اور آپ نے بیعت سے انکار کیا ہو۔بلکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی بیعت ایک اولوالعزم صحابی کی حیثیت میں۔یزید کی خلافت کی تائید کیلئے اہم تھی۔کہ آپ کی بیعت پر تمام امتِ مسلمہ بلا تاخیر بیعت پر آمادہ ہوکر۔یزید کی خلافت مستحکم ہوتی۔اور اصل نکتہ یہ کہ امتِ مسلمہ میں نہ انتشار کا خطرہ رہتا۔نہ یزید کی خلافت میں الجھن اور مشکلات پیدا ہوتی۔۔۔۔ اور یہ حقیقت ہے۔اگر حقائق پر عمیق غور کیا جائے۔تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنی زندگی میں تمام امت مسلمہ اور اکابر صحابہ سے یزید کی بیعت کیلئے جدوجہد کرنا۔اسی نکتہ کے تحت تھا۔کہ اصلاً شرائطِ دینی کے ضابطہ کے مطابق حضرت امام حسین علیہ السلام کا تقرر اصولاً لازمی تھا۔لیکن سلطنتِ اسلامی کی وسعت واستحکام کے زیر نظر سیاست و تدبر کی صورت میں یزید کا خلافت پر فائز ہونا لازم± تھا۔ ایسی صورت میں بیعت ہی ایک ایسا ذریعہ تھا۔جس سے یزید کی خلافت کو تقویت ملتی۔اور امتِ مسلمہ میں فساد و انتشار کا موقع نہ ملتا۔تاریخ اسلام سے یہ واضح ہے۔کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت میں تھے۔جس پر آپ کو کوئی اعتراض نہ تھا۔۔۔ اور جیسا کہ ضابطۂ اقتدارِ اعلیٰ (سلطنتِ اسلامی) کی رو سے۔ (اجتہادی صورت میں) حضرت امیر معاویہؓ نے بحیثیت خلیفہ یزید کو خود خلیفہ بنایا۔تو اس پر (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حاشیہ در حاشیہ ± جیسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن علیہ السلام سے خلافت حاصل کر کے خلافت اسلامی کو انیس سال مستحکم خلافت سے مستحکم کیا۔

الحِکمَۃَ قرآن حکیم کے علوم معارف وحکمت۔متشابہات۔اوراسرارملکوتی سے انسان کو بالمشاہدہ آگاہ فرمایا۔گویادینِ اسلام کی امامت کے لئے ایک سربراہِ ملت میں ان جملہ صفات کا پایا جانالازمی

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کو اعتراض نہ ہوتا ___ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں نہ امام حسین علیہ السلام کو بیعت کیلئے مجبور کیا۔نہ موقع ہی تھا۔کہ آپ حضرت امام حسین علیہ السلام کو یزید کی بیعت کیلئے زور دیتے۔یہ اس لئے کہ یہ حالات بعد میں یزید کی خلافت کے موقع پر رونما ہونے تھے۔اسلئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی خلافت کو استحکام× دینے کی غرض سے۔کہ یہ امر منافقین اور دشمنان اسلام کو خلافتِ اسلامی میں انتشار وفساد پیدا کرنے کا موقع فراہم کریگا۔لہٰذا۔بعد میں یزید کو مشکلات (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

---

**حاشیہ در حاشیہ** × ان تمام واقعات میں حضرت امیر معاویہؓ کے کردار کو محض جہالت اور حقائق پر صحیح غور نہ کرنے کی بناءً پر آپؓ کی ذاتِ عالی کو باغی (باغی شریعت) کہکر داغدار بنا گیا۔

تاریخ کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذاتی کردار کو سمجھا جائے۔تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کی روشنی میں۔آپ کے مومنانہ کردار سے حقیقتِ اسلام واضح ہوسکتی ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حضرت معاویہؓ کے متعلق پیشگوئیوں میں سے ایک

عن معاوية قال قال رسول الله صلے الله عليه وسلم توضؤ قال فلمّا توضؤ نظر اليّ فقال (صلے الله عليه وسلم)يا معاوية ان دليت امرًا فاتّق الله واعدل(رواه احمد)

حضرت امیر معاویہ سے روایت ہے۔کہ وضو کرتے ہوئے حضورؐ نے میری طرف نگاہ کی۔آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اے معاویہ جب تم حاکم بنو۔تو اللہ سے ڈرنا اور عدل کرنا۔

ایسی کئی حدیثیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بیان فرمائی گئی ہیں۔جن سے آپؓ کی مومنانہ خصوصیات کو واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے۔کہ حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیانؓ۔اسلام قبول کرنے کے بعد ابتداً سے ہی اس نظریہ کے حامی تھے۔کہ جہاں الدین الاسلام میں قرآن وحدیث سے احکام حاصل کئے گئے ہیں۔اور الدین کیلئے قرآن وحدیث کے احکام کے بغیر۔کوئی حکم لائقِ اتباع نہیں ہوسکتا جبکہ۔قرآنی احکام اور حدیث ناقابل ترمیم قیامت تک اٹل حیثیت رکھتے ہیں۔سوائے اسکے۔کفار کی مزاحمت کے نتیجہ میں۔حصولِ اقتدارِ اعلےٰ کیلئے (حکمران حیثیت میں) رسول اللہ کے بعد۔اجتہادی احکام خلیفہ سے صادر ہوں واجب العمل ہونا (باقی حاشیہ در حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔اس حال میں کہ اجرائے دین ۔ میں ایک فرد تمام شعبہ ہائے دین و دنیا کا خود امام ہو ــــــ
چنانچہ انہیں صفات پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بحیثیت خلیفۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) پیش نہ آئیں۔ضروری سمجھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے کسی طرح بیعت حاصل کی جائے جس سے نظریہ حضرت امیر معاویہؓ کو تقویت ملتی۔ کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے خلافت کے اہل ہونے پر۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ حاصل کی۔اسی طرح حضرت امام حسینؓ کے خلافت کے اہل ہوتے۔یزید کو (محض استحکام الدین الاسلام یا اقتدار اعلےٰ کی خاطر) (مصلحتاً) مقامِ خلافت حاصل ہو اس حال میں کہ ایسے موقع پر دشمنانِ اسلام کو خلافت اسلامی میں مزید فتنہ پیدا کرنے کا موقع فراہم نہ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

---

(بقیہ حاشیہ در حاشیہ گزشتہ صفحہ) ضروری ہے۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی خیال پر الدین الاسلام ــــــ خلافتِ اسلامی میں۔اجتہادی عمل پر نظام چلانے پر زور دیا ــــــ

انکے خیال میں اس انداز سے استحکام و وسعت الدین مقصود تھی۔ کہ اسلام میں ظاہری نمائش سے رعب و جلال ظاہر ہو کر۔عوام الناس سے بہتر خوبی کا مظاہرہ ہو کر۔مخلوق آسانی سے اسلام میں داخل ہوں۔اور ظاہری رعب و جلال سے مخالف قوتیں۔اسلام پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ کر سکیں۔اس امر سے ظاہر ہے۔بظاہر ایسے فعل سے نفس پرستی۔باطل خواہش کی طلب سمجھی جاتی ہے۔لیکن اسکا حقیقی پہلو ــــــ اس خواہش میں استحکامِ اسلام کیلئے۔ ذاتی اجتہادی طریقے استعمال کرنا تھا۔چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جنگ میں آپ میں یہی جذبہ کارفرما تھا۔ اور اس جنگ میں بھی۔منافقین یہود۔ نے من گھڑت قصے شامل کر کے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار لشکر جرار مقابل میں پیش کئے۔اور لاکھوں اصحاب۔قتل ہوئے۔کوئی دیوانہ ہی ایسے واقعات سنکر یقین کر سکتا ہے۔ورنہ ایسے واقعات سب یہود منافقین کے پیدا کردہ ہیں۔ کہ مخلوق کے دلوں پر اسلام کی وحشت پیدا ہو کر اسلام سے نفرت ہو یہی جذبہ حضرت امیر معاویہؓ کی اس خلافت کی جدوجہد میں مضمر ہے۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں۔باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بناءً کردہ قوی خلافت میں اصحاب اور امتِ مسلمہ کی قوت کے۔یہود منافقین کو کھلم کھلا موقع ملا۔ کہ بالآخر انہیں شہید کیا گیا۔ایسی صورت میں۔خلافتِ اسلامی کا وجود خطرے میں تھا۔ کہ مخالفین کفار اور یہود منافقین اسلام کی قوت کو نیست و نابود کر دیں ۔ضرورت تھی۔ کہ اسلام۔خلافتِ اسلامی کی باگ ڈور ایسے مدبر سیاستدان۔صاحب علم کے ہاتھ میں ہو۔ جو اسلام کی گرتی قوت کو سہارا دیکر۔لائقِ اشاعت دین کر سکے۔اسی خیال کے مدِ نظر آپؓ نے حضرت امام (باقی حاشیہ در حاشیہ اگلے صفحہ پر)

انتخاب ہوا۔آپ کے ذمہ ''تمام امت میں قرآنی علم پر بدرجہ اولیٰ عبور ہونا'' ___ امت تک قرآن و حدیث کا علم پہنچا کر۔امت کی امامت ادا کرنا ___ اقتدارِ اعلیٰ میں بہتر تدبر سے۔وسعت واستحکام

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ہوسکے۔آپ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی جبراً بیعت پر زور نہیں دیا۔کیونکہ شرائطِ دینی کے ضابطہ کے تحت حضرت امام حسین علیہ السلام خلافت کے صحیح حقدار تھے۔اور امت مسلمہ نے انہیں ہی منتخب کرنا تھا ___ اسکے مقابل یزید شرائطِ دینی کی صفات میں۔ایک آل رسول تربیت یافتہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں۔اولوالعزمی کا درجہ نہ رکھتا تھا۔ضروری تھا کہ حضرت امیر معاویہؓ کے بعد۔امت مسلمہ یا منافقین۔یہود کی سازش کے نتیجہ میں۔حضرت امام حسین علیہ السلام کو خلافت پر فائز کیا جاتا۔تو ایسی صورت (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

---

(بقیہ حاشیہ درحاشیہ گزشتہ صفحہ) حسن علیہ السلام کے واجبِ خلافت ہونے پر ایک اندازہ کیا۔کہ فی الحقیقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد۔حضرت امام حسن علیہ السلام کے سوا۔کوئی فردِ اسلام خلافتِ اسلامی میں جائز وارث نہیں۔کہ آپؑ میں خلیفہ ہونے کی تمام صفات موجود ہیں۔لیکن اس پرآشوب دور (دور اسلامی) میں۔مخالفینِ اسلام ہر چہار طرف سے اسلام پر حملہ آور ہوکر اسلام کو مٹانے کی کوشش کرینگے۔ایسے موقع پر ضرورت تھی کہ محض اسلام کو بچانے کی خاطر وہ خود اسکا دفاع کریں ___ جانیں! حضرت امام حسنؑ کے ذہن میں یہ بات نہ تھی۔کہ آپؑ اس خلافت کے قابل ہیں۔یا آپؑ کا حق ہے۔سوائے اسکے۔ایسی حالت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد۔مجلس مشاورت ہی کسی فرد کو خلیفہ منتخب ہونے کا فیصلہ دیں۔اس حال میں کہ خلیفہ کیلئے خلافت حاصل ہونے پر۔کسی امارت۔یا مال و دولت۔عیش وعشرت۔یا اقتدارِ ذاتی کے حصول کا تصور نہیں۔سوائے اسکے کہ ایسے خطرناک زمانہ میں۔اپنی ذمہ داریوں کا پورا ہونا۔محنت و دلسوزی کے علاوہ محاسبۂ خداوندی کا خوف ہوتا۔ایسی صورت میں خلافت حاصل کرنا۔کسی ذاتی مفاد کے تحت۔ممکن نہ تھا ___ کہ کسی کا حق غصب کیا جائے۔یہ حقیقت ہے۔اس حقیقت سے امام حسنؑ بھی واقف تھے۔کہ انکے ذہن میں وارثِ خلافت ہونے کا کوئی۔خیال یا تصور موجود نہیں تھا۔

اسی خیال پر یہ امر آسان تھا۔کہ آپؑ حضرت امیر معاویہؓ کے مشورہ اور منصوبے کو سمجھکر اس بات پر آمادہ تھے۔کہ خود حضرت امام حسن علیہ السلام۔خلافت کے مدعی نہ ہونگے۔اس حال میں۔کہ آپؑ۔بغیر اسکے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شرائط دینی ___ شرائط خلافت کے مطابق خلیفہ ہونے کا حق نہیں رکھتے۔مگر حالاتِ زمانہ کے مطابق۔آپکی مدبرانہ صلاحیت۔اور مومنانہ کردار اس امر کا متقاضی تھا۔کہ آپ جو (باقی حاشیہ درحاشیہ اگلے صفحہ پر)

دینا ___ اور قرآنی علومِ معارف وحکمت میں طالبانِ حقیقت کی راہنمائی کر کے۔ انہیں اسرار وآثار ملکوتی ___ قرآنی سے بالمشاہدہ آگاہ کرنا ___ لہٰذا۔ انہیں صفات پر ایک خلیفہ کا انتخاب ہونا مقرر ہوا

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) میں۔ یزید کا خلافت پر اقتدار ختم ہو کر حضرت امام حسین علیہ السلام خلیفہ مقرر ہوتے۔ اس حال میں۔ کہ یزید کیلئے سوائے دست برداری کے چارہ نہ رہتا ___ یا دوسری صورت یہ کہ امت اختلاف کا شکار ہو کر فساد و خونریزی کا ایک اور باب کھل کر تمام امت مسلمہ۔ اور خلافتِ اسلامی زوال کا شکار ہو جاتی۔ اسلئے۔ کہ جیسا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت کے مطابق آپ نے ایک جائز حقدارِ خلافت امام حسن علیہ السلام سے۔ جبکہ حضرت امیر معاویہؓ جانتے تھے۔ کہ شرائطِ دینی کے تحت وہ خلافت حاصل کرنے کے مجاز نہیں۔ تدبیر وفہم سے خلافت حاصل کرلی۔ اس خیال کے مدنظر کہ آپ اپنی تدبیر وفہم سے خلافتِ اسلامی کو تحفظ واستحکام اور عروج عطا کرینگے۔ اس حال میں کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے خلیفہ ہونے کے نتیجہ میں۔ منافقین یہود۔ اور دیگر (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

---

(بقیہ حاشیہ در حاشیہ گزشتہ صفحہ) بھی صورت ہو عہدۂ خلافت پر متمکن ہو سکتے ہیں اور حضرت امام حسن علیہ السلام کا حضرت معاویہؓ سے بیعت ہونا۔ اس نظریہ کے تحت بھی تھا کہ حضرت امام حسنؓ کے مقابلہ میں۔ ایک غیر مستحق امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلیفہ ہونے پر بھی منافقین کے فتنہ کا احتمال تھا۔ کہ اسی مسئلہ کی آڑ لیکر فتنہ پیدا کریں۔ لہٰذا حضرت امام حسنؓ کی بیعت سے منافقین کو فتنہ پیدا کرنے کا موقع نہ مل سکیگا۔ نہ کسی فرد کو اعتراض کرنے کا موقع مل سکیگا۔ درحقیقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ایسا منصوبہ وقتی یا غیر ضابطہ نہ تھا۔ بلکہ یہ امر واقع ہے کہ استحکامِ خلافت کیلئے ایسا عمل لازمی اور ضروری تھا۔ جبکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے ابتداً ہی یہ طریق اختیار کیا گیا۔ کہ خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس نے ابتدائے اشاعت واجرائے دین الاسلام۔ کفار کی مزاحمت میں مکہ میں سکونت کے دوران ہر طرح کے مصائب ومظالم برداشت کئے۔ مگر مدینہ شریف میں کفار کی یلغار پر بدر کے مقام پر مقابلہ کیا۔ اور امت کیلئے مال اور ذرائع حاصل کرنے کا فرمان جاری فرمایا۔ گویا آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان جاری کرنا اقتدار اعلےٰ سے کفار کی مزاحمت کو ناکام بنانا تھا۔ جسکے نتیجہ میں آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے فہم تدبر سے دنیا پر فتوحات حاصل ہو کر۔ الدین الاسلام کی حکمران (سلطنت) حیثیت نمایاں ہوگئی۔ ایسے حالات میں نظریہ حضرت امیر معاویہؓ پر الدین الاسلام کی اشاعت اور اجرائے دین میں اقتدار اعلےٰ کی معاونت لازم کی گئی۔ جسکے لئے شرائط خلافت۔ شرائطِ دینی میں محض استحکام خلافتِ اسلامی کے دوام۔ واستحکام کیلئے۔ وقت و زمانہ کے ضرورت کے مطابق ترمیم لازم کی گئی جو اجتہاد کی صورت میں لازم کیا گیا ___

۔۔۔ اور خلیفہ ہی ان صفات پر ملت کا امام تصور کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ''امام الخلفاء'' کی حیثیت میں لائقِ تقلید ٹھہرے۔ کہ آنے والے خلفاءؓ آپؓ کے نقش قدم پر خلافت پر فائز

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) قوتیں۔ خلافت اسلامی پر یلغار کر کے۔ خلافتِ اسلامی کو نقصان پہنچانے کی جرأت کرینگے۔ اس خیال کے مدنظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہ جانتے تھے۔ کہ ایسی ہی کیفیت حضرت امام حسین علیہ السلام کی خلافت میں رونما ہوسکتی ہے۔ اسلئے یزید کی خلافت کو مستحکم کرنے میں اپنی زندگی میں ایسی تدبیر و پیش بندی کی۔ کہ آپؓ کی وفات کے بعد امت مسلمہ میں حضرت امام حسینؓ کو خلیفہ منتخب کرنے کا موقع نہ رہے۔ تاکہ یزید کے ہاتھ سے خلافت نہ چلی جائے۔ جسکے نتیجہ میں۔ جو کام ہونا یزید سے توقع تھی (تحفظ و استحکام خلافت) وہ نہ ہو سکے۔ جس سے خلافتِ اسلامی اور امت مسلمہ کے زوال کا خطرہ تھا۔ ایسے واقعات کے ہونے کے خدشہ میں حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی زندگی میں تمام امت مسلمہ اور اکابرینِ امت سے بیعت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ تاکہ آئندہ منافقین اور دشمنانِ اسلام کو مزید کوئی فتنہ پیدا کرنے کا موقع نہ مل سکے ۔۔۔ ہاں! حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہ جانتے تھے کہ شرائطِ دینی شرائط خلافت کے تحت امام حسینؓ خلافت کے حقدار اور جائز وارث ہیں۔ لیکن جیسا آپؓ نے حضرت امام حسنؓ کی خلافت کے موقع پر دور اندیشی اور فہم و تدبر سے خلافت خود حاصل کرنے کی سعی کی۔ اسی نکتہ کے تحت حضرت امام حسینؓ سے خلافت یزید کے حق میں منتقل کرنے کی سعی میں جبکہ ایک اولوالعزم۔ خلیفہ۔ صحابی۔ مومن۔ متقی شخصیت کی حیثیت میں امام حسینؓ کے خلاف سازش یا محض ذاتی خود غرضی کے نتیجہ میں خلافت حاصل کرنا گناہ تصور کرتے تھے۔ ایسی صورت میں آپ حضرت امام حسین علیہ السلام کو براہ راست یزید کی بیعت پر مجبور نہ کرتے۔ البتہ انہیں یہ خدشہ تھا۔ کہ حضرت امام حسینؓ حقیقتاً خلافت کے حقدار ہیں۔ آپؓ خود بھی یہ خلافت حاصل کر سکتے ہیں یا حاصل کرنے میں حق بجانب ہیں۔ اسکے ساتھ امت مسلمہ بھی آپؓ کو خلافت کیلئے منتخب کرنے میں حق بجانب ہے۔ لیکن انکا ذاتی نظریہ کہ خلافت اسلامی کے ایسے موقع پر جبکہ خلافتِ اسلامی کی حالت متزلزل ہے۔ یزید کی سربراہی سے تحفظ و استحکام کی بہتر صورت ہوسکتی ہے۔ کہ اگر حضرت امام حسینؓ وقتی طور یزید کی بیعت کریں۔ تو امتِ مسلمہ میں کسی فتنہ کی گنجائش باقی نہ رہیگی۔ نہ امت مسلمہ اختلاف کا شکار ہوگی بلکہ باہمی اتحاد سے خلافتِ اسلامی آسانی سے اپنی ساخت مستحکم کرنے میں کامیابی حاصل کرسکیگی۔ البتہ امام حسین علیہ السلام کی بیعت کیلئے یزید کو نصیحت کی کہ انہیں بیعت پر مجبور نہ کرنا۔ بلکہ صلح و آشتی سے کام لیکر انہیں ہر طرح کی سہولت فراہم کرنا ۔۔۔ ان واقعات سے واضح ہے۔ کہ نہ یزید اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے درمیان ایسا موقع آیا۔ کہ یزید انہیں بیعت کیلئے مجبور کرتا ۔۔۔ نہ ایسا کوئی موقع تھا۔ کہ خود حضرت امام حسینؓ نے یزید کی خلافت کے خلاف کوئی اقدام کیا ہو۔ جس میں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رہینگے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کے بعد۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ۔ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کیلئے انہیں صفات پر امام کی حیثیت میں۔ اجرائے رسالت کا عمل پورا کرنا لازم ہوا۔ گزشتہ یہ بیان ہوا۔ کہ اسلامی اقتدار اعلیٰ کی وسیع فتوحات کے سبب۔ خلافتِ اسلامی (اجرائے رسالت) میں اسلامی اقتدار اعلیٰ کی ایک زائد ہیئت بھی۔ وجود میں آئی۔ جسکے لئے ایک خلیفہ کیلئے صاحبِ سیاست و تدبر ہونا بھی لازمی ہوا۔ گویا۔ اس عمل سے خلافتِ اسلامی میں۔ ایک خلیفہ کیلئے صفاتِ خلافت سے سوا۔ تدبیر و سیاست کا ایک زائد عمل استعمال کرنا لازمی ہوا۔ جبکہ یہ عمل صفاتِ دین میں شامل نہ تھا ـــــ یعنی ـــــ ایک خلیفہ کیلئے ـــــ اجرائے قرآن وسنت ـــــ اجرائے رسالت ـــــ کے ساتھ ایک حکمران حیثیت میں۔ دنیوی امور سے متعلق (نظامِ ملکی) منصوبہ بندی۔ (وسعت و استحکامِ اقتدار اعلیٰ) کا عمل لازم ہوا ـــــ ایسی صورت میں

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) بیعت کرنے سے انکار+ کا موقع آیا ہو۔ سوائے اسکے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام۔ منافقین کوفیوں۔ اور شیعان علی کے خطوط بھیجنے کی صورت میں۔ یزید کی خلافت "جائز" سمجھنے کی خاطر کوفہ جا کر حالات کا جائزہ لیکر یہ فیصلہ کرتے کہ یزید کی خلافت جیسا کہ کوفہ کے منافقین نے بیانات دیئے۔ "جائز" ہے یا "ناجائز"۔ اس حال میں کہ حضرت امام حسینؑ اس امر سے مطمئن ہو جاتے۔ کہ بقولِ کوفیانِ کوفہ کے عائد کردہ الزامات سے آپؑ بری الذمہ ہوتے۔ ابھی حضرت امام حسین علیہ السلام یزید کی خلافت سے نہ انکاری تھے۔ نہ یزید کی بیعت سے یکسر منحرف ہونے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ لیکن ابنِ زیاد۔ اور شمر لعین۔ اور منافقین کی سازش نے یہ موقع نہ دیا۔ کہ حضرت امام حسینؑ یزید کی خلافت پر کوئی حتمی فیصلہ کر کے۔ اطاعت کرتے یا انکار کی صورت پیدا ہوتی ـــــ لہٰذا یہ ایک حقیقت ہے کہ منافقین کی سازش نے یہ موقع ہی نہ دیا۔ کہ یزید براہ راست حضرت امام حسین علیہ السلام کو مجبور کرتا۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام اس بیعت سے انکار کر کے۔ سانحہ کربلا کو جنم دیتے۔

**حاشیہ در حاشیہ** +البتہ یہ باور کیا جا سکتا ہے۔ کہ اگر کسی سمت سے حضرت امام حسین علیہ السلام کو یزید کی بیعت پر آمادہ کیا گیا ہو۔ تو اس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف سے (انکار نہیں) تاخیر ہو۔ اسلئے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو کوفیوں کی طرف سے بھیجے گئے خطوط کی بنا پر جب تک انہیں۔ حقیقت سے آگاہی نہ ہوتی۔ وہ بغیر تحقیق بیعت پر آمادہ نہ ہوتے۔ اسکے سوا۔ بیعت سے انکار یا تسلیم کی اور کوئی وجہ شامل نہیں ہو سکتی۔

ایک خلیفہ کیلئے صفاتِ خلافت کے اہم امور وضع کیے گئے ہیں:

(۱) امتِ مسلمہ کی امامت میں قرآن وحدیث کا درس دینا۔

(۲) اقتدارِ اسلامی کے ذریعہ اجرائے رسالت کو وسعت دینا۔ یعنی خلافت چلانا۔

(۳) صاحبِ شریعت ہونے کی حیثیت میں۔ دینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وسعت اور قرآن و حدیث کا علم عوام المسلمین ــــ مخلوقِ انسانی تک پہنچانا۔

(۴) دین اسلام۔ شریعتِ الٰہی کی ایک اہم خصوصیات۔ قرآنی علوم ومعارف وحکمت سے طالبانِ حق کی راہنمائی کرنا۔ انہیں اسرارِ ملکوتی کا بالمشاہدہ علم دینا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بعد۔ خلفائے اربعہ نے انہیں صفات پر اپنی خلافت کا عمل پورا کیا ــــ انکے بعد جیسا تاریخ اسلام سے یہ امر واضح ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس مقامِ خلافت پر فائز ہوئے ــــ آپؓ نے بھی ضابطہ الدین الاسلام کے مطابق خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے نقشِ قدم پر انہیں صفات پر۔ اجرائے رسالت میں۔ دینِ اسلام ــــ خلافتِ اسلامی کو قائم رکھا ــــ البتہ جیسا گزشتہ بیان ہوا۔ کہ حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں خلافتِ اسلامی۔ ایک سلطنت کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ جسکے لئے۔ اقتدارِ اسلامی کے تحفظ واستحکام کا ایک خاص عمل اہمیت کا حامل ہوا۔ جس وجہ سے۔ اس عمل کو بھی اجرائے رسالت کے ساتھ اہمیت دینا پڑی۔ وہ اجتہادی عمل تھا۔ جس میں ایک خلیفہ کے ذاتی تدبیر اور منصوبہ بندی کو دخل تھا۔ جو محض اقتدارِ اسلامی ــــ یا سلطنتِ اسلامی کے امور دنیوی سے متعلق تھا ــــ ہاں! اس مقام پر یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ کہ خلافت میں ایک خلیفہ کے ذمہ۔ قرآنی علم پر عبور ــــ اور اجرائے قرآن وسنت پر شریعتِ اسلامی ــــ دین اسلامی کی ترویج کے عمل میں۔ امت کے اولوالعزم صاحب ایمان وتقویٰ۔ علمائے امت بھی شامل ہیں۔ کہ انکے ذمہ بھی قرآن وحدیث کا عمل۔ اجرائے رسالت کا عمل۔ الدین الاسلام کی صورت میں۔ مخلوق انسانی تک پہنچانے کی ایک اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا۔ خلافتِ اسلامی میں۔ ایک خلیفہ کے ساتھ

علمائے اسلام پر اجرائے قرآن وسنت۔ اور اجرائے دین کا اہم فریضہ عائد ہوتا ہے۔ اس حال میں۔ کہ علمائے امت قرآن وحدیث کا علم مخلوقِ انسانی تک پہنچا کر۔ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ ايٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ کا عمل پورا کریں۔ گو خلافت کی صورت میں علمائے امت کیلئے خلیفہ کی اطاعت لازم ہے۔ لیکن مقام کے اعتبار سے۔ خلیفہ علمائے امت کی مشاورت۔ اور رائے کا پابند ہے۔ کہ خلیفہ کے خلافِ قرآن وسنت احکام پر علمائے امت اسکا محاسبہ اور باز پرس کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ کہ خلیفہ کو اس کے خلافِ سنت اعمال پر مقامِ خلافت سے معزول کر دیں۔ اس مقام پر علمائے امت بھی۔ جانشینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت میں۔ قرآن وحدیث کے اجرأ کے ذمہ دار عُلَمَاءِ اُمۃ کی صفت کے حامل امتِ مسلمہ میں خلیفہ اسلام کے برابر درجہ رکھتے ہیں۔

دور خلفائے اربعہ میں علمائے امتِ مسلمہ کا اپنا مقام اپنا عمل برابر جاری رہا۔ کہ علمائے امت ــــ امورِ خلافت (اقتدار اعلےٰ) سے سوئی۔ اجرائے رسالت کا عمل پورا کرتے رہے۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آپؓ انہیں صفاتِ خلافت کے تحت خلافت چلاتے رہے۔ البتہ چونکہ خلافت اب یکسر حکمران سلطنت کی حیثیت میں قائم ہو چکی تھی۔ لہٰذا امور سلطنت کے نظام چلانے کی وجہ سے۔ اجرائے قرآن۔ اجرائے رسالت۔ اور انتظامِ امورِ سلطنت کی ہئیت میں فرق محسوس ہونے لگا۔ وہ فرق اولاً یہ محسوس ہوا۔ کہ ایک خلیفہ کا عمل۔ اقتدار اسلامی۔ یا حکومتِ اسلامی سے وابستہ ہوا۔ اور علمائے اسلام ۔علمائے امت کی حیثیت خلافت سے الگ تصور کی جانے لگی ــــ یعنی خلیفہ کیلئے۔ تمام خلافتِ اسلامی حکومتِ اسلامی کے جملہ امور کی انجام دہی۔ مقرر ہوئی۔ جس میں سلطنتِ اسلامی کے جملہ امور انتظامات۔ استحکام ووسعت اور دشمنانِ اسلام سے تحفظ حاصل ہونا ضروری امر تھا۔ اور عالمِ امت کیلئے۔ قرآن وحدیث۔ فقہ کے علم کی ترویج میں۔ درسِ قرآن وحدیث میں۔ صرف قرآنی علوم کی تعلیم وعمل لوگوں تک پہنچانا مخصوص ہوا ــــ

انہیں حالات وواقعات کی بنأ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ اسلام۔ کی حیثیت میں۔ شریعتِ اسلامی کے ساتھ۔ سلطنت اسلامی کے تحفظ واستحکام کے زائد عمل کا بوجھ اٹھانا پڑا۔

لہٰذا ضروری تھا۔ کہ سلطنتِ اسلامی کے تحفظ و وسعت اور استحکام کیلئے۔ ایک خلیفہ کے انتخاب میں۔ اولاً استحکام سلطنتِ اسلامی میں منصوبہ بندی۔ تدبر و سیاست کی اعلیٰ صلاحیت کو ملحوظ رکھا جائے ـــــ اس حال میں کہ بنیادی مقصد۔ سلطنتِ اسلامی کے تحفظ و بقا پر ہی۔ خلافتِ اسلامی کی بقا و استحکام کا انحصار ہوا ـــ اسی نظریہ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی یزید کو اپنے بعد خلیفہ منتخب کرنے کی اصل وجہ معلوم ہوتی ہے۔

اور جہاں تک اجرائے رسالت۔ اجرائے قرآن وسنت کا بنیادی تصور قائم ہوتا ہے۔ ضابطہِ خلافت کے اصول کے تحت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کو خلافت کیلئے منتخب کرنا۔ ایک اہم ضرورت کے تابع۔ خلافِ ضابطۂ خلافت نہیں۔ جبکہ ضابطۂ خلافت کے تحت۔ ایک خلیفہ کو اپنے بعد ایک خلیفہ منتخب کرنے کا حق ہے۔ اس حال میں کہ منتخب خلیفہ۔ مقامِ خلافت کا اہل سمجھا جاتا ہو کہ اس سے۔ استحکام و وسعت سلطنتِ اسلامی۔ اور اجرائے قرآن وسنت کا عمل جاری ہو کر۔ خلافتِ اسلامی کی ہئیت و ساخت مضبوط و مستحکم ہوتی ہو ـــــ حقیقتاً اسی بنیادی تصور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے محض دینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دوام و وسعت کے مدِ نظر یزید کو اپنا جانشین بنا کر اپنی ذمہ داری پوری کی ـــــ

تاریخ سے واضح ہے۔ کہ یزید کی خلافت میں۔ بیشتر صحابہ۔ اور امت مسلمہ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ بیعت بھی۔ نظریہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطابق ہوئی۔ کہ خلافتِ اسلامی میں۔ ایک حکمران حیثیت میں۔ خلیفہ کا انتخاب ضروری و لازمی ہے۔ کہ قطع نظر۔ عالمِ قرآن وحدیث۔ متقی۔ ہونے کے ایک فرد۔ عقلی طور۔ فہم و تدبر و سیاست۔ اور حکمران صلاحیت کا حامل ہو۔ جس پر کثرت سے۔ اصحاب۔ اور امتِ مسلمہ کے افراد متفق ہوں۔ کہ انکے نزدیک اجرائے رسالت کیلئے۔ اولاً سلطنتِ اسلامی کی تحفظ و بقا۔ اور ایک سیاستدان خلیفہ کو اولیت دی جائے۔ اس حال میں کہ اس عمل میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات کیلئے۔ خلافت کو وراثتِ نبوت سمجھکر۔ آپؑ کا حق یزید کے حوالے کیا گیا۔ ایسا نہیں!

یہ امر بھی تاریخی طور واضح ہے۔ کہ یزید کی خلافت۔ میں۔ اجرائے رسالت۔ اجرائے قرآن وسنت ــــ اور استحکام سلطنتِ اسلامی میں کسی قسم کا نقص واقع نہ ہوا۔ بلکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بنا کردہ سلطنتِ اسلامی کو مزید استحکام وسعت حاصل ہوئی۔ اور دینِ اسلام ۔ عملِ رسالت میں بھی بحیثیت مجموعی امتِ مسلمہ میں عمل جاری رہا ــــ جبکہ خلافت کے قیام کا مقصد۔ دینِ اسلام کی اشاعت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عمل اصل مقصد تھا۔ چنانچہ۔ یزید کی خلافت میں ایسا کوئی تاریخی واقعہ نہیں۔ جس سے یہ ثابت ہو۔ کہ اسکی خلافت میں۔ خلافتِ اسلامی میں ــــ اسلامی ہیئت وحیثیت میں کسی قسم کا زوال یا خامی واقع ہوئی ہو۔ بلکہ خلافتِ اسلامی کی بقاو سالمیت ہر حال میں مستحکم رہی ــــ اور آئندہ ــــ یزید کے بعد خلافتوں کا سلسلہ۔ اسی نظریہ (نظریہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) اور اسی ضابطہ واصول پر جاری رہا۔ کہ دین اسلام (دینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) اقتدارِ اعلےٰ سلطنتِ اسلامی۔ خلافتِ اسلامی کی شکل میں طویل زمانہ تک اپنی پوری اسلامی شان سے قائم رہا۔

یزید کے عہدِ خلافت میں۔ منافقین۔ اور دشمنانِ دین و رسول شمر لعین و ابن زیاد کی کامیاب سازش کے نتیجہ میں۔ حضرت امام حسینؓ کی شہادت۔ امت مسلمہ میں ایک عظیم سانحہ کی شکل میں واقع ہوئی۔ بلا شبہ امتِ مسلمہ میں نسبِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ذاتی حیثیت کی بنا پر تمام امت پر آپ کی ذاتِ اقدس کو ایک اعلےٰ مقامِ قرب وفضیلت حاصل تھا۔ جس وجہ سے تمام امتِ مسلمہ کے دلوں میں انتہائی عظمت وعقیدت اور محبت کے جذبات پائے جاتے تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور آل رسول صلے اللہ علیہ وسلم پر ڈھائے گئے مظالم سے ہر فرد امت غمزدہ تھا۔ جس کے نتیجہ میں تمام امتِ مسلمہ کے قلوب وذہن یزید کے خلاف نفرت سے لبریز ہو گئے۔ اسلئے یزید کی خلافت میں۔ شہادتِ امام حسین علیہ السلام نے امتِ مسلمہ اور خصوصاً صلحائے امت کے دلوں میں یزید کے خلاف نفرت پیدا کر دی ــــ اسکے ساتھ ہی بیشتر علمائے امت (مثل ابوذر غفاریؓ) اقتدار اعلےٰ کی صورت میں اجتہادی اصلاحات کے طریق کے حامی نہ تھے۔ جس بنا

پر خلفائے بنی امیہ اور علمائے امت کے اجرا رسالت الدین الاسلام کے نفاذ میں اختلاف وسیع ہوتا گیا۔ اسی نفرت کی بنا پر علمائے شریعتِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم (خلافتِ الدین الاسلام) اور خلفائے (خلافتِ اقتدار اعلیٰ) بنی امیہ میں۔ خلافت کے نفاذ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ جبکہ خلفائے بنی امیہ نے اپنی قوت پر خلافتِ اسلامی پر غلبہ حاصل کر کے۔ حقیقی شرائطِ دینی سے ہٹ کر ذاتی طور (خلیفہ نے) اجتہادی عمل کو استعمال کر کے۔ اپنی من مانی اصلاحات نافذ کر کے۔ خلافتِ اسلامی کو ایک مستحکم سلطنت کی حیثیت دے دی۔ جس میں اصولِ شریعت اور سنتِ نبویؐ کے احکام کو خاطر میں نہ لا کر۔ بیت المال کی دولت کو اپنے ذاتی مصارف میں استعمال کیا۔ یہ شرائط دینی ـــــ یا اصلاحاتِ خلافت میں۔ قرآنی ضابطہ کی ایک اہم شق تھی جس کو خلیفہ کی مرضی و تدبر پر اختیار کیا گیا۔ جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت پر ہی۔ آپؓ کی اجتہادی اصلاحات پر۔ امت کے ایک اولوالعزم صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے آپؓ کے اجتہادی عمل پر ابتداً ہی اختلاف کیا تھا۔ یہی صورت خلفائے بنی امیہ نے پیدا کی جس پر علمائے امت نے ایسی اصلاحات کی مخالفت میں خلفاً کے خلاف آواز اٹھائی۔ جس بنا پر علمائے امت کو سزائیں دی گئیں اور قتل کیا گیا۔ یہ ایک ایسا عمل تھا۔ جس میں نظریہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور نظریہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان تضاد سامنے آ کر۔ خلافتِ اسلامی۔ سلطنتِ اسلامی۔ خود۔ دینِ اسلام۔ علمائے امت کے خلاف نبرد آزما ہو کر ـــــ دو فرقوں میں۔ خلافتِ اسلامی بٹ گئی۔ ایک فریق خلفائے بنی امیہ نے۔ اپنی قوت۔ اقتدار اعلیٰ استعمال کر کے خلافتِ اسلامی کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ـــــ اور اس خلافت کو ـــــ خلافتِ اسلامی سے ہی منسوب کیا گیا۔ دوسرے علمائے امت۔ جو بدرجہ اولیٰ قرآن و سنت کے عالم۔ اور عمل میں بھی متقی تھے۔ نے خلافت سے علیٰحدہ ہو کر قرآن و حدیث کی اشاعت کا سلسلہ چلایا۔ یہ سلسلہ حقیقتاً نظریہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مطابق اجرائے رسالت کا اصل نمونہ تھا۔

چنانچہ خلافت اسلامی کا اجراً ـــــ دو صورتوں میں شروع ہوا۔ ایک نظریہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطابق۔ اقتدار اعلیٰ۔ اور حکمران حیثیت میں۔ سلطنتِ اسلامی کی شکل میں۔

اجرائے رسالت کا سلسلہ جاری ہوا۔ دوسرا مساجد و مدارس میں تعلیم قرآن وحدیث۔ علمائے امت کے ذریعہ اشاعتِ دین کا سلسلہ نظریۂ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مطابق جاری ہوا۔ لہٰذا۔ آئندہ خلافتِ اسلامی ـــــ سلطنتِ اسلامی میں چونکہ شرائطِ دینی کو ملحوظ نہ رکھا گیا۔ اسلئے ایک خلیفہ کے انتخاب میں۔ حکمران حیثیت ہونے کی صورت میں۔ ایک خلیفہ خود ایک فرد کو منتخب کرنے کا حق حاصل ہونے کی صورت میں۔ اپنے بیٹے کو خود منتخب کرنے لگا ـــــ جس میں خلیفہ نے ذاتی اختیار۔ اور ذاتی قوت کو استعمال کیا ـــــ اس حال میں بھی۔ کہ خلیفہ۔ اور خلافت کا بنیادی مقصد اجرائے رسالت ہی رہا۔ لیکن۔ بنیادی طور شرائطِ دینی کے مطابق ایک خلیفہ کیلئے۔ قرآن وحدیث پر کامل عبور۔ اور دین پر کامل عمل کو شرائطِ خلافت میں شامل نہ رکھنے کی صورت میں تبلیغ دین کا وہ تصور کامل نہ رہا۔ جو دین کی اصل روح تھی ـــــ لیکن اولوالعزم علمائے امت نے۔ تبلیغِ دین ـــــ اشاعتِ دین۔ کو اجرائے رسالت۔ کی صورت میں برابر قائم رکھا ـــــ جس میں ایک طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نظریہ (طریق) کے مطابق دین اسلام علمائے امت۔ علمائے حقانی کے ذریعہ اپنی روحانی خصوصیات کے ساتھ۔ ''دینِ اسلام'' ـــــ ''شریعتِ اسلامی''۔ کی اصل صورت میں قائم رہا ـــــ اور دوسری طرف ـــــ دینِ اسلام ـــــ شریعتِ اسلامی ـــــ خلافتِ اسلامی ـــــ کی دینی حیثیت۔ اقتدارِ اعلیٰ ـــــ سلطنتِ اسلامی کی شکل میں زمین کی وسعت میں قائم رہی ـــــ

جہاں تک علمائے امت کے ذریعہ اجرائے قرآن وسنت کا تعلق ہے۔ اسلام میں ان ہستیوں کو شرعی اعتبار سے۔ اونچا مقام حاصل ہے۔ انہیں علمائے امت ـــــ اولی الامر (اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ وارثِ انبیاء (اَلْعُلَمَآءُ اُمَّتِیْ كَاَنْبِيَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِيْلَ) کے خطاب سے پکارا جاتا ہے۔ انہیں ہستیوں کے ذریعہ زمین پر ہر زمانہ میں۔ دینِ اسلام۔ کی روح قرآن وحدیث وفقہ کا علم مخلوقِ انسانی کو میسر ہوا۔ اسکے مقابل نظریہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطابق۔ اقتدارِ اعلیٰ ـــــ اقتدارِ اسلامی ـــــ سلطنتِ اسلامی کا وجود۔ اسلام میں اسکی اپنی الگ حیثیت قائم ہوئی ـــــ جس نے بزورِ شمشیر باطل قوتوں کو مٹا کر۔ اجرائے قرآن ـــــ اجرائے رسالت کیلئے ـــــ مخلوقِ انسانی

تک ہدایت پہنچانے کی راہیں آسان کر دیں۔اس حال میں کہ قرآنی ارشاد کے مطابق ــــ جب انسان۔انسان کا دشمن بنیگا۔اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا۔ایک زمانہ میں۔انسان انسان کا دشمن بنیگا۔انسان کیلئے ہدایت وفلاح کے راستے مسدود ہونگے۔تو اللہ تعالیٰ محض ''فلاح انسانی کیلئے ــــ فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ مِّنِّیۡ هُدًی۔ایک ضابطۂ حیات احکام وہدایت بھیجے گا۔اس ہدایت سے انسانی فلاح مقصود ہوگی۔تو جو شخص اس مقصد کو پورا کرنے میں مزاحم ہوگا۔تو ایسے شخص کو۔اخلاقی اصول۔اورفطری اصول کے تحت مغلوب کرنا ــــ طاقت سے مغلوب کرنا۔ضروری ہے۔جسکے لئے۔اقتدارِاعلیٰ حاصل کرنا ضروری ہوا۔چنانچہ اسلام نے اسی اصول وضابطہ کے تحت۔قرآنی ارشاد وَقٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰی لَاتَکُوۡنَ فِتۡنَةٌ'' وَّیَکُوۡنَ الدِّیۡنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ ج(پارہ۹ سورۃ۸ آیت ۳۹) کے مطابق۔اور ایسے لوگوں کو قتل کرڈالو جو فلاح انسانی کیلئے ہدایات پہنچانے میں مزاحم ہوں۔تاکہ ہر انسان کو آسانی سے ہدایت کا سامان میسر آسکے ــــ اسی بنیادی ضابطہ پر۔اسلام میں دوکیفیتیں وجود میں آتی ہیں۔ایک سنتِ نبویؐ کے مطابق۔تبلیغ ــــ دین کامل۔جو علمائے امت کے ذریعہ پورا ہوتا ہے۔دوسرا۔اقتدارِاعلیٰ ــــ سلطنتِ اسلامی کے ذریعہ وَقَاتِلُوۡهُمۡ۔باطل قوتوں کو مغلوب کرکے فلاح انسانی کیلئے۔حصولِ فلاح کی راہیں آسان کرنا ــــ یاد رہے ــــ کہ اسلام میں ــــ اقتدارِاعلیٰ کے ذریعہ خطۂ زمین پر قبضہ کرنا یا مخلوق کو مغلوب کرنا ــــ انسان کی ذاتی حکمرانی۔یا حصولِ نفع کیلئے نہیں بلکہ اسلام میں۔زمین اور اسکی قوتوں پر تصرف۔ایک امانت کی حیثیت میں ہے۔جس میں کسی شخص کو ان قوتوں پر ملکیت کا دعوےٰ۔یا ملکیت کا حق ظاہر کرنا روا نہیں۔سوائے اس کے یہ قوتیں۔ایک امانت کی صورت میں۔اہل اسلام کو تفویض کی جاتی ہیں۔کہ وہ انکی ساخت۔انکی بقا ــــ انکی سلامتی کا ضامن ــــ اور ذمہ دار ہے۔کہ زمین کے ایک ذرہ سے لیکر۔انسان تک ہر شے کیلئے ۔سلامتی۔تحفظ کے عمل کو اپنی جان دیکر قائم رکھتا ہے۔اور اسی عمل کو پورا کرنے ــــ اسی ذمہ داری کو پورا کرنے کیلئے۔قرآن نے جہاد کو لازم کر دیا۔کہ اہلِ اسلام۔اپنی طاقت سے حاصل کردہ۔زمین کی قوتوں پر۔اپنا ذاتی تصرف قائم کرنے کے نہ مجاز ہیں۔نہ حق رکھتے ہیں۔کہ اسلام ان قوتوں کو

اپنے تصرف میں لانے کے مقصد سے ان پر غلبہ پانے کیلئے جہاد نہیں کرتا۔ بلکہ اس غلبہ سے مقصد ''فلاحِ انسانی'' ــــ میں اسکے حصول ہدایت میں راہ ہموار کرنے کیلئے باطل قوتوں کی مزاحمت کو ختم کرنا ہے۔ اصولِ انسانی کے تحت مخلوقِ انسانی کی فلاح و بقا کیلئے ضابطۂ الٰہی کے اجرا و نفاذ میں۔ جبکہ یہ طریق فلاحِ انسانی کیلئے ضروری ہو۔ ایسے موقع پر کوئی مزاحمت جو فلاحِ انسانی میں رکاوٹ کا سبب بنے۔ ایسی قوت کا (بزورِ شمشیر) خاتمہ کرنا۔ ایک فعلِ نیک قرار دیا جاتا ہے۔ لہٰذا۔ اس جہاد میں زمین اور زمین کی قوتوں پر تصرف میں۔ ذاتی اغراض کا تصور پایا نہیں جاتا۔ اسی مقصد کو حاصل کرنے کیلئے۔ اسلام میں۔ اجرائے رسالت ــــ سنتِ نبویؐ کے مطابق تبلیغ دین۔ اجرائے قرآن کا ضابطہ ــــ اور اس ضابطہ کے نفاذ میں۔ باطل قوتوں کی مزاحمت میں اقتدارِ اعلیٰ کے ذریعہ اس الٰہی ضابطہ کا نفاذ لازم ہوا ــــ

یہی ایک واحد تصور ہے۔ جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اجرائے قرآن کے بعد خلفائے اربعہ کی خلافت سے پورا ہوا ــــ اور اسی ایک واحد تصور پر اہلِ اسلام میں۔ خلافت کی تشکیل ہوئی ــــ اسی ضابطہ اسی تصور کے تحت ایک خلیفہ کا انتخاب ہوا۔ اسی تصور کی روشنی میں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد ایک طرف علمائے امت۔ اولی الامر نے قرآن و سنت کے حقیقی علم و عمل کو زمین کی وسعتوں میں پھیلایا اور دوسری طرف۔ واقعات و حالات کا تقاضا تھا ــــ کہ اس موقع پر اقتدارِ اعلیٰ ــــ سلطنتِ اسلامی کی وسعت و استحکام ــــ تحفظ و غلبہ حاصل کرنے کیلئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتخاب انتہائی مناسب اور موزوں تھا ــــ اور جہاں تک بیان کئے گئے ضوابط کی روشنی میں ــــ اجرائے رسالت کو اقتدارِ اعلیٰ ــــ اور سلطنتِ اسلامی کے ذریعہ۔ استحکام و غلبہ دینے کی ضرورت تھی۔ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذاتی نظریہ کے مطابق۔ یزید کا انتخاب۔ مناسب اور موزوں تصور کیا جانا ــــ عین حقیقت کے مطابق تھا ــــ جبکہ ــــ جیسا بیان ہوا ــــ کہ خلافتِ اسلامی میں۔ زمین اور زمین کی قوتوں پر غلبہ انسانی ذاتی تصرف کیلئے نہیں۔ بلکہ ایک امانت ہے۔ جسکی سلامتی ــــ اور بقا کی ذمہ داری ایک خلیفہ اور عوام المسلمین پر شدت کے ساتھ عائد

ہوتی ہے۔اس حال میں۔ کہ خلفائے راشدین کے نقش قدم پر تقلید کی صورت میں ایک خلیفہ کیلئے اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے۔ اپنی جان کی بقا وسلامتی قربان ۱؎ کرنا فرض ہے۔ بصورت دیگر۔ کسی

---

۱؎ اور یہ جو واقعات کربلا میں۔حضرت امام حسینؓ کی کربلا میں شہادت کو۔ بہ الفاظِ دگر۔حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کے درمیان جنگ کا غلط مفروضہ پیش کر کے۔ یزید کی خلافت کو باطل کی جنگ قرار دیا گیا ہے۔اصل حقیقت نہیں۔ جبکہ بنیادی حقائق کی روشنی میں یہ واضح ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کے درمیان ایسے حالات پائے نہیں جاتے۔جن سے یہ ثابت ہو۔ کہ یزید کی خلافت اول ظلم و جور و جبر سے حاصل کی گئی ہو۔ دوسرے۔ یہ خلافت اسلام کے ایک اولوالعزم۔مبشر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ــــ اسلام کے ایک عظیم سالار۔ مدبر سیاستدان۔ اور متقی صحابی (جن کا دورِ خلافت جملہ خلفاؒ کے مقابلہ میں طویل عرصہ انیس سال کا رہا اور اس عرصہ میں اسلام کو عظیم وسعت حاصل ہوئی) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی منتخب کردہ تھی۔ اس حال میں کہ آپؓ نے یہ تقرر ضابطۂ خلافت۔ شرائطِ دینی کے عین مطابق کیا ــــ اور ایسے اولوالعزم صحابی سے خلافِ سنتِ رسول اللہ ایسا اقدام قطعاً ناممکن تھا۔ جس سے دینِ رسول اللہ میں کسی قسم کا نقص واقع ہوتا یا آلِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف آپؓ کی بغاوت یا عناد و شر ثابت ہوتی ــــ حقیقتاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تقرر۔ یزید کے لئے ضابطۂ خلافت کے عین مطابق تھا ــــ اسکے مقابل حضرت امام حسین علیہ السلام کا یزید کے خلاف محاذ آرائی۔ کا کوئی ایسا موقع نہ تھا جس کے لئے حضرت امام حسین علیہ السلام یزید کے خلاف کسی قسم کا اقدام کرتے۔ اس حال میں۔ کہ اصولی طور۔ حضرت امام حسین علیہ السلام۔ نہ خلافت کے دعویدار تھے۔ کہ خلافت کیلئے جنگ کرتے ــــ نہ انکے نزدیک یزید کی خلافت جبر و ظلم پر قائم ہوئی تھی۔ کہ انکا مقابلہ کرتے۔ نہ یزید کی خلافت میں ایسا کوئی (قبل از وقت) موقع آیا۔ کہ اس نے شریعت کے خلاف خود کوئی اقدام یا عمل کیا ہو ــــ نہ خلافتِ اسلامی میں کوئی ایسی تدبیر کی ہو جو ضابطۂ خلافت کے خلاف۔ ثابت ہو۔ تو پھر کونسا موقع تھا۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام۔ یزید کے خلاف جنگ پر آمادہ ہوتے۔ جسکے لئے یہ کہا جائے۔ کہ حضرت امام حسینؓ نے یزید کی باطل حکومت۔ یا باطل قوت کے مقابلہ میں۔ ''اسلام'' کے تحفظ میں جنگ کر کے شہادت حاصل کی؟ اور جیسا کہ گزشتہ واقعات میں بیان ہوا۔ کہ اس واقعہ کربلا میں ــــ حضرت امام حسین علیہ السلام کیلئے کوئی ایسا موقع ــــ کوئی ایسا واقعہ سامنے نہیں آتا۔ جس پر حضرت امام حسین علیہ السلام نے۔ یزید کے خلاف ــــ مجادلہ ــــ یا معرکہ کی صورت میں کوئی قدم اٹھایا ہو۔ ایسی صورت میں یہ مفروضہ درست نہیں۔ کہ شہادتِ امام عالی مقام علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپؑ اور یزید کے درمیان حق و باطل کی جنگ کا نتیجہ ہے۔ کہ آپ علیہ السلام نے باطل کے خلاف اسلام کے تحفظ میں شہادت پائی۔ اس حال میں کہ یہ آپ کا بنیادی فریضہ تھا ــــ

موقع پر اپنی ذات کے نفع وخواہش کو سامنے لانا ـــ یا ایسے وقت پر اپنے فرائض۔ اجرائے دین ـــ جہاد سے کوتاہی اللہ کے محاسبہ میں لائق سزا قرار دیا جاتا ہے ـــ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط (پارہ ۱۰ اسورۃ ۹ آیت ۲۴)۔

یہی وہ بنیادی تصور ہے۔ جس پر۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت ـــ اور آپ کے بعد یزید کی خلافت اور یزید کے بعد بنی امیہ کی خلافت قائم ہوئی ـــ اور جہاں تک یزید کی خلافت میں۔ اقتدارِ اسلامی۔ سلطنتِ اسلامی (شریعتِ اسلامی میں علمائے اسلام کے کردار و عمل سے ہٹ کر) کی ہئیت وحیثیت تاریخ اسلامی سے واضح ہے ـــ اقتدارِ اسلامی کو بہر صورت وسعت وتقویت حاصل رہی ـــ اور ـــ یزید کے دور میں۔ سلطنت اسلامی خلافت اسلامی کی شکل میں ـــ اور علمائے امت کے ذریعہ اجرائے قرآن وسنت کا عمل بہتر حالت میں جاری رہا ـــ اور سلطنتِ اسلامی زمین کے وسیع علاقہ پر قائم رہی [۱]۔ (ایسی صورت میں یزید کی خلافت کو باطل قوتوں سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ سوائے اس کے کہ ایسی تاریخ یہود و منافقین ساختہ ہے)۔

یزید کے بعد خلافتِ بنی امیہ میں۔ خلافتِ اسلامی کو عرب وعجم تک وسعت و استحکام حاصل ہوا۔ اور جس قدر سلطنتِ اسلامی کا اقتدار زمین کی وسعتوں میں پھیلا۔ اسی قدر۔ ضابطۂ خلافت میں ـــ اجتہادی صورتیں پیدا ہوئیں ـــ کہ سلطنت کو چلانے کیلئے۔ خلیفہ یا مجلس شوریٰ۔

---

[۱] یہی زمانہ ہے۔ جب خلافتِ اموی۔ خلافتِ عباسی۔ خلافتِ عثمانی میں۔ خلافتِ اسلامی۔ الدین الاسلام کو علمائے اسلام نے قرآن وحدیث کی تدوین ـــ علومِ اسلامی۔ فلسفہ۔ منطق معقول اور دیگر علوم اسلامی سے مزین کر کے۔ عروج پر پہنچایا۔ اس علم کی وسعت میں خلافت اسلامی کے ذریعہ علمائے اسلام۔ اور خلفائے اسلام نے عظیم الشان جدوجہد سے اسلام کو (قرآن وحدیث کے علم کو) ساری دنیا تک وسعت دی۔ اور اس کے ساتھ خلافتِ اسلامی ـــ سلطنتِ اسلامی نے بھی اجرائے دین ـــ الدین الاسلام کا فریضہ انجام دیکر۔ الدین الاسلام ـــ اور خلافتِ اسلامی سے تمام دنیا پر غلبہ حاصل کیا۔ اسی غلبۂ اسلام میں ابتدائی حالت میں خلافتِ اموی میں یزید کی خلافت بھی شامل ہے۔

امورِ مملکت میں اجتہادی عمل وضع ۱ کریں۔ جسکے لئے ایک خلیفہ کے انتخاب میں۔ شرائطِ دینی۔ شرائطِ خلافت۔ یعنی ایک خلیفہ کا قرآن و حدیث کا بدرجہ اولیٰ عالم ہونا ـــــ قرآن و حدیث پر بدرجہ اولیٰ عامل ہونا۔ متقی ہونا ـــــ ان صفات پر خلیفہ کا انتخاب ممکن نہ رہا۔ بلکہ حالات و ضرورت کے مطابق۔ ایک خلیفہ میں۔ فہم و تدبر ـــــ سیاست۔ اور حکمران صلاحیت ہونے کو ترجیح دی گئی۔ جس کے نتیجہ میں ـــــ جیسا کہ ''خلافت'' ـــــ اور ''خلیفہ'' کی حیثیت ایک جانشینِ رسول۔ مبلغ کی ہونی چاہیے تھی۔ اصلی ہیئت میں قائم نہ رہی۔

یہ زمانہ تھا جب خلافتِ اسلامی۔ اقتدارِ اسلامی۔ مدینہ سے لیکر مصر و عراق۔ شام۔ ایران تک۔ وسیع سرزمین پر اسلامی غلبہ حاصل کر چکی تھی اور ابھی اسلام کے مقابل کئی غالب باطل شہنشاہیتوں کا وجود باقی تھا جنکا خاتمہ کرنا۔ اجرائے اسلام کیلئے ضروری تھا ـــــ چنانچہ اس دور میں۔ خلافتِ اسلامی نے ایسی طاقتوں کو ختم کرنے میں وسیع پیمانہ پر مسلسل جہاد کیا۔ جسکے نتیجہ میں مجاہدین اسلام نے عجم (شرق اوسط) کی تمام سلطنتوں کو فتح کر کے اسلام کے زیرِ نگیں کیا ـــــ یہاں تک کہ خلافتِ اسلامی کی سرحدیں مغربی ممالک تک وسیع ہو کر خلافتِ اسلامی ـــــ اقتدارِ اسلامی نے ایک عظیم الشان قوت کی شکل میں دنیا پر غلبہ حاصل کر کے الدین الاسلام کے وجود کو استحکام بخشا ـــــ بظاہر یہ عمل ایک حکمران سلطنت کی شکل میں ظہور پذیر ہوا۔ کہ خلافتِ اسلامی نے خالص حربی طریقوں سے اتنی عظیم الشان سلطنتوں پر فتح حاصل کی۔ حالات و واقعات ایسے تھے۔ جن میں خلافتِ اسلامی کو اقتدارِ اعلیٰ کی صورت میں ان ممالک پر فتح حاصل کرنے کیلئے جنگ کرنی پڑی۔ جس میں۔ خلفائے اسلام۔ کا زیادہ تر وقت جنگوں کی صورت میں گزرا۔ جس میں۔ اجرائے۔ قرآن و سنت کیلئے خلفاءِ اسلام (اکابرین اسلام) کو ذاتی طور موقع فراہم نہ ہو سکا۔ اسلئے اس دور میں خلفائے اسلام۔ اقتدارِ اسلامی محض ایک سلطنت کی ہیئت میں محسوس ہوتے ہیں۔ تاہم اس دور میں بھی غلبہٴ اقتدارِ اعلیٰ

---

۱ چنانچہ ان خلافتوں کے زمانہ میں (احکامِ قرآن و حدیث سے سوا) مشہور و اولوالعزم۔ محدثین۔ مجتہدین۔ فقہا نے خلافتِ اسلامی میں ـــــ اجتہادی عمل کے مطابق قانون مرتب کیا۔ جسے اسلامی قانون سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

کی صورت میں۔علمائے امت نے الدین الاسلام کی وسعت کولا انتہا وسعت واستحکام بخشا۔کہ ان علماً کے ذریعہ قرآن وحدیث وفقہ کا علم بام عروج پر پہنچا کر دنیا کو قرآن وحدیث کا وسیع وعظیم علم فراہم کیا۔۔۔۔ البتہ خلفائے اسلام کے طویل زمانہ جنگوں کے نتیجہ میں خلفائے اسلام سے براہ راست اجرائے قرآن وحدیث کا وہ عمل پورا ہونا ممکن نہ ہوا۔جو شرائطِ خلافت کے ضابطہ کے تحت ایک خلیفہ و ارکانِ خلافت کے ذمہ ہوتا ہے۔اسلئے بھی کہ خلفاً کی قوت وغلبہ کی بناً پر۔اور حالات زمانہ کی بناً پر خلافت وسلطنت میں۔وافر۔کثیر دولت وامارت میسر آنے کی بناً پر خلفائے اسلام میں وہ روحانی عمل جاری نہ رہ سکا۔جس سے ایک خلیفہ کو راہنمایانہ حیثیت حاصل ہونی چاہیے تھی بتو رفتہ رفتہ۔خلفائے اسلام میں۔بوجہ دولت کثیر حاصل ہونے کے۔ایمان وعمل کی خصوصیات کم ہوتی گئیں۔اور خلیفہ خود شرائط دینی کا پابند نہ رہ سکا۔جب خلفاً کو شرائطِ دینی کا پابند نہ کیا گیا۔تو اجرائے رسالت۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا عمل کم ہوتا گیا۔۔۔۔ عوام المسلمین میں بھی تقویٰ کی خصوصیات کم ہوتی گئیں۔۔۔۔ اس حال میں کہ سلطنتِ اسلامی کا تمام تر عمل۔استحکامِ سلطنت اور اصلاحِ سلطنت کیلئے وقف ہو گیا۔۔۔۔ گو اس حال میں سلطنتِ اسلامی کی وہ ابتدائی خلافتِ اسلامی کی شکل نہ رہی۔تاہم۔اس سلطنت میں ایک سربراہ کے لئے ''خلیفہ'' کا لقب قائم رہا۔اس حال میں بھی۔خلافتِ اسلامی ۔۔۔ خلیفہ بذاتِ خود۔شرائطِ دینی ۔۔۔ شرائط خلافت کا پابند رہا سوائے اسکے کہ اقتدارِ اعلیٰ (سلطنتِ اسلامی) کی صورت میں انتخاب خلیفہ میں۔اصولِ شرائطِ خلافت کی پابندی قائم نہ رہ سکی ۔۔۔ اسلئے کہ خلافت میں ایک خلیفہ کیلئے قطع نظر تقویٰ وعلم وعمل۔فہم وفراست۔سیاسی حکمران بصیرت پر ہی خلیفہ کا منتخب ہونا لازمی سمجھا گیا ۔۔۔ اسی طرح اس سلطنت کو۔خلافتِ اسلامی سے منسوب کیا گیا۔اسکے ساتھ ہی اجرائے قرآن وسنت ۔۔۔ اجرائے رسالت کا عمل بھی جاری رہا۔البتہ اجرائے قرآن وسنت کے عمل میں۔عہدِ رسالتؐ۔عہد صدیقیؓ۔عہد فاروقیؓ عہد خلفائے اربعہ جیسا۔خلافتِ اسلامی میں۔وہ روحانی جذبہ۔روحانی عمل قائم نہ رہ سکا۔جو اجرائے قرآن وحدیث کی بنیادی اصل تھی۔یعنی قرآنی روحانی عمل۔تزکیہ نفس۔نوافل وتہجد پر مداومت نہ رکھی گئی۔

خلافتِ اسلامی کا یہ وہ زمانہ ہے۔ جب اقتدارِ اسلامی زمین کی وسعتوں میں مشرق و مغرب تک وسیع ہوکر عجم کے شہنشاہوں کے زرو جواہرات۔ اسلامی خزانوں میں جمع ہو گئے تھے ـــ کہ خلافتِ اسلامی میں زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ملتا تھا۔ زرو جواہر کی فراوانی نے اہلِ اسلام میں محتاجی کا اثر ختم کر دیا۔ ایسے میں فارغ البالی۔ مال و دولت کی کثرت کے باعث۔ لوگوں میں۔ آرام طلبی۔ اور دولتِ دنیا سے لگاؤ پیدا ہونے سے۔ عبادت وتقویٰ کے عمل میں فرق آنے سے روحانی قوتیں کم ہو گئیں۔ دوسری طرف خلفاءً کی طرف سے اجرائے دین میں تغافل اور کوتاہی کے باعث۔ عوام المسلمین کو وہ ہدایت وراہنمائی میسر نہ آسکی۔ جس سے۔ انسانی قلوب میں روحانی لذت پیدا ہوتی۔ امتِ مسلمہ میں مال و زر کی فراوانی سے لوگوں میں حرص و ہوس اور دنیا طلبی کا جذبہ غالب آ گیا۔ خلفائے اسلام میں بھی حصولِ اقتدار۔ اور سلطنت کی ہوس میں۔ آپس میں تفرقہ پیدا ہوکر ـــ آخر ایک خلافتِ اسلامی منتشر ہوکر۔ اپنی بقاو سالمیت کو محفوظ نہ رکھ سکی۔ اور سلطنتِ اسلامی۔ سلطنتِ عثمانیہ۔ مختلف سلطنتوں کی شکل میں۔ مصر۔ شام۔ اردن۔ الجزائر۔ ترکی میں تقسیم ہوکر۔ الگ الگ سلطنتوں میں منتشر ہوگئی ـــ جن میں محض ایک عام سلطنت کی شکل باقی رہ گئی۔ اور ان میں۔ نہ خلافتِ اسلامی کی روح باقی رہی۔ نہ شرائطِ دینی کے ضابطہ پر عمل ہوتا رہا ـــ نہ اجرائے رسالت کا مقصد باقی رہا ـــ نہ خلیفہ کی حیثیت ـــ خلیفہ کی صفات پر رہی۔ سوائے اسکے۔ ہر سلطنت زمین کے ایک قطعہ پر۔ قابض۔ ملک کی دولت۔ اپنی ذات پر استعمال کرتی رہی۔ لیکن اس حال میں بھی۔ ایسی سلطنتیں خلافتِ اسلامی کی شکل میں نمایاں رہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کے بعد۔ خلافتِ اسلامی نے۔ مکمل سلطنت کی حیثیت اختیار کی۔ لیکن اس سلطنت میں۔ خلافتِ اسلامی کا عمل۔ اجرائے رسالت کا عمل ـــ قرآن وحدیث کا اجرا اور ـــ علم وعمل علمائے اسلام کے ذریعہ برابر جاری رہا ـــ یزید کی خلافت کے بعد۔ خلافتِ اسلامی۔ خاندانوں سے منسوب ہوئی۔ جن میں۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان اور ان کے خاندان کی خلافت ''خلافت اموی'' (بنی امیہ۔ حضرت امیر معاویہؓ کے قبیلہ) سے۔ منسوب ہوئی ـــ اور یہی خلافت ـــ خلیفہ ہارون الرشید اور انکے خاندن

کے خلفا کی نسبت سے ــــ ''خلافتِ عباسی'' ــــ سے منسوب ہوئی ــــ اسکے بعد یہ سلطنتیں۔ ترکی کی حدود تک وسیع ہو کر ــــ سلطنت عثمانیہ یا خلافتِ عثمانیہ پر ــــ ختم ہوگئیں ــــ یہی وہ خلافتِ اسلامی کا آخری دور ہے۔ جب اسلامی سلطنتیں مختلف شکلوں میں بٹ کر برائے نام اسلامی سلطنتوں کی سے مشہور چلی آتی ہیں۔ جن میں مشرق وسطیٰ کی منتشر ریاستیں۔ مصر۔ شام۔ لبنان۔ عراق۔ اردن۔ لیبیا۔ الجزائر۔ کویت۔ یمن۔ متحدہ عرب امارات۔ اور سعودی عربیہ تا حال اسلامی سلطنتوں کی شکل میں مشرقِ وسطیٰ میں پھیلی ہوئی ہیں ــــ جن کا آپس میں۔ اسلامی اتحاد نہیں۔ بلکہ ہر سلطنت کا اپنا ایک علیٰحدہ قانون رائج ہے۔ جو ابتدأً اسلامی ہیئت رکھتا تھا۔ مگر گزشتہ زوالِ اسلام پر۔ مغربی اقوام نے۔ جن میں نصاریٰ قوم سرفہرست ہے ــــ نے دینِ عیسوی سے بغاوت کر کے۔ مادی علوم ــــ سائنسی ترقی سے۔ دنیا پر عروج حاصل کر کے۔ تمام شرقِ اوسط پر سیاسی غلبہ حاصل کر کے۔ معاشرتی برتری ــــ اور سیاسی تدبیر سے مشرقِ وسطیٰ کی ان سلطنتوں کو اپنا دستِ نگر بنالیا۔ ہر سلطنت اپنے استحکام میں اہل مغرب کے محتاج ہوگئی۔ اس طرح اہل مغرب (انگریز) نے تمام سلاطینِ اسلام پر غلبہ پا کر انہیں معاشرتی محکوم بنالیا۔ چونکہ سلاطینِ اسلام کے پاس اپنا کوئی پائیدار آئین نہیں رہا۔ اسلئے نظامِ حکومت قائم رکھنے کیلئے انہیں انگریز نے ایک خود ساختہ آئین ١ دیا۔ جس پر اسلامی

---

١ ابتدائے اسلام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی بعثت پر۔ الدین الاسلام کا آئین صرف امر بالمعروف ــــ احکام الٰہی تک مختصر تھا۔ کہ آئین وقانون۔ صرف اصلاح انسانی ــــ روحانی پاکیزگی۔ تزکیہ نفس۔ اصلاحِ اخلاق کیلئے قرآنی احکام کی صورت میں نافذ تھا۔ جس میں کسی اجتہادی آئین کی ضرورت نہ تھی۔ اسلئے کہ یہ قانون صرف الدین الاسلام کے اجرا و نفاذ کیلئے تھا ــــ جس میں دنیوی نظام کا کوئی تصور موجود نہ تھا ــــ لہٰذا ایک مومن کیلئے۔ احکامِ الٰہی کی تعمیل اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان ہی قانونی حیثیت رکھتے تھے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں۔ اگر چہ اقتدار اعلےٰ کی ہئیت پیدا ہوئی۔ تو اس میں بھی۔ احکامِ الٰہی ہی قانون کی صورت میں استعمال ہوئے جس میں کسی نظامِ ملکی کیلئے اصلاحی احکام کی ضرورت محسوس نہ کی گئی ــــ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ــــ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے احکامِ قرآنی کے تحت ہی الدین الاسلام ــــ اور اقتدارِ اسلامی کے نفاذ میں بطریق احسن۔ قرآنی احکام پر ہی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سلطنتوں کا نظام عرصہ سے چل رہا ہے۔ چونکہ ان سلطنتوں کی زندگی اب صرف مادی ذرائع اور وسائل پر ہی قائم ہے۔ جس میں اجرائے اسلام۔ اجرائے دین ــــ اجرائے رسالت کا عمل شامل نہیں۔ یہ

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) الـدیـن الاسلام کا اجرأ فرمایا۔ البتہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں۔ عہد صدیقی سے ہی۔ اقتدار اعلٰی کو وسعت حاصل ہوئی۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں۔ الدین الاسلام نے ایک حکمران حیثیت اختیار کرنی شروع کی۔ جسکے لئے۔ امور سلطنت میں۔ محض دنیوی امور میں اصلاح ۔ کیلئے حضرت عمر فاروقؓ نے اجتہادی ضابطے وضع فرمائے ــــ جو محض امور دنیوی کے نظام کیلئے جاری کرنے لازمی ہوئے۔ جیسے۔ اقتدارِ اعلٰی میں۔ محکمہ جات۔ اور دیگر امور میں اصلاحات۔ ڈاکخانہ۔ تحصیل۔ محکمہ مال۔ فوجی اصلاحات یہ سب اقتدارِ اعلٰی کیلئے وضع کئے گئے۔ اس حال میں۔ کہ الـدین الاسلام کے اجرأ میں قرآنی احکامات کو ہر حال میں جاری رکھا گیا۔ اس حال میں کہ قرآنی احکام میں۔ نہ کسی اجتہادی حکم کو قرآنی احکام میں شامل کیا گیا۔ (نہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کی جگہ۔ الـدین الاسلام میں کسی فرمان کی جگہ۔) نہ معطل کیا گیا۔ نہ کوئی اجتہادی عمل متبادل وضع کیا گیا۔ یہاں تک کہ الدین الاسلام اور اقتدارِ اعلٰی میں خلفائے اربعہ کے بعد۔ الدین الاسلام کی ہیئتِ مسلمہ قرآن وحدیث کے احکام کے تحت علٰی حالہ قائم رہی۔

اور خلافت بنی امیہ۔ بنی عباس۔ بنی عثمان میں جب الـدین الاسلام نے مکمل اقتدارِ اعلٰی ــــ میں حکمران حیثیت حاصل کی۔ جسے خلافتِ اسلامی سے منسوب کیا گیا۔ ایسے موقع پر دنیوی اعتبار سے ایسی حکومت کے اسلامی ہیئت میں قائم رہنے کیلئے (امور ملکی کی اصلاح کیلئے) ایک مکمل قانون (اجتہادی قانون کی ضرورت ہونا) لازمی تھا ــــ جسکے لئے۔ علمائے امت۔ مجتہدین ومحققین اسلام نے۔ اسلامی۔ قرآن وحدیث کے ضابطہ کے تحت اجتہادی آئین مرتب کیا ــــ یعنی اسلامی اصول کے مطابق۔ اسلامی سلطنت یا خلافت اسلامی کی ہیئت میں ایسے اجتہادی قوانین کا اجرأ کیا۔ جو اسلامی قانون وآئین کے نام سے موسوم ہوا ــــ یہی امامین۔ مجتہدین ومحققین کا وضع کردہ۔ ان خلافتوں میں ابتدأ سے لیکر ــــ خلافت عثمانی تک۔ اور بعد زوالِ اسلامی۔ جب تک اسلامی خلافتوں ــــ سلطنتوں کا وجود قائم ہوا۔ یہی قانون ہر مقام پر استعمال ہوا۔ یہاں تک کہ خلافت عثمانیہ۔ ترکی کے بعد۔ ایران اور ہندوستان (ہندوستان کی مختلف اسلامی حکومتوں) میں۔ یہی اسلامی قانون رائج رہا ــــ اور آخر جب سلطنتِ اسلامی زوال پذیر ہوئی۔ اور حکومتوں میں اسلامی قانون کا نفاذ کاملاً نہ ہوسکا ــــ تو ایسے زوال خلافت اسلامی پر ــــ جب انگریز کا تمام مشرق وسطٰی پر غلبہ قائم ہوا۔ تو اس وقت نہ خلافتِ اسلامی کا وجود باقی رہا۔ نہ اسلامی قانون کا نفاذ باقی رہا۔ اسلامی حکومتوں میں جب اقتدار نہ رہا۔ تو اسکے ساتھ ہی اسلامی قانون کا نفاذ بھی ختم (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسلامی ریاستیں۔خلافتِ اسلامی کی آخری مسخ شدہ ہیئت ہیں۔جوخلافتِ اسلامی سے معروف ہیں۔ لیکن ان حکومتوں میں۔ الـدیـن الاسـلام کا حقیقی تصور موجودنہیں۔اور مادی زندگی میں بھی۔یہ سلطنتیں اپنی ذات سے کوئی نفع بخش ضابطہ۔قرآن وسنت کے ضابطہ کے مطابق لائحہ عمل مرتب کرنے کی اہل نہیں۔لہٰذا جب تک یہ سلطنتیں۔مادی زندگی کے حصول میں سرگرداں۔پھنسی رہینگی۔ انکا انگریزی اقتدار وقیادت کے چنگل سے آزاد ہونا ممکن نہیں ـــــ اس حال میں کہ ان سلطنتوں میں سربراہ اور عوام مدتوں اپنی ''حقیقی اصل'' ـــ ''ایمان'' ـــ ''اسلام'' ـــ ''تقویٰ''۔کے عمل سے عاری ''دین'' سے کوسوں دور۔موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔انکا اصل دین کی طرف رجوع کرنا ممکن نہیں ـــــ نہ یہ قومیں اپنا کوئی دینی (اسلامی) آئین مرتب کرنے میں کامیاب ہوسکتی ہیں۔تاوقتیکہ قدرت کسی فرد کو منتخب کر کے۔صفاتِ خلافت سے آراستہ کر کے اس قوم میں پیدا نہ کرے ـــــ کیونکہ یہ ایک فطری قانون ہے۔کہ قوموں کی گمراہی اور تنزل میں ـــــ تب تک کوئی فرد۔اصلاحِ انسانی میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ ایک انسان میں ـــــ روحانی ـــــ اخلاقی۔صفات اعلیٰ درجہ نہ پائی جاتی ہوں۔ایسے فرد کا ایک گمراہ قوم میں میسر آنا ممکن نہیں۔تاوقتیکہ منصوبۂ الٰہی کے تحت قدرت خود کسی فرد کو اصلاحِ انسانی کیلئے مامور نہ کرے۔

جہاں تک ''تاریخِ اسلام'' کا تعلق ہے۔دنیا کے کسی خطہ پر اسلام۔ الـدیـن الاسـلام

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ہولہ یہی زمانہ ہے۔ جب انگریز حکومت کے غلبہ پر۔تمام اسلامی سلطنتوں کے زوال پر۔ اسلامی آئین وقانون کے نفاذ کا بھی خاتمہ ہوا ـــــ اور بے جان اسلامی حکومتیں۔انگریزی قانون کے سہارے۔اپنی بے دین حکومتوں کو چلانے پر مجبور ہوئیں۔لازمی ہے۔جب انگریز کا قانون۔اسلامی حکومتوں میں چلنے لگا۔تو ایسے وقت میں انگریزی تہذیب سے بھی۔اہل اسلام متاثر ہوکر۔اب دنیا پر انگریزی تہذیب اسقدر غالب ہے۔جس سے چھٹکارا حاصل ہونا ممکن نہیں ـــــ تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ خود مسلمانوں کو اس۔قانون ـــــ اس تہذیب سے نجات دینے کیلئے کوئی ذریعہ مہیا نہ کرے۔اسلئے کہ اسلامی محققین کا قرآن وسنت کی روشنی میں وضع کردہ قانون۔ الـدیـن الاسلام کی عبادات وتسبیح کے بغیر قابل عمل نہیں ہوسکتا۔اس حال میں کہ مغربی قانون کے نفاذ میں اسلامی قانون کے نفاذ کی گنجائش نہیں۔

۔۔۔ یا خلافتِ اسلامی کا نفاذ موجود نہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ الدین الاسلام ۔آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے نافذ ہو کر خلافتِ اسلامی ۔ خلافت عثمانی ۔ترکیہ پر ختم ہو گئی۔ اسکے بعد خلافتِ اسلامی مختلف خطوں میں بٹ کر۔ سابقہ خلافتوں کا جاری کردہ نظام قائم نہ رہ سکا ۔۔۔ یہ زمانہ تھا کہ الدین الاسلام ۔خلافت کی شکل میں ۔مختلف طبقات میں ۔امارتوں (سٹیٹوں) میں بٹ کر ان میں نفاذِ اسلام قائم نہ رہ سکا۔ اور نفاذِ اسلام ۔خلافتِ اسلامی ۔ ہندوستان میں انگریزوں سے آزاد ہو کر پاکستان کی شکل میں قائم ہوا۔لیکن خلافتِ عثمانی کے بعد پاکستان میں انگریزی آئین کا نفاذ ہوا۔اور انگریز سے آزادی کے بعد پاکستان نصف صدی گزرنے پر بھی الدین الاسلام ۔یا خلافتِ اسلامی ۔قائم نہ کر سکا ۔۔۔ اسکی بہت سی وجوہات تھیں جو ذیل میں تحریر کی جاتی ہیں۔

زوال الدین الاسلام ۔۔۔ یا زوالِ خلافت اسلامی ۔ پر نصاریٰ قوم نے دنیا پر مادی قوت سے غلبہ حاصل کیا۔ جسکے مقابل اہل اسلام ۔اپنی بے عملی اور شریعتِ اسلامی قرآن پر اطاعت و عمل نہ ہونے کی وجہ سے ۔ وحدتِ دینی ۔ وحدتِ قومی اور اقتدار اعلیٰ (حکومتِ اسلامی) کھو بیٹھے تھے ۔سب سے اہم عمل نماز ۔ روزہ ۔ زکوٰۃ ۔ارکان اسلام سے بیگانہ ہو چکے تھے۔ مسلمان ۔۔۔ اہل اسلام کے پاس ۔اب اپنا کوئی اسلامی آئین قابلِ عمل نہ تھا ۔۔۔ جس پر ۔خلافتِ اسلامی یا اقتدار اسلامی کی ساکھ قائم رہ سکتی ۔اس بے عملی کے نتیجہ میں مسلمانوں (اہلِ اسلام) کا شیرازہ بکھر کر منتشر ہو چکا تھا۔اور مجبوراً انگریزی آئین کا سہارا لیکر ۔اپنے منتشر خطوں (ممالک) کا نظام چلانے پر مجبوراً انگریز کی مدد حاصل کرتے رہے۔

چنانچہ انگریز سے آزادی حاصل کرنے پر کوئی اسلامی نظام موجود نہ تھا۔اور قبل از آزادی ہندوستان میں بھی ایک سو سال تک انگریزی ساختہ۔ قانون نافذ رہا ۔۔۔ اسلئے ۔۔۔ مسلمانانِ پاکستان کو مجبوراً اپنی ہیئت مسلمہ قائم رکھنے کیلئے ۔انگریزی آئین کا سہارا لینا پڑا۔ چنانچہ علمائے اسلام ۔اور مسلمانانِ پاکستان کے واویلا کے باوجود۔ پاکستانی حکمران ۔ آئین اسلامی ۔ یا خلافتِ اسلامی قائم کرنے میں ناکام بے عملی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ جبکہ اربابِ حل نے محض نفاذِ اسلام ۔۔۔ یا

آئین اسلامی ـــــ یعنی ارکان اسلام پر عمل کرنے کی خاطر۔ ہندوستان کے کثیر تعداد کو بھینٹ چڑھا کر یہ خطۂ پاکستان حاصل کیا۔

اس مقام پر تاریخ اسلام کے خصوصی نظریہ پر روشنی ڈالنا ضروری ہے کہ مسلمانان پاکستان نفاذِ اسلام کی جدوجہد میں بے معنی نظریہ قائم کرتے رہے۔ جس بنا پر ارباب حکومت ایک مسلم سٹیٹ تشکیل دینے میں ناکام رہے۔

سب سے اول کہ سابقہ جنگ عظیم کے بعد انگریز (یورپ) دھوکہ فریب سے حاصل کیا ہوا۔ ہندوستان چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ ایسے ہی موقع پر۔ اہالیانِ ہند (ہندو۔ آرین۔ اور مسلمانوں) نے موقع سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان کو مشترکہ طور آزاد کرانے کی آواز اٹھائی۔ لیکن انگریز کے شیطانی مکر نے اہالیانِ ہندوستان میں۔ مسلم اور ہندو کا نظریہ پیدا کر کے مسلمانوں کو علٰیحدہ ملک (خطہ) حاصل کرنے پر مجبور کر دیا۔ کہ مسلمانوں نے۔ مسلمان حیثیت میں محض اس نظریہ کے تحت آزادی کا مطالبہ کیا۔ کہ مسلمان ہونے کی حیثیت میں ایک اسلامی سٹیٹ تشکیل دینے کیلئے۔ ہندو سے علٰیحدہ خطہ دیا جائے۔ مگر اس آزادی میں مسلمان۔ خلافتِ اسلامی جیسی خلافت یا حکومت قائم نہیں کر سکتا تھا۔ اسلئے کہ مسلمان سے خلافتِ عثمانی سے یہی۔ وحدتِ دینی۔ وحدتِ ملی۔ اقتدار اعلیٰ کھویا گیا تھا اور آئندہ جب وحدتِ دینی کی صورت میں۔ خلافت اسلامی کے بعد مسلمان مختلف خطوں میں بٹ کر منتشر ہو چکے تھے۔ جسکے لئے آزادی کی ابتدأ سے قبل مسلمانوں کی کھوئی ہوئی قوت اطاعتِ شریعت۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ ارکانِ اسلام پر عامل ہو کر وحدتِ دینی حاصل کرنا ضروری تھا۔ جبکہ ہندوستان کے مسلمانوں میں۔ حکومتِ انگریز کی غلامی میں۔ اپنا دینی آئین مستعمل نہ رہا تھا۔ ایسی صورت میں ایسا کوئی ذریعہ مہیا نہ ہو سکا۔ جس ذریعہ و عمل سے انہیں اقتدار اعلیٰ میسر ہوتا۔ اس حال میں کہ ایسے باعمل افراد دینی عقائد پر ایک ہیئتِ مسلمہ تشکیل دیکر اسلامی نظام کے تحت اقتدارِ اعلیٰ حاصل کرتے۔ جبکہ مسلمانانِ ہند کیلئے ایک بنیادی۔ اسلامی ـــــ شرعی نظریہ پر۔ حکومت (اقتدار اعلیٰ) قائم کرنا ضروری تھا۔ تاکہ مسلمانانِ ہند کیلئے۔ اپنے مقصدِ آزادی۔ اسلامی سٹیٹ کا

ہونا ضروری ہوتا۔ جس عمل سے خلافتِ اسلامی کا وجود سرِ نو نمایاں ہوتا۔

اس مقام پر بحیثیت مجموعی۔ محققین و مورخین اسلام۔ اسلام کے بنیادی مقصد و تصور کا احاطہ نہ کر سکے۔ کہ اسلام کو ایک حکمران ــــ حکومت۔ کی ہیئت پر تصور میں لاتے رہے۔ جس وجہ سے الــدیــن الاســلام کی حقیقی ہیتِ مسلمہ کا تصور۔ مسلمانوں کے ذہنوں سے محو ہوتا گیا۔ جس بنأ پر کیا مسلمانانِ عالم۔ اور کیا مسلمانانِ ہندوستان الـدین الاسلام کے عمل۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ ارکان اسلام و ایمان سے بیگانہ ہوتے گئے۔ جس کا اثر یہ ہوا۔ کہ اہل اسلام نے عبادات اطاعتِ ارکان اسلام کے مقابلہ میں۔ حصولِ دنیا۔ حصولِ حکومت کو ہی اپنا مطمح نظر سمجھ لیا ــــ اور پھر الــدیــن الاســلام کے نظریہ کو خلافتِ اسلامی (حکمران ہیئت) سمجھ کر ارکانِ اسلام و شریعت کے عمل سے بے بہرہ ہوتے گئے ــــ جب اسلام و شریعت کے بنیادی نظریہ و مقصد سے تغافل برتا گیا۔ تو اسکے نتیجہ میں۔ کسی قوم۔ کسی فرقہ۔ سے دنیا پر الدین الاسلام کے اجرأ میں کامیابی ممکن نہیں ہوسکتی۔

ہندوستان میں مسلمانانِ ہندوستان میں اس صورت میں الدین الاسلام کا نفاذ نہ ہوسکا ــــ جیسا مدینہ۔ سے قرآن وحدیث کی شکل میں ــــ عراق۔ ترکی۔ ایران تک خلافتِ اسلامی کی شکل میں وسعت پذیر ہوتا رہا۔ اسلئے کہ آخر دورِ خلافتِ عثمانی میں۔ اسلامی ساخت۔ شرعی عمل۔ اہلِ اسلام میں ضعیف ہو چکا تھا۔ اس قابل نہ تھا۔ کہ ہندوستان میں منتقل ہونے پر۔ اسکی ہیئتِ مسلمہ علیٰ حالہٖ برقرار رہتی۔ لہٰذا ــــ خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد۔ الــدیــن الاسلام کی ہیئت اس قابل نہ رہی۔ کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آزادی پر۔ مدینہ جیسی قوت و اقتدار انہیں حاصل ہوسکتا۔ کہ قرآن وحدیث کے اجرأ پر الــدیــن الاســلام کی ہیئت مسلمہ نمایاں ہوکر ہندوستان (پاکستان) میں اسلامی نظام قائم ہوسکتا۔

اس مقام پر محققین و مورخین اسلام۔ الــدیــن الاســلام اور حکومت اسلامی یعنی اقتدار اسلامی میں فرق محسوس نہ کر سکے۔ کہ اسلام کا بنیادی تصور الـدین الاسلام سے تعلق رکھتا ہے ــــ اور خلافت اسلامی میں ایک حکمران حیثیت کا علیحدہ تصور قائم ہوتا ہے۔ جسکی ارکان دینی ــــ ارکانِ

اسلام سے کوئی لازمی نسبت نہیں۔ جبکہ احکام قرآنی محض الدین الاسلام کیلئے مخصوص ہیں ـــــ اور خلافتِ اسلامی میں ایک حکمران حیثیت میں۔ قرآن وحدیث کے دائرے کے اندر اجتہادی (خلیفہ کے احکام) عمل وقت کے تقاضوں کے مطابق استعمال ہوتے ہیں۔

یہ زمانہ خلافت عثمانی ترکی کا تھا۔ جب خلافتِ اسلامی میں۔ اطاعتِ دینی۔ شرائطِ دینی ـــــ شرائطِ خلافت سے ہٹ کر خلیفہ منتخب ہوتا رہا۔ اصولِ شرائطِ دینی پر خلافت قائم نہ ہوتی رہی۔ خلافتِ اسلامی میں الدین الاسلام کا موہوم تصور محسوس ہوتا تھا۔ خلافت کے اندرون۔ خلفاً کی بے عملی کے نتیجہ میں۔ حصولِ اقتدار۔ حصول خلافت کیلئے سازشیں شروع ہوئیں۔ اور خلافت اسلامی ـــ مختلف خاندانوں۔ اور غیر عرب قبائل کے غلبہ میں آکر منتشر ہوگئی۔ ہندوستان میں۔ خلافتِ اسلامی سے وابستہ علمائے امت ـــــ اولیائے امت کی ہجرت پر۔ ہندوستان میں اسلامی تصور منتقل ہوا مگر۔ یہ انتقالِ علم۔ انتقالِ عمل۔ ایرانی ساختہ (خلافت عثمانی کا) علم تھا۔ جس میں۔ کمزور اقتدار اعلیٰ کے ساتھ نامکمل علم شامل تھا۔ ہندوستان میں کاملاً۔ الدین الاسلام۔ اور خلافتِ اسلامی کا نفاذ قائم نہ ہوسکا اور آج بھی ہیئتِ مسلمہ دنیا کے مختلف خطوں میں حکمران حیثیت میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ تمام اسلامی حکومتوں پر انگریزوں کا غلبہ ہے۔ کہ مسلمان نیم جان حالت میں۔ صفاتِ خلافت سے محروم غلامی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس حال میں۔ کہ خود اکابرین اسلام محض حصولِ دولتِ دنیا کی حرص میں۔ نہ الدین الاسلام کے اصولوں پر عامل ہیں۔ نہ چاہتے ہیں کہ مسلمان کسی طرح اصولِ اسلامی کے تابع اپنی ہیئتِ اسلامی۔ یا دینی حیثیت مستحکم کرسکیں۔ خود اکابرین اسلام نے اپنی قوم کے معذور۔ مظلوم مخلوق کو غلام اور بے دین بنا رکھا ہے ایسی صورت میں دنیا پر بحیثیت مجموعی مسلمانانِ عالم کی تاریخ سیاہ ہوچکی ہے۔ کہ اسکا ذکر کسی بہتر تصور کے ساتھ کیا جائے۔ تاوقتیکہ اہلِ اسلام ہوش میں آکر اپنی اسلامی ساخت (جسکا قرآن وحدیث کی شکل میں) مدینہ سے جاری شدہ۔ عراق۔ ترکی۔ ایران کی راہ ہندوستان میں منتقل ہوا ـــــ ہاں۔ یہ علم براہ راست قرآن وحدیث سے ماخوذ ہو۔ اور اس علم پر صدق دل سے عمل ہو۔ اس حال میں۔ کہ مسلمانانِ پاکستان کی اسی دینی عمل پر

سلامتی منحصر ہے کہ الـدیـن الاسلام سے سوا۔انہیں۔سلامتی۔آسودگی۔اورفلاح کسی ذریعہ سے نہیں مل سکتی۔یہ حقیقت ہے۔کہ انگریزوں نے ہندوستان میں مغل شہنشاہوں سے مکروفریب سے ملک چھین لیا۔اب انکے زوال کے بعد مسلمان نے۔اہل ہند کی مشترکہ ہئیت قومی سے الگ مسلمان کی حیثیت میں پاکستان کی صورت میں ملک حاصل کیا۔تو یہ ایک فطری۔الٰہی عمل ہے۔کہ جب تک مسلمانانِ پاکستان بغیر کسی بحث وتمحیص کے۔ الـدیـن الاسلام کے ضابطہ کے مطابق۔شرعی ضابطہ کے اصول نماز۔روزہ۔زکوٰۃ۔حج پر صدق دل حسنِ نیت سے عامل نہ ہوں مسلمان ہزار سال کی حکومت میں بھی۔خلافتِ اسلامی۔کی طرز پر اپنی اسلامی ساخت قائم نہیں کر سکتے۔سوائے اسکے بغیر شرائط دینی۔ملک پاکستان ایک بے دین۔سیکولر حکومت میں جہاں عدل وانصاف کے بغیر۔لوٹ مار۔ظلم وجبر اور لاقانونیت کا دوردورہ قائم ہوسکتا ہے۔ضرورت ہے۔کہ اگر مسلمانانِ پاکستان ایک مومن مسلمان کی حیثیت میں اپنی ہئیت مسلمہ پر زندگی گزارنے کیلئے۔شریعت محمدیؐ پر چلنا چاہتے ہیں۔تو اس کیلئے۔سوائے اسکے کوئی ذریعہ سودمند نہیں ہوسکتا۔کہ قرآن وحدیث کے احکام کے عین مطابق اپنی عبادتوں سے وحدتِ دینی حاصل کریں۔اور جہاں تک پاکستان میں ملکی نظم کا تعلق ہے۔ مسلمان کے بچے بچے میں۔اپنی خودغرضی اور جہالت سے الگ ہوکر ہر فرد انسانی کیلئے۔محبت۔ اخوت۔ہمدردی۔احسان۔ایک دوسرے کیلئے جذبہ پیدا کرکے۔وحدتِ ملی۔وحدتِ قومی پیدا ہو۔ یقیناً۔اس قوم مسلم میں قرونِ اولیٰ کی طرح۔اقتدارِ اعلیٰ کے آثار قدرتی پیدا ہوکر۔خلافت اسلامی کے آثار قائم ہوسکتے ہیں۔اس حال میں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اختراع کردہ اقتدارِ اعلیٰ ____ خلافتِ اسلامی۔کی ازسرِ نوتعمیر کرنے کا موقع فراہم ہوسکیگا۔

قطع نظر اسکے۔یہ بھی انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔انسانی پستی اور انتشار کے موقع پر انسان کسی اعلیٰ عقل کی تلاش کرتا ہے۔جس سے راہنمائی حاصل کی جائے ____ اسکے لئے قوم میں ضرور اعلیٰ اخلاق کے حامل انسان موجود ہوتے ہیں۔جنہیں ایک لیڈر کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ یہی وہ فرد ہے۔جو عوامی جمہوری عمل کے تحت قوم کا لیڈر بنتا ہے ____ یہی لیڈر۔حکومت کو تشکیل دیتا

ہے۔لیکن چونکہ ایسا لیڈر محض دنیوی نظام کیلئے منتخب ہوتا ہے۔جس میں روحانی عمل شامل نہیں ہوتا۔ اسلئے اس مادی عمل میں ہر لمحہ انقلاب وارد ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔لہٰذا ایسے عمل میں حکومت کو نہ دوام حاصل ہوتا ہے نہ اسے قرآن وسنت کے مطابق علم وعمل میسر آتا ہے۔ایسی صورت میں انسان کو مستقل سکون حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔اورانسان کسی حدتک عروج پا کر پھرزوال میں داخل ہوتا ہے۔

گزشتہ تاریخ اسلام سے واضح ہے۔کہ بلا شبہ خلافتِ اسلامی کوخلافتِ بنی امیہ (اموی خلافت)۔خلافتِ عباسیہ۔اورخلافتِ عثمانیہ میں دینی اعتبار سے بھی انتہائی عروج۔حاصل ہوا۔ دینِ اسلام ـــــ قرآن وسنت۔فقہ۔اجتہاد۔اور جملہ اقسام علوم۔میں روئے زمین۔کی وسعتوں میں پھیلا۔علمائے امت کے ذریعہ۔مخلوق انسانی۔ہرزمانہ میں۔ الدین الاسلام کے علم سے ہدایت پاتی رہی۔اورخلافتِ اسلامی کا جاہ وجلال زمین پر غالب رہا۔لیکن اسلام کا بنیادی حقیقی عمل یعنی نبوت ورسالت کا اصل تصور۔روحانی کمالات ومعجزات کا عمل جاری نہ ہوسکا ـــــ جو کہ قرآن وسنت کی اصل غرض وغایت تھی یعنی قرآن وسنت کی حقیقی روح ـــــ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے رسول کے ذریعہ عبادات وتسبیح سے ـــــ آخرت ـــــ قیامت ـــــ کے عذاب سے محفوظ ہو۔اورخاص کر یہ کہ۔ایک صاحبِ ایمان۔مومن سے روحانی۔کمالات ومعجزات کا صدور ہو۔برعکس اس کے۔خلفائے راشدین کی خلافت کے بعد۔خلافت میں عملِ رسالت۔عملِ نبوت کا وہ جذبہ قائم نہ رہ سکا۔جس سے۔شریعتِ اسلامی کا وہ عمل جو عمل رسالت سے۔ الدین الاسلام کا اجرا ہونا مقصود تھا ـــــ

# تصوّرِ خلافتِ اسلامی

واضح ہو کہ ــ ''اسلام'' ــــ ''خلافتِ اسلامی'' ــــ ''شریعت اسلامی'' کی بنیاد ــــ قرآن ۔حدیث (سنت) اور علمائے امت کے مرتب کردہ اجتہادی ضابطہ پر قائم ہے ـــ لہٰذا ضروری ہے ۔ کہ۔ خلافتِ اسلامی سے متعلق بحث میں ۔قرآن وسنت کے بنیادی ضوابط کو زیرِ نظر رکھکر ہی خلافتِ اسلامی کے حقیقی تصور کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ ''اسلام'' ــــ ''شریعت اسلامی [1]'' ــــ ''خلافتِ اسلامی'' کی بنیاد۔ قرآن ــــ حدیث ــــ فقہ واجتہاد پر ہی قائم ہے۔ یعنی۔ قرآن سے مراد ــــ احکامِ الٰہی ۔ جو

---

[1] علمائے اسلام نے دین اسلام (شریعت) کے چار اجزأ بیان کئے ہیں۔

(۱) اول قرآن ۔ جسے ''وحی جلی'' کہا جاتا ہے۔

(۲) حدیثِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ۔ اسے۔ ''وحی خفی'' یا ''تفہیم وحی جلی'' کہا جاتا ہے۔ یعنی خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآنی وحی کے احکام کو ترتیب دیکر ۔ جو علم امت کیلئے پیش کیا ـــ جس میں اجرائے دین۔ اور تبلیغ دین میں جو اجتہادی عمل (اجتہادِ نبوت) مرتب کیا۔ جس میں حضورؐ کی طرف سے بھی ۔ امت کے عمل کیلئے ضابطے شامل ہیں۔ ''حدیث'' ـــ یا ''سنت'' سے موسوم ہیں۔

(۳) علمائے امت ـــ اور اصحابہ نے جو علم حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔ (جو وحی جلی وخفی میں موجود ہے) اس علم کو سمجھا اور اسی پر عمل کر کے۔ ایک اجتہادی۔ فقہی عمل ترتیب دیا۔ اس علم کو ـــ ''فقہ'' ـــ (یا تفہیم وحی جلی وخفی) کہا جاتا ہے۔

(۴) شریعت کی چوتھی جز۔ '' نتیجہ عمل''۔ یا ''جزأ وثواب'' سے تعبیر ہے یعنی قرآن وحدیث (سنت) اور فقہ (اجتہاد) پر عمل کے نتیجہ میں فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (پارہ ۳۰ سورۃ ۹۹ آیت ۷۔۸) یعنی قرآن وحدیث اور علمائے امت کے علم پر عمل کرنے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک رسول کے ذریعہ نازل کئے جاتے ہیں (وحی جلی)۔اور حدیث سے مراد۔ایک منتخب کردہ رسول کے ذریعہ قرآنی احکام کی فہم اور عمل سے ایک ضابطہ مرتب ہوتا ہے۔جسے ''سنت'' (سنتِ رسول اللہ (وحی خفی) صلے اللہ علیہ وسلم) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اس عمل کو تفہیم وحی جلی کہا جاتا ہے۔اور فقہ واجتہاد سے مراد۔تابعینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے۔تعلیم و عمل کے ذریعہ قرآنی احکام کو سمجھا اور اس پر عمل کیا۔اس حال میں۔کہ تابعین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی بحیثیت عالمِ امت۔قرآن اور تعلیم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سمجھکر امت ___ اور عالمِ انسانی کیلئے۔ایک مکمل ضابطۂ حیات ___ علم وعمل کا مرتب کر کے۔مخلوقِ انسانی کو فراہم کیا۔ اسے تفہیم وحی جلی وخفی کہا جاتا ہے۔لہٰذا یہ امر ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔کہ ''اللّٰـہ'' ___ ''رسول اللّٰہؐ'' ___ اور ''مجتہدین علمائے امت'' کے علم وعمل پر جو۔قرآن وحدیث اور فقہ سے حاصل کیا گیا ہو۔کسی شک و وہم وظن۔اور عدم تسلیم کی کوئی گنجائش نہیں ___ انہیں حقائق۔اسلام ___ شریعتِ اسلامی ___ خلافت اسلامی ___ پر خلافتِ اسلامی کا حقیقی تصور حاصل کیا جاسکتا ہے۔

واضح ہو کہ۔''اسلام'' ___ ''خلافتِ اسلامی'' کو قرآن وحدیث وفقہ واجتہاد کی روشنی میں دیکھا جائے ___ تو اس علم وعمل کو قرآن نے ''اَلـدِّیـن'' ___ سے موسوم کیا ہے۔جیسے قرآن سے یہ امر واضح ہے۔ اِنَّ الـدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۱۹)۔گویا۔اَلدِّیْنَ کے مفہوم سے اَلْاِسْلَامَ کا تصور واضح ہوجاتا ہے ___ اور اَلْاِسْلَامَ کے مفہوم سے۔اَلـدِّیْنَ کا تصور واضح ہوتا ہے ___ قرآن میں اَلدِّیْنَ کے مفہوم میں۔احکامِ الٰہی فَـاِمَّـا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی کا نزول

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) سے ایک نتیجۂ عمل حاصل ہوتا ہے۔جسے ''ثواب'' ___ یا جزأ کہا جاتا ہے۔اور شریعت میں یہی عمل ___ دین وشریعت کی اساس بنتا ہے۔جس میں ''الدین'' کا بنیادی تصور ___ یوم القیمة ___ واضح ہوجاتا ہے ___ اور یہی علم وعمل ___ نتیجۂ عمل ___ طریقت سے تعبیر ہے۔یعنی ایک عالمِ امت ''ولی'' ___ کا قرآنی ضابطہ کے مطابق۔رات جاگنے۔روزہ رکھنے۔قرآن پڑھنے سے۔مشاہدہ حاصل کر کے۔باطنی طور۔اپنے عمل کی جزأ ___ نتیجۂ عمل ___ ثواب کا (روحانی طور) مشاہدہ کرنا۔شریعت کے اجزأ میں ایک اہم جز قرار دی گئی ہے۔

اورمقامِ رسالت۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ (پارہ۲۶سورۃ۴۸آیت۲۸) ۔کا نفاذ ـــــ اور اجتہاد ـــــ سے علمائے امت ـــــ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (پارہ۵سورۃ۴آیت۵۹) یعنی قرآن وحدیث۔احکامِ الٰہی (اَلدِّیْن) اوراحکامِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔کو سمجھکر اس پر عمل کرنے والے۔''خلیفۂ رسول اللہ'' صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے۔مخلوقِ انسانی میں ''الدّین'' کا اجراُونفاذ کرینگے۔

اسلام میں قرآن وحدیث کے علم پر بحث لازم نہیں۔کہ یہ علم کائنات کی وسعتوں میں پھیلا۔خود اپنی دلیل پیش کرتا ہے ـــــ اور خود علم الاجتہاد بھی۔علمائے امت کے ذریعہ زمین کے طول وعرض ـــــ مشرق ومغرب۔شمال وجنوب میں۔سورج کی روشنی (دن رات) کے ساتھ نافذ ہوکر اسلام کی ہیئتِ حقیقی کا مظہر ہے۔کہ زمین کے ہر چپہ پر اللہ ورسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت ورفعت کی صدائیں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلے اللہ علیہ وسلم) ایک ساتھ بغیر وقفہ (ایک سیکنڈ) آج سے چودہ سوسال قبل سے لیکر۔قیامِ زمین وکائنات تک ہر حال میں جاری رہینگی۔

یہ اسلام ـــــ قرآن وحدیث۔فقہ واجتہاد ـــــ ''دین'' سے تعبیر ہے ـــــ جسے رِسَالَتْ سے موسوم کیا گیا ـــــ لہٰذا آئندہ ہر زمانہ میں۔اسلام ـــــ خلافتِ اسلامی کی جو بھی ہئیت نمایاں ہو۔وہ ہئیت '' الدّین '' کے تصور پر ہی سمجھی جائیگی۔

اب اسی '' الدّین '' کے تصور پر ہی۔خلافت اِسلامی کے نفاذ پر بحث کی جائے گی ـــــ

جیسا کہ واضح ہے۔کہ اسلام کی ابتدأ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہوتی ہے۔کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کو بحیثیتِ رسول ـــــ (رَسُوْلًا مِّنْكُمْ) ـــــ مخلوقِ انسانی کی فلاح ونجاتِ آخرت کیلئے مبعوث کیا گیا۔اس امر سے واضح ہے۔کہ ایک رسول مخلوقِ انسانی کی گمراہی ـــــ اللہ سے انحراف۔اور الدّین کے احکام سے روگردانی کے موقع پر مبعوث ہوتا ہے۔جسکا مشن (ذمہ داری) مخلوقِ انسانی کو احکامِ الٰہی کی تعلیم وعمل سے۔آگاہ کرکے ان احکام پر عامل بنانا ـــــ اور انسان کو آخرت کے عذاب سے نجات دلانا ہے۔هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ق (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۲ آیت ۲)

چنانچہ یہ امر قرآنی آیات سے بھی واضح ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قُـمْ فَـاَنْـذِرْ۔۔۔ کا ابتدائی حکم ملا۔۔۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ابتدائی عمل پر اس حکم کی تعمیل میں۔ قوم سے خطاب کرتے ہوئے حقیقی مقصد کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى صَعِدَا الصَّفَاوَجَعَلَ يُنَادِيْ يَا بَنِيْ فِهْرٍ يَابَنِيْ عَدِيٍّ لِبُطُوْنِ قُرَيْشٍ حَتّٰى اِجْتَمَعُوْا فَجَعَلَ الرَّجُلُ اِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يَّخْرُجَ اَرْسَلَ رَسُوْلًا لِيَنْظُرَ مَا هُوَ فَجَآءَ اَبُوْلَهَبٍ وَقُرَيْشٍ فَقَالَ اَرَاَيْتُمْ اِنْ اَخْبَرْتُكُمْ اَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ مِنْ صَفْعِ هٰذَا الْجَبَلِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ بِالْوَادِيْ تُرِيْدُ اَنْ تُغِيْرَ عَلَيْكُمْ اَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ قَالُوْا نَعَمْ مَاجَرَّبْنَا عَلَيْكَ اِلَّا صِدْقًا قَالَ فَاِنِّيْ نَذِيْر" لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ (مُتَّفق" عَلَيْهِ) اے قوم قریش۔ میں تم میں بچپن سے لیکر اس وقت تک رہا۔ تم نے مجھے کیسے پایا؟۔۔۔ یہ رسالت کا۔۔۔ قُمْ فَاَنْذِرْ کی تعمیل کا ابتدائی۔۔۔ بنیادی۔۔۔ اقدام۔۔۔ (عمل تھا)۔ کہ اجرائے اَلـدِّیـن۔۔۔ قرآن۔۔۔ کیلئے اپنی شخصیت کی برتری۔ کیلئے بغیر کسی فروعی ذریعہ کے۔ بلا دلیل۔۔۔ ''ووٹ''۔۔۔ اعتماد۔۔۔ حاصل کرنا۔۔۔ کہ اجرائے احکام الٰہی کیلئے۔ ایک شخصیت کا مسلمہ ہونا لازم ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ اللہ کی طرف سے۔ مخلوقِ انسانی کی فلاح ونجات کیلئے۔ ایک نبی کا انتخاب بحیثیتِ رسول ہونا۔۔۔ اس انتخاب میں کسی فرد کے انکار وعدم تسلیم کی کوئی گنجائش نہیں۔ نہ ایسے منتخب رسول کے تسلیم کیلئے۔ کسی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔ لیکن اس تسلیم کیلئے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حجت پوری کر کے۔ کسی فرد کو۔ اپنا رسول۔۔۔ اپنا راہنما تسلیم کرنے کیلئے۔ ''اعتماد[1]'' کا حاصل کرنا ضابطہ کی شکل میں مقرر کیا گیا۔۔۔ چنانچہ اسی ضابطۂ رسولی کے مطابق ایک

---

[1] عوام الناس میں سے کسی فرد کی شخصیت مسلمہ ہو جس پر اسکا انتخاب لازم ہوتا ہے۔۔۔ یاد رہے۔ خلافتِ اسلامی (الدین) میں ''انتخاب'' کا یہ بنیادی نکتہ ہے۔ جو خلافتِ اسلامی کی اساس ہے۔

رسول کیلئے۔ اپنی شخصیت ــ قبل از اجرائے احکامِ الٰہی (تبلیغ) تسلیم کرانے میں اپنے کردار کی ضمانت دینا ضروری ہوتا ہے۔ اس حال میں کہ انسان ایسے فرد کی اطاعت میں ـــــ اپنی ذات سے نہیں ـــــ بلکہ رسول کی شخصیت کی ضمانت پر۔ رسول کی اطاعت کرے۔ جس سے مخلوقِ انسانی کو اپنا حقیقی مقصد حاصل کرنے میں کامیابی ہو ـــــ اس عمل میں واحد مقصد ـــــ اللہ کے احکام پر عمل۔ اور آخرت کے عذاب سے نجات حاصل کرنے کے سوا۔ کسی دنیوی امارت۔ حصولِ دولت کا کوئی تصور موجود نہیں ـــــ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ـــ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ کے قرآنی حکم پر تعمیل میں تاریخی ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ کہ حضورؐ کے چالیس سالہ دور۔ قبل از رسالت میں اپنی شخصیت کے بلا دلیل تسلیم کرنے میں۔ قوم سے سوال کیا۔ تو اسکی دلیل قوم کی زبانی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عظیم و بالاتر شخصیت کے اظہار پر پیش کی گئی۔ کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم ''امین'' ہیں کہ آپ کی ذات پر۔ ہر شعبۂ زندگی میں۔ بلا دلیل۔ بلا ثبوت یقین۔ واعتماد کیا جاسکتا ہے۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس قرآنی حکم قُمْ فَاَنْذِرْ ـــــ کی تعمیل میں فرمایا ـــــ ''قیامت'' بہت قریب آچکی ہے۔ اِنِّیْ اَنَا نَذِیْرٌ'' ـــــ میں اللہ کے حکم کے مطابق۔ سوائے اسکے نہیں۔ رسول بن کر آیا ہوں۔ کہ تمہیں عذابِ قیامت کا احساس دلا کر اس کے عذاب سے نجات دلاؤں ـــــ حقیقتاً۔ یہ ایک واحد تصور۔ رسالت کا ہے جس پر مخلوقِ انسانی کی نجات کی ذمہ داری ایک فرد پر عائد ہوتی ہے۔ اور اسی واحد ضابطہ و اصول پر ایک فرد کی۔ راہنمائی حاصل کی جاتی ہے ـــــ یعنی اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ ـــــ کسی فرد کی اطاعت صرف۔ الـــدیـــن کیلئے۔ مخصوص ہے۔ اس حال میں کہ اس میں دین میں راہنمائی کرنے کی کلی صلاحیت پائی جاتی ہو ـــــ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت بحیثیت رسول۔ ایک اعلےٰ کردار کی لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃ'' حَسَنَۃ'' کی صفت سے خود اللہ تعالیٰ نے تائید کی۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے الدّین۔ اور عمل کی تکمیل میں بھی قرآن نے علے الاعلان تائید کی۔ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط (پارہ ۶ سورۃ ۵ آیت ۳)۔

بس یہ مفصلاً ''اسلام'' ــــ ''شریعتِ اسلامی'' ــــ ''خلافتِ اسلامی'' کا بنیادی ضابطہ ہے۔ جس پر۔اسلام۔خلافتِ اسلامی کی تعمیر مقرر ہے ــــ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عملِ رسالت میں ایک خاص تصور کے ساتھ الدین کا مقصد سامنے رکھا گیا۔ جس میں نجاتِ آخرت کا واحد مقصد۔واحد تصور رکھا گیا ــــ جس میں حصولِ دنیا کا کوئی تصور موجود نہیں۔اسی مقصد پر دین کی تکمیل کی گئی ــــ لہٰذا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ اولی الامر۔علمائے امت کیلئے بھی۔یہی ایک واحد تصور ــــ واحد مقصد۔خلافتِ رسول اللہؐ میں پورا کرنا ــــ خلافتِ اسلامی۔سے متصور ہونا چاہیے ــــ

جہاں تک کائنات میں۔زمین پر انسانی تخلیق کا تعلق ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس تخلیق کی غرض وغایت واضح الفاظ میں بیان کی۔جس میں ابتدائی طور انسان کو'' خلیفه '' کے لقب سے پکارا گیا ــــ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط۔تحقیق میں زمین میں ایک ''خلیفہ'' کی حیثیت میں انسان کو پیدا کرونگا۔محققین۔اس قرآنی بیان کو ایک انسان کی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات کی۔روشنی میں۔کہ انسان اس ارضی مادی زندگی میں حصولِ زندگی میں۔اپنی نشو وارتقا میں ایک خاص نظامِ زندگی کا محتاج وضرورت مند رہا۔اسلئے انسان سے متعلق۔قرآنی القاب ''خلیفہ'' ــــ کو دنیوی بادشاہت۔یا نظامِ زندگی میں ایک مدبر سربراہ یا ناظمِ اعلیٰ کے تصور میں اسکی زندگی کے عمل پر خلیفہ کا تصور قائم کیا گیا ــــ حالانکہ قرآنی بیان کے مطابق۔قرآن اس ''خلیفہ''۔کے حقیقی مفہوم وتصور کو خود تفصیل سے پیش کرتا ہے۔کہ انسانی ــــ ارضی۔مادی زندگی میں۔اسکے مادی حصول میں جستجو۔محض ایک مفروضہ کی ــــ ایک کھیل کود کی حیثیت رکھتی ہے۔ وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَهْوٌ''وَّلَعِبٌ'' ط (پارہ ۲۱ سورۃ ۲۹ آیت ۶۴) سوائے اسکے نہیں کہ مادی دنیا کی ہر شے۔ اسکی جستجو محض ایک کھیل کود۔کی حیثیت رکھتی ہے۔جسکا کوئی نتیجہ خیز اور مستقل ــــ دائمی انجام نہیں۔

البتہ انسانی زندگی کا مقصد اسکی جستجو ــــ دنیا میں رہ کر اسکے مقصد کی تکمیل۔ایک پائیدار۔مستقل آنے والی دنیا سے تعلق رکھتی ہے۔جسے قرآن نے ''دارِ اٰخرت'' کے تصور میں

پیش کیا۔ وَلَلدَّارُ الاٰخِرَۃُ خَیر" ۱؎ ۔ عِندَاللّٰہِ ۔لٰہذا ۔انسان کے مقصدِ زندگی کی تکمیل میں جستجو اور جدوجہد میں خالص تصورِ آخرت کی دائمی زندگی میں ۔راحت وسکون اورعزت وسربلندی حاصل ہونا یقینی ہے ۔اوراسی مقصد کی تکمیل میں انسانی کردار وعمل کی خصوصیت ''خَلِیفَۃ'' ___ سے تعبیر ہے۔

چنانچہ اسی نظریۂ الٰہی ___ اسی مقصد کے مدِ نظر انسان کے عمل میں ایک خاص ''عمل'' ___ عبادات وتصورِ ذاتِ الٰہی قائم ہوتا ہے۔ہاں! جیسے زمانہ میں انسان کے کردار وعمل میں ۔حصولِ دنیا ___ مادی زندگی میں عروج ___ اورزمین کی شہنشاہیت کے مظاہرات کو دیکھ کر خَلِیُفَۃ فِی الارض کے تصور میں ۔زندگی کی سربراہی کی حیثیت میں انسان کوخلافتِ ارضی کا خلیفہ سمجھا گیا ___ مگر قرآنی بیان کی روشنی میں ۔انسان کیلئے محض خلافتِ ارضی کی حیثیت میں اسکے مقصد کی تکمیل خلافتِ ارضی تک محدود نہیں بلکہ انسانی ۔روحانی جسمانی ساخت کے مطابق ۔تمام کائناتِ ۔ناری ۔نوری کی وسعتوں تک جستجو سے تسخیر وعلم وحکومت ___ ''خلیفۃ'' ___ کے مفہوم میں انسانی تخلیق وحیثیت کا اصل تصور بھی شامل ہے ___ اسی تصور کے مطابق ۔ ہر زمانہ میں ۔ جب انسان محض حصولِ دنیا کی جستجو کے نتیجہ میں زمین پر ایک دوسرے کو فنا کر کے زمین پر فساد برپا کرتے رہے ۔تو وعدۂ الٰہی کے مطابق ۔مخلوق انسانی کو خلیفہ کے حقیقی مقصد کی طرف لانے کیلئے ۔ایک فردِ انسانی کا ۔بحیثیت ''نبی'' ___ بحیثیت ''رسول'' ۔اللہ تعالیٰ خود انتخاب کر کے ۔مخلوق انسانی کی اصلاح کے لئے مامور کرتا ___ ہاں! جو منصوبۂ الٰہی کے مطابق پیدائشی ''خلیفہ'' کی حیثیت میں ''خَلِیفَۃ '' کے لقب سے ملقب ہوتا ہے ۔جس میں ۔ مادی ۔ارضی ___ خلافت کا تصور نہیں ۔ بلکہ بحیثیت ''نبی'' صاحبِ عبادت وتسبیح ۔صاحبِ معرفت اسرار ۔عالمِ ناری ___ عالمِ نوری کی صفات سے متصف مامور من جانب اللہ ۔ایک ''رسول'' کی حیثیت میں مخلوقِ انسانی کی ہدایت کا خاص مقصد لیکر آتا ہے ۔جس میں ۔کائناتِ ارضی کے نظامِ مادی کا کوئی تصور قائم نہیں ہوتا ___

یہی وہ واحد اور خاص تصور ہے ۔جس پر ہر زمانہ میں انسانی ۔انحراف ۔روحانی ابتری ___

---

۱؎ اور البتہ اللہ کے نزدیک انسان کیلئے آخرت کی فلاح اصل مقصد ہے۔

اور عبادات تسبیح سے انکار و کوتاہی پر اللہ تعالیٰ ایک فرد کو خود منتخب کر کے مخلوقِ انسانی کی ہدایت و ''حصولِ خلافت''۔ میں بحیثیت۔ رسول مامور کرتا ہے۔ اور زمانہ کی یہ روش رہی۔ کہ ہر زمانہ میں ایک ''نبی'' ـــــ ایک ''رسول''۔ اپنے رسولی مشن (ذمہ داری) میں مخلوقِ انسانی کو ''اطاعت'' ـــــ اور احکامِ الٰہی پر عمل ـــــ اور عمل سے ـــــ آخرت (دارِ آخرت) کی کامیابی کا واحد مقصد پیش کرتا رہا ـــــ جس میں یقیناً حصولِ دنیا میں کسی خواہش کی تکمیل و جستجو کا کوئی تصور شامل نہیں ـــــ ہاں ـــــ یہ انتخاب۔ ایک فرد کا ـــــ رسول کی حیثیت میں ہونا ایک الٰہی ضابطہ کے مطابق لازم ہوا۔ جسکے نتیجہ میں ـــــ مخلوقِ انسانی کے۔ ''حق'' سے انحراف۔ اور باطل کی قوت سے زمین پر شیطانی قوت حاصل کر کے کمزور مخلوق کو اپنی خواہشات کی تکمیل کیلئے۔ غلام بنا کر۔ کمزور مخلوق پر مظالم برپا کرنا۔ اس حال میں۔ کہ انسان کیلئے۔ ''حصولِ حق''۔ امن و آسودگی کی راہیں مسدود کرنی ـــــ ایک منتخب رسول کے اجرائے۔ ''حق'' ـــــ (احکامِ الٰہی) میں ایسے افراد کا۔ اپنی طاغوتی قوتوں کے فنا ہونے کے خطرہ کے مدنظر۔ رسول کے عمل میں مزاحمت کرنا ایک لازمی صورت پیدا ہوتی ہے۔ کہ طاغوتی طاقت ایک رسول کے عمل میں رکاوٹ پیدا کرنے میں۔ رسول کا وجود ختم کرنا انکے لئے ضروری ہوتا ہے۔

تاریخ سے یہ امر ظاہر ہے۔ کہ ہر زمانہ میں۔ قوموں کی پستی فساد و خونریزی پر انسانی شیرازہ۔ بکھر کر تباہی کا شکار ہوتا رہا اور ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ ایک رسول ـــــ احکامِ الٰہی کے نفاذ کیلئے۔ منتخب و مبعوث ہوتا رہا ـــــ اور یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ کہ ایک منتخب رسول کو اجرائے احکامِ الٰہی کی تبلیغ میں۔ باطل قوتوں کی مزاحمت پیش آئی۔ اس مقام پر ایک رسول کے اجرائے حق (اجرائے رسالت) کے موقع پر دو کیفیتیں سامنے آتی ہیں ـــــ ایک رسول کا انسانی مقصد ـــــ عبادات و تسبیح۔ اور معرفت ـــــ اور تسخیرِ کائناتِ نوری۔ ناری۔ خاکی کا مشاہدہ و علم پیش کرنا ـــــ جسے اصل ''اَلدِّیْن''۔ سے تعبیر دیا گیا ـــــ دوسرے باطل قوتوں کی مزاحمت کے نتیجہ میں ایک اضافی عمل اقتدارِ اعلےٰ ـــــ جو اَلدِّیْن کے تصور میں شامل نہیں۔ اجرائے رسالت میں پیش آتا ہے۔ جس قوت کو اجرائے دین میں استعمال کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

جہاں تک اجرائے احکامِ الٰہی میں '' اَلدِّیْن '' کی حیثیت میں رسول کا عمل تعلق رکھتا ہے۔ اس میں۔اجرائے اَلدِّیْن کی۔جستجو میں کسی فروعی ذریعہ ــــ کسی فروعی قوت کا استعمال لازم نہیں۔ سوائے براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعانت و ذریعۂ نصرت کے۔جس بنأ پر ہر زمانہ میں۔ رسول کو اور رسول کی جماعت کو طاغوتی قوتوں کی مزاحمت میں۔مظالم کا شکار ہو کر۔صبر و استقلال ۔اور عزم و حوصلہ سے بغیر کسی فروعی ذریعہ کے اپنا تبلیغی مشن جاری رکھنا ہوتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مقررہ ضابطہ ہے۔کہ اجرائے دین کے معاملہ میں سوائے اللہ کے حکم کے فروعی وسیلہ و ذریعہ استعمال نہ کیا جائے۔چنانچہ۔تاریخ شاہد ہے۔زمانۂ قدیم سے (جب سے۔ایک '' نبی '' ــــ ایک '' رسول '' کا انتخاب ہوتا رہا)۔ایک رسول اور اسکی جماعت کو حق کی اشاعت میں فوراً باطل قوتوں کی مزاحمت پیش آ کر مظالم کا شکار ہونا پڑا ــــ اس حال میں۔کہ ایک نبی ــــ ایک رسول۔مخلوقِ انسانی میں۔اعلےٰ و افضل قوی تر روحانی (نوری) جسمانی قوتوں کا حامل۔ہر مخلوقِ انسانی پر غلبہ کی قوت رکھتا ہے۔لیکن '' الدین '' کے اجرأ میں ان قوتوں کا استعمال لازم نہیں۔یہ اسلئے بھی کہ اس مشن (عمل) میں۔مقصد و تصور صرف اجرائے دین ــــ اجرائے عبادات و تسبیح ــــ معرفت و علم۔اور فلاحِ دارِ آخرت کے۔حصولِ دنیا و اقتدارِ دنیا مقصود نہیں ہوتا ــــ اور حقیقتاً۔رسول اسی واحد مقصد کو لیکر مبعوث ہوتا ہے۔

اب دیکھئے۔اللہ تعالیٰ نے حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو مخلوقِ انسانی کی ہدایت کیلیئے۔نبی و رسول منتخب کر کے مبعوث کیا۔تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ہدایت کی تعمیل میں قُمْ فَاَنْذِرْ کے حکم کے مطابق قوم کے سامنے صرف ایک ہی مقصد پیش کیا۔کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو ــــ اور یہ کہ تمہارے کردار و عمل کا محاسبہ قیامت کے دن ہونا ضرور ہے۔جسکے نتیجہ میں۔تمہارے کردار و عمل ــــ (جو بھی اس دنیا میں عمل کرو گے) کے مطابق جزأ۔و سزا حاصل ــــ ہوگی۔اس اعلان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی ۔کا ایک وعدہ پورا کیا۔کہ قرآن کی شکل میں عبادات و احکام نازل کئے۔جن احکام میں قرآن نے واضح کیا۔کہ یہ احکام

نجاتِ آخرت کیلئے نازل کئے جاتے ہیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم۔ بحیثیتِ رسول اللہؐ ۔ تاریخ سے واضح ہے۔ کہ آپ نے مخلوقِ انسانی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف راہنمائی کر کے۔ انہیں ایک خاص تصور ''نجاتِ آخرت'' ــــ کا دیا ــــ اسکے سوا۔ آپ کے تابعین کے ذہنوں میں سوائے ''نجاتِ آخرت'' ۔ کے اور کوئی۔ خواہش۔ کوئی تصور قائم نہ ہوا ــــ لہٰذا۔ اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بھی یہی ایک تصور مستحکم ہوا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے علم و عمل حاصل کر کے۔ خود نجات یافتہ ہوں۔ اور مخلوقِ انسانی کیلئے یہی علم و عمل پیش کر کے انہیں آخرت کے عذاب سے نجات دلائیں ــــ اس حال میں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ۔ یہ لوگ بھی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی معیت (جماعت) میں۔ دین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ کے احکام و عمل مخلوقِ انسانی تک پہنچانے کے ذمہ دار ہونگے۔ حقیقتاً۔ اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ اس ذمہ داری کو ایک فریضہ کی حد تک جانتے۔ سمجھتے تھے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ۔ ان پر بھی۔ مخلوقِ انسانی کی نجاتِ آخرت کیلئے۔ رسول اللہ کا ساتھ دیکر۔ اس فریضہ کی تکمیل کرنا لازمی ہے۔ اور جہاں تک حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی معیت (ساتھ دینے) میں اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے احساسِ ذمہ داری کا تعلق ہے۔ ہر اصحابی نے ''اَلدِّیْنُ'' کی اشاعت میں۔ بغیر کسی تخمینہ۔ بغیر کسی سوچ کے۔ اپنی جان۔ مال۔ ہر شے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر قربان کر دی ــــ کہ انکے ذہنوں میں کسی دنیوی امارت۔ عیش و آرام۔ شہنشاہی وجاہت و خواہش حکمرانی کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ سوائے۔ قیامت۔ آخرت میں عذاب سے نجات کے۔ تاریخِ اسلام اس حقیقت کا خود بین ثبوت پیش کرتی ہے۔ کہ ابتدائے رسالت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت (الدین ــــ دارِ آخرت) کے بنیادی تصور پر ہی غلامانِ مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم۔ حضرت عمارؓ۔ حضرت یاسرؓ۔ انکی بیوی۔ حضرت بلالؓ محض رسول اللہ کی اطاعت کے نتیجہ میں ظلم و ستم کا شکار ہوئے۔ جبکہ نہ الدین کا کوئی واضح غلبہ نظر آتا تھا۔ نہ کسی کو کفارِ مکہ کی مزاحمت کے نتیجہ میں یہ گمان ہوسکتا تھا۔ کہ اسلام بھی ایک

حکمران حیثیت حاصل کریگا۔اس حال میں ۔کہ حقیقتاً۔اسلام میں داخل ہونے یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ۔کسی میں دنیوی آسودگی یا امارت واقتدار کا تصور موجود ہی نہ تھا۔سوائے ''دارِ آخرت'' کے ـــــ اسی بنیادی تصور پر الدین الاسلام ۔اورخلافتِ اسلامی کا قیام ہر زمانہ میں قائم ہونا شرط ہے۔

جہاں تک حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اجرائے ۔ اَلـدِّیـن ـــ رسالت کی تاریخ کا تعلق ہے ـــ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وَاِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ـــ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ـــ اَلَآ اِلَی اللّٰہِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ـــ ہر مقام پر محاسبہ ٔ آخرت عذابِ حشر کا قوی احساس تھا۔جسکے لئے ''ھدایت'' کی صورت میں ـــ عبادات کی صورت میں احکامِ الٰہی پیش کئے گئے ۔کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب ناداری اور فاقوں سے گزارتے رہے۔اس حال میں کہ انہیں اپنی ناداری ۔فاقہ زدگی ۔تنگدستی کا قطعاً احساس نہ ہوتا تھا۔اوراس پاکیزہ نفسی میں ۔دنیاوی امارت ۔عیش وعشرت ۔یا خواہش دنیا سے انکے قلوب وذہن خالی تھے ـــ

ہاں ۔ اِنَّ الـدِّیـنَ عِـنْدَاللّٰـہِ الْاِسْلَامُ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۱۹)۔اللہ کے نزدیک ۔نزولِ احکام ـــ بعثتِ رسول کا واحد مقصد مخلوقِ انسانی کو نجاتِ آخرت کا سامان بہم پہنچانا ہے۔حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ماحصل بعثت کا مقصد الـدّیـن کی اشاعت ـــ میں واضح ہے۔جسکی قرآن نے خود سند پیش کی ۔ اَکْـمَـلْـتُ لَـکُـمْ دِیْـنَـکُمْ وَاَتْـمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط (پارہ ۶ سورۃ ۵ آیت ۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی ۔نبوت ورسالت کی اطاعت میں ۔محض ـــ اور محض ـــ '' اَلدِّین ''عبادات وتسبیح اور رضاً وخوشنودی اللہ۔دارِ آخرت کی نجات کی ۔صورت میں ۔انکے علم واعمال کی بہ طریق احسن تکمیل کردی ۔کہ تابعین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو۔جنت اور جنت کی نعمتوں ۔اوراللہ کی خوشنودی کی وعید عطا کی گئی ۔اس حال میں کہ تابعین رسول اللہ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد۔عملِ خلافت ۔رسالت ونبوت کی اشاعت واجرأ کی ذمہ داری سونپی گئی کہ یہی لوگ ہونگے ۔جن سے ۔رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

کے بعد ـــــ آپ کے عملِ رسالت ونبوت کا فریضہ تمام مخلوقِ انسانی کیلئے ۔بحثیتِ خَلِیْفَۃِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اجرا ٔواشاعت مقرر رہوا ـــــ جو کہ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ کی صفت میں شامل ہوتا ہے ـــــ لہٰذا۔ یہ امر واضح ہے۔ کہ تابعینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ۔رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ۔سوائے ۔'' الـدّیـن '' احکامِ الٰہی کا اجرا ٔواحکامِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اشاعت میں ـــــ تسبیح وعبادات کا عمل اور دارِ آخرت کی نجات کیلئے دینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مخلوقِ انسانی تک پہنچانے میں ۔اپنے مقامِ خلافت کی تکمیل کرنا۔انکی زندگی کا واحد مقصد ـــــ ایک فریضہ کی صورت میں پورا کرنا ہے۔اس حال میں ۔کہ اس فریضہ کو پورا کرنے میں ۔اپنی زندگی ـــــ اپنی اولاد۔اپنا مال ـــــ اپنا سب کچھ وقف اور قربان کرنا لازمی ہوگا۔

قرآن وحدیث ۔تاریخ سے اس امر کی بیّن شہادت موجود ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی اسی اشاعتِ '' دین'' ۔میں صرف ہوئی اور دنیا پر مخلوقِ انسانی کو تسلیمِ حق ـــــ اطاعتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں ۔ایک واضح ـــــ وسیع ۔علم وعمل میسر ہوا۔فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَاخَوْف'' عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۸) جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور تابعین رسول کی اطاعت میں احکام الٰہی کی پیروی کی ۔تو جانو۔اس مادی ۔دنیا ـــــ اور ۔زندگی کے بعد۔وَبِالْاٰخِرَۃِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ۔قیامت ۔دارِ آخرت پر ہی انسانی تخلیق ۔انسانی زندگی ۔میں اسکے عمل کے نتیجہ میں ۔یـوم میـزان واقع ہونا۔ایک اٹل بات ہے تو جانو۔اس دنیا میں ۔عبادت وتسبیح کے نتیجہ میں نیکی کی جزا ٔمقرر ہے۔جس میں انسان کو جنت اور جنت کی عظیم الشان نعمتیں میسر ہونگی۔اور جانو ـــــ بدی ۔عبادت سے انحراف وکوتاہی کے نتیجہ میں ۔بدی کی سزا۔جہنم کی دہکتی آگ ۔پیپ ۔کی غذا۔عذاب کی صورت میں دی جائیگی ۔نیکی کرنے والوں کو وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔عذاب کا نہ خوف ہوگا نہ غم ـــــ حقیقتاً انسان کیلئے ایک سوچنے کی بات ہے۔ کہ وہ دارِ آخرت کے عذاب سے خوفزدہ ہو۔کر نجات کا راستہ تلاش کرنے میں ۔رسول اور تابعین رسول سے نجات کا راستہ حاصل کرے۔اور پھر منصوبۂ الٰہی میں ۔یہ طے شدہ امر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق انسانی کی ہدایت

کیلئے خصوصی انتظام کیا۔ کہ ایک رسول کو مخلوق انسانی کی نجات کیلئے منتخب کیا ـــــ اور رسول کے بعد ۔رسول کے علم وعمل (مشن) کی تکمیل ۔ تابعینِ رسول اللہ کے ذمہ مقرر کی۔ کہ یہ تکمیل انکے نصب العین میں شامل ہے۔ کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کے مشن کی تکمیل میں۔ اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ یہی انکی زندگی کا واحد مقصد قرار دیا گیا ـــــ

اس تفصیلی تمہید کے بعد ۔ یہ سمجھنا آسان ـــــ اور ضروری ہے۔ کہ اسلام میں ـــــ ''شریعتِ اسلامی'' ـــــ ''خلافتِ اسلامی''۔ کی حقیقی ہئیت ونوعیت کس نوع کی ہوتی ہے۔ اب آئندہ۔ اسی ہئیت ونوعیت کی بنیاد پر خلافتِ اسلامی کا اصل تصور قائم رکھنا ضروری ہے ـــــ کہ خلافتِ اسلامی کا بنیادی نظریہ۔ بنیادی مقصد ـــــ احکامِ الٰہی (قرآن) ـــــ احکامِ رسول اللہؐ (سنت) اور احکامِ تابعین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (اجتہادِ علماءِ امت وخلفائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت سے ـــــ دنیا پر ''دین رسول اللہ'' صلے اللہ علیہ وسلم کو فروغ دیکر۔ مخلوقِ انسانی کو۔ ''قرآن'' ـــــ ''حدیث'' سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ـــــ اور علمائے امت ـــــ خلفائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بحیثیتِ ''خلیفہ'' ـــــ خلیفة المومنین اطاعت کر کے عذابِ آخرت سے نجات حاصل کرنا لازم ہے ـــــ جو کہ انسانی تخلیق ـــــ انسانی زندگی کا واحد مقصد قرار دیا گیا ہے۔

اس مقام پر۔ تاریخِ قرآن ـــــ تاریخ رسالت میں ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے اجرائے قرآن میں۔ کیا طریقِ علم وعمل پیش ہوا ـــــ وہی علم وعمل۔ ''الاسلام'' ـــــ ''الدین'' کی بنیاد ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن نے وضاحت سے اس مقصد کی نشاندہی کی۔ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۶) اور کہا ہم نے (آدم سے) اب تم اس باغ کی آسائشوں سے محروم کئے جاتے ہو۔ قانونِ فطرت یہی ہے۔ کہ تمہاری اولاد (فی الارض) زمین میں ہی پیدا ہوگی۔ اور اب تم زمین کے وسعتوں میں پھرو۔ جہاں تمہاری کثرت سے اولاد ہوگی ـــــ پھر یہ اولاد حصول دنیا۔ خواہشاتِ نفسانی کے

حصول میں ایک دوسرے کی دشمن بنیگی ۔ ہاں ۔ ان میں صفاتِ خلافت مشاہدۂ اسرار الٰہی ۔ روحانی کمالاتِ انسانی ۔ ختم ہوجائینگے ۔

اور اسی حادثہ کے رونما ہونے کے موقع پر ۔ جب انسان میں خصوصیاتِ خلافت باقی نہ رہینگی ۔ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَاخَوْف" عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○ ع (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۸،۳۹)

یہ ایک فطری تخلیقی اثر ہے ۔ کہ انسان کسی وقت ۔ لذتِ نفسانی سے مغلوب ہوکر ۔ حصولِ زائد کی طلب میں ۔ حریص ہوکر ۔ دوسرے انسانوں کی ضروریاتِ زندگی غصب کر کے خود اپنے ہی بھائیوں کو اپنا محکوم بنا کر انہیں آزادی سے محروم کر دیتا ہے ۔ اس حال میں کہ انکے لئے انسانیت کے دروازے مسدود ہوجاتے ہیں ۔ پس ایسے وقت میں ۔ میں (اللہ) اصلاحِ انسانی کیلئے ۔ ایک ضابطۂ ـــ علم وعمل ۔ پیش کرونگا ۔ کہ انسان اس ضابطہ پر عمل کر کے ـــ دوبارہ مقامِ خلافت وانسانیت حاصل کریگا ۔ لہٰذا ـــ لازم ہے ۔ جو ضابطہ محض فلاحِ انسانی کیلئے ۔ پیش کیا جائے ـــ اس پر ہر فردِ انسانی کا تسلیم واطاعت لازم وضروری ہوگا ـــ خواہ ظالم ہو یا مظلوم ـــ پس جس نے میری ہدایت پر عمل کیا ـــ تو جانو تمہارے طغیان وفساد ۔ قتل وغارت کے نتیجہ میں ۔ تمہارے لئے ایک شدید عذاب مقرر کیا گیا ہے ۔ جو "دارِ آخرت" میں ۔ وارد ہوگا ۔ جانو! ۔ یہ شدید کٹھن زمانہ ہے ۔ اس زمانہ کے عذاب ودہشت کا احساس کرو ـــ یہ زمانہ ہر حال میں آنے والا ہے! ـــ اسلئے جس نے میری ہدایت پر عمل کیا ۔ اسے عذاب آخرت کا نہ خوف ہوگا نہ غم ـــ اور جس نے میری ہدایت ۔ میرے احکام (اصلاحی علم وعمل) قبول کرنے سے انکار کیا ۔ ہاں ۔ جانو ـــ انکے لئے آخرت میں مقرر کیا ہوا عذاب ہر حال میں مقرر ہے ۔ جس عذاب پر وہ ہمیشہ شدید تکلیف میں مبتلا ہونگے ۔ اس حال میں کہ اس عذاب میں موت واقع نہ ہوگی ۔ بلکہ وہ طویل زمانہ تک اس عذاب میں مبتلا رہینگے ۔

ان آیات سے ۔ انسانی تخلیق کا مقصد واضح کیا گیا ہے ۔ کہ انسان کیسا بھی ہو ۔ اسکے لئے

اسکی پیدائش کا مقصد متعین کیا گیا ہے۔ یہ مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کیا گیا ہے ـــــ اس مقصد کی تکمیل کی کوتاہی میں انسان زوال و پستی کا شکار ہو کر آخرت میں شدید عذاب میں گرفتار ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ اٹل ہے۔

اسی مقصد کیلئے اللہ تعالیٰ نے فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی کا ایک منصوبہ بنایا۔ یہ منصوبہ اس طرح روبہ عمل لایا گیا ـــــ کہ فلاحِ انسانی کیلئے۔ ایک ضابطہ۔ ایک حکم ـــ کتابِ ۱ الٰہی کی شکل میں پیش کیا گیا۔ اس منصوبہ کی دوسری جز یہ کہ اس ضابطہ کو مخلوقِ انسانی تک پہنچانے کیلئے۔ اللہ تعالیٰ خود ایک فرد کو۔ مخلوقِ انسانی میں منتخب کرتا ہے۔ کہ اسی فرد کے ذریعہ۔ یہ ہدایت جاری کی جائے۔ جس میں ہدایت کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ھُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ق (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۲ آیت ۲) وہ اللہ ہے۔ جس نے مخلوقِ انسانی کی ہدایت ( ھُدًی ) مخلوقِ انسانی تک پہنچانے کیلئے۔ ایک فردِ انسانی منتخب کیا ـــــ جو میری ہدایت۔ ( کلامِ الٰہی )۔ کتاب ـــ انہیں پڑھکر سناتا ہے ـــــ اور جو لوگ۔ اللہ کی کلام سننا قبول کریں۔ انکی روحانی۔ جسمانی قوتوں کو پاکیزہ بنا کر ان میں۔ مشاہدات و کمالات کی صفات پیدا کرتا ہے۔ اور میری کتاب ـــ کلام میں کائنات کے تمام آثار و اسرار کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جو انسان کیلئے ماورائے ادراک ہیں۔ انکا علم و مشاہدہ دیتا ہے۔ یہ کیفیتیں۔ پوشیدہ۔ انسانی احاطۂ علم سے باہر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے واضح طور انسانی مقصد کی نشاندہی کے ساتھ۔ اس پر آنے والے حادثات و واقعات کے منفی۔ مثبت اثرات۔ اور ان اثرات سے محفوظ ہونے کیلئے۔ اپنی طرف سے ایک اصلاحی علم و عمل پیش کیا۔ جسکے لئے ایک فردِ انسانی کا انتخاب کیا گیا ـــــ ایسے افراد کو رَسُوْلًا مِّنْھُمْ رسول کے نام سے پکارا گیا۔ جسکے ذریعہ الدِّین ـــ الٰہی منشور کا مخلوقِ انسانی پر نفاذ ہونا مقرر رہا ـــــ یہی وہ بنیادی مقصد ہے۔ جو مخلوقِ انسانی کی فلاح کیلئے مقرر کیا جاتا ہے۔ جس مقصد کے تحت مخلوقِ

---

۱ یہ ایک الٰہی منشور ہے۔ جس منشور پر الدین ـــ شریعتِ اسلامی۔ یا خلافت اسلامی کا انعقاد ہو گا ـــ

انسانی میں ـــــ ایک رسول کا انتخاب ـــــ ایک الٰہی قانون ۔الٰہی منشور ـــــ ضابطہ۔حکم مخلوق انسانی کی اطاعت کیلئے ۔کتاب الٰہی کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔جس میں حقیقی تصور ـــــ دارِ آخرت ـــــ قیامت میں عذاب سے نجات ۔اور دائمی راحت و آرام حاصل ہونا۔اٹل ۔اور واضح ہے۔جس میں اس تصور کے سوا۔انسان کسی فروعی تصور میں الجھ کر نتیجتاً فساد وانتشار کا شکار ہوگا ـــــ اسی تصور پر ـــــ اسلام میں ۔شریعتِ اسلامی ـــــ خلافتِ اسلامی کی بنیاد قائم ہوتی ہے ـــــ

یہ واضح ہے۔کہ شریعت اسلامی ـــــ خلافتِ اسلامی ـــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے انتخابِ رسالت سے متعلق ہے۔جیسا بیان ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس الٰہی حکم کی تکمیل میں ۔قُمْ فَاَنْذِرْ کے حکم سے ابتدا کی ۔لہٰذا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے ۔اجرائے قرآن میں ـــــ پہلا تصور دارِ آخرت کی نجات بنیادی مقصد قرار دیا جاتا ہے ـــــ اس سلسلہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا طریق اختیار کیا۔تاریخ اسلام سے یہ امر واضح ہے ـــــ کہ احکامِ الٰہی کے نفاذ پر قوم اور مکہ کے لوگوں نے ۔شدید مزاحمت کی ۔یہ کیوں؟ ـــــ یہ اسلئے کہ انسان نے اپنے بنیادی مقصد ـــــ بنیادی تصور کو پس پشت ڈالکر حصولِ دنیا ـــــ حصولِ خواہشات نفسانی ـــــ کے غیر آئینی طریق اختیار کر کے ۔زمین پر فساد پھیلایا ـــــ جسکا ''نتیجہ'' انسان نے فروعی خود ساختہ ذرائع سے قانونِ فطرت سے بغاوت کر کے ـــــ منشورِ الٰہی ـــــ آئین الٰہی سے انحراف کر کے زمین پر اپنا ناجائز تسلط قائم کر ڈالا ـــــ ہاں ۔یہ سب ''نتیجہ'' ہے۔''سبب'' نہیں ۔یعنی یہ عمل منشورِ الٰہی ـــــ آئین الٰہی ـــــ قانونِ الٰہی ـــــ احکامِ الٰہی ـــــ سے انحراف کے ۔''سبب''۔انسان کا مخلوقِ انسانی کو محکوم بنا کر ۔زمین پر اپنا غیر آئینی تسلط قائم کرنا۔ایک نتیجہ ہے۔لہٰذا۔ضروری ہے۔کہ انسان حقیقت کو سمجھکر اپنی تمام تر غیر ضروری آسائشوں کو ترک کر کے رسول کی اطاعت میں حقیقی فلاح اور آخرت کی فلاح حاصل کرے۔ورنہ اگر انسان نے اپنے حقیقی مفاد میں ـــــ منصوبہ الٰہی ـــــ پر تسلیم نہ کیا ـــــ تو لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔کہ انسان اپنی باطل قوت کے ختم ہونے کے اندیشہ میں ۔ایسے رسولی مشن میں مزاحمت پر اتر آئیگا۔کیونکہ رسول کے ذریعہ الٰہی آئین نافذ ہونے سے ۔انسان کی تمام باطل اور غیر

آئینی قوت فنا ہو جائیگی ـــــ جسکے لئے باطل قوتوں کی طرف سے رسول کے خلاف مزاحمت ضروری ہوتی ہے۔ہاں۔یہ سب نتیجہ ہے۔الٰہی منشور۔قانون۔الٰہی احکام ـــــ عبادات و تسبیح۔اور آئین کی اطاعت سے انحراف اور روگردانی کا ـــــ

یہ بھی ایک فطری امر ہے۔کہ باطل کے مقابلہ میں۔حق کا نفاذ ہونے پر۔باطل اپنی فنا کے خوف سے۔اپنی پوری طاقت سے۔رسول (حق) کے خلاف ـــــ نبرد آزما ہو جاتا ہے۔وہ طریق کیا ہے؟ ـــــ باطل اپنے تمام مادی وسائل استعمال کر کے۔ایک رسول کی قوت کا خاتمہ کرنے میں۔رسول کی الٰہی تعلیم میں مزاحمت کرتا ہے۔کیونکہ رسول کی تعلیم سے الٰہی قانون کا نفاذ ہوتا ہے۔جس سے باطل کا تسلط ختم ہو جاتا ہے۔یہ عمل براہ راست رسول کی قوت ختم کرنے سے پورا ہوتا ہے۔اسلئے رسول کیلئے بھی ضروری ہو جاتا ہے۔کہ وہ آئینِ الٰہی کے نفاذ کیلئے باطل قوتوں سے ایسے ہی ذرائع استعمال کر کے باطل کو کمزور کر کے۔قانونِ الٰہی کے نفاذ کیلئے راہ ہموار کرے۔ہاں! یہ عمل ایک زائد اور فروعی عمل ہے۔جو اشاعتِ دین کی جز نہیں ـــــ یعنی اگر باطل قوتیں رسول کی اشاعتِ دین میں مزاحم نہ ہوں۔تو رسول کیلئے۔اجرائے دین میں کسی قسم کی فروعی طاقت استعمال کرنا۔ضروری نہیں ہوتا۔

اس مقام پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اجرائے احکام الٰہی۔نفاذ آئینِ اسلامی ـــــ اشاعت دین۔میں قرآنی منشور پیش کرنے کی نوعیت پر توجہ دینا ـــــ اور ذہن میں رکھنا ضروری ہے ـــــ

اس سے قبل کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اجرائے احکامِ الٰہی سے متعلق تفصیل پیش کی جائے ـــــ یہاں ابتدائے پیدائشِ انسانی میں۔دینِ اسلام۔اَلدِّیْنُ الِاسلام کا مختصر خاکہ پیش کیا جائے۔تاکہ مخلوق انسانی میں ''الدّین'' اور خلافتِ اسلامی کی حقیقی ہیئت۔کا بنیادی تصور زیرِ نظر رہے۔

تاریخِ اسلام سے یہ امر واضح ہے۔کہ اولادِ آدم میں۔ابتدائی زمانہ میں۔از روئے قرآن ـــــ ''خلیفہ'' ـــــ تسبیح و عبادت کے سوا کوئی دنیوی امارت۔حصولِ دنیا ـــــ کی جستجو یا

تصور کا نہ کوئی مقام تھا۔ نہ انسانی ذہنوں میں۔ کوئی فروعی تصور موجود تھا۔ جبکہ انسان حصولِ دنیا۔ خواہشاتِ نفسانی میں کسی ذریعہ کا محتاج نہ تھا۔ انسان ابتدأ میں قدرت کی پیدا کردہ فطری غذا (خواہ وہ گھاس۔ پتے یا پھل ہوتے) صرف اپنی اشتہا پر استعمال کرتا ــــ اس حال میں کہ انسان غذا کو اپنی زندگی کا معمول نہ سمجھتا تھا ـــــ زمانہ گزرنے کے ساتھ اولادِ آدم میں مسلسل نسل کشی کے نتیجہ میں۔ آبادی میں اضافہ کی صورت میں ـــــ جبکہ انسان زمین کی وسعتوں میں آزاد پھرتا رہا۔ کہ کسی خاص مقام کو اپنا مستقل مسکن بناتا ــــ انسان کی نقلِ مکانی کی وجہ سے اسے مختلف اقسام کی غذاؤں کا احساس ہوا۔ اس احساس نے اسکے ذہن میں۔ تصور حقیقی۔ تصور ذات الٰہی۔ مشاہدۂ ذاتِ الٰہی میں اشیاء کے تصورات کو بھی جگہ دی۔ جسکے نتیجہ میں۔ انسان میں ان اشیاء کے حصول کی جستجو کی تحریک پیدا ہوئی۔ اور لذتِ نفس کے اثر سے انسان نے ان اشیاء کے حصول میں جستجو کی یہاں تک کہ اسکی جستجو ''حرص'' کی حد تک پہنچی اور وہ زائد حصول کیلئے دوسری مخلوق کے حقوق پر قبضہ کرنے میں فساد و خونریزی پر اتر آیا۔ یہی وہ موقع اور مقام ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی (پس جب تمہاری فساد و خونریزی پر انسان تسبیح و عبادت سے منحرف ہو جائیگا) تو میں ایک رسول کے ذریعہ اپنی ہدایت پیش کرونگا۔ جس میں اصلاح و تزکیہ انسانی کیلئے۔ احکام ــــ عمل۔ طریق عمل ــــ ایک منشور اور ضابطہ کی شکل میں پیش کرونگا۔ یہ ھدایت۔ صرف عبادت و تزکیہ کیلئے پیش کی گئی۔ جسکے متعلق قرآن نے وضاحت کی۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ (پارہ ۴ سورۃ ۳ آیت ۱۶۴) تحقیق اللہ نے احسان کیا ان لوگوں پر جنہوں کو اللہ کی ہدایت میسر آئی۔ جب انکی گمراہی میں۔ ان کیلئے ایک رسول کو منتخب کیا۔ جو میری ہدایت (هُدًی) لیکر ان میں آیا۔ اور میری آیات۔ فلاح و راستی کے احکامات تمکو سناتا ــــ اور تمہارے جسم و روح کو پاکیزہ بناتا ــــ اور تمہاری راہنمائی کر کے تمہیں ایک حقیقی راہ پر چلاتا۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ابتدأ میں جو اسرار و معرفت کا مشاہدہ دیا تھا اسی علم کا سبق تمہیں دیا۔ یہ اسلئے۔ کہ ابتدائے

پیدائش انسان کوانہیں اسرار ومعرفت کا علم دیا گیا ہے۔ کہ یہی معرفت اسکی شریعت تھی۔ یہی معرفت اسکا علم ــــ اسکا عمل تھا۔ لیکن زمانہ گزرنے کے ساتھ انسان تسبیح وحمد اور مشاہدہ واسرار ومعرفت ترک کر کے اندھیرے میں گمراہ بھٹکتا رہا۔ اور انسان۔ اپنی اصلیت اپنا مقامِ خلافت کھو چکا تھا ــــ ہاں اس سے قبل تم محض گمراہی میں بھٹکتے تھے اب ایک رسول اور ہدایت کے ذریعہ پھر تمہیں۔ تمہارا علم ۔ تمہارا عمل۔ تمہارا مقام دینے کا وعدہ پورا کیا جاتا ہے۔

یہ وہ زمانہ ہے۔ جب انسانی ذہن میں کسی نظامِ ملکی۔ یا سلطنت۔ یا دنیوی حصول۔ کا کوئی تصور قائم نہ تھا۔ نہ ایسے تصورات کا کوئی موقع تھا۔ سوائے۔ مقامِ انسانیت۔ خلافتِ ارضی کے تصور میں۔ تسبیح وحمد۔ تصور ذات الٰہی ایک عبادت کی شکل میں۔ قائم رکھنا تھا ــــ ایسے ہی موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کو منتخب کر کے مخلوق انسانی کی اصلاح کیلئے ایک ہدایت دیکر مبعوث کیا۔

تاریخ اسلام سے یہ امر واضح ہے۔ کہ اولادِ آدمؑ میں۔ تسبیح وعبادت سے انحراف کے نتیجہ میں۔ قتل وغارتگری۔ فساد وخونریزی کا عمل شروع ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے۔ مختلف زمانوں میں ــــ زمین پر پھیلی ہوئی مخلوق میں مختلف مقامات پر ــــ مختلف قوموں میں۔ انکی گمراہی پر۔ ایک ہدایت (کتاب۔ کلامِ الٰہی) ایک رسول کے ذریعہ بھیجی۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں۔ حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کی اولاد سے بنی اسرائیل قوم میں مسلسل رسول مبعوث ہوتے رہے۔ جنہوں نے منصوبۂ الٰہی کے تحت ایک واحد مقصد فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى کی تکمیل کی۔ اور اس سلسلۂ رسالت کی آخری کڑی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ختم ہوگئی۔ لہٰذا۔ اس امر سے واضح ہے۔ کہ رسول کی بعثت سوائے اسکے نہیں۔ کہ مخلوق انسانی میں فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى کے الٰہی منصوبہ کے مطابق۔ لوگوں تک کلام الٰہی پہنچائے۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ اور انسان کا جسمانی ۔ روحانی تزکیہ کرے۔ وَيُزَكِّيْهِمْ ۔ اور انہیں اسرار ومعرفت کا مشاہدہ کرائے۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ ہاں اس مقصد کی تکمیل میں ــــ یہ ایک فطری عمل ہے۔ کہ رسول کے تبلیغ عمل میں۔ اَلَّذِيْنَ ــــ اور رسول کی اطاعت میں۔ ایک جماعت مومنین کا وجود پیدا ہوتا ہے۔ فطری طور اس

جماعت کا وجود۔ باطل قوتوں کیلئے ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔لہٰذا یہ امر بھی فطری ہے۔کہ باطل قوتیں اپنی ہلاکت وخاتمہ کے اندیشہ پر۔رسول اور جماعت مومنین کے اجرائے الدین کے عمل میں شدید مزاحمت پر اتر آتی ہیں۔ یہاں تک کہ یہ لوگ مومنین اور رسول کو قتل کرنے کے منصوبے بناتے ہیں۔ چنانچہ گزشتہ زمانوں میں۔ باطل قوتوں نے ایسے ہی منتخب رسولوں کو قتل کر ڈالا ۔ جیسے قرآنی تاریخ سے واضح ہے وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ط(پارہ اول سورة ۲ آیت ۶۱) ان لوگوں نے ۔رسول کے مشن (اجرائے دین) کی مزاحمت میں انہیں قتل کر ڈالا ــــ اور بعض انبیاء کو باطل قوتوں کی مزاحمت میں اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔کہ اکثر موقعوں پر ایک رسول کو تبلیغ دین میں۔قدرتی امداد میسر آئی۔کہ کوئی غالب طاقت (قوم) یا کوئی غالب بادشاہ۔رسول کی تبلیغ سے اسلام میں شامل ہوا۔ جسکی قوت سے۔رسول کو اجرائے دین میں آسانی میسر آئی۔اور اس غالب قوت کی مدد سے دین وسیع سرزمین پر پھیل کر مخلوق انسانی کو ہدایت حاصل ہونے کا ذریعہ میسر ہوا۔اس معاونت کے نتیجہ میں ایک بادشاہت ایک رسول کے دین سے مماثلت کی بناء پر سلطنت اسلامی کہلائی ــــ یہ قدرتی امر ہے۔کہ رسول کی اشاعت الـــدیـــن میں یا تو رسول باطل قوتوں کے ہاتھوں قتل کیا گیا۔یا کسی شہنشاہ۔غالب قوت کی معاونت سے رسول کے اشاعت دین میں۔زمین پر غلبہ حاصل ہوا۔جس سے رسول کا دین زمین کی وسعتوں میں پھیلتا رہا۔اسکی تاریخی مثال۔اکثر رسولوں کی تبلیغی تاریخ سے ثابت ہوتی ہے۔جیسا قرآنی تاریخ سے واضح ہے۔کہ ابتدائے تبلیغِ دین میں حضرت نوح علیہ السلام ایک قوم پر رسول مبعوث کئے گئے۔انکی قوم نے حق قبول کرنے سے انکار کیا۔بلکہ حضرت نوحؑ کی اشاعتِ دین میں مزاحمت کی۔تو اللہ تعالیٰ نے خود اس قوم کو غرق کر دیا۔اسکے بعد منصوبۂ الٰہی کے تحت اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک وفادار قوم عطا کی جس کی معیت میں حضرت نوحؑ کو زمین پر۔ اشاعتِ دین کے ساتھ اقتدار اعلےٰ حاصل ہوا۔اور حضرت نوحؑ نے ہزاروں سال بادشاہت کے ساتھ اشاعتِ دین کی تکمیل بھی کی۔

حضرت نوحؑ کے بعد حضرت لوطؑ کا قرآن میں ذکر آیا۔ جنکی قوم نے لوطؑ کی نافرمانی کی اللہ تعالیٰ نے انہیں خود۔ ہلاک کرڈالا۔

حضرت لوطؑ کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ آیا۔ قرآن میں اسکی وسیع تفصیل بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آوازِ حق پر نمرود نے انہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا ـــــ اس طرح اولادِ ابراہیم علیہ السلام میں ۔ حضرت یوسفؑ کو عزیز مصر کی بادشاہت عطا ہوئی اور اللہ کی طرف سے مقامِ رسالت عطا ہوا ـــــ آپ کے بعد۔ حضرت داؤد۔ حضرت سلیمان علیہما السلام کو بھی بادشاہت اور اقتدارِ اعلیٰ عطا ہوا۔ جس سے انہوں نے دین اسلام کی اشاعت میں ۔ رسالت کے ساتھ۔ خلافت اور سلطنت سے قوت حاصل کر کے وسیع زمین پر دین اسلام کو وسعت دی۔ ان کے بعد حضرت موسیٰؑ کا قصہ خود قرآن نے بیان کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق دریا کر کے حضرت موسیٰؑ کو رسالت کے ساتھ اقتدارِ اعلیٰ بھی عطا کیا ـــــ تاریخ سے واضح ہے۔ کہ حضرت زرتشت کو تبلیغ کیلئے مامور کیا گیا۔ انکی قوم نے ہدایت سے انکار کیا۔ اور آخر انہیں وطن چھوڑنا پڑا۔ ایران میں تبلیغ کی جہاں انہیں ایک بادشاہ کی معاونت حاصل ہوئی۔ اور بادشاہت کے ذریعہ انکے دین میں اشاعت کو قوت حاصل ہوئی ـــــ اسی طرح حضرت یونسؑ کو بھی مجبوراً وطن چھوڑنا پڑا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ایک وسیع قوم کی اطاعت سے انہیں عظیم بادشاہت عطا کی۔ یہاں تک کہ اس سلسلۂ نبوت ورسالت کی آخری کڑی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت پر ختم ہوگئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو محض اشاعتِ دین کی خاطر سولی پر چڑھانے کی سازش کی گئی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

واضح ہو کہ۔ یہ ایک فطری امر ہے۔ کہ اشاعتِ الدین میں اکثر رسولوں کو باطل قوتوں کے مقابلہ میں ۔ ذاتی طور ـــــ یا کسی غالب قوت کی حمایت ۔ یا براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے امداد حاصل ہوتی رہی ـــــ جبکہ رسول کا مشن صرف '' اَلدِّین '' کی اشاعت ہوتی ہے۔ جس میں ۔ کسی سلطنت ۔ یا بادشاہت کے حصول کا مقصد شامل نہیں ہوتا۔ لیکن یہ ایک فطری نتیجہ ہے۔ کہ باطل قوتوں کی مزاحمت کی وجہ سے رسول اور جماعتِ مسلمین کو باطل قوتوں کے مقابلہ میں ۔ اقتدارِ اعلیٰ ۔

یا مادی ذرائع سے قوت حاصل کرنا لازم ہو جاتا ہے۔اور اسی قوت (اقتدار اعلیٰ) کو ذریعہ اشاعتِ الدین بنانا پڑتا ہے ـــــ اس مقام پر اشاعتِ دین جو محض وعدۂ الٰہی کے مطابق فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی کے ضابطہ کے تحت صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت واحکام کی اطاعت۔اور رسول کی اطاعت و تابعداری کے ذریعہ صرف اور صرف آخرت کے عذاب سے نجات اور جنت کے حصول کا واحد مقصد رکھنا ہوتا ہے۔لیکن اقتدارِ اعلیٰ کے وجود کی شمولیت کی وجہ سے اشاعتِ دین میں امور سلطنت اور انتظامِ اقتدار اعلیٰ کو بھی مقصد میں شامل رکھنا پڑتا ہے۔اس طرح دین کی اشاعت کے ساتھ۔ اقتدار اعلیٰ (جو سلطنت کی شکل اختیار کرتا ہے) کی قوت کا تحفظ اور غلبہ لازمی اور ضروری ہو جاتا ہے ۔اس حال میں۔کہ اقتدار اعلیٰ۔ الدین کے تحفظ و وسعت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔جبکہ الدین کی اساس صرف احکامِ الٰہی پر ہوتی ہے۔کہ مخلوقِ خدا کو الٰہی احکام کی اطاعت سے مقامِ خلافت (خَلِیْفَة) پر لا کر عذاب آخرت کے عذاب سے بچایا جائے۔اسکے مقابل اقتدارِ اعلیٰ ایک واقعاتی امر ہوتا ہے۔جسکے لئے احکامِ قرآنی سے سوا ـــــ تحفظ واستحکامِ سلطنت (اقتدارِ اعلیٰ) کیلئے ذاتی سیاست وتدبر استعمال کیا جاتا ہے۔چونکہ یہ عمل الدین کے تحفظ (کفار کی مزاحمت کے مقابلہ میں) اور اجرائے دین کی وسعت واستحکام کیلئے ہی استعمال ہوتا ہے۔اسلئے اس اقتدارِ اعلیٰ کو بھی خلافتِ اسلامی سے موسوم کیا جاتا ہے۔جو عوام المسلمین۔ جماعت اسلامی کے وجود سے ہی مرکب۔وجود میں آتی ہے ـــــ یہاں یہ امر سمجھنے کی ضرورت ہے۔کہ الدین۔ایک رسول۔کے علم وعمل (احکام الٰہی اور اس کی اطاعت) سے رسول۔بحیثیت رسول۔''اسلام'' سے معروف ہوتا ہے۔رسول کے بعد رسولی مشن (رسالت) کے اجرأ کیلئے رسول کی اطاعت میں سب سے اعلیٰ وافضل شخصیت کو الدین کے اجرأ کیلئے منتخب کیا جاتا ہے۔جسے الدین (دینی اصطلاح میں) کے اجرأ۔تبلیغ کی ذمہ داری کے اعتبار سے (خلیفہ) خلیفۃ المسلمین۔یا امیر المومنین کے خطاب سے پکارا جاتا ہے ـــــ یعنی یہ امر'' الدین '' کے اصول وضابطہ کے مطابق عمل میں آتا ہے ـــــ گویا اشاعتِ دین میں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرد انسانی کو منتخب کیا جاتا ہے۔جسے رسول کے لقب سے پکارا جاتا

ہے۔اوررسول کے بعد۔رسول کی طرف سے منتخب فرد کو محض اشاعت الدین کے مقصد کیلئے۔خلیفہ (خلیفة الرّسول ) پکارا جاتا ہے ____ ایسے موقع پر جب جماعتِ اسلامی کو کفار کی مزاحمت میں۔ اجرائے دین میں روکاوٹ کا سامنا ہو۔تو لازی طور دفاعی صورت میں ____ جماعت اسلامی کو۔ اشاعتِ دین میں۔کفار کی طرف سے روکاوٹ دور کرنے میں۔(خواہ قتال کی نوبت بھی آجائے) ایک غالب قوت حاصل کرنے کے نتیجہ میں۔اقتدارِ اعلیٰ کی شکل اختیار کرنی پڑتی ہے۔لہٰذا جماعت اسلامی۔اور۔امیر المومنین ____ الـدیـن۔(دینِ اسلام) اوراقتدارِ اعلیٰ کے۔(تصورِ سلطنت کے) مجموعہ سے۔تشکیل شدہ قوت۔کو بھی خلافتِ اسلامی سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اس مقام پر جہاں تک اجرائے دین ورسالت کیلئے۔ایک خلیفہ (خلیفة المومنین) کے تقرر میں شرائط دینی کے مطابق۔جانشین رسول کی حیثیت سے۔عوام المسلمین میں سب سے زیادہ کلام الٰہی۔کلامِ رسول۔سنتِ رسول میں اعلیٰ وافضل عالم ہونا ____ عوام المسلمین میں سب سے زیادہ۔احکام الٰہی۔اورسنتِ رسول (علم وعمل) پرعمل ____ اوراجرائے دین میں سب سے زیادہ فہم و فراست کا ہونا۔لازمی شرائط وضع کی گئی ہیں۔جنکے لئے کلامِ الٰہی ____ اورسنتِ رسول کی روشنی و اتباع ۱؎ میں تبلیغ دین کا فریضہ انجام دینا لازم ہوتا ہے۔وہاں اقتدارِ اسلامی کے منصوبہ ونظام میں

---

۱؎ یہاں یہ اہم اور بنیادی نکتہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ''الــدِّیــن'' کی اشاعت واجرا کیلئے۔آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے جانشین۔یعنی خلیفة المومنین کیلئے انتخاب خلیفہ میں۔اہم شرائط دینی مخصوص کی گئی ہیں۔جوصرف۔اشاعتِ احکام الٰہی (اجرائے دین) اوراشاعتِ قول وفعلِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے ہونا ازحد لازمی ہیں۔وہ یہ ہیں۔کہ

(۱) ایک خلیفہ کیلئے (اشاعت دین میں) قرآن کے جملہ علوم پر بحد کمال عبور ہونا ضروری ہے۔کہ علمی حیثیت میں ایک فرد کا علم تمام امت پر محیط ہو۔

(۲) ایک خلیفہ کیلئے۔مقامِ خلافت پر فائز ہونے میں۔ایسا فرد عملی اعتبار سے عمل میں تمام امت میں افضل ہو۔یعنی سب سے زیادہ عمل کرنے والا۔

(۳) امور دینی کی اشاعت میں۔قرآن وحدیث پر عبور رکھتے ہوئے۔ذاتی فقہ واجتہاد میں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ـــــ چونکہ اقتدار اعلیٰ کا عمل دین میں شامل نہیں۔لہٰذا اقتدارِ اعلیٰ کے نفاذ و وسعت و استحکام کیلئے آئندہ ایک خلیفہ کے تقرر میں۔اقتدارِ اعلیٰ یا سلطنتِ اسلامی کے تحفظ۔وسعت و استحکام کیلئے۔ الـــدیـــن کے الٰہی احکام سے سوا۔ذاتی فہم و تدبر سے۔سلطنتِ اسلامی کے استحکام و وسعت کیلئے تدابیر اور ضابطے ۱؎ وضع کرنا۔ایک خلیفۂ اسلام۔(خـلیفة المسلمین ) کی لازمی صفت ہونا۔ ضروری ہوتا ہے۔

جہاں تک حضرت آدمؑ۔حضرتِ نوحؑ۔کی رسالت۔اور خلافتِ اسلامی کا تصور۔تاریخی حیثیت میں۔سامنے آتا ہے۔اس میں بنیادی تصور۔صرف فَـاِمَّـا یَـاْتِیَـنَّـکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی کا اصل

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) کمال حاصل کیے ہو۔اس حال میں۔کہ قرآن و حدیث کے اجرأ میں کسی مقام پر عاجز و مجبور نہ ہو کہ

(۴) اشاعت دین میں ـــــ اجرائے قرآن و حدیث میں۔جہاں تک اقتدار اعلیٰ کے ذریعہ اشاعت کا موقع ہو۔ایک فرد کا اجتہادی عمل قرآن و سنت کے حدود میں۔شریعت کے عین مطابق ہو ـــ کیونکہ اقتدارِ اعلیٰ کو محض اشاعتِ دین میں آسانی کیلئے استعمال کیا جانا مقصد ہوتا ہے جس میں حصولِ دنیا (ملک و مال) کے مقصد کو شامل نہیں رکھا جاتا۔

۱؎ اشاعتِ الدّین میں چونکہ قرآن و حدیث کی اشاعت کا عمل جاری رکھنا ہے۔اسلئے اس اشاعت میں۔صرف قرآن و حدیث کے اجرأ کے سوا۔کسی فرد کا ذاتی حکم۔یا اشاعت میں ذاتی تدبیر کی ضرورت نہیں رہتی۔اسلئے اشاعت دین میں قرآن و سنت کے احکام اور ضابطہ کے تحت عمل کیا جاتا ہے۔جسکے لئے کسی فروعی عمل۔فہم و تدبیر کی ضرورت نہیں رہتی البتہ۔جہاں تک اقتدار اعلیٰ (ایک اسلامی سلطنت کی شکل میں) قائم ہوتا ہے۔ایسے موقع پر استحکام و تحفظ سلطنتِ اسلامی میں۔امورِ دنیوی کے لحاظ سے ایسی تدابیر کی ضرورت رہتی ہے جسکے لئے قرآن و سنت سے ہدایات و احکام نہیں ملتے۔یعنی۔باطل قوتوں سے جہاد کی صورت میں سیاسی تدابیر۔جنگی تدابیر۔ملک گیری سے متعلق۔جنگ (جہاد) کیلئے کامیاب منصوبے وضع کرنے میں۔ایک خلیفہ کیلئے۔اعلیٰ ذہنی ـــ سیاسی۔حکمران صلاحیت کا ہونا۔دینی شرائطِ خلافت سے زائد خصوصیات کا پایا جانا اشد ضروری ہوتا ہے۔اسلئے کہ اشاعتِ دین اور اجرائے رسالت و دین کا انحصار۔اقتدار اعلیٰ کی قوت و استحکام پر منحصر ہو جاتا ہے۔لہٰذا اجرائے دین کے ساتھ ایک خلیفہ کیلئے۔شرائط دینی سے علاوہ۔ایک مدبر سیاستدان اور حکمران صلاحیت کے ذہن کا مالک ہونا بھی لازمی ہو جاتا ہے ـــــ

تصورصرف اَلـدِّیـنُ الْاِسْلَام ہی سے مقصود ہے ___ جیسا گزشتہ بیان ہوا۔ کہ حق کے نفاذ و اجرأ میں باطل کا وجود بھی دنیا میں موجود ہوتا ہے۔ اسلیئے باطل کی مزاحمت سے جب اجرائے دین میں روکاوٹ پیدا ہو۔ تو قدرتی نظام کے تحت الـدیـن کو ایک غالب قوت کی حمایت حاصل ہو کر۔ یہی غالب قوت دینِ اسلام کی وسعت و استحکام کا ذریعہ لازم ہو جاتی ہے۔ سوائے اسکے کہ احکامِ الٰہی کو الـدین الاسلام کے اجرأ میں استعمال کیا جائے۔ اور حکومت اسلامی کیلیئے۔ وقت کے تقاضوں کے ساتھ خلیفہ خود (اجتہادی) قانون وضع کرتا ہے۔ لہٰذا تاریخ اسلام سے یہ امر واضح ہے۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اجرائے الـدیـن کی یہی صورت ہر زمانہ میں رہی۔ ایک رسول کی بعثت سے مخلوقِ انسانی نے رسول کی اطاعت میں دین اسلام کی ہیئت اختیار کی۔ اسی جماعت سے دین اسلام کا ظہور ہوتا رہا۔ اور دینِ اسلام ___ اَلـدِّیْنُ الْاِسْلَام کی شکل میں دنیا پر قائم رہا ___ اور یہی جماعتِ اسلامی۔ دین اســـلام خلافتِ اسلامی ___ کی شکل میں۔ الـدیـن کا اجرأ کرتی رہی۔ ہاں یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ جبکہ الـدین الاسلام خلافتِ اسلامی نے۔ اقتدارِ اعلیٰ۔ کی شکل میں۔ زمین کی وسعتوں پر اپنا تسلط قائم کیا۔ تو دین کی وسعت کے ساتھ۔ خلافتِ اسلامی کو زمین کی تمام نعمتیں [1]۔ زر و جواہر۔ دولتِ کثیر انہیں حاصل ہوئے۔ جبکہ یہ نعمتیں نہ دین سے تعلق رکھتی ہیں۔ نہ دین میں انکے حصول کا کوئی تصور و مقصد شامل ہوتا ہے ___ اصلاً یہ نعمتیں الـدیـن کے تصور کی ضد قرار دی جاتی ہیں۔ یہ نعمتیں تصورِ دین (عبادات و اطاعت احکام الٰہی) میں شامل ہونے سے۔ ان کی لذت انسانی تصورات میں خلل پیدا کرنے کا سبب بن جاتی ہیں۔ یعنی انسان ان لذات کے حصول میں۔ یا حاصل ہونے میں ___ حقیقی جذبہٗ عبادات (الدین) میں۔ دینی احکام سے۔ غافل ہو کر۔ ایک دن یہی۔ خلافتِ اسلامی۔ یہی جماعت اسلامی اخلاقی۔ اور دینی ضابطوں سے دور ہو کر۔ خود ظلم و طغیان۔ پر اتر آتی ہے ___ یہاں تک کہ یہی قوم ___ باطل کے وجود میں قائم ہو جاتی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ اہلِ دین ___ اہلِ

---

[1] یہ نعمتیں الدین الاسلام کی جز نہیں بلکہ زائد انعام کی حیثیت میں بطورِ عطیہ اللہ کی طرف سے دی جاتی ہیں۔

اسلام ۔اپنی دنیوی عروج پر احکامِ دین ۔ضابطۂ دین پر عمل ترک کر کے بے دین ہو جاتے ہیں۔ ایسے موقع پر قدرت کی طرف سے ایک رسول کی بعثت لازم ہو جاتی ہے۔لہٰذا رسول کی بعثت پر ہی قوم رسول کے عمل واشاعت میں مزاحم ہو کر۔کفرو ــــ اسلام کا وجود پیدا کرتی ہے۔

قرآنی تاریخ سے یہ واضح ہے۔کہ ''زمین''۔آسمان کے سیاروں میں ایک سیارہ ہے۔ جس میں انسانی مخلوق پیدا ہوئی۔تخلیقی نظام کے تحت کسی سیارہ میں ۔زمین جیسی خاصیت نہیں۔جس میں انسانی مخلوق پیدا ہو سکے۔چنانچہ قرآن نے واضح طور اس تاریخی واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ــــ

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۰)

جب کہا آپ کے رب نے آسمان کے ملائکہ سے کہ میں زمین میں بشری ۔شکل انسانی میں ایک مخلوق پیدا کرونگا۔جس کی پیدائش کا واحد مقصد تسبیح وحمد اور کائنات کے آثار واسرار کا علم حاصل کرنا ہو گا۔ چنانچہ اسی قرآنی بیان کے مطابق زمین پر ایک بشری شکل میں انسانی وجود پیدا ہوا۔جسکو آدم کے نام سے پکارا گیا ــــ اس بیان میں ہی یہ واضح کیا گیا۔کہ اس انسان کی پیدائش کا واحد مقصد۔تسبیح وحمد ۔اور اسرار وآثار ملکوتی کا علم حاصل کرنا ہے ــــ

حضرت آدمؑ کی پیدائش کے زمانہ میں۔نہ کوئی دوسرا انسان پیشتر پیدا ہوا تھا۔نہ اسکی بود و باش کیلئے کوئی ایسا انتظام تھا۔جیسا بعدِ زمانہ انسانوں کو ضرورت پیش آئی۔نہ اسکے لئے کسی ملکی انتظام سلطنت کی ضرورت و گنجائش تھی۔لہٰذا۔انسان کیلئے اسکی زندگی کا واحد مقصد متعین ہوا۔وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا۔اور علم دیا آدم کو تمام کائنات (اسرارِ کائنات) کا۔کہ انسانوں کیلئے سوائے تسبیح و عبادت ۔کسی فروعی تصور کی گنجائش نہیں ــــ قرآنی بیان سے یہ امر واضح ہے۔کہ زمین پر آدم کی پیدائش ہی واحد پیدائش نہیں۔بلکہ فطری تخلیقی عمل کے تحت۔جب تک زمین کا قیام ہے۔تب تک۔ زمین پر نسل درنسل انسان پیدا ہوتے رہینگے۔اور ان سب انسانوں (مخلوق) کیلئے۔ایک متعین۔ واحد مقصد تسبیح وعبادت کے سوا۔اور کوئی عمل لازم نہ ہو گا۔چنانچہ زمین کی پیدائش سے۔اسکی ابتدائی ہیت وحیثیت کا واضح تصور قائم ہوتا ہے۔کہ زمین پر انسانی مخلوق کی نشو ونما ــــ زندگی کے تسلسل

کیلئے کسی فروعی ذریعہ کی ضرورت نہ تھی۔ کہ اسکے سامان زندگی میں غیر ضروری سامان کی جستجو میں انسان توجہ کرے۔

یہ امر محقق ہے۔ کہ انسان کی ابتدأ ایک ذرہ (ناری) سے ہوئی۔ جیسا قرآنی بیان سے واضح ہے۔ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا (پارہ ۴ سورۃ ۴ آیت ۱)۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے بنایا انسان کو ایک ذرہ (ناری) سے۔ پھر اسی ذرہ سے اسکا ایک جوڑا۔ (ایک فطری تخلیقی عمل کے مطابق) بنایا (جدا کیا) اور اسی جوڑے سے نسل در نسل۔ مخلوق انسانی کی پیدائش ہوتی رہی ـــــ اس تخلیقی عمل کے نتیجہ میں زمانہ گزرنے کے ساتھ مخلوقِ انسانی کثرت سے پیدا ہوتی رہی۔ اور انسانی کثرت کے نتیجہ میں۔ انسان زمین پر نقل مکانی کرتا رہا۔

اس مقام پر یہ تصور ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ کہ فطری تخلیقی عمل کے تابع ایک انسان اپنی ابتدائی پیدائش میں جبکہ اس کے حواس و ذہن قابل عمل نہ ہوں۔ اپنی نشو و ارتقا میں کسی ذریعہ کا محتاج رہتا ہے۔ اسکے لئے بھی۔ ایک فطری تخلیقی نظام کے زیر اثر۔ ایک انسان (بچہ کی شکل میں) اپنے قریبی انسان ـــــ ماں۔ باپ سے اپنی زندگی کی نشو ونما کی ضروریات حاصل کرتا ہے ـــــ یہاں تک کہ بچہ عمر کی اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔ جہاں انسان اپنی جسمانی ساخت ـــــ قوت۔ اور عقل و حواس سے۔ اپنا سامانِ زندگی پہچان کر اپنی ضروریات خود حاصل کرتا ہے ـــــ جہاں تک زمین میں باقی مخلوقِ حیوانی کی نشو و ارتقا کا تعلق ہے۔ حیوانات میں بھی یہی فطری۔ اصول کارفرما رہتا ہے۔ کہ کوئی بھی جانور ہو۔ جب تک اس کے بچے کو ماں سے نشو ونما کی ضرورت رہتی ہے۔ ماں اسکی ضرورت کی فراہمی میں ہر لحہ مستعد رہتی ہے۔ اور جونہی بچہ عمر کی اس حد تک پہنچا جہاں بچہ خود اپنی زندگی کا سامان حاصل کر سکے۔ تو ماں بچہ سے بالکل علیٰحدگی اختیار کرتی ہے۔ بلکہ یہ بات تجربہ میں آئی ہے۔ کہ مرغی۔ انڈوں سے بچے نکلنے کے ساتھ۔ انکی نگہداشت۔ اور سامانِ زندگی۔ کی فراہمی میں یکسر جستجو میں رہتی ہے۔ اور جونہی بچہ اپنی ذات سے اپنی زندگی کا سامان حاصل کرنے کی صلاحیت پاتا ہے۔ مرغی بچوں کو اپنے سے علیٰحدہ کر دیتی ہے۔ بلکہ بچہ اگر عادتاً ماں کے قریب ہو

جائے۔ تو مرغی بچے کو ٹھونگیں مار کر اپنے سے جدا کر دیتی ہے۔ لہٰذا۔ زمین پر یہ پیدائش کا فطری عمل ہے۔ کہ زمین کی پیدائش میں ۔ جب تک ایک وجود کو اپنی وجودی کاملیت تک نشو ونما کی ضرورت رہتی ہے۔ تو یہ ضرورت اس کے ماں باپ سے پوری ہوتی ہے۔ اور جہاں تک جنس کی باہم رفاقت کا تعلق ہے۔ انسانوں کے مقابلہ میں ۔ حیوانات کا تعلق انکی جسمانی کاملیت پر ختم ہو جاتا ہے۔ البتہ انسانوں میں ۔ بوجہ عقل وخرد اور قوی قوتِ حافظہ ہونے کے ۔ بچپن کا تعلق طویل عرصہ تک باقی رہتا ہے۔ اور یہ تعلق صرف اس نشو ونما کے عمل کے زیر اثر رہتا ہے۔ کہ فطری طور انسان باقی مخلوق کے مقابلہ میں ۔ حساس ہوتا ہے۔ نیز فطرۃ نے محض انسانی نشو وارتقا کے مدنظر انسانوں میں ''محبت'' کا ایک خاص جذبہ ودیعت کیا ہے۔ جسکے زیر اثر ایک انسان اپنی اولاد کی محبت میں ۔ اسکی پوری نگہداشت میں حد درجہ مستعد رہتا ہے۔ یہی ''محبت'' ۔ کا جذبہ ایک انسان کی بلوغت کے بعد۔ اسکے ماں باپ یا بیٹے کے قریب رہنے کا سبب ہوتا ہے ـــــ ہاں جہاں تک انسانی ابتدائی پیدائش کے تجزیہ کا تعلق ہے۔ چونکہ ماں باپ ہی ایک انسان کی نگہداشت میں ۔ بچہ کی پرورش کرتے ہیں۔ ''لہٰذا یہ تعلقِ محبت'' ۔ ماں باپ کی محبت وقرب تک محدود رہتا ہے۔ یہی صورت ابتداً پیدائشِ انسانی میں نظر آتی ہے۔ کہ مخلوقِ انسانی کی فطرۃ میں یہ بات ودیعت کی گئی ہے ـــ اِهۡبِطُوۡ ا فِی الۡاَرۡضِ ۔ وَلَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌ'' وَّمَتَاعٌ'' اِلٰی حِیۡنٍ اولاد آدم زمین کی وسعتوں میں نقل مکانی کی صورت میں ایک فرد دوسرے سے دور ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ طویل زمانہ گزرنے کے ساتھ مخلوق انسانی قبیلوں۔ جماعتوں کی صورت میں ۔ بٹ کر الگ الگ ہوتی رہی۔ اس مقام پر انسانی محبت وقرب ۔ صرف ماں باپ تک محدود ہو گیا۔ اور جب بیٹا باپ کی شکل پر آیا ـــ تو اسکی نقل مکانی میں ماں باپ کی محبت یا قرب ۔ درمیان میں نہ آیا ـــــ اس حال میں کہ ۔ ماں باپ سے اور بھی اولاد پیدا ہوتی رہی ۔ لیکن چونکہ ان کی نشو ونما میں آپس میں ایک دوسرے کی معاونت درمیان میں نہ آئی ۔ لہٰذا ۔ بھائی ۔ بہنوں کے درمیان وہ لگاؤ ـــ وہ قرب ۔ وہ احساس رشتہ داری نہ رہا ۔ کہ ایک دوسرے سے جدا ہونا ۔ انکی نقل مکانی میں رکاوٹ بن سکتا ۔ لہٰذا انسان ایسے جذبات میں ۔ ایک دوسرے کی اُنسیت سے مبرا آزاد

جہاں چاہانقل مکانی کیلئے زمین کی وسعتوں میں پھیلتا رہا۔۔۔ ہاں اس مقام پر۔انسان اب اجتماعی حیثیت میں نقل مکانی کرنے لگا۔کہ انسان کونقل مکانی کی صورت میں بہت سی لذتوں کا احساس وعلم ہوا۔جسکے حصول میں انسان (اپنی نشو ونما کے حصول میں) ایک دوسرے کا معاون بننے لگا۔اسی عمل کے نتیجہ میں۔انسان نے قبیلوں کی شکل اختیار کر کے۔ایک متعین مقام پر قرار کرنا شروع کیا۔اور باہمی امداد و معاونت کے باعث ان میں ایک دوسرے سے محبت وقرب کا جذبہ پیدا ہو کر ایک قبیلہ کی شکل میں۔ایک دوسرے کی معاونت کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا۔

ہاں! قرآنی تاریخ کی روشنی میں انسانی زندگی کا تجزیہ لازمی ہے۔کہ ملائکہ نے کہا تھا۔۔۔ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ۔زمین کی خاصیت سفلی ہے۔اسکی پیداوار میں سفلیت کا خاصہ پایا جانا۔ایک فطری امر ہے۔۔۔ جہاں تک انسان کی باہمی سکونت میں ایک دوسرے کی محبت وہمدردی کا اثر پایا جاتا ہے۔۔۔ یہ فطری نہیں۔بلکہ انسانی ضرورتوں میں ایک دوسرے کی ضرورتیں پوری کرنے میں وقتی ضرورت کے تابع۔معاونت کرنے کے نتیجے میں ایک فروعی اثر ہے۔لہٰذا انسانی پیدائشِ ارضی کی خاصیت میں ایک دوسرے سے مثل حیوانات۔دشمنی و ہلاکت کا خاصہ نسبتاً زیادہ موجود ہے اوراس صفت کا اثر انسانی ضرورتوں کے حصول میں۔ایک فطری اثر۔''زائد حصول'' کے جذبے کے تحت۔سامنے آتا ہے۔۔۔

میں کہتا ہوں۔کہ انسان اگر چہ اجتماعی صورت میں نظر آتا ہے۔مگر انسان کی پیدائش فطرۃً ایک فردِ واحد کی حیثیت میں پائی جاتی ہے۔انسان فرد واحد کی حیثیت میں پیدا ہوتا ہے۔۔۔ فرد واحد کی حیثیت میں زندگی گزارنے کا اہل ہوسکتا ہے۔اور فرد واحد کی حیثیت سے اسکی زندگی کا خاتمہ ہوتا ہے۔اور جہاں تک ایک انسان دینی حیثیت میں ایک دین سے نسبت کے ساتھ پاکیزہ زندگی گزار کر آخرت میں داخل ہوگا تو وہاں بھی انسان ایک فردِ واحد کی حیثیت میں جس حال میں ہو۔قائم رہیگا۔جہاں۔ماں باپ۔بھائی بہن۔قبیلوں کی نسبت باقی نہ رہیگی۔

انسانی۔۔۔ ارضی۔۔۔ سفلی۔زندگی کا خاصہ ہے۔کہ فردِ واحد کی حیثیت میں۔انسانی

خواص میں ۔حرص ۔ ہوا ۔ لالچ ۔ کینہ پروری ۔ عداوت بحد کمال پائے جاتے ہیں ۔ انسان وافر ضروریات کی موجودگی میں وافر ( کثرت ) مقدار کی خواہش رکھتا ہے ۔اسی خواہش کے زیراثر انسان حصولِ زائد کی تکمیل میں ۔ کسی رشتہ کو خاطر میں نہ لاکر ۔ اپنی ہی جنس کے حق کو بہ جبر ۔ حاصل کرنے میں اپنی ہی جنسِ انسانی کو ہلاک کرنے پر تیار ہو جاتا ہے ۔ یہی وہ ارضی ۔ سفلی خاصیت ہے ۔ جو بحیثیت مجموعی انسانوں کو فساد و خونریزی پر آمادہ کرکے انسانی یکسانیت کا شیرازہ بکھیر کر انسان کو منتشر و پراگندہ کر دیتی ہے ۔ایک زمانہ ایسا آتا ہے ۔ کہ انسان اپنے ہی پیدا کردہ شر و فساد سے پراگندہ ہو کر ۔جسمانی ـــــ ذہنی سکون سے محروم ہو جاتا ہے ۔اور انسان کیلئے اسکی اپنی زندگی ایک عذاب بن جاتی ہے ۔ یہ وہ زمانہ ہے ۔ جب انسان اپنی ضرورتوں کی پہچان میں ـــــ انکی لذتوں کے زیراثر ۔ انکے حصول کی جستجو میں ۔ انسانی ۔ اخلاقی حدود ۔ سے تجاوز کرکے منتشر ۔اور پریشان ذہن پست و ذلیل زندگی گزارنے پر مجبور و بے بس ہو جاتا ہے ۔ جہاں تک انسانی زندگی میں ۔ اَلــدِّیْـن کی صورت میں تسبیح و حمد و عبادت کا تعلق ہے ۔ اسکے لئے ۔ انسان میں ۔ اسکی سفلی خاصیتوں کے مقابلہ میں ۔ پاکیزہ روحانی قوتیں بھی ودیعت ہوتی ہیں ۔ جنکا قرآن ذکر کرتا ہے ۔ثُمَّ سَوّٰهُ ۔ وَنَـفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَـعَـلَ لَـكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ط قَـلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْن ۔ انسانی ۔ بشری ہیئت کی تکمیل پر انسانی وجود میں ۔ حواس و عقل و خرد کی اعلیٰ صلاحیتیں بھی اس وجود میں پائی جاتی ہیں ۔اور مزید یہ کہ اس وجود میں ایک پاکیزہ نوری قوت (وَنَـفَـخْـتُ فِیْـهِ مِنْ رُّوْحِیْ ) بھی ودیعت کی گئی ہے ۔ جو قوت انسان کو ۔حق ـــــ اور نیکی کے اعلیٰ مراتب تک پہنچنے میں ۔ مددگار اور معاون ہوتی ہے ـــــ لہٰذا ۔ انسانی سفلی صفات کے مقابلہ میں ۔ انسان ۔ اپنی عقل و خرد اور شعور قلبی سے خود کو ۔ سفلی خواص سے محفوظ رکھکر ۔ مامون زندگی بھی گزارنے کا عادی ہوتا ہے ۔ یہ قوت ہر سفلی خصلت انسان میں پائی جاتی ہے ۔ جو انسانی پراگندگی اور پریشان حالی میں ۔ انسان کو ایک پُرسکون زندگی گزارنے میں متحرک رہتی ہے ـــــ تو انسان اپنے لئے پرسکون ماحول ۔ پرسکون زندگی کے حصول میں ۔ جستجو کرنے لگ جاتا ہے ۔اس حال میں ۔ کہ وہ کسی آسودہ پرسکون ذہن اور پاکیزہ شخصیت سے امداد و ۔

راہنمائی کیلئے۔ تلاش۔ اور وسیلہ ڈھونڈتا ہے ___

ایسا ہوتا ہے۔ جہاں مخلوقِ انسانی بحیثیت مجموعی۔ گمراہی۔ اور انتشار کا شکار ہو۔ وہاں انسانی فطرت کے مطابق۔ بعض بہتر خصائل و کردار کی ہستیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ جن کی قیادت و راہنمائی میں۔ مخلوقِ انسانی کو دوبارہ ہدایت و فلاح اور امن و آسودگی میسر آتی ہے ___ لہٰذا انسان ایسی باصلاحیت اور پاکیزہ کردار ہستیوں سے راہنمائی حاصل کر کے۔ ایک پاکیزہ معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور یہی معاشرہ آگے چل کر ایک دین۔ الـدّیـن ___ اور اقتدارِ اعلیٰ (سلطنت) کی حیثیت میں۔ ایک اسلامی سلطنت کی شکل میں مخلوق انسانی کی ہدایت و فلاح کا ذریعہ بن جاتا ہے ___ یہ ایک صورت ___ انسان کی گمراہی اور انتشار میں دوبارہ امن و سکون اور ہدایت و اصلاح کی پیدا ہوتی ہے ___ دوسرے بحیثیت عمومی۔ مخلوق انسانی کا ایک منظم قوم کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا ___ ایک فطری ضابطہ کے تحت خود بخود۔ روبہ عمل آتا ہے۔ روح الاجتماع کے اصول کے تحت۔ یہ ایک فطری عمل ہوتا ہے۔ کہ مخلوقِ انسانی میں گمراہی اور ایک قیادت کی محرومی پر انسان خود پُر امن۔ آسودہ زندگی حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے۔ جسکے لئے انسان فرداً فرداً ایک پر امن ماحول تعمیر کرنے میں اپنی سوچ (عقل) استعمال کرتا ہے۔ لیکن منتشر حالت میں۔ افراد کی سوچ (عقلیں) سے مختلف نظریات پیدا ہو کر کوئی متفقہ لائحہ عمل مرتب نہیں ہو سکتا۔ اسلئے یہ فطری اثر ہے۔ کہ افراد کسی بالاتر عقل (مدبر شخصیت) کی قیادت کی راہنمائی سے۔ معاونت حاصل کر کے ___ تمام افراد۔ ایک بالاتر "عقل" کے ماتحت عمل کرنے پر متفق ہو کر ایک اجتماعی ہئیت اختیار کرتے ہیں۔ اس عمل سے ایک منتشر مخلوق کی منتشر عقلیں ایک قائد کی عقل میں مدغم ہو کر قائد کے وضع کردہ اصول و ضوابط پر بحیثیت مجموعی عمل کرنے سے ایک منظم قوم کا وجود سامنے آتا ہے ___ یہی قوم ایک معاشرے کی شکل میں ___ ایک سلطنت کی شکل میں۔ انسانی مخلوق کیلئے۔ امن و آسودگی کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس قوم کی ہئیت ___ ایک سربراہ ___ ایک لیڈر ___ ایک راہنما ___ کی قیادت میں۔ ایک منظم قوم۔ ایک متفقہ اصول و ضابطہ مرتب کر کے ایک آئین و قانون کے تحت

پرامن زندگی گزارنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔اس قوم میں ۔ جیسا ایک عظیم قائد کی قائدانہ صلاحیتیں تقاضا کرتی ہیں ۔ وہ خود۔ایک ضابطہ وآئین مرتب کرتا ہے۔جس پر قوم بہ رضاورغبت عمل کر کے آسودہ رہتی ہے۔البتہ ضرورت پڑنے پر۔ایک قائد اپنی صلاحیت پر قوم کے۔بہتر۔عقلمند افراد کا چناؤ کر کے ایک ''مشیر'' جماعت تشکیل دیتا ہے۔جو ایک قائد کو۔قوم کی فلاح وترقی وآسودگی کیلئے۔بہتر آراٗاور ضابطے مرتب کرنے میں مدد دیتے ہیں ۔ یہ جماعت دیانتداری سے۔محض قوم کی فلاح و بہبود کیلئے بہتر۔کامیاب تجاویز مرتب کر کے ایک قائد کی قیادت میں اسکے معاون بنتے ہیں ۔ (یہ جماعت مجلسِ شوریٰ کی حیثیت سے قائم ہوتی ہے )۔

جیسا کہ ابتدا ٗمیں ۔ایک قوم منتشر حالت میں اپنی فلاح کیلئے کوئی لائحہ عمل مرتب کرنے سے عاری ہوتی ہے۔اسی طرح جبکہ ایک قائد اور قائد کی منتخب جماعت ۔دیانت وامانت سے صرف قوم کی فلاح کی خاطر قائد کی معاونت میں شریک ہوتی ہے۔ایسے معاونین جماعت کیلئے۔بہتر انتخاب قائد کے ذریعہ اور اسکی مرضی پر بہتر نتائج کے حامل ہوتے ہیں جس پر قوم بھی قائد کی دیانت پر اعتماد کر کے ایسے انتخاب کو قبول وتسلیم کرتی ہے۔گویا ایک منظم قوم کی فلاح وترقی ۔خود قوم کی صوابدید پر منحصر نہیں ۔ بلکہ ایک قائد کی ۔ مدبرانہ صلاحیتوں پر تسلیم کی جاتی ہیں ۔قوم کے اس طرزِ عمل میں کسی فروعی القاب کی ضرورت نہیں ۔ کہ اس عمل کو جمہوریت کا نام دیا جائے ۔جبکہ اس عمل میں جمہوریت کا کوئی تصور نمایاں نہیں ہوتا ــــ بس ایک قوم کیلئے اتنی ہی مختصر قیادت کافی ہوتی ہے ــــ ہاں اگر قوم کے افراد میں ۔ذاتی خودغرضی حرص وہوا۔ پیدا نہ ہو۔تو اسکے لئے ایک قائد کی قیادت کافی ہوتی ہے جو طویل زمانہ تک قائم رہتی ہے۔جس میں ۔ کسی جمہوریت کا فروعی تصور سامنے نہیں آتا۔یہ امر بھی ایک لازمہ ہے۔کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ایک قوم کی وسعت کے ساتھ۔ضروریاتِ زندگی میں بھی وسعت پیدا ہوتی ہے جس کے نتیجے میں ۔افرادِ قوم میں ضروریات زندگی کی فراہمی اور حصول کے طریقِ کار میں ۔مختلف خواہشات ومفادات کی بنا ٗپر۔ایک واحد قوم میں ۔مختلف شعبے وجود میں آتے ہیں ۔اسلئے افرادِ انسانی میں مختلف اذہان (خیالات) ــــ تصورات ــــ اور طلب وجستجو کے مادّہ

میں ۔ ذہنی ۔ عملی اختلاف رونما ہو جاتا ہے ۔ یہ بھی اس وجہ سے ۔ کہ اگر افراد کسی ایک نصب العین کا تعین کرنے میں ہم خیال اور متفق ہوں ۔ تو اختلاف کی بہت کم گنجائش ہوتی ہے ۔ ورنہ انسانی سرشت میں ۔ ذاتی طلب کی خواہش میں ۔ حصولِ طلب میں اختلاف پیدا ہو کر ۔ وحدتِ فکر ـــــ وحدتِ قوم میں ۔ فرق آجاتا ہے ۔ البتہ اگر قوم کی قیادت کے پاکیزہ کردار اور دیانتدار معاونین ہوں ۔ تو قائد کی مدبرانہ صلاحیت ایسے اختلافات کو ابھرنے کا موقع نہیں دیتی ـــــ لیکن یہ فطری امر ہے ۔ کہ سلسلہ در سلسلہ ایک اعلےٰ قیادت کے خاتمہ پر ۔ دوسری قیادت ۔ قائدانہ جملہ صلاحیتوں ۔ کی حامل نہیں ہوتی ۔ جس بناءَ پر آہستہ آہستہ قومی اختلاف کسی نہ کسی صورت میں ظاہر ہو کر ۔ قوم مختلف خیالات ـــــ مختلف طرزِ عمل ۔ اور ذاتی اغراض کی بناءَ پر ۔ مستقلاً ایک واحد قیادت ۔ اور مشیرانِ قیادت پر عدم اطمینان کا اظہار کرتی ہے ـــــ اس مقام پر چونکہ قومی افراد کے اختلاف کے باعث ۔ قوم میں فساد کے آثار ظاہر ہوتے ہیں ۔ تو اصول کے تحت ۔ قوم کی مختلف خواہشات کے زیر اثر ۔ پہلے قوم کی مرضی پر ۔ انکی جائز خواہشات پر ۔ ایک نئے نظام کی ضرورت پیدا ہو جاتی ہے ۔ اس طرزِ نظام کو ہی ـــــ جو محض افرادِ قوم کی ذاتی اغراض ۔ اور وحدتِ فکر میں اختلاج ( بے جا فرق ) کی بناءَ پر ظاہر ہوتا ہے ـــــ انتخاب سے تعبیر دیا جاتا ہے ۔ اور اس انتخاب میں ۔ افرادِ قوم کی ضروریات وخواہشات کے مطابق انتخاب عمل میں لایا جاتا ہے ۔ ایسے ہی طرز عمل کو جمہوریت سے منسوب کیا جاتا ہے ـــــ اس جمہوری عمل کا خاصہ ہے ۔ کہ ایک قومی وحدت مختلف جماعتوں میں ( محض نظریات ۔ یا متضاد خواہشات کے حصول میں طریق حصول میں اختلاف کے باعث ) عقلی تصادم کی بناءَ پر ۔ تقسیم ہو کر ہر فریق اپنے مقاصد کی روشنی میں ۔ یا اپنے حصولِ مقاصد کی روشنی میں ایک دوسرے سے نبرد آزما ہو کر منتشر ہو جاتی ہے ـــــ یہ اسلئے کہ افرادِ قوم کی مختلف ۔ متضاد خواہشات کی تکمیل میں ۔ ہر فریق اپنے نظریات کو مبنی بر حقیقت سمجھکر اسکی تکمیل میں ۔ ایک دوسرے کے خلاف جدوجہد کر کے اپنے نظریہ کو کامیاب بنانے کی کوشش میں دوسرے فریق کی شکست سامنے آتی ہے ـــــ

اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے ۔ ایک وسیع فکر و تجزیہ کی ضرورت ہے ۔ کہ ایک وحدتِ قوم کس بناءَ

پر۔ مختلف جماعتوں میں تقسیم ہو کر۔ افراد قوم ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہو جاتے ہیں ـــــ جیسا کہ بیان ہو چکا۔ کہ انسان فطری طور انفرادی (واحد) حیثیت میں پیدا ہوتا ہے۔ اور جہاں تک انسان کو اسکے سامانِ زندگی کی۔ طلب اور فراہمی میں۔ اسکی ذاتی تدبیر و فہم کا تعلق ہے۔ انسان۔ ذاتی طور۔ اپنی ہی عقل و فہم سے اپنے لئے سامان زندگی فراہم کرنے میں۔ آزاد کسی خاص نظریہ کا پابند نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں جب کثرت کی صورت میں۔ انسان بحیثیت مجموعی (قوم یا قبیلہ یا جماعت کی صورت میں) سامانِ زندگی کے حصول میں جستجو کرتا ہے۔ تو لازمی طور طریقِ کار۔ طریقِ حصول۔ میں اختلاف کے باعث تصادم کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہاں! ۔ اگر انسانی فطری پیدائش کے مطابق انسان اپنے حقیقی فریضہ ـــــ عبادت و تصورِ حقیقی کو بنیادی طور سامنے رکھے تو اس میں حرص و لالچ۔ طمع۔ حسد کا مادہ غلط انداز میں استعمال نہیں ہوتا۔ تو انسان میں۔ ذاتی خود غرضی۔ یا زائد حصول کا جذبہ نہ ابھرنے کی وجہ سے ایک دوسرے کے مخالف حصول پر تصادم نہیں ہوتا۔ اسلئے بھی کہ انسان کے ذہن میں (سوائے قرارِ زندگی میں مختصر ضرورت کے) دوسرے کے حصول پر طمع اور حرص کا مادہ نہیں ابھرتا ـــــ ایسی صورت میں۔ انسان اپنی ضرورتوں کے حصول میں۔ اپنی ذات سے مطمئن ہو۔ تو فریقین کے حصول میں کسی لائحہ عمل کو مرتب کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی ـــــ اور جہاں انسان اصولِ فطرۃ۔ ''مقام انسانیت'' ـــــ ''خلافتِ ارضی''۔ کے ضوابط میں کوتاہی کرے۔ تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ انسان کی ناری (سفلی) قوتوں کو ابھرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ جسکے نتیجہ میں انسان۔ حرص و طمع میں۔ دوسرے انسان کے مقابلہ میں۔ ضرورت سے زیادہ۔ حصولِ سامانِ زندگی۔ خزانہ کرنے میں جدوجہد کرنا شروع کرتا ہے۔ یہ ایک انسانی فطری عمل ہے۔ جس عمل کے نتیجہ میں۔ انسان مجموعی حیثیت میں اپنے مفاد کے حصول میں دوسروں کے مفاد کو نظر انداز کرتا ہے ـــــ لہٰذا اجتماعی حیثیت میں۔ یہی انفرادی جذبہ۔ اجتماعی شکل اختیار کر کے۔ انسانی ضروریات کے حصول میں۔ ''جمہوریت'' کا تصور پیدا کرتا ہے۔ جسکے لئے قوم جماعتوں کی شکل میں۔ اپنے مفاد کو حاصل کرنے میں۔ تقسیم ہو کر۔ کثرتِ رائے پر اپنے حصول کا انحصار کرتی ہے ـــــ

جس میں۔ ہر فریق اپنے ایک ــــ فریقی جماعتی لیڈر۔ (وکیل) کا انتخاب کرتا ہے۔ یعنی ایک فرد کا۔ جو جماعتی ضروریات کے حصول میں۔ بہتر اور کامیاب۔ اور با مقصد لائحہ عمل تیار کرنے کی کلی صلاحیت رکھتا ہو اس حال میں۔ کہ اسکے وضع کردہ ضابطہ میں۔ ایک اپنی جماعت کے مقاصد پورے ہو سکیں۔ اس حال میں کہ یہ ضوابط بحیثیت مجموعی دوسرے فریق کے حصول میں بھی۔ انکے لئے نفع کثیر کے ضامن ہوں۔ تاکہ فریقِ دیگر ایسے ضابطہ سے مفاد حاصل کرنے میں۔ اطمینان و آسودگی حاصل کر سکیں۔ لہٰذا ایسی جماعت۔ ایسے جماعتی لیڈر کے وضع کردہ ضوابط پر ہی۔ بحیثیت مجموعی۔ تمام افراد قوم کے حصول میں۔ قواعد و ضوابط طے ہو کر پوری قوم من کلِ الوجود۔ متفق ہو کر ہر انسان کو اسکی پسند و خواہش کے مطابق سامان زندگی حاصل کرنے کی ضمانت دی جاتی ہے۔ اس مقام پر جب متفرق اقوام ایک ضابطہ پر اتفاق کر کے ایسے ضابطہ پر اپنا نظامِ زندگی استوار کریں۔ تو اس نظام کو بھی ''جمہوری نظام'' سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اسکی مزید تشریح یہ ہے ــــ

اس مقام پر جب ایک خطۂ زمین پر۔ انسان۔ قومی شکل میں آباد ہو ــــ اس حال میں کہ افراد اپنی ضروریات حاصل کرنے میں۔ کسی ''بالاقوت عقل''۔ کی راہنمائی میں۔ ایک منضبط۔ وضع کردہ ''آئین'' کے تحت اپنی ضروریات حاصل کریں۔ ایسے موقع پر یہ احساس کرنا ضروری ہے۔ کہ اجتماعی حیثیت وہیئت اختیار کرنے کے نتیجہ میں۔ ہر فرد۔ ذاتی خود غرضی سے ہٹ کر جماعت کے ہر فرد کی ضروریات پوری ہونے میں۔ دوسروں کی ہمدردی کا جذبہ دل میں رکھتا ہو (بصورت دیگر انفرادی حیثیت میں انسان کسی آئین و ضابطہ کا پابند نہیں) اس بناء پر کہ اجتماعی حیثیت میں۔ افراد کے مفادات مشترک ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہر فرد کو ہر ضرورت بحصۂ مساوی حاصل ہونی چاہیے ــــ یا حاصل کرنی چاہیے۔ اگر افراد جماعت یا قوم میں ایسا جذبۂ انسانیت پیدا ہو۔ تو انسان بہر صورت کسی ضرورت میں کسی ضرورت کی احتیاج محسوس نہیں کرتا ــــ تو معاشرہ پر امن آسودہ زندگی گزارتا ہے ــــ ہاں جونہی۔ افراد ــــ یا جماعتوں میں۔ فریقین کے درمیان تفریق کا جذبہ یا احساس پایا گیا۔ تو اسکا نتیجہ لازمی ہوگا کہ جماعتیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں اپنی ضرورتوں

کے حصول میں میزان وعدل کا تقاضا کرینگی۔ کہ انہیں مساوی حقوق ملنے کی ''ضمانت'' ــــ حاصل ہو ــــ یعنی جماعتوں کے سربراہ۔ (لیڈر) اپنی جماعتوں کی ضروریات کے حصول میں۔ مستعد ہوں۔ یہی مقام ہے۔ جب کسی قوم کی مختلف جماعتوں میں ذاتی حصول کی ہوس میں۔ ''میزان و عدل'' کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا '' میــــزان و عــــدل '' کے ضابطہ کے تحت جماعت کے منتخب لیڈر اپنی جماعتوں کی راہنمائی میں۔ ہر جماعت۔ ہر جماعت کا لیڈر۔ ایک ضابطۂ میزان وعدل کا آئین و منشور پیش کرتا ہے۔ اس جذبے کے تحت کہ اس قوم میں جماعتوں کے حقوق وضروریات۔ ہر فرد کی ضرورت وخواہش کے مطابق۔ نظامِ میــــزان و عــــدل کے ضابطہ پر مہیا کی جائیگی۔ اس مقام پر جب جماعتوں کی ضروریات فراہم کرنے کیلئے۔ ایک متفقہ منشور۔ یا دستور العمل ــــ یا ضابطہ مرتب کیا جائے۔ تو اس قوم کی ہیئت وحیثیت ایک حکمران ہیئت اختیار کر جاتی ہے۔ جس میں کسی فردِ واحد کا حکم جاری نہیں ہوتا۔ بلکہ جماعتوں کے لیڈر۔ اپنی بہتر تدبیر وفہم سے قومی مفاد کے لئے ایک بہتر تدبیر اور منصوبہ وضع کر کے۔ جملہ لیڈرانِ جماعت متحد ہو کر۔ اپنی آراۓ۔ منصوبے۔ (جماعتی لیڈروں کے سامنے) پیش کرتے ہیں۔ تو یہ ایک اخلاقی اور فطری اصول ہے۔ کہ لیڈرانِ۔ جماعت بحیثیت مجموعی محض افرادِ قوم کی فلاح۔ آسودگی اور ضروریات کی فراہمی میں۔ آسانی کا جذبہ رکھتے ہوں۔ تو ایسی صورت میں بحث ومناظرہ کی صورت میں بحیثیت مجموعی۔ قوم کے بہتر صاحب فہم افراد۔ بہ اتفاق رائے ایک خاص لائحہ عمل طے کر کے۔ اس منصوبہ کو منظور کر لیتے ہیں۔ جس میں بحیثیت مجموعی قومی مفاد حاصل ہونے میں بہتر نتائج حاصل ہوں ــــ اس حال میں کہ افراد و جماعت میں محض ذاتی مفادات حاصل کرنے میں ایک جماعت کے مفاد کو سامنے نہ رکھا جائے۔ اس عمل کا طریق یہ ہے۔ کہ جماعتیں اپنے چیدہ (منتخب کردہ نہیں) لیڈر کی راہنمائی میں ــــ اپنی دانست میں جملہ افرادِ قوم کے حقوق وضروریات کی فراہمی میں بہتر منصوبہ بندی سے ایک آئین۔ یا نظامِ زندگی کا منشور مرتب کرتی ہیں۔ لہٰذا جماعتوں کے وضع کردہ منشور پر تمام لیڈران۔ حسنِ نیت کے ساتھ۔ بحث ومناظرہ سے متفق ہو کر کسی جماعت کے منشور پر اتفاق کرتے ہیں ــــ یا یہ کہ جماعتوں کے لیڈر

تمام منشورات کے اہم اور نفع بخش طریق و نکات اکٹھا کر کے۔ مجموعی حیثیت میں ایک مجموعی منشور مرتب کر کے۔ ایک آئین یا بہتر منصوبہ مرتب کر کے ــــ واحد جماعت کی صورت میں۔ ایسے میزان و عدل کے منصوبہ پر قوم کے افراد کی جملہ ضروریات پوری کرنے میں۔ ایک نظام میزان وعدل کی شکل میں۔ ایک پرامن معاشرہ۔ اور قوم تشکیل دیکر اسے صرف ''تعارفی تصور'' کے ساتھ۔ نظامِ میزان و عدل کو ــــ جمہوریت کا نام دیتے ہیں۔

لہٰذا ــــ جمہوریت کے تعارفی تصور پر ایک قوم کے نظامِ میزانِ عدل کی جو ہئیت۔ یا حیثیت ہو۔ اسکے بنیادی نکات میں چند اہم اجزا کو ملحوظ رکھا جائے ــــ

(۱) اول افراد خودغرضی سے پاک جذبات کے حامل ہوں۔

(۲) ذاتی مفاد کے حصول میں۔ دوسرے فریق کے حصول کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

(۳) ہر فرد کی خواہشات (بحیثیت انسان) انکی ضروریات میں یکسانیت ہو۔ یعنی ہر شخص اپنی پسند کو دوسروں کی پسند کے مطابق پسند کرے۔ تاکہ ایسی ضروریات کے حصول میں تفریق کا جذبہ نہ ابھرنے پائے۔

(۴) افراد جب اجتماعی ہئیت حاصل کریں۔ تو یہ ہئیت ''قوم'' سے متعارف ہوتی ہے۔ قومی ہئیت اختیار کرنے کی صورت میں۔ ہر فرد کی ضرورت مختلف ہوتی ہے۔ لہٰذا قومی ــــ اجتماعی حیثیت میں۔ قوم کی ایک بہتر اعلےٰ صلاحیت۔ صاحبِ فہم و دیانت شخصیت کی طرف راہنمائی کیلئے ــــ رجوع کیا جاتا ہے۔ (انتخاب نہیں) کہ کوئی فرد۔ افراد و جماعت کے حقوق کا ضامن بن جائے۔ جبکہ ایسی ضمانت میں۔ انسے کسی قسم کے صلہ کی اجرت حاصل کرنا شرط نہیں ــــ سوائے انسانی ہمدردی ۔ اور انسانیت کے جذبہ کے تحت۔ ایک فرد کو۔ مخلوقِ انسانی کی بھلائی۔ بہبود۔ آسودہ زندگی گزارنے میں۔ ایک راہنما حیثیت حاصل ہو۔

(۵) ایسے حالات میں۔ جبکہ افرادِ قوم میں۔ ''اتحادِ انسانیت'' ــــ ''اتفاقِ انسانیت'' کا جذبہ موجود ہو ــــ کسی جمہوری نظامِ زندگی کا تصور پایا نہیں جاتا۔ کہ انکی ضروریات کی فراہمی

کیلئے۔ کسی نظامِ میزان وعدل کی ضرورت پیش آئے۔ اس حال میں کہ مخلوقِ کائنات کیلئے زمین میں اسکی ہرضرورت کا سامان بلا معاوضہ (وراثتِ انسانی میں) فراہم ہے جس میں کسی فردِ انسانی کے حق (حقِ ملکیت) کے غصب ہونے کا اندیشہ نہیں۔ لہٰذا جمہوری تصور پر ایک قوم میں۔ کسی راہنما۔ لیڈر کے انتخاب کی نہ ضرورت پیش آتی ہے۔ نہ کسی جماعت میں۔ اقتدار و۔ اختلاف (حزب اقتدار ــــ حزب اختلاف) کا وجود پیدا ہونے کی گنجائش یا موقع آتا ہے۔

(۶) جماعتوں میں حسبِ ضرورت ایک راہنما۔ یا لیڈر کا وجود پیدا ہونے کی صورت میں ۔ جماعتوں میں تقسیم ۔ یا تفریق کا تصور قائم نہیں ہوتا۔ سوائے اسکے کہ افراد کی مختلف عقلوں کے منصوبوں میں ۔ بہرصورت اختلاف پایا جاتا ہے۔ جس وجہ سے افراد اپنی ضروریات کے حصول میں منتشر الخیالی کی بناء پر کوئی نفع بخش۔ ضابطہ وضع کرنے سے عاری ــــ عاجز ہوتے ہیں۔ اسلئے۔ فطری طور۔ قوم میں بہتر عقل وفہم سے راہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت لازماً ہو جاتی ہے۔ اسکے لئے ایک قوم میں فطری زندگی میں بنیادی طور الدین الاسلام ۔ شریعت۔ عبادات۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حسنِ اخلاق۔ احسان و رواداری کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ ایسے عمل میں مروجہ ''جمہوری عمل'' کا فروعی تصور۔ کہ قوم خود کسی لیڈر کا انتخاب کرتی ہے۔ اصولی طور اصل قاعدہ نہیں ــــ اسلئے کہ عام طور پر جماعتوں کے لیڈروں کے انتخاب میں کئی نقائص سامنے آتے ہیں۔ جن سے ایک جمہوری تصور کریہہ ــــ اور قبیح شکل میں سامنے آتا ہے۔ جیسا ابتداً ایک لیڈر۔ ایک خوبصورت روپ (کردار) دیانتدار ہیئت میں خود کو راہنمائی کیلئے پیش کرتا ہے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اگر عبادات کو لازم نہ رکھا گیا۔ تو خود لیڈر بددیانت ہو کر خیانت پر اتر کر ذاتی مفاد کے حصول میں بددیانتی پر آ کر دوسروں کے حقوق غصب کرتا ہے۔

وہ یہ کہ جب قومیں ایک مدت تک ایک پرامن ماحول میں زندگی گزارتی ہیں۔ تو یہ بھی انسانی فطرۃ میں ۔ اثر ہے۔ کہ انسان حصولِ زائد کیلئے۔ لالچ ۔ طمع ۔ حرص کا شکار ہو کر خود غرضی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ تو ایسا شخص قومی اتحاد و جذبہ سے الگ ہو کر ایک علیحدہ زندگی گزارنے کی کوشش میں۔

قومی میزان وعدل۔اور آئین کی خلاف ورزی پر مائل وآمادہ ہوجاتا ہے۔

یہ انسانی فطرۃ کا خاصہ ہے۔کہ آسان حصولِ زندگی میں۔انسان۔اپنے وجود میں۔سفلی قوتوں کے سفلی اثرات سے غافل ہوجاتا ہے۔نیز ہر لمحہ ان قوتوں کی اصلاح۔اور کنٹرول (قابو) میں رکھنے ـــــ رہنے سے غافل ہوجاتا ہے۔جسکے نتیجہ میں۔انسانی۔سفلی قوتیں غلبہ پاکر۔انسان کی۔بنیادی قوتیں۔زائد حصول۔لذتِ نفس میں اپنی غیر ضروری خواہشات کی طلب وجستجو میں حدِ اعتدال سے باہر ہونے پر آمادہ ہوجاتی ہیں تو انسان بغیر کسی بیرونی سبب کے خود بخود۔جماعتی میزانِ عدل سے انحراف پر اتر کر۔زائد حصول۔ناجائز حصول میں۔ناجائز ذرائع استعمال کرنے کی کوشش کرنے لگ جاتا ہے ـــــ اسکا فطری نتیجہ یہ ہوتا ہے۔کہ بقیہ افراد ایسی حرکات وعمل کے مشاہدہ سے۔اپنی ضرورتوں میں۔غصب۔بددیانتی ـــــ دھوکہ۔فریب کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے انہیں اپنی ضرورتوں کے حصول میں روکاوٹ۔نقصان ـــــ اور مشکلات کا احساس ہوجاتا ہے۔اور انسان میں ایسے افراد کے ناجائز حصول۔طریقِ حصول کے مشاہدہ سے اپنی ضروریات کے تحفظ کا جذبہ ابھرتا ہے۔اس طرح ایک واحد قوم میں۔دو مختلف متضاد گروہوں کا وجود پیدا ہوجاتا ہے۔جن میں ایک فرد۔اپنی ذاتی خواہشات پر غیر اصولی۔غیر آئینی طریقِ حصول میں۔زائد ـــ ناجائز حصول کی بناء پر قومیت کے ضابطے کے خلاف۔الگ حیثیت۔ہئیت اختیار کرتا ہے ـــــ دوسرا گروہ محض اپنے حقوق پر کسی کے ناجائز قبضہ پر تحفظ حاصل کرنے میں ـــ مستعد ہوجاتا ہے۔اس حال میں۔کہ ہر دو گروہ اپنے حقوق حاصل کرنے میں ایک دوسرے کے مدمقابل آجاتے ہیں۔اس طرح ایک واحد قوم کی اغراض دو مقاصد میں تقسیم ہوجاتی ہیں ـــــ ایک گروہ اجتماعی حیثیت میں۔انفرادی حقوق میں بحصہ مساوی اپنے فطری حق (ورثہ) کے حصول کا طلبگار رہتا ہے۔اور دوسرا گروہ۔حرص وطمع کے جذبہ کے تحت اپنی ضروریات سے زائد حصول میں۔دوسروں کے حقوق صرف اپنی ذات کیلئے حاصل کرنے میں کوشاں رہتا ہے ـــــ ایسی صورت میں قوم کے افراد میں سامانِ زندگی کی ضرورتوں کے حصول میں۔توجہ کرنے۔اور انکے حصول میں۔جدوجہد کرنے کا جذبہ (یا خو۔عادت)

پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ ایک مقابل فرد کے مقابل اپنی ضروریات اپنے تصرف میں لائیں۔ اور اس حصول کی جد و جہد میں۔ تصادم کی ایک نئی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو ایک دوسرے کے مقابل ذاتی نفع یا ضرورت حاصل کرنے سے جذبۂ قومیت یا باہمی اتحادِ قومی میں ــــ نفاق (بیگانگی) کے اثرات پیدا کرتی ہے۔

حقیقتاً اسکا بنیادی سبب۔ کہ افرادِ قوم میں۔ ذاتی حصول میں حرص و لالچ پیدا ہو کر انسان کیوں ذاتی مفادات کے طمع و حرص میں۔ زائد حصول کیلئے آمادہ ہو کر خود کو قومی وحدت سے الگ کر دیتا ہے؟ ــــ اسکا بنیادی سبب۔ انسان اپنے فطری۔ اور بنیادی مقصد ــــ اَلـدِّیــنُ ــــ یعنی عبادات کے اصول و ضوابط سے (محض خواہشِ نفس کی تکمیل کے جذبہ سے) تغافل کرتا ہے۔ جسکا نتیجہ۔ انسان کی پاکیزہ روحانی قوتیں کمزور ہو کر۔ اسکی سفلی قوتوں کا اثر اس پر غالب آ جاتا ہے ــــ حقیقتاً انسان کا عبادات سے تغافل۔ ہی اسکے سامانِ زندگی کے حصول میں۔ سفلی قوتوں کے غلبہ کے زیر اثر حرص و طمع کے اثرات کے غلبہ سے زائد حصول کے جذبہ میں۔ اپنے ہی افرادِ انسانی کے حقوق پر ناجائز تصرف کا سبب بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان اپنی ہی جنس کے خلاف برسرِ پیکار ہو کر اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ۔ فساد و خونریزی تک پہنچ جاتا ہے۔ اور انسانی تخلیق کا یہ فطری (الٰہی) ضابطہ ہے۔ کہ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ خود ایک فردِ انسانی کو اصلاحِ انسانی کیلئے منتخب کرتا ہے ــــ جو اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ۔ الٰہی ضابطہ کے ذریعہ اپنی راہنمائی سے۔ انسان کی روحانی قوتوں کو پاکیزہ بنا کر اسے عبادات و ضوابطِ الٰہی کا پابند بنا کر انسانی آبادی میں اتحادِ قومی پیدا کر کے ایک واحد قوم کی حیثیت میں امن و سلامتی زمین پر قائم کرتا ہے ــــ لہٰذا۔ آئندہ۔ انسانی قوم کیلئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم کردہ۔ ایک الٰہی ضابطہ کا پابند رہنا لازمی ہو جاتا ہے۔ جس سے انسانی آبادی ایک پاکیزہ قوم کی حیثیت میں۔ اپنے فرائض (عبادات) کی تکمیل سے پاکیزہ پُرامن زندگی بسر کرتی ہے ــــ اس حال میں کہ عبادت (الــدیــن) کی تکمیل کی صورت میں انسانی آبادی میں۔ نہ حرص و لالچ اور زائد حصول کا مادہ ابھرنے کا موقع آتا ہے۔ نہ ایک وحدتِ قوم میں

فساد و خونریزی کے آثار پیدا ہوتے ہیں۔ نہ ضابطہ الٰہی (احکام الٰہی) کی تکمیل کی صورت میں انسان کو کسی اصلاحی ضابطہ کی ضرورت پیدا ہوتی ہے ــــ لہٰذا۔ انسانی زندگی کا اسی ضابطہ [1] واصول کے تابع زمین پر قیام۔ ایک فطری نظام کا پابند ہونا لازمی ہوتا ہے ــــ (خواہ افرادی حیثیت میں ہو یا اجتماعی حیثیت میں)۔ ہاں یہ کیفیت انسانی آبادی میں ابتدائے پیدائش سے ہی چلی آتی رہی۔ کہ انسانی آبادی میں جبکہ فطری طور انسان کیلئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک الٰہی ضابطہ (الـدین) عبادت کی صورت میں مقرر رہا۔ انسان کو ایک پاکیزہ فطری زندگی گزارنے میں کسی فروعی ضابطہ کی ضرورت نہ تھی۔ کہ انسان۔ روح وجسم کا ایک پاکیزہ مرکب تھا۔ جس میں صرف۔ منشائے الٰہی کے تابع انسان کے ذمہ عبادت الٰہی تصورِ الٰہی کو اپنے لئے لازم رکھنا تھا جس میں۔ اسکے حصولِ سامان زندگی کا کوئی عمل ــــ کوئی مشغلہ شامل نہ تھا ــــ اس حال میں کہ انسانی پیدائش کے ساتھ زمین پر اسکی زندگی کی ضرورت وافر مقدار میں موجود تھی جسکے لئے انسان کو اپنی ضرورتوں کے حصول کیلئے۔ نہ ذہن کو استعمال کرنا تھا۔ نہ اسکے حصول میں جستجو کرنی تھی ــــ ہاں۔ اس حال میں انسان فردِ واحد کی حیثیت میں زندگی بسر کرنے کا عادی تھا ــــ البتہ قانونِ فطرۃ کے تابع افرادِ انسانی کا کثرت سے پیدا ہونا۔ اس امر کا سبب بنا کہ اسے اجتماعی حیثیت میں ایک قوم کی صورت میں رہنا پڑا اور اس عمل میں انسان کی ضرورتیں۔ اجتماعی صورت میں حاصل کرنی پڑیں ــــ اسی فروعی صورت نے انسان کو حصولِ سامان زندگی میں ایک نظام کا پابند رہنے پر مجبور کیا ــــ اور جہاں تک انسان کو حصولِ سامانِ زندگی میں ایک قومی وحدت کا پابند رکھا۔ انسان ایک فطری زندگی گزارتا رہا۔ اور جیسا بیان ہوا ــــ کہ انسانی آبادی میں۔ حسد ولالچ۔ طمع۔ فساد وخونریزی کے آثار پیدا ہونا محض الٰہی ضابطہ کے خلاف۔ عبادات سے تغافل کا نتیجہ ہے ــــ اور آئندہ اسی ضابطہ کے مطابق قوموں کی جو بھی صورت پیدا ہوئی۔ اس میں

---

[1] اس صورت میں۔ انسانی زندگی گزارنے میں۔ انسان کو نہ خود اپنے لئے کسی ضابطہ کے مرتب کرنے کی گنجائش ــــ یا ضرورت پیش آتی ہے۔ نہ اسکے لئے انسانی وضع کردہ آئین وقانون پر عمل کرانے کی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔ نہ ہی انسان کیلئے۔ اپنی ضروریات زندگی پوری کرنے کیلئے اپنی ذات سے کسی قسم کا آئین وضع کرنا لازم ہوتا ہے۔

ایک منتخب فردِ انسانی کی راہنمائی کے اصول وضابطہ کے مطابق ہی۔ایک قوم میں۔کسی اعلیٰ ذہنی کردار وعقل کی مالک شخصیت نے ایک راہبر۔سربراہ کی حیثیت حاصل کر کے ایک قوم کو اسکے بنیادی مقصد کی طرف لا کر قوم کو فساد وخونریزی۔حرص وطمع۔زائد حصول۔ذخیرہ اندوزی کی عادات سے پاک کر کے مطمئن زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کیا___ لیکن یہ امر زیرِ نظر رکھنا ضروری ہے۔کہ قوموں میں۔انکی فلاح واصلاح کے مقصد کے تحت خواہ ایک راہبر سربراہ ہو۔یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کردہ فرد(نبی ورسول) دونوں کیلئے بہرصورت الٰہی ضابطہ کے مطابق بنیادی قدم پر۔قوم کو ایک الٰہی ضابطہ پر ہی تعمیل کرانا ضروری ہے۔کہ یہی ضابطہ قوموں کی اصلاح وفلاح کا واحد ضامن ہوسکتا ہے___ اسکے سوا۔انسانی وضع کردہ ضوابط جو الٰہی ضابطہ کی بنیاد سے سوا___ ذاتی اختراع کردہ ضوابط ہوں۔زیادہ دیر تک قائم اور بااثر نہیں رہ سکتے۔اسلئے کہ یہ انسانی ضابطے محض حصولِ سامانِ زندگی کیلئے کارآمد ہوسکتے ہیں۔لیکن جب تک انسانی آبادی میں۔فساد۔حرص۔لالچ کے بنیادی خصائل کی اصلاح کو شامل نہ رکھا جائے۔جو ان خصائلِ رذیلہ کا بنیادی سبب ہیں۔انسان پاکیزہ نفسی کی اصلاح کے بغیر کوئی بھی اختراعی ضابطہ انسان کی دائمی دیرپا اصلاح میں کامیاب کارآمد ثابت نہیں ہوسکتا۔لہٰذا ضروری ہے۔کہ اصلاحِ انسانی میں ضابطۂ الٰہی عبادت کے بنیادی مقصد کو سامنے رکھا جائے۔

تاریخ انسانی سے۔ابتدائے پیدائشِ تاریخ انسانی سے یہ امر محقق ہے۔کہ ایک زمانہ ___ بلکہ اکثر زمانہ میں ___ انسان کثرتِ آبادی۔اور زمین پر اِهْبِطُوْا فِي الْاَرْضِ۔نقل مکانی کی صورت میں۔قوموں اور قبیلوں کی شکل میں زندگی بسر کرتا رہا۔انسان نے زمین پر قومی سطح پر بھی عروج وارتقا حاصل کیا___ اس میں انسانی عروج وارتقا۔اور تنزل وپستی کے اسباب۔الٰہی ضابطہ کی پابندی (نبیوں کی راہبری میں) اور عبادات سے روگردانی محض اپنی ذاتی خواہشاتِ ناجائز کی تکمیل کی صورت میں۔زوال کے آثار۔انسان مشاہدہ کرتا رہا۔

گزشتہ بیان میں قرآنی حوالہ سے ابتدائے پیدائش (آدمؑ) اور انبیاءؑ کی بعثت کے واقعات سے انسانی زندگی کے عروج وزوال کی تاریخ پیش کی گئی۔جس میں۔انبیاءؑ کی اطاعت میں۔انسان کو

حقیقی مقامِ انسانیت حاصل ہوتا رہا ـــ اور محض فطری قانونِ الٰہی سے تغافل اور روگردانی کی صورت میں ۔انسان ذلت وپستی کا شکار ہوتا رہا ـــ ان واقعات میں یہ حقیقت واضح ہے۔ کہ انسان ''الدین'' اسلامی ۔الٰہی ضابطوں سے سوا۔انسانی (سربراہوں کے) اختراع ـــ وضع کردہ ضابطوں پر اقوام کی مکمل ہدایت اور فلاح دائمی اور مستحکم نہیں ہوسکتی۔ جب تک کہ قومی اختراع کردہ قوانین وضوابط میں بنیادی ضابطہ اَلدِّیْنُ اَلْاِسْلَام کو بنیاد نہ رکھا جائے ـــ بغیر اس ضابطہ کے بنیاد کے انسان کسی موقع پر ۔حرص وہوس بغض وعناد۔ کا شکار ہو کر۔ انسانی وحدت ملی وقومی کا شیرازہ بکھر کر قومیں آپس میں قتل و غارت گری اور فساد وخونریزی پر آجاتی ہیں۔

تاریخ عالم سے یہ امر واضح ہے۔ کہ حضرت آدمؑ سے لیکر اولادِ آدم میں ہر زمانہ میں۔ قومیں ۔محض عبادتِ الٰہی ـــ احکامِ الٰہی کی تکمیل میں کوتاہی کے نتیجہ میں ۔زوال وپستی کا شکار ہوتی رہیں ـــ اور فطری ضابطہ کے تحت۔ ہر زمانہ میں ۔قوموں میں ۔منشائے الٰہی کے تحت نبی ـــ رسول ۔اور الٰہی قانون ۔اصلاح انسانی کیلئے ۔ظہور کرتے رہے اس حال میں ۔کہ نبی کی جدوجہد سے مخلوقِ انسانی کو دوبارہ ۔قانونِ الٰہی کے نفاذ سے ۔دینی فلاح کے ساتھ ۔زمین پر قوت واقتدار اعلےٰ حاصل ہوا ـــ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ رسول کی بعثت (ظہور) صرف احکام الٰہی کے نفاذ کیلئے مخصوص ہوتی ہے۔ کہ انسان کو عبادات وتزکیہ سے مقامِ انسانیت ۔مقامِ خلافت تک پہنچایا جائے۔ اس حال میں کہ اس عمل میں دنیوی عروج ۔اور حصولِ دنیا کا عمل ـــ تصور شامل نہیں ہوتا ہے ۔لیکن ۔چونکہ رسول کو اجرائے احکام ۔اور تبلیغِ دین میں باطل قوتوں کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسلئے تبلیغ دین ۔اور اجرائے احکامِ الٰہی کی آسانی کیلئے ۔تبلیغ دین میں مادی وسائل اور ذرائع استعمال کرنا لازمی ہوجاتے ہیں ـــ یہ امر واضح ہے۔ کہ مادی وسائل استعمال کرنے کی صورت میں ۔باطل قوتوں پر غلبہ پاکر انہیں زیر کرنے کے نتیجہ میں ۔انکی تمام تر مادی قوتوں پر قبضہ حاصل ہوجاتا ہے۔ مادی وسائل میں ۔زمین ـــ زمین پر آراستہ جائیداد ۔مکان ۔دولت اور دیگر اشیائے دنیوی ۔پر ۔رسول کا تسلط ہوجاتا ہے۔ ظاہر ہے۔ وافر مقدار میں دولتِ کثیر حاصل ہونے کی صورت میں ان اشیاء کی طرف ۔

رجوع ــــ توجہ ــــ انتظامات۔اور استعمال لازمی ہوتا ہے۔ایسی صورت میں ــــ انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ انسانی ذہن میں ان کیفیات کا تصور ــــ انسانی عبادات کی تعمیل میں مخل ہو جاتا ہے۔اور انسان لذتِ نفس سے متاثر ہوکر۔ایک وقت ان مادی اشیاءَ کے حصول میں اس قدر منہمک ہو جاتا ہے۔کہ اسے عبادات کی طرف رجوع کا کم وقت ملتا ہے۔اس حال میں ۔انسان عبادتوں سے کوتاہی اور غفلت برتنے لگ جاتا ہے۔اور۔ جب ایک (صاحبِ ایمان جماعت اسلامی) قوم کو زمین پر وسیع غلبہ واقتدار حاصل ہو۔تو اس قوم کی دینی (رسولی) ہئیت ختم ہو کر رفتہ رفتہ شہنشاہیت ۔سلطنت کی صورت میں باقی رہتی ہے۔چونکہ اس حال میں ۔دینی۔عبادات کے جذبات حصولِ دنیا کی حرص میں مسخ ہو جاتے ہیں۔تو انسان محض حصولِ دنیا کے۔مادی حصول کی حرص میں دینی احکام کی تعمیل سے انحراف کر کے اپنی غالب قوت سے زمین کی وسیع قوت پر قبضہ کر کے مخلوق انسانی کو اپنی ذات کیلئے غلام بنا کر۔انسانیت میں فساد وخونریزی برپا کرتا ہے۔یہی وہ مقام ــــ زمانہ ہے۔جہاں حقیقی مقصدِ انسانی کی نفی ہوکر۔مخلوق انسانی۔ذلت وپستی۔وانتشار و پراگندگی کا شکار ہوکر۔پھر کسی غالب قوت کی امداد ورا ہنمائی کیلئے۔خود بخود مجبور ہوتا ہے ــــ

یہی وہ بنیادی اسباب ہیں۔جہاں۔زمین پر۔کسی زمانہ میں رسول کے ذریعہ۔دین الٰہی ــــ "الدین" کا نفاذ ہوکر مقصدِ انسانیت کی تکمیل ہو جاتی ہے ــــ اور پھر زمانہ گزرنے کے ساتھ۔ جب انسان ۔اقتدار اعلیٰ کی وسعت واستحکام ــــ انتظامِ سلطنت ــــ دنیوی معاملات میں ۔ مشغول ہو جاتا ہے۔ایسے موقع پر اگر انتظام ملکی کے ساتھ عبادات وقانونِ الٰہی کا نظام شامل رکھا تو یہ قوت۔خلافتِ اسلامی سے تعبیر ہوتی ہے۔اور اگر حصولِ دنیوی کی لذت کے زیر اثر عبادات وقانونِ الٰہی کی تکمیل ونفاذ سے کوتاہی برتی گئی۔تو یہ قوت صرف بادشاہت یا شہنشاہیت کے نام سے منسوب کی جاتی ہے۔زمانہ گزرنے کے ساتھ جب اس خلافت میں الـدین کے عمل کو شامل نہ رکھا گیا۔تو یہ شہنشاہیت فرعونیت (جابر طاقت) سے موسوم کی جاتی ہے۔جسکے لئے مخلوق انسانی کو دوبارہ۔ایک رسول۔یا سربراہ کی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔

ع جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی (اقبالؒ)

ایک زمانہ آتا ہے۔ جب شہنشاہیت پر زوال آجاتا ہے۔ اسکے اسباب یہی ہوتے ہیں کہ اربابِ سلطنت۔ جو مخلوق انسانی (عوام الناس) کے حقوق کو نظرانداز کر کے صرف ذاتی خواہشات کی تکمیل میں۔ مخلوق کی محنت وقوت سے اپنی طاقت وقوت کو اپنی ذات کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ تو انسانی فطرۃ کا خاصہ ہے کہ انسان۔ اپنی پستی۔ محرومی کی انتہا پر۔ قوی سے قوی ___ غالب سے غالب قوت سے آمادہ پیکار ہونے پر آمادہ ہو جاتا ہے ___ تو اس تصادم کا فطری نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ آخر ایک غیر فطری قوت بالآخر شکست کھا کر اپنی قوت کھو بیٹھتی ہے ___ اور اس کے مقابل قوم کے افراد ایسی باطل قوت سے نجات حاصل کر کے ''بحیثیت مجموعی'' ___ سلطنت ___ شہنشاہیت ___ پر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں ___ یہاں سے۔ قوم میں ایک نئے دور ___ نئے طرزِ زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ کہ زمین پر بحیثیت مجموعی ___ ہر فردِ انسانی کے حق کو تسلیم کیا جاتا ہے ___ کہ بحیثیت انسان ہر فرد ___ اپنی محنت وجد وجہد ___ جستجو سے۔ جتنا چاہے مفاد حاصل کر سکتا ہے ___ جسکے لئے انسان کو اپنی ذات سے سوا۔ کسی کی مداخلت حائل نہیں ہو سکتی۔ تاوقتیکہ انسانی فطرۃ کی خاصیت کے زیر اثر وہ کسی دوسرے کے حق پر اپنی طاقت سے تسلط جمانے کی کوشش نہ کرے۔ اس حال میں۔ کہ انسان اپنے حصولِ حق کیلئے۔ اپنی ضرورت پانے میں۔ محروم نہ ہو جائے ___ اس حد تک کہ انسان کی تمام ضروریات زندگی وافر مقدار میں باقی۔ موجود ہوں ___ یہ بھی انسان کی ایک فطری زندگی ہے۔ جس میں صرف مادی ذرائع کے حصول میں زمین پر وہ اسکے حصول کا حق رکھتا ہے۔ اس حال میں کہ وہ عبادات۔ تکمیل احکامِ دین۔ ''الدین'' پر قائم ہو ___ یا عبادات سے لاتعلق ہو۔

ہاں! ___ زمانہ میں اکثر ایسے ہی واقعات رونما ہوتے رہے کہ ایک زمانہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رسول۔ اور احکامِ الٰہی کے نفاذ پر مخلوق انسانی کی ضابطۂ الٰہی پر عمل کرنے کے دنیا پر دینی ___ دنیوی عروج حاصل کیا ___ رسول کے گزرنے کے بعد۔ اقتدارِ اعلیٰ کی صورت میں شہنشاہیت کا عروج دیکھا گیا ___ پھر شہنشاہیت زوال پذیر ہو کر مٹتی رہی ___ اور ہر موقع پر

انسان۔ زمین پر اپنا حقِ انسانی حاصل کرنے میں قتال کرتا رہا۔ کامیاب ہوتا رہا ___ اور ہر موقع پر ان غالب قوتوں کے زوال کا اصلی سبب الـدیـن ___ احکامِ الٰہی۔ عبادات سے تغافل۔ انحراف۔ انکار ہی یقیناً بنتا رہا ___

گزشتہ زمانہ کی تاریخ اقوام وادیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مخلوقِ انسانی میں۔ مختلف قوموں کا وجود ہوا۔ جنکا نظامِ زندگی مختصر اور غیر مستقل آئین کے تحت حالاتِ زمانہ کے ساتھ قوموں کی سماجی معاشرتی ہیئت پر بدلتا رہا ___ ایسے نظامِ زندگی کا کوئی تعارفی نام۔ یا تصور قائم نہیں تھا ___ سوائے ایک رسول کے ظہور پر قوم یا رسول کی جماعت کو۔ **الاسلام**۔ یا **الـدین الاسلام** کے تعارفی نام سے منسوب کیا گیا۔ یہ کیفیت حضرت نوحؑ کے ''**الـدین الاسلام**''۔ کی خلافتِ اسلامی سے لیکر۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی ذریت اولاد حضرت اسحاق و یعقوب میں قوم بنی اسرائیل (ذریت حضرت یعقوب علیہ السلام) میں حضرت یوسف۔ حضرت داؤد۔ حضرت سلیمان۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت عیسیٰ علیہم السلام تک قرآنی تاریخ سے واضح کی گئی ___ جن میں۔ رسالت ___ شہنشاہیت ___ اور مختلف قوموں اور قبیلوں کی قومی ہیئتوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان قوتوں۔ طاقتوں میں۔ انکی طرزِ زندگی پر غور کیا جائے۔ تو بحیثیت انسان۔ ایک فردِ واحد کی ہیئت و حیثیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ___ کہ انسان فطری تخلیقی حیثیت میں ایک غـلام ___ ''عـبـد'' پیدا ہوتا ہے ___ یہ اسکی ذات کا حقیقی تصور و مقام ہے اور یہی اسکا اعلیٰ مقام ہے۔

انسان کا بحیثیت غلام ___ ''عبـــد''۔ پیدا ہونا۔ ایک اہم نسبت سے تعلق رکھتا ہے۔ کہ کائناتِ فطرت خود اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے۔ کہ کائنات کا خالق ___ اللّٰہ ___ ہے۔ اور انسان اللہ کی مخلوق ہے لہٰذا۔ اللہ کی خالقیت کے مقابل کسی مخلوق کی حیثیت۔ محکوم ___ ہونا۔ کائناتِ فطرۃ کے آفاقی اصول کے تحت یقینی ہے۔ اور اس مخلوق کی شناخت ___ ''عبـــد'' (غلام) کے تعارفی نام سے ہی ہوسکتی ہے۔

اس حقیقت سے یہ امر واضح ہے۔ کہ انسان کی فطری شناخت ایک۔ ''عبـــد'' کے نام

سے ہی ہوسکتی ہے۔اس حال میں کہ بشری ہئیتِ انسانی میں۔انسان کی ''عبدیت'' کا مظاہرہ کیا گیا ـــــ اس اعتبار سے ـــــ انسان کی زمین پر جو بھی حیثیت ہو۔انسان نے مقامِ ''عبدیت'' پر ہر حال میں قائم رہنا ہے جہاں اس نے نہ اپنا اختیار استعمال کرنا ہے۔نہ ہی وہ اپنی زندگی میں۔ اپنے لئے کوئی ذاتی۔اصول وضابطہ ـــــ اختیار کرسکتا ہے۔جس پر اسکے اعمالِ خیر وشر کا دارومدار ہے ـــــ اس مقام پر ''عبدیت'' ـــــ کا مفہوم محکومی نہیں ـــــ بلکہ کائنات جس فطری اصول و ضابطہ پر تخلیق کی گئی ہے اس نظام وضابطہ کا انسان پابند رہ کر اپنی خیر وفلاح اور نشو وارتقا حاصل کرے۔ گویا یہ محکومی (عبدیت) صرف کائنات کے نظام کا پابند رہ کر اپنی ہی فلاح وعروج حاصل کرنا۔اصل مقصد ہے ـــــ جس میں ذاتی طور کوئی فروعی ضابطہ استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔نہ ضرورت نہ اختیار ـــــ ایسی صورت میں انسان فطری طور ایک الٰہی وضع کردہ قانون کا چاروناچار پابند ہے۔ اس حال میں کہ یہ تمام نظامِ کائنات صرف انسانی ارتقاوعروج کیلئے ترتیب دیا گیا ہے ـــــ اور یہ تمام نظام اور قانون۔اللہ تعالیٰ کا وضع کردہ ہے۔جس میں کسی فردِ انسانی کو اپنا اختیار استعمال کرنے کا موقع نہیں۔اور ہر زمانہ میں۔ ہر دور میں ـــــ ہر قوم ـــــ ہر فردِ انسانی پر نافذ رہیگا۔جس کے لئے۔ کسی سربراہ۔کسی راہنما کے انتخاب کی ضرورت۔اور گنجائش نہیں۔کہ یہ سربراہ صرف الٰہی قوانین و احکام کی اطاعت کرنے۔کرانے کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود منتخب کیا جاتا ہے۔ایسے فرد کو ''نبی'' کے تعارفی نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔حقیقت یہ ہے۔کہ اگر اصولِ فطرت کے تابع۔انسان کائناتِ فطرت کے مطابق۔احکامِ الٰہی کی پیروی کرتا رہے۔تو اسے۔دینوی۔اخروی۔زندگی گزارنے کیلئے۔کسی راہنما۔کسی قانون کی احتیاج نہیں رہتی۔اس حال میں کہ انسان تمام زندگی۔ ہر دور میں حسبِ پسند۔مطمئن زندگی گزار سکتا ہے۔لیکن انسانی فطرت کے زیرِ اثر انسان اس ایک حال پر قائم نہیں رہا۔انسان نے اپنی فطری خاصیّت وعادات سے مجبور۔قانونِ الٰہی سے انحراف کیا۔ اسے مادی ذرائع کا محتاج ہونا پڑا ـــــ انسان نے الٰہی احکام سے ہٹ کر صرف اپنی مادی زندگی کی طرف توجہ کی جس کیلئے۔فطری طور مخلوقِ انسانی میں۔قوموں میں۔ایک راہبر کا وجود پیدا ہوا۔

چونکہ یہ فرد محض حصولِ دنیا کی راہنمائی کیلئے راہنما بنا اسلئے ۔ ایک فردِ انسانی کے وضع کردہ قوانین مستقل ٹھوس حالت میں قائم نہ رہ سکے ۔ جسکے لئے ۔ قومی سطح پر ۔ جمہوری تصور اختراع کیا گیا ۔ کہ قوم کے افراد ۔ بحیثیت انسان اپنا حقِ حصولِ زندگی پانے کے حقدار ہیں ۔ لہٰذا انسان کی اپنی مرضی ۔ خواہش ۔ اور ضروریات پر اسکی ضروریات فراہم ہونی چاہیں ۔ جسکے لئے انہیں راہبر ۔ سربراہ کی ضرورت پیدا ہوتی ہے ۔ چونکہ افراد میں کسی فرد میں اعلےٰ خصوصیات کے حامل فرد کے انتخاب کی صلاحیت موجود نہیں ـــــ لہٰذا ۔ ایک راہبر ـــــ سربراہ ۔ خود اپنی اعلےٰ صلاحیتوں کی نمائش سے ۔ منتخب ہوتا ہے ۔ اس حال میں ۔ کہ افراد کے ذریعہ ایسے ۔ فرد کا انتخاب نہیں ہوتا ۔ بلکہ اسکی خصوصیات کی بنأ پر قوم ایسے فرد کو اپنے اغراض کی تکمیل کیلئے تسلیم کرتی ہے ـــــ کہ ایک اعلےٰ صلاحیت کا فرد ۔ قوم کی ہر ضرورت کے حصول میں افرادِ انسانی کے حصول وضرورت کے مطابق ۔ ہر غرض پوری کرنے کی ضمانت دیتا ہے ۔ جبکہ قوم کی طرف سے ایک رہبر کی سعی وجد وجہد کا کوئی معاوضہ مقرر نہیں ۔ نہ ادا کرنیکا کوئی ضابطہ قائم ہوتا ہے ـــــ لہٰذا ۔ ماحول ۔ معاشرہ کی وسعت کے مطابق ہر فردِ انسانی کے حقوق کی فراہمی کیلئے (محض حصولِ دنیا کیلئے) ایک ضابطہ ـــــ اور نظام مرتب کیا جاتا ہے ۔ جس میں ایسے نظام کی ترتیب اور سربراہ کی طرف سے ۔ راہنمائی کیلئے ۔ قوم کا کوئی واجب ''حق'' ـــــ نہیں ہوتا ۔ کہ ایک سربراہ افرادِ قوم کے حصول کی فراہمی کیلئے ۔ قوم کے آگے جوابدہ ـــــ یا ذمہ دار ہو ـــــ بجائے اسکے کہ ایک سربراہ ۔ بغیر کسی معاوضہ کے قوم کی ضروریات پوری کرنے میں ۔ بلا معاوضہ محنت کرنے والا ہو ـــــ اسی ضابطہ کے تحت جب افرادِ انسانی ۔ ایک قوم ۔ یا قبیلہ کی شکل میں ۔ اپنے حصول سامانِ زندگی میں ۔ ایک راہبر کی راہنمائی میں ایک مرتب ضابطہ یا قانون کے تحت ایک نظام قائم کریں ۔ تو اس نظام کی ہیئت کو ہی ''جمہوریت'' سے تعبیر دیا جاتا ہے ۔ کہ قوم کے ہر فرد کو افرادِ انسانی کی خواہشات وضروریات کے مطابق اسکی ضروریات فراہم کی جائیں ۔ جس میں کسی فرد کے حقوق کے حصول میں ۔ عدم مساوات کے بغیر ہر ضرورت فراہم ہو سکے ۔ جمہوریت سے تعبیر دیا جاتا ہے ـــــ لیکن یہ امر ذہن میں رکھنا ضروری ہے بجائے خود جمہوریت کا تصور ۔ وحدتِ ملی سے ہٹ

کر۔افرادی خواہشات کی تکمیل کیلئے۔کسی سربراہ کی ضمانت حاصل کرنے کیلئے پیدا ہوتا ہے۔جوامر قومی وحدتِ ملی کے خلاف ایک تصور پایا جاتا ہے۔اور جب قوم کے افراد میں وسعت ہو۔اور مختلف ضروریات پیش آئیں۔تو ایسی صورت میں۔ایک راہنما کیلئے۔قوموں کی مختلف ضروریات کے تحت قوم میں مزید۔اعلےٰ کردار۔اعلےٰ صلاحیت۔افراد کا چناؤ (نشاندہی) کا موقع آتا ہے۔جس میں قوم ایسے افراد کی نشاندہی کرتی ہے۔اور ایسے افراد کیلئے بھی انکی جدوجہد اور محنت کا معاوضہ متعین نہیں لہٰذا قوم کی طرف سے انکا انتخاب نہیں۔بلکہ صرف ''نشاندہی''۔کی جاتی ہے۔اس حال میں کہ ایسے افراد قوم کی ''استدعا'' پر قوم کی خدمت کا ذمہ لیں۔ایسی صورت میں۔ایسے افراد کیلئے۔قوم کی طرف سے انتخاب کا طریق۔رائج نہیں۔کہ افراد کو اپنی پسند کے مطابق منتخب کریں۔کیونکہ۔آئین و قانون وضابطہ۔ایک راہنما لیڈر کے ذریعہ مقرر ہوتا ہے لہٰذا جو قانون۔ضابطہ۔افرادِ انسانی کیلئے مناسب ہو۔اسکی ترتیب ایک لیڈر ہی سے ہوسکتی ہے۔لہٰذا۔ایک لیڈر کے ذریعہ ہی افراد قوم میں۔انکی بہتر صلاحیتوں۔بہتر کردار کی صفات پر چناؤ (نشاندہی) ہوتا ہے۔اور ایسے افراد میں سے قوم کی ضروریات کے مطابق افراد کا انتخاب ایک لیڈر (سربراہ) کے ذریعہ ہوتا ہے۔جو قوم کے افراد۔بہ رضا۔اور بخوشی قبول تسلیم کرتے ہیں۔ایسے انتخاب میں قوم کی طرف سے کسی قسم کے اعتراض یا تنقید کی گنجائش نہیں ہوتی۔اسلئے ایک لیڈر اپنے منتخب کردہ افرادِ قوم کے باکردار۔باصلاحیت افراد سے ایک جماعت تشکیل دیکر ان سے رائے۔مشورہ ــــ تائید ــــ تصدیق حاصل کر کے قومی فلاح کے منصوبے ترتیب دیکر ایک مخصوص۔مضبوط نظام کے تحت ایک قومی وحدت کا وجود تشکیل دیتا ہے۔اور قوم کے سربراہان۔مشیران کے وضع کردہ اصول وضوابط پر قوم کی ضروریات کی فراہمی بہ طریق احسن انجام پا کر۔قوم آسودہ اور مطمئن زندگی گزارتی ہے۔اسی طرز زندگی اور اس میں مرتب نظام ــــ جمہوریت سے تعبیر ہوتا ہے ــــ ہاں! اگر اس نظامِ زندگی میں افرادِ قوم نے ضابطۂ الٰہی کے مطابق عبادات کو شامل رکھا تو یہ قوم دیرپا وسعت تک قائم رہتی ہے۔جس میں کسی شر وفساد کا احتمال نہیں رہتا ــــ البتہ اگر ایسے نظامِ زندگی میں۔الدین ــــ الدین الاسلام ــــ احکام۔قانون

الٰہی کو شامل نہ رکھا گیا۔تو نتیجتاً جیسا اِسکی وضاحت کی گئی۔ کہ بغیر پابندی احکامِ الٰہی۔انسانی سفلی قوتیں غالب آ کرانسانی خصائل وسرشت میں۔فساد وخیانت اور خودغرضی کے اثرات غالب آ کر۔ ایک پرامن زندگی میں ـــــ خلل پیدا کرتی ہیں۔جس میں افرادِقوم محض اپنی حرص ولالچ۔خودغرضی ۔خیانت کے جذبے سے متاثر ہوکراپنی ذات کیلئے زائد حصول کی خواہش میں۔ذخیرہ اندوزی۔ سے دوسرے افرادِقوم کے مقابلہ میں۔قوم کے حقوق پر غاصبانہ حصول میں۔قومی مرتب کردہ ضوابط کی خلاف ورزی پراتر آتے ہیں۔ایسی صورت میں قومی افراد ایسے افراد کی خودغرضی ۔زائد حصول ـــــ ذخیرہ اندوزی کے خلاف ذاتی طور۔احتجاج پراتر آتے ہیں۔ان واقعات کی بنأ پر قومی وحدت دوگروہوں میں بٹ جاتی ہے۔ایک خودغرض سرمایہ دار ـــــ دوسرا عام فردِقوم ہاں! قوم کی وحدت میں یکسانیت میں۔ایسے افراد کا وجود پیدا ہونا ـــــ محض الدین ـــــ احکام الٰہی سے تغافل اورعدم تعمیل کا اصل سبب ہوتا ہے۔لہٰذا۔ایسے حالات میں ۔قوم کے افراد میں اپنے حصول میں رخنہ پیدا ہونے کی صورت میں ۔بجائے خود افرادِقوم ۔ایسے سرمایہ دار افراد کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔ اسلئے کہ ـــــ بنیادی طور ـــــ ایسے افرادِقوم کو۔زائد حصول کی حرص ـــــ اورحصول سے ۔اخلاقی ضابطوں کے اندر۔اصلاح کر کے انہیں ایسے کردار وعمل سے باز رکھا جائے ـــــ جسکے لئے راہبرانِ قوم بجائے خود ایسے ضابطے وضع کریں۔جس سے ایسے افراد کوحصولِ زائد کے مواقع حاصل نہ ہو سکیں۔راہبرانِ قوم ایسے قانون اور ضابطے مرتب کریں۔جن سے سرمایہ دار افراد کو زائد حصول کا موقع میسر نہ ہو۔اس حال میں۔کہ اخلاقی ضابطہ کے مطابق۔اگر سرمایہ دار محض اپنی محنت وفہم و قابلیت پر ایسے طریق اختیار کریں۔کہ وہ دیگر افراد کی محنت سے۔وافر دولت حاصل کریں۔انکی دولت سے تعرض نہ کیا جائے۔بلکہ ان ذرائع کو مسدود کیا جائے۔جن سے زائد حصول حاصل ہوتا ہو۔وہ بھی اس صورت میں کہ اگر سرمایہ دار اعتدال میں رہ کر اپنی محنت وتدبر سے زائد حصول۔حاصل کرے۔تو وہ اس کی فہم وتدبر۔اورمحنت کا حق جائز تصور کیا جاسکتا ہے ـــــ برعکس اسکے۔کہ غیر اصولی ـــــ غیر اخلاقی طرزِ عمل سے۔زمین سے اتنا حق حاصل کرے۔جس سے بقیہ افرادِقوم کو ایسی

ضروریات میں محتاجی۔ کا شکار ہو کر مجبوراً سرمایہ دار کی جمع کی ہوئی ضرورت۔ مہنگے داموں حاصل کرنا پڑے۔ جس میں افرادِ انسانی۔ اپنی ضرورتوں کی فراہمی میں مشکلات و بے چینی۔ انتشار کا شکار ہو کر۔ اپنے حصولِ زندگی میں محرومی کا شکار ہوں۔ یہ کیفیت ایک خود غرض۔ لالچی۔ افرادِ انسانی کے زائد حصول اور ذخیرہ اندوزی سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اسکا ردِ عمل۔ اس طرح لازم ہوتا ہے۔ کہ سربراہانِ قوم۔ جنکے ضابطہ اور آئین کے مطابق قوم کی ہر ضرورت فراہم کی جاتی ہے۔ جس کے حصول میں ایک اعتدال قائم ہوتا ہے۔ وہی اس زائد حصول کے رجحان کو اعتدال پر لانے میں۔ اپنا اثر اور قوت استعمال کریں۔ اسکی دو صورتیں ہیں۔

اول صورت یہ کہ۔ سربراہِ قوم اور سربراہ کے منتخب کردہ مشیر۔ (معاون) من کل الوجود۔ قوم کے ہر شعبۂ زندگی میں ایک ٹھوس۔ ضابطہ اور آئین مرتب کرتے ہیں۔ جسے قومی ''آئین'' ـــــ یا منشور کہا جاتا ہے۔ یہ آئین۔ جملہ مشیرانِ قوم کی رائے اور مشورہ سے ترتیب دیا جاتا ہے۔ یہ ایسا آئین ہوتا ہے۔ جس پر ہر فردِ قوم کا اتفاق ہوتا ہے۔ کہ ہر فرد اپنے حصولِ زندگی میں۔ اس مرتب کردہ آئین کی حدود کے اندر اپنی ضروریات حاصل کرسکتا ہے۔ جس میں سرمایہ دار قسم کے افراد کیلئے کوئی راہ باقی نہیں رہتی۔ کہ وہ زائد حصول میں غیر قانونی عمل سے غلط طریقہ پر غیروں کے حقوق اپنے قبضہ میں کرسکیں۔ بلکہ ہر فردِ انسانی کیلئے اسکی جملہ ضروریات زندگی۔ آسانی سے میسر آسکتی ہیں۔ ایسے آئین و قانون میں اس کے اجرائیں۔ کسی فردِ انسانی کو نہ محرومی کا سامنا ہوتا ہے۔ نہ کسی کو کسی تنقید و احتجاج کی نوبت آتی ہے۔ لہٰذا۔ افرادِ قوم اپنے سربراہان کی تقلید و حمایت میں ایک پر امن زندگی گزارنے میں کامیاب رہتے ہیں۔ اس حال میں کہ کسی فرد کو کسی فرد کے زائد حصول میسر آنے میں تعارض نہیں ہوتا۔

ہاں۔ اب پھر اس نظریہ کا اعادہ کیا جاتا ہے۔ کہ قومی اتفاق و اتحاد کے مستقل استحکام و دوام محض ''الــدیــن''۔ دینی احکام کی مستقل پیروی کے نتیجہ میں ہی میسر آسکتا ہے۔ اور جہاں افرادِ قوم میں۔ انفرادی طور یا اجتماعی طور احکام الٰہی سے انحراف۔ کی صورت پیدا ہوئی۔ تو قومی اتحاد و

اتفاق کے جذبات میں خلل پیدا ہو کر۔ افرادِ قوم میں۔ ایک دوسرے کے خلاف ہمدردی و محبت و اتفاق کے جذبات میں فرق آ کر پھر افرادِ قوم خود غرضی۔ بُغض و عناد زائد حصول کی مرض میں گرفتار ہو کر۔ قومی وحدت کمزور ہو جاتی ہے۔ ایسے حالات میں۔ افرادِ قوم پھر اپنے حق کے حصول کی جستجو میں انفرادی حیثیت میں جدو جہد شروع کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہ ایک اختلاف کی صورت۔ قوم کے افراد میں پیدا ہوتی ہے۔ اور پھر افرادِ قوم اپنے حقوق کے حصول میں۔ عملی طور۔ انفرادی طور۔ ذاتی طور ـــــ جدو جہد شروع کرتے ہیں۔ یہی صورت ہوتی ہے۔ جب افرادِ قوم میں اپنے حصول کی جدو جہد میں ایک دوسرے کے مقابل اپنے نفع و مفادات کیلئے رسہ کشی شروع ہو جاتی ہے۔ جس سے قوم میں ایک نئے طرزِ زندگی کے لائحہ عمل کے ترتیب دینے میں۔ ایک نئے منشور و آئین کی اختراع ہوتی ہے ـــــ یہی وہ طرزِ زندگی ہے۔ جسے ''انتخاب'' کے تصور میں پیش کیا جاتا ہے۔ کہ بزعمِ خود۔ مختلف الخیال جماعتیں۔ ایک نئے ضابطۂ حیات ـــــ نئے ضابطے اور قوانین۔ پیش کر کے۔ ایک ''جمہوری'' حکومت تشکیل دینے کا عمل شروع کرتی ہیں۔ کہ منتشر شدہ قوم کی مختلف خواہشات اور ضروریات کے حصول میں ایک مساوی ضابطہ و اصول پیش کر کے۔ ایک نیا آئین ترتیب دیں۔ جماعتیں ـــــ یا جماعتوں میں منتخب شدہ۔ سربرآوردہ افراد اپنی صلاحیتوں کے مطابق اپنی اپنی نفع بخش آراء مرتب کر کے قوم کیلئے ـــــ قوم کی اطاعت و تسلیم کیلئے۔ پیش کرتے ہیں۔ اس طرزِ انتخاب کا یہ طریق ہوتا ہے۔ کہ قوم الگ الگ جماعتوں میں بٹ کر۔ محض اپنی مختلف خواہشات کے حصول میں ـــــ جماعتی حیثیت میں۔ اپنے اپنے مختلف منشور پر۔ رائے (رائے عامہ) حاصل کر کے۔ من حیث القوم۔ جس جماعت کو اکثریت میں تائید حاصل ہو۔ اسی جماعت کو سربراہ۔ صاحب اقتدار حیثیت حاصل ہو کر۔ تمام قوم کے مفادات پورا کرنے کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے ـــــ اسی عمل کو جس میں منتشر جماعت کے ہر فردِ قوم کو بے یقینی کی صورت میں۔ اسکے مفادات۔ اسکی ضروریات زندگی کی ضمانت دی جائے ـــــ ''جمہوریت'' سے تعبیر دیا جاتا ہے ـــــ جبکہ اصولی طور۔ وحدتِ قومی۔ وحدتِ ملی کی حیثیت میں۔ جب قوم کا ہر فرد یکساں حیثیت میں۔ افرادِ قوم کے حقوق پورا کرنے کا جذبہ رکھتا

ہو۔تو کسی فرد سے ___ کسی فرد کا حق غصب ہونے کی توقع نہ کی جائے۔تو کسی کو اپنا حق حاصل کرنے کا تصور پیدا نہیں ہوتا۔نہ اپنے حصول میں کسی دوسرے کی مدد واعانت یا راہنمائی ___ یا سربراہی۔کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔کہ وحدت ملی کی صورت میں کوئی فرد کسی دوسرے کا حق غصب کرنے کا خیال رکھتا ہو ___ حقیقتاً۔قومی وحدت میں۔تفریق۔عداوت۔خودغرضی ایک فرد کو اپنے حق کے حصول میں جستجو کا مادہ پیدا کرتا ہے۔جسکے لئے کسی دوسرے کی مداخلت یا مدد۔یا راہنمائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ___ ایسی حالت میں۔منتشر الخیال افراد کو ایک مرکز (ایک مرکزِ خیال) پر لانے کیلئے۔جمہوریت کا عمل پیش کیا جاتا ہے۔جس میں افرادِ قوم کو انکے حقوق کے حصول میں عدل و مساوات پر تقسیم کی ضمانت دی جاتی ہے۔لیکن یہ تصور جمہوریت ایک پائیدار۔مستقل تصور نہیں۔بلکہ وقتی ضرورت کے تحت اختیار کیا جاتا ہے۔یہ عمل انسانی زندگی کا دائمی عمل نہیں۔جس سے انسان کو اسکی زندگی میں مستقل اور دائمی آسودگی میسر ہو۔سوائے اسکے کہ انسان الـدیـن الاسلام کے اصول و ضوابط کی پیروی پر دینی عمل اختیار نہ کرے۔انسان کسی وقت بھی انتشار کا شکار ہوکر ذلت و پستی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حقیقتاً قوموں میں ''جمہوریت'' کا تصور پیدا ہونے کی بناً ___ مخلوقِ انسانی کا۔احکام دین۔'' الـدیـن '' سے تغافل اور کوتاہی ہوتی ہے۔کہ افرادِ قوم میں۔محض ذاتی مفادات کے حصول میں۔خودغرضی۔حرص کے تاثرات ابھر کر ایک دوسرے پر اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ہر فرد اپنے حقوق کے حصول کیلئے۔اپنی خواہش و مرضی کے مطابق ایک ضابطہ وضع کرنے کا مطالبہ کرتا ہے ___ جسکے نتیجہ میں۔افرادِ قوم مختلف جماعتوں میں بٹ (تقسیم) کر۔اپنی مرضی کے مطابق اپنے نمائندے خود منتخب کر کے انہیں نمائندوں کے ذریعہ اپنے حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔یہی ''طرزِ جمہوریت''۔افراد و جماعتوں میں۔''انتخاب''۔کا مفروضہ اختراع کرنے کا سبب بنتا ہے ___ جبکہ بنیادی طور۔'' الدین الاسلام '' ___ میں اس انداز کی جمہوریت کا کوئی تصور موجود نہیں ___ نہ دین و شریعت میں کسی فرد کیلئے یہ موقع ہے۔کہ وہ الٰہی احکام (الـدیـن) کے نفاذ میں اپنی ذات سے۔کسی

''رسول'' کے انتخاب کا مجاز ہو ــــ نہ ہی احکامِ دین ــــ ضابطۂ الٰہی ۔ وضع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ــــ اسی بنیادی اصول پر۔ الدین کی مقرر کردہ جماعت (اولی الامر) کے انتخاب میں افراد قوم کی ذاتی ۔ رائے ۔ یا مرضی پر انتخاب کا موقع نہیں آتا ۔ کہ وہ ''ہدایتِ'' دین ۔ کے نفاذ کیلئے اپنی مرضی اپنی رائے واختیار سے اپنے لئے کوئی ۔ ھادی ۔ راہبر ۔ منتخب کرنے کے مجاز ہوں ــــ اسلئے کہ الٰہی دین ۔ آسمانی احکام وضابطہ ۔ انسانی عقل وفہم ۔ ادراک سے ماورئی ہوتا ہے ۔ ایسے ضابطہ ۔ اور ضابطہ کے نفاذ میں کسی فردِ انسانی کا دخل گمراہی کا سبب بنتا ہے ــــ اسی ضابطۂ الٰہی کی بنیاد پر ۔ خلافتِ اسلامی (اقتدارِ اعلےٰ) کی ہئیت پر کسی فردِ انسانی کو بحیثیت عمومی رائے زنی کی گنجائش نہیں رہتی ــــ کہ وہ ایسے (اسلامی) ضوابط پر عمل درآمد کی صلاحیت نہیں رکھتے ۔ سوائے اسکے کہ ــــ اللہ تعالیٰ خود کسی رسول کا انتخاب کرے ۔ جو ذاتی حیثیت میں احکامِ الٰہی کے نفاذ واجرا کا کلی طور اہل ہو ۔ اور خود رسول ۔ خلافت اسلامی میں کسی جانشین کے انتخاب کیلئے ۔ مجاز ہوتا ہے کہ ''عقلِ کل [1]'' ۔ کی حیثیت سے کسی قائم مقام (خلیفہ) کا انتخاب کرے ۔ جس انتخاب پر کسی فرد کی تنقید واعتراض کی گنجائش نہیں ــــ اور ایک قائم مقامِ رسول (معلمِ دین ۔ عالمِ امت) خود ایسے جانشین (قائم مقام خلیفہ) کا انتخاب کرے ۔ جو اسکی فہم ونظر میں ۔ افرادِ قوم (امت) میں بہترین فرد احکامِ الٰہی پر بدرجۂ اولیٰ علم اور بدرجہ اولیٰ عمل رکھتا ہو ۔ ایسے مخصوص افراد کا انتخاب افرادِ قوم سے ممکن نہیں ۔ جبکہ امت (قوم) کے ایسے منتخب فرد کی علمی وعملی حیثیت مسلمہ ہو ۔ کہ کسی فرد کو اسکے کردار وعمل پر تنقید ورائے زنی کا موقع ملنے کی گنجائش نہیں ــــ لہٰذا ان حقائق کی روشنی میں ۔ یہ مفروضہ ۔ حقیقت پر مبنی نہیں ۔ کہ قوموں میں افرادِ انسانی کے ظاہری باطنی حصولِ ''حق'' ــ (حقوق) ''جمہوریت'' کے تصور پر قائم ہوتے ہیں ــــ ایسا نہیں ۔ بلکہ جمہوریت کا تصور ۔ اقوام کے افرادِ قوم میں ۔ حقیقت سے انحراف ۔ باہمی ۔ حرص ولالچ ۔ عناد وبداعتمادی کے نتیجہ میں ۔ ایک فروعی عمل کا اظہار ہے ۔ جس میں قوم کیلئے ۔ ایک مستقل ۔ پرامن ۔ زندگی کی ضمانت نہیں ۔ جبکہ جمہوریت کے عمل میں ۔ حزب

---

[1] خلافتِ اسلامی میں کسی جانشین کے انتخاب کیلئے ۔ ایک رسول ہی خلیفہ منتخب کرنے کا مجاز ہوتا ہے ۔

اقتدار ـــــ اور حزب اختلاف کی کشمکش کسی موقع پر افرادِ قوم (سربراہ و نمائندگان) میں اتفاق واتحاد کا موقع فراہم نہیں کرتی ـــــ اسلئے کہ جمہوری طریق میں افرادِ قوم میں۔ ذاتی مفاد کے حصولِ دنیا کے جذبہ کے تحت۔ عوام الناس کے ذریعہ نمائندگان کا انتخاب مقرر ہوتا ہے۔ جیسا گزشتہ بیان ہوا۔ یہ طریق جمہوری انتخاب خود قوم میں۔ انتشار۔ تفریق۔ کا سبب بنتا ہے ـــــ کہ حصولِ اقتدار کی کوشش و جدوجہد کے عمل میں افرادِ جماعت ایک دوسرے کے خلاف اقتدار حاصل کرنے میں طاقت استعمال کرتے ہیں۔ اس عمل میں فطری طور مخالفانہ جذبہ استعمال ہوتا ہے۔ یہ ایک فطری اثر ہوتا ہے۔ کہ ایک دوسرے کے خلاف سبقت حاصل کرنے میں مخالفانہ جذبہ خود بخود ابھرتا ہے۔ دوسرے ''نام نہاد جمہوری'' طریق۔ کا ظہور۔ قوم کے افراد میں بداعتمادی کے نتیجہ میں۔ افرادِ قوم اپنی مرضی وخواہش کے مطابق اپنا حصول چاہتے ہیں۔ جس بنا پر ہر جماعت۔ اپنے منتخب نمائندہ کی کامیابی میں جب مدِ مقابل کی شکست کا تصور سامنے نہ آئے۔ انسان کی انتخاب میں کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی ـــــ تیسری بات یہ کہ قوم کے افراد میں بداعتمادی کا ظہور ـــــ جب افرادِ قوم میں۔ زائد حصول۔ ذخیرہ اندوزی۔ دوسروں کے حقوق خطرے میں پڑ جانے کا اندیشہ لاحق ہو۔ تو ایسے موقع پر محض اپنے دنیوی حقوق حاصل کرنے کے عمل میں۔ ''انتخاب''۔ کی نوبت آتی ہے۔ تو قوم ایک جمہوری نظامِ سلطنت کی شکل میں عام افرادِ انسانی کے حقوق حاصل کرنے کیلئے ''جمہوری تصور''۔ پر انتخاب کا مفروضہ پیش کر کے عوام الناس کو ضمانت دی جاتی ہے۔ کہ عوام کے حقوق انکے منتخب کردہ نمائندوں کی راہنمائی کے ذریعہ پورے کئے جائینگے۔ اس عمل میں یہ قباحت پیدا ہوتی ہے۔ کہ قومی انتشار۔ اور حصولِ ضروریات میں اختلاف کے نتیجہ میں۔ قوم کے سرمایہ دار افراد (ایسے لوگ جو اپنی امارت۔ اور دولت کی وجہ سے اعلےٰ تعلیم حاصل کرنے میں آسانی سے کامیاب ہوں)۔ اپنی تعلیم اور دولتِ کثیر استعمال کر کے خود قوم کے نمائندے منتخب ہوتے ہیں۔ ایسے افراد جو خود نمائندہ حیثیت حاصل کرنے میں پیش قدمی کریں۔ اور اس حصول میں زرِ کثیر خرچ کر کے کامیابی حاصل کریں۔ اصولاً وہ لوگ صرف ذاتی اغراض کے لالچ میں بے شعور قوم کو اپنی ذات کیلئے استعمال کر کے۔ قومی مفاد کے مقابلے

میں۔اپنے مفادات حاصل کرنے کا مقصدر کھتے ہیں جس سے عوام اپنے مفادات حاصل کرنے میں محروم رہتے ہیں۔بالآخراس عمل کا نتیجہ بھی قومی انتشار وفساد میں سامنے آتا ہے اس قسم کے لوگ اس جمہوری طریقِ عمل سے فائدہ اٹھا کر ـــــ خودعوام کے نمائندے بننے کیلئے۔عوام میں شامل ہوکر ان سے۔دولت کے اصراف۔اثر ورسوخ۔اور علمی قابلیت کی مدد سے۔بے شعور۔کم علم عوام میں اپنی مقبولیت اوراثر ورسوخ بڑھا کر۔ہر سطح پر خودکوقوم کی نمائندگی کیلئے۔کامیاب بنانے میں سیاست استعمال کر کے ـــــ ایک معنوں میں ـــــ عوام کودھوکہ دیکرانہیں۔فلاح و بہبود۔اورحقوق حاصل کرنے کے وعدے کے ساتھ اپناہمنوا۔اور بہی خواہ بنالیتے ہیں۔ایسے موقع پر حقیقی جمہوریت کا تصور قائم نہیں رہتا ـــــ جس میں ایسے سرمایہ دار۔متمول قسم کے افراداپنی سیاسی چالوں۔اور بے شمار دولت کے اصراف سے خودکونمائندہ بنالیتے ہیں جب قوم اپنے اختیارات۔اپنے ارادے۔اپنی ضروریات وحقوق کے حصول کا انہیں ضامن وذمہ دار بناتے ہیں۔ایسی ہی طرزِ نمائندگی کو ـــــ جمہوریت سے منسوب کیا جاتا ہے۔جبکہ ایسے نمائندے محض حصولِ اقتداراوراقتدار میں اپنی من مانی میں آزادقوم کی دولت۔قوم کے حقوق سے اپنی انتخابی مہم میں داؤ پرلگائی ہوئی دولت۔حکومت کے ذریعہ سوگنا۔ہزار گنا واپس حاصل کرتے ہیں۔اور دنیا پر یہ ظاہر کیا جاتا ہے۔کہ عوامی نمائندے۔محض۔عوام کی مرضی۔اورسوچ وفہم کے مطابق۔انکی ضروریات کے حصول کے واحد مقصد ونظریہ کے تحت۔عوامی نمائندوں کے ہاتھ۔تمام حصول کے ذرائع اوراختیارات تفویض کیئے جاتے ہیں۔اسکا نتیجہ۔ہر جمہوری دور میں۔دو مخالف جماعتیں۔عوام الناس کی فلاح و بہبود کے نظریہ پر نہیں۔بلکہ تمام ذرائع حصول پرتسلط قائم کرنے کیلئے۔حزب اختلاف (جسکا نظریہ حزب اقتدار کی غلط پالیسی پرتنقید واصلاح ہوتا ہے) حزب اقتدار کے ہر قدم پر مخالفانہ انداز میں۔حکومت یا حزب اقتدار کی خامیوں اور نقائص پر۔تنقید ـــــ اعتراض ـــــ اورشدید مخالفت کا مظاہرہ کر کے حزب اقتدار کی نمائندہ قوت۔اورعملی قوت کوکمزورکر کے خود برسراقتدار آ کر۔تمام حصول کے ذرائع اپنے ہاتھ میں لیکراپنی خرچ کی ہوئی پونجی ہزاروں گنا حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

حقیقتاً ایسے بااثر۔ دولت مند۔ سرمایہ دار۔ تعلیم یافتہ افراد کا خود کو نمائندگی کیلئے پیش کرنا۔ اور نمائندگی کیلئے۔ محض قوم پر۔ دولت خرچ کر کے۔ انہیں اپنے اثر میں لا کر ــــ عوام کا بلا سوچے سمجھے ۔ دیوانہ وار ایک غیر مستحق۔ فرد کو ــ فردی۔ اور غیر اصولی طریق پر ــــــ ''ووٹ ۱'' دینا جمہوریت کا اصل تصور ہے۔ جس کا نتیجہ ایسی قوم میں۔ کسی مستحق۔ صاحبِ علم و تدبر۔ دیانتدار دیندار فرد۔ یا ایسے

---

۱ عام طور پر ایسی نام نہاد جمہوری حکومتوں میں۔ ''جمہوریت'' کا عمل اسی طرز کا ہوتا ہے۔ کہ قوم اپنی مرضی سے۔ اپنی ضروریات کے حصول کیلئے۔ خود ایک فرد کا۔ ''انتخاب'' کرے۔ ان میں قوم۔ محض اپنی خودغرضانہ حصول کے اثر وجذبہ کے تحت۔ مختلف جماعتوں (حصوں) میں بٹی ہوتی ہے لہٰذا ہر جماعت۔ ہر فرقہ اپنی ضروریات کی حدود میں۔ اپنے میں ایک لیڈر کا انتخاب کرتا ہے۔ اس حال میں۔ کہ بعض حالتوں میں جماعتوں کی اپنی اپنی ضروریات ــــ یا ضروریات کے حصول میں مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ جس بناء پر ہر جماعت اپنی مخصوص ضروریات کے حصول میں اپنے طریق۔ یا منشور کی کامیابی ــــ (یا نفاذ) کیلئے۔ ایک دوسرے کے خلاف انتخابی جدوجہد میں۔ ایک دوسرے کو شکست دینے میں فساد و خونریزی پر اتر آتے ہیں۔ اسکا اصل سبب۔ طریقِ انتخاب۔ اور جمہوری ضابطہ کے تحت۔ اپنے حصول کیلئے جدوجہد کرنے کا جذبہ ہوتا ہے۔ کہ ذاتی مفادات حاصل کرنے کی جدوجہد میں انسانی سفلیت۔ حسد۔ لالچ کی قوتیں برسرِ عمل ہو کر۔ اپنے مفاد کی خاطر دوسروں کے حقوق کو نظرانداز کیا جاتا ہے۔ جس سے نتیجتاً۔ کوئی جماعت اپنی ضرورتوں میں کامیاب نہیں ہو سکتی ــــ

اس انتشار اور قومی نفاق۔ اور غیر مطمئن زندگی کا ایک بڑا اہم سبب یہ بھی ہے۔ کہ جب قوم کے افراد میں نااتفاقی اور خودغرضی کے اثرات غالب آجائیں ــ تو قومی اتحاد کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اسکے ساتھ افرادِ قوم کیلئے حصولِ علم کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ لاعلمی کی وجہ سے اکثر افرادِ قوم جاہل رہتے ہیں۔ اور ایسے جاہل افرادِ قوم جو صرف اپنے حصولِ سامانِ زندگی کیلئے۔ ایک مروجہ رسم کے تحت اپنے لئے کسی راہنما کا انتخاب کریں تو ایسے لوگ ایک راہبر کے انتخاب کیلئے کوئی ذاتی تصور و مقصد نہیں رکھتے سوائے اسکے جماعتی حیثیت میں کسی لیڈر کا انتخاب کیا جائے ــــ ایسی صورت میں جبکہ۔ جہالت کی وجہ سے افرادِ قوم میں کسی لیڈر کے انتخاب کی صلاحیت نہ ہو۔ تو ایسے موقع پر۔ ذخیرہ اندوز۔ سرمایہ دار ایسے حالات سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی غرض سے کامیابی حاصل کرتا ہے۔ اس طرح قوم کا ایک ان پڑھ جاہل فرد بھی قوم کا سربراہ بن جاتا ہے۔ ایسے جمہوری عمل سے افرادِ قوم میں۔ کینہ و حسد ابھر کر افرادِ قوم کسی موقع پر بحیثیت مجموعی۔ اپنے حصول میں کامیاب اور مطمئن نہیں ہو سکتے۔

مستحق افراد کو موقع نہیں دیا جاتا کہ وہ حقیقی اصولِ انتخاب کے مطابق منتخب ہو کر۔ایک باعمل۔صاحبِ دیانت مدبر و اعلیٰ صلاحیت افراد کی حکومت تشکیل دیں۔سوائے اسکے کہ سرمایہ دار اور قوم دشمن عناصر آگے آ کر حکومت پر ناجائز غلبہ حاصل کر کے اپنی من مانی پوری کرنے کا موقع حاصل کرنے میں اس ''فروعی جمہوریت'' کے سہارے قوم کی دولت اپنے خزانوں میں بھر لیتے ہیں۔اس حال میں کہ کسی دیانتدار جماعت مستقل نمائندہ جماعت کو مستقل استحکام حاصل نہیں ہوسکتا۔اسکی وجہ یہی ہے۔کہ قوم کے افراد میں۔ذاتی غرض پر انکے حصول میں طریقِ عمل۔طریقِ جستجو میں مخالفانہ جذبات برسرِ عمل رہتے ہیں ــــ اس طرح قوم کے افراد خود اپنی قوت کو کمزور بنا کر (جبکہ انکے قومی۔فلاحی۔اغراض و مقاصد۔صرف ذاتی مفاد کا حاصل کرنا ہوتا ہے) ایک دائمی مستقل قوت بننے میں روکاوٹ بن جاتے ہیں ــــ جب قوم میں۔ایک صاحبِ علم ــــ اعلیٰ کردار ــــ صاحبِ فہم۔صاحبِ دیانت جماعت کا وجود سامنے نہ آئے۔تو ایسی قوم ــــ خواہ جمہوری عمل ہو ــــ یا غیر جمہوری عمل ــــ قوم ہر موقع پر انتشار و بدحالی و پستی کا شکار رہتی ہے۔تاوقتیکہ انسانی فطری اثر کے تابع کسی موقع پر ایسے افرادِ انسانی کا وجود پیدا ہو۔جو دینِ الٰہی الدین کے بنیادی اصول و ضابطہ کے مطابق۔ایک حقیقی۔سربراہ۔لیڈر۔راہنما کی صفات سے متصف ہوں ــــ ایسے ہی افراد۔فطری اثرات کے تحت پیدا ہو کر۔قوموں کو پھر سے ارتقا کی طرف لے جا کر۔مخلوقِ انسانی کیلئے فلاح و امن۔آسودگی۔اتحاد و یگانگت کی فضا پیدا کر کے حصولِ سامانِ زندگی میں نفع بخش مطمئن معاشرہ تشکیل دیتے ہیں۔

بلاشبہ انسان۔سامانِ زندگی کے حصول میں۔اپنی بیشتر عمر صرف کرتا ہے بلکہ پیدائش کے ساتھ ہی اپنی زندگی بحال رکھنے کی جدوجہد میں اپنی قوت صرف کرتا ہے ــــ اسی جدوجہد کے نتیجہ میں۔زمین پر انسانی آبادی میں قوموں کا وجود ــــ قوموں کی شکل میں۔انسانی عروج و زوال۔شہنشاہیت کا غلبہ و اقتدار۔اور زمین پر فضائے آسمانی کی وسعتوں تک عروج حاصل ہوا ــــ لیکن۔کیا یہ تمام جدوجہد۔ذہنی ترقی۔اقتدارِ ارضی ــــ انسان کا حقیقی مقصد ہے؟ ــــ کہ وہ اس عظیم تر عروج کو حاصل کر کے۔دائمی ــــ مستقل سکون حاصل کرتا ہے؟ ــــ نہیں! ــــ اسلئے کہ تخلیقی

اعتبار سے انسانوں کو کائنات کی تمام۔خاکی ــــ ناری ــــ نوری قوتوں پر فضیلت و برتری حاصل ہے۔اس اعتبار سے۔فطری پیدائش کے تحت۔انسان نے کائنات کی تمام قوتوں۔پر اپنی فضیلت و برتری قائم رکھنے ــــ یا حاصل کرنے کیلئے۔کائناتِ عالم کی وسعتوں تک۔رسائی۔وتسخیر کا عمل جاری رکھنا ہے۔اسکی جدوجہد ــــ جہدوعمل کی حد مادی قوتوں کی تسخیر پر ختم نہیں۔ہوتی۔بلکہ پیدائشی حیثیت میں انسان کو بحیثیت خلیفہ (خـلـیـفة) پیدا کیا گیا ــــ چنانچہ قرآن نے خود پیدائشِ انسان ــــ پیدائش آدمی پر انسان کو خلیفہ کے خطاب سے پکارا۔اِنِّی جَـاعِـل" فِی الْاَرْضِ خَـلِـیْـفَةً۔یہاں قرآن نے خود خلیفہ کی خصوصیت وعظمت اور اسکے پیدائشی مقصد کی نشاندہی کی ہے ــــ وَنَـحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط قرآن نے ملائکہ کی زبانی انسان کے پیدائشی مقصد کا اظہار کیا ہے۔کہ انسان ( آدم ) کو کائنات کی تمام۔نوری۔ناری۔قوتوں سے افضل قوت عطا کی گئی ہے ــــ جسے انسان نے تسبیح وعبادات سے بہر حال خود کو مستحکم قائم رکھنا ہے۔یہی اسکی زندگی کا واحد مقصود و عمل مقرر ہے۔حقیقتاً۔یہی اس کائنات اور انسان کی پیدائش کا واحد مقصد ہے ــــ جس میں اس مقصد کی تعمیل وتکمیل کا مظاہرہ۔تخلیق آدم سے کیا گیا۔کہ نظامِ کائنات میں ایک خلیفہ کے تصور سے ابتداً کی جاتی ہے ــــ ہاں۔خلیفہ سے مراد انسان کا تسبیح وعبادات کا حامل ہونا ــــ اور اسی تسبیح وعبادت کے عمل سے۔دنیا کا نظام قائم کرنا ــــ قائم رکھنا ہے ــــ اس حقیقت سے یہ واضح ہے۔کہ انسان۔خواہ فرد کی حیثیت میں ہو یا اجتماعی حیثیت میں ــــ انسان نے زمین پر جو بھی عمل کرنا ہے۔اس عمل میں۔( دنیوی عروج سے سوا ) اپنے بنیادی مقصد و نصب العین ــــ عبادت وتسبیح ــــ "اَلـدِّیـن" ــــ کو بنیادی حیثیت دینی ہے ــــ ورنہ انسان باوجود انتہائی۔مادی عروج کے نامکمل زندگی بسر کریگا۔جسکا نتیجہ انسان نے اگر اپنے پیدائشی مقصد کو۔دنیوی حصول میں مقدم نہ رکھا۔تو اسکا انجام۔خود انسان حصولِ دنیا کی لالچ وحرص میں ایک دوسرے کے خلاف بَـعْـضُـکُـمْ لِبَـعْـضٍ عَـدُوّ" ــــ قتل وغارتگری پر آ کر خود اپنی ہلاکت کا سبب بنیگا۔

ع جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

انسانی پیدائش کی ابتدائی تاریخ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خود ایک الٰہی نظام دیا۔ جس میں واضح طور۔ احکام اور ایک راہبر ـــــ خلیفہ کی راہنمائی انسان کو فراہم کی ـــ یہ احکام۔ کتابِ الٰہی ـــ کلامِ الٰہی ـــــ اور خلیفہ ـــــ رسول و نبی کے تعارف سے مشہور ہیں ـــــ لہٰذا۔ یہ امر محقق و مسلمہ ہے۔ کہ انسان نے۔ اسی ضابطہ کے تحت۔ اپنی متعینہ زندگی میں۔ عملی جدوجہد میں۔ اپنے مقصد کی تکمیل کرنی ہے۔ کہ وہ اپنے عمل میں تسبیح و عبادت میں تسبیح و عبادت سے تکمیل کرے۔ ورنہ انسان کی زندگی۔ نامکمل اور بے مقصد ہو کر رہ جائیگی۔

تاریخ عالم کی انسانی پیدائش سے متعلق قرآن سے حقیقی شواہد کا علم ملتا ہے۔ کہ زمین پر پہلی انسانی پیدائش (آدم) کو خلیفہ کے خطاب سے پکارا گیا ـــــ اور قرآن سے واضح ہے۔ کہ اس خلیفہ کے ذمہ سوائے تسبیح و عبادت کے اور کوئی عمل مقرر نہیں ہوا۔ لہٰذا۔ انسانی زندگی کا مقصد واضح ہے۔ کہ زمین پر انسان نے کائناتِ عالم کی تمام قوتوں پر اپنی فضیلت برقرار رکھتے ہوئے اپنی خلافت کو قائم رکھنا ہے۔ اس امر سے انسان کے ذمہ تسبیح و عبادت ـــــ ''خلافت'' ـــــ سے تعبیر ہوتی ہے۔ اور یہی خلافت کا تصور۔ خلافتِ اسلامی سے تعبیر ہوتا ہے۔

اسکے بعد زمانہ کی تاریخ سے انسانی زندگی میں۔ رونما ہونے والے واقعات سے۔ اسکی مادی زندگی کا عمل، ایک زائد عمل، انسانی زندگی میں شامل ہوا۔ کہ اسے سامانِ زندگی کے حصول میں۔ جدوجہد کرنی پڑی۔ اس جدوجہد میں انسان نے مادی دنیا میں عروج حاصل کر کے صرف مادی قوت کو بحال رکھنے میں۔ اپنی قوت استعمال کی۔ جسکے نتیجہ میں۔ زائد حصول کی طلب میں۔ انسانی وحدت منقسم ہو کر۔ قبیلوں۔ قوموں اور شہنشاہتوں میں۔ بٹ کر فساد و خونریزی تک پہنچی ـــ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ نے۔ انسانی مقصد کی تکمیل و جستجو کیلئے۔ انسانوں میں نبی اور رسول پیدا کئے ـــــ یہی ایک اصلاحی عمل اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کیا گیا ـــــ جس سے انسانی مخلوق۔ اپنی روحانی (تسبیح و عبادت) اور مادی (دنیوی) زندگی میں اپنے مقصد کی ـــ صحیح خطوط پر۔ تکمیل کر سکتی ہے ـــ اس عمل کا ابتدائی قدم۔ ایک۔ رسول اور کلام الٰہی۔ کتاب کے احکام پر عمل ـــــ ایک بنیادی فریضہ ـــــ

بنیادی عمل ہے ـــــ ہاں ۔ یہ ضابطہ ۔ یہ طریق ۔ زمین پر ابتدائی پیدائش ـــــ حضرت آدم سے روبہ عمل آیا ۔ اسی عمل سے ۔ زمین پر خلافت کا تصور قائم ہوتا ہے ۔ اور اسی تصور پر آئندہ ۔ پیدائشِ مخلوق انسانی کیلئے'' خلیفة ''اور''خلافت '' کا تصور قائم ہونا مقرر ہے ۔ جسے خلافتِ اسلامی سے موسوم کیا جاتا ہے ۔

حضرت آدم کے بعد اولا دآدم میں ۔ جیسا کہ بیان ہوا ۔ کہ کثرتِ آبادی ـــــ اور سامانِ زندگی کے حصول میں وسعت کے نتیجہ میں مخلوق انسانی میں فساد وخونریزی ۔ پیدا ہونا ـــــ ایک فطری اثر کے تابع یقینی ہوا ۔ جس بنا پر ـــــ انسانی عمل میں ـــــ ''خلافت حقیقی'' ـــــ کے ساتھ انسانی حصولِ سامانِ زندگی میں ۔ اقتدارارضی کیلئے ۔ ''جمہوریت'' ۔ اور''شہنشاہیت'' کا وجود قائم رکھنے کیلئے ۔ ایک فروعی تصور ۔ ''خلافت حقیقی'' ـــــ میں شامل کرنا پڑا ـــــ اس حال میں ۔ کہ جمہوری خلافت کے ضابطہ کو حقیقی خلافت کے تابع قائم رکھا جائے ـــــ اس حال میں ۔ کہ مخلوق انسانی کیلئے حصول سامان زندگی حقیقی ضابطہ کے تحت نفع بخش ثابت ہو ـــــ

گزشتہ زمانوں میں ۔ اقتدارِارضی کے نفاذ کی صورت میں مخلوقِ انسانی میں فساد وخونریزی ۔ پر فطری ضابطہ کے تحت ۔ ایک رسول کی پیدائش ۔ اور ایک الٰہی ضابطۂ زندگی کے نفاذ سے مخلوق انسانی میں ایک مستحکم و مستقل ـــــ پرامن قوت ( معاشرہ ) قائم ہونا بھی ۔ خلافتِ اسلامی سے متعارف ہے ۔ کہ رسول اور کلامِ الٰہی ۔ احکامِ الٰہی کی اطاعت سے ہی خلافتِ اسلامی کا تصور ـــــ عمل قائم رہتا ہے ۔ جس سے انسان ۔ روحانی ـــــ مادی عروج حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے ۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے ۔ کہ مخلوق انسانی میں ۔ انسانی تنزل وپستی اور فساد وخونریزی کے موقع پر ۔ ہر زمانہ میں ایک رسول کے ذریعہ ۔ احکام الٰہی کا نفاذ ہوتا رہا ۔ اور اسی رسول اور احکام الٰہی کے نفاذ کو خلافتِ اسلامی سے موسوم کیا گیا ـــــ اور یہی سلسلہ حضرت آدمؑ سے لیکر ۔ مخلوقِ انسانی کے ہر دور میں ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۔ رسول کے زمانہ تک مسلسل خلافتِ اسلامی کی شکل میں قائم ہوتا رہا ـــــ جس میں ایک رسول کے احکام کے نفاذ میں اَلدِّیْن ۔ الدین الاسلام ہی کی شکل میں خلافتِ

اسلامی کا تصور قائم رہا ـــــ اس حال میں کہ۔ زمانہ میں ایک رسول کے احکامِ الٰہی کے نفاذ میں۔ باطل قوتوں کی مزاحمت میں ـــــ ''اقتدارِ اعلےٰ'' ـــــ اقتدارِ ارضی کا حاصل کرنا لازمی ہوا ـــــ اور یہی۔ عملِ رسالت۔ الدین۔ تسبیح وعبادت کا عمل۔ اور اقتدارِ اعلےٰ ـــــ حکومت وسلطنت کی ہئیت میں قوت حاصل کرنا ـــــ خلافتِ اسلامی سے مشہور ومتعارف ہے۔

ہاں! ـــــ زمین کی وسعتوں میں مخلوقِ انسانی کی منتشر سکونت زمین کی حالت وہئیت کے مطابق انسانی آبادی کا مختلف مقامات پر سکونت رکھنے سے انسانی آبادی الگ الگ قوموں کی شکل میں۔ ہر قوم کی ایک الگ۔ علیٰحدہ ـــــ حیثیت قائم ہونے سے ضرورت کے مطابق۔ ہر قوم کی ہدایت وراہنمائی کیلئے۔ ایک رسول ایک ضابطہ (احکامِ الٰہی) انکے قومی تشخص اور رواج کے مطابق نافذ ہوتا رہا ـــــ جیسا قرآن نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۳ آیت ۷)۔ زمین پر منقسم۔ ساکن قوموں میں۔ انکی حالت کے مطابق۔ ایک رسول۔ اور الٰہی احکام بھیجے جاتے رہے ـــــ ہاں۔ یہ رسول اور احکام کا نفاذ۔ ہر موقع پر ''خلافتِ اسلامی'' سے معروف رہا ـــــ اور یہ ضابطۂ عمل الدین الاسلام سے موسوم رہا ـــــ اور جہاں تک۔ ابنیاء۔ رسولوں کی بعثت اور احکامِ الٰہی کے نزول کا تاریخ سے واضح ہے۔ قرآنی تاریخ سے ابتدائے زمانہ سے بعض رسولوں کا مختصر ذکر ہوا۔ اس میں حضرت نوحؑ۔ یونسؑ۔ لوطؑ۔ اور حضرت ابراہیمؑ رسول تک ذکر ہوا۔ اسکے بعد۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولادوں میں ایک قوم بنی اسرائیل کا تفصیل سے ذکر ہوا۔ یہ قوم حضرت ابراہیمؑ کے فرزند حضرت اسحاقؑ نبی کی ذریت قومِ بنی اسرائیل کہلائی اسی قوم سے زمانہ قدیم سے رسول پیدا ہوتے رہے۔ جنہوں نے الدین الاسلام سے احکاماتِ الٰہی کا نفاذ کیا۔ اور ساتھ ہی اقتدارِ ارضی کے ذریعہ باطل قوتوں کو مٹا کر اَلدِّیْنُ الْاِسلام کا نفاذ ـــــ خلافتِ اسلامی کی شکل میں مخلوقِ انسانی کیلئے فراہم کیا ـــــ اسی قومِ بنی اسرائیل کے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جن پر بنی اسرائیل رسولوں کی بعثت۔ اور احکامِ الٰہی الدین کے نفاذ کا سلسلہ ختم ہوا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توراۃ ـــــ احکامِ الٰہی

بنی اسرائیل قوم میں استعمال ہوتے تھے۔جس میں قوم موسیٰؑ ــــ قومِ بنی اسرائیل کوطویل زمانہ تک خلافتِ اسلامی کی شکل میں۔زمین پر اقتدار اسلامی حاصل رہا ــــ لیکن۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد۔علمائے توراۃ نے محض اپنی خواہشاتِ نفسانی کے حصولِ ناجائز کی خاطر اور کچھ دین موسیٰ پر کاملاً عمل نہ ہونے کے باعث۔توراۃ کے علم میں من گھڑت عقائد شامل کر کے توراۃ کی حقیقی ہئیت وعلم کو مسخ کر ڈالا۔جس وجہ سے قوم میں۔حقیقی ضابطے اور اصول استعمال نہ ہونے کی صورت میں بنی اسرائیل قوم کی دینی ہئیت ختم ہوگئی ــــ جسکے نتیجہ میں ــــ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بحیثیت رسول۔ایک نئی کتاب انجیل لیکر مبعوث ہوئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی ابتداً۔بنی اسرائیل قوم ــــ کے علماء کے من گھڑت عقائد کے خلاف۔انجیل کے احکام کے نفاذ کی صورت میں ہوئی۔اس زمانہ میں ــــ موسوی۔شہنشاہیت (ماسوائے نام خلافتِ اسلامی) کا اثر قومِ بنی اسرائیل پر غالب تھا۔اسلئے علمائے یہود نے انجیل کے احکام کے نفاذ میں مزاحمت کی کہ اس نفاذ سے علمائے یہود اور شہنشاہیت کے خاتمہ کا خطرہ تھا۔چنانچہ علمائے یہود نے حکمران طبقہ خصوصاً رومی گورنر پنیطوس۔پلاطوس سے ملکر حضرت عیسیٰؑ پر بغاوت کا الزام لگا کر قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ــــ اور کسی موقع پر اپنے غلبہ وقوت کے اثر سے الدین عیسوی کو عوام الناس تک پہنچنے نہ دیا۔جسکے نتیجہ میں۔دینِ عیسوی کا وسیع طریقہ پر نفاذ نہ ہوسکا۔یہاں تک کہ علمائے یہود نے اپنی سازش کو کامیاب بنانے میں شہنشاہیت کو اپنے ہاتھ میں لیکر۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے منصوبے کو عملی شکل دینے میں۔حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کر کے صلیب دینے کی کوشش کی ــــ لیکن چونکہ یہ رسول۔بنیادی طور پر۔تخلیقی اعتبار سے ایک معجزۂ الٰہی کے منصوبہ کے تحت نوری حیثیت میں پیدا ہوا۔اسلئے اللہ تعالیٰ نے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کے موقع پر۔انہیں آسمان پر اٹھالیا۔اس حال میں کہ قوم بنی اسرائیل اس معجزۂ الٰہی کو سمجھ نہ سکی۔انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشری ہئیت کو دیکھکر۔انہیں صلیب دیا۔لیکن وہ حکمت الٰہی کو جان نہ سکے کہ آیا۔یہ بشری شکل حقیقتاً حضرت عیسیٰؑ کا وجود ہے۔یا کسی اور کا۔اس واقعہ سے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا نفاذ مختصر وقت تک محدود رہ کر۔ پھر کسی رسول کی بعثت تاریخی صورت میں ــــ بلکہ قرآنی تاریخ سے واضح نہیں۔

یہ تاریخی واقعہ قرآن کریم کی تاریخ سے اخذ کیا گیا ہے۔ کہ زمین پر قدیم زمانہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت (دو فرزندان۔ حضرت اسحاقؑ۔ اور حضرت اسماعیلؑ) میں سے حضرت اسحاقؑ کی ذریت سے۔ حضرت یعقوبؑ۔ یوسفؑ کی اولادوں میں ــــ ''نبوت'' (نبی) رسالت (رسول) کا خلافتِ اسلامی کی شکل میں۔ نفاذ ہوتا رہا۔ حضرت اسحاق و یعقوبؑ کی سکونت مصروشام کے علاقے میں تھی ــــ لہٰذا۔ حضرت اسحاقؑ کی ذریت میں۔ بیشتر اولاد و ذریت سے انہیں علاقوں میں۔ رسالت و اقتدارِ اعلےٰ۔ یا شہنشاہیت کا نفاذ ہوتا رہا ــــ جن میں۔ رسالت (رسول) کے ذریعہ احکام الٰہی۔ توراۃ ــــ زبور ــــ انجیل کی الٰہی کلام و احکام کی صورت میں قوم بنی اسرائیل میں الـدیـن الاسـلام کا اجراٗ ہوتا رہا ــــ اور اسکے ساتھ ہی غالب شہنشاہوں کے ذریعہ ''الـدیـن الاسـلام''۔ اقتدارِ اعلےٰ ــــ یا شہنشاہیت کی شکل میں زمین کی وسعتوں میں پھیلتا رہا ــــ ہاں! جب ان قوتوں میں۔ الٰہی احکام ــــ الـدیـن سے تغافل اور کوتاہی کا عمل جاری ہوا تو یہی خلافتِ اسلامی ــــ اقتدارِ اسلامی۔ دین سے انحراف کے نتیجہ میں ــــ خود قانونِ الٰہی کی نافرمانی پر اتر آئی۔ اور خود دینِ الٰہی کی تکذیب میں۔ الـدیـن الٰہی ــــ احکام الٰہی کے نفاذ میں مزاحم ہو کر۔ رسولوں کو قتل کرتے رہے۔ جسکے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ ایسی۔ جابر۔ طاقتور۔ قوتوں کو قدرتِ الٰہی سے تہ و بالا کر کے انکے نام و نشان مٹاتا رہا ــــ اور یہی صورت زمین پر مخلوقِ انسانی کی رہی جو ہمیشہ انسانی آبادی میں۔ عروج و زوال کا سبب بنتی رہی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رَفـعَ (آسمان پر اٹھانے) کے بعد۔ مصروشام کے علاقوں میں۔ قوم بنی اسرائیل سے کسی رسول کی تاریخی شہادت واضح نہیں۔ یہاں تک کہ تقریباً چھ سو سال کا عرصہ گزرا۔ زمین پر کسی رسول کی بعثت نہ ہوئی۔ اس حال میں۔ کہ زمین کی ہر جہت۔ ہر قطعہ۔ ہر مقام۔ بغیر دینِ الٰہی کے نفاذ کے ظلم و جبر و طغیان۔ فسق و فجور۔ دہشت و بربریت۔ گناہ و لادینیت

سے فطری طور لبریز ہوگئی ـــــ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب مخلوق انسانی زمین کی وسعتوں میں ہر جہت و مقام پر پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن اس مخلوقِ انسانی کو نہ کسی راہبر و سربراہ کی راہنمائی میسر تھی۔ نہ کسی رسول کی ہدایت و راہنمائی میسر تھی۔ دنیا کا ہر فرد۔ پستی و انتشار کا شکار پراگندہ حالت میں سرگرداں زندگی گزار رہا تھا۔ انسان کو نہ اپنی ذات کی پہچان تھی ـــــ نہ اپنا مقصد معلوم تھا۔ نہ اپنی منزل کا تصور تھا۔ کہ انسان کی پیدائش کا کیا مقصد ہے ـــــ یہ ایسا زمانہ تھا۔ جب انسان کو بحیثیت مجموعی۔ زمین کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی مخلوق کی تمام عالمِ انسانی کیلئے ایک۔ رسول کی راہنمائی کی اشد ضرورت تھی۔ کیونکہ فطرتِ الٰہی کا یہی تقاضا تھا۔ کہ انسان کو پیدا کر کے اسکے ذمہ ایک مقصد کی تکمیل لازم کی جائے۔ جسکے لئے ایک رسول کا مبعوث ہونا فطرت کے تابع لازم تھا۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رَفَـعَ کے چھ سو سال بعد۔ حضرت ابراہیمؑ کے فرزند حضرت اسماعیلؑ کی ذریت میں۔ بنی قریش ـــــ بنی ہاشم کی اولاد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب علیہ السلام کی اولاد سے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بحیثیت رسول ـــــ دنیا پر ـــــ ظہور ہوا۔ یہ زمانہ تھا۔ کہ آپؐ کی بعثت صرف ذریت اسماعیل کیلئے نہیں۔ بلکہ زمین کی تمام مخلوق پر پھیلی ہوئی تمام مخلوقِ انسانی کی ہدایت کیلئے مقرر تھی ـــــ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصطفیٰ ـــــ منتخب رسول ہوئے ـــــ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی شکل احکامِ الٰہی۔ الـدین۔ عطا ہوا۔ جس میں انسانی پیدائش کا بنیادی مقصد قُـمْ فَـاَنْذِرْ۔ مخلوقِ انسانی کو عذاب یوم الآخرۃ کے عذاب سے بچانے کے لئے۔ تسبیح و حمد کا عمل ـــــ اصل عمل۔ جاری رکھنا۔ اصل مقصد تھا۔

''کائنات'' ـــــ اور ''انسان'' ـــــ کی پیدائش پر عمیق تجزیہ کیا جائے۔ تو واضح ہوگا۔ کہ اس کائنات میں۔ صرف انسان کی پیدائش کو خصوصیت حاصل ہے۔ کہ اس نے ـــــ اپنی ـــــ جسمانی ـــــ روحانی قوتوں کو پاکیزہ رکھکر۔ مادی ـــــ جسمانی ـــــ کیفیتوں سے سوا۔ روحانی ـــــ نورانی ـــــ کیفیتوں تک رسائی و علم حاصل کر کے تمام کائناتِ ناری ـــــ نوری کو مسخر کرنا ہے۔ جسکے

لئے انسان میں ودیعت کی گئی نوری قوت کا پاکیزہ اور قوی ہونا لازمی ہے ــــ اور یہ قوت بغیر ــــ الدین ــــ اور تسبیح وعبادت کے ممکن نہیں۔اس کائنات کی تخلیق سے یہ امر مسلمہ ہے۔کہ یہ مقصد ــــ یہ عمل۔زمین پر پیدا ہونے والے ہر فردِ انسانی کیلئے واجب ولازم ہے ــــ انفرادی حیثیت میں ہو۔یا اجتماعی حیثیت میں۔بلاتخصیص۔مذہب وملت۔ہر انسان کا بحیثیت مجموعی ــــ الدین ــــ احکامِ الٰہی کی اطاعت میں تسبیح وعبادت لازم رکھنا۔ایک حقیقی عمل ــــ فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

تاریخ عالم کے مطالعہ سے بھی یہ واضح ہے۔انفرادیت ــــ قومیت ــــ اور شہنشاہیت میں۔زمین وآسمان کی وسعتوں پر غلبہ واقتدار حاصل کر کے۔بزعمِ خود۔انسان کو مادی عروج حاصل ہوا۔لیکن یہ عروج وارتقا ــــ یہ تحقیق وایجادات ایک فروعی عمل قرار دیا جاتا ہے ــــ کیونکہ تاریخ انسانی سے ثابت ہے۔کہ انسانی۔مادی عروج بالآخر قوموں کی تباہی ثابت ہوا۔البتہ اصل مقصد ــــ اصل عمل۔جسکا تعلق انسانی پیدائش سے ہے۔وہ انسانی عمل میں ــــ الدین الاسلام کی اطاعت ــــ تسبیح وعبادت کا بنیادی تصور ہے۔بغیر اس تصور کے انسان کا کسی بھی شعبہ میں۔عروج وارتقا تحقیق وایجاد۔حاصل کرنا ــــ لَہْو ’’ وَّلَعِب ‘‘ ــــ ایک فروعی عمل۔کھیل کود کے برابر ہے۔کہ مادی عروج وارتقا سے انسان اصل نتیجۂ عمل ــــ موت کے بعد۔ایک اٹل زمانہ ــــ جس زمانہ میں انسان نے بہرصورت داخل ہونا ہے۔اور اپنے عمل۔الــدیــن کی اطاعت کے نتیجہ میں راحت و عذاب حاصل کرنا ہے ــــ یوم القیمۃ ــــ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ــــ کی راحت سے محروم۔شدید عذاب میں طویل زمانہ تک مقید رہیگا ــــ یہی وہ کیفیت ہے ــــ جسکا ’’خوف‘‘ دلانے کیلئے ــــ اللہ تعالیٰ نے انسان کی نجاتِ آخرت کیلئے۔اپنی طرف سے فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی۔ایک قانون ــــ لائحہ عمل۔ضابطۂ عمل ــــ احکامِ الٰہی ــــ تسبیح وعبادت ــــ الــدیــن کی شکل میں فلاح انسانی کیلئے۔ایک رسول کے ذریعہ مخلوقِ انسانی کیلئے پیش کیا۔لہٰذا یہ امر مسلمہ ہے۔کہ ہر انسان پر جو ازل سے ابد تک بلاتخصیص۔قوم وملت انسانی ہیئت میں پیدا ہوا۔الــدیــن کی اطاعت ــــ تسبیح وعبادت بنیادی۔مقصد۔بنیادی فریضہ مقرر ہے ــــ چنانچہ حضرت آدمؑ سے لیکر قیامِ

قیامت تک اسی بنیادی مقصد پر انسان کی پیدائش ہوتی رہیگی۔اسی بنیادی مقصد کو کاروبارِ زندگی کے تمام اعمال پر فوقیت و اولیت دینا ایک اہم اور ضروری فریضہ ہے۔بغیر اس فریضہ کی ادائیگی کے۔انسان کا ہر عمل۔ہر عروج باطل قرار دیا جاتا ہے۔

تاریخ عالم ـــ تاریخ انسانی سے یہ امر واضح ہے۔کہ زمین پر مخلوقِ انسانی نے۔خواہشات نفسانی کے حصول میں۔فطری قانون کے خلاف ـــ خود غرضی ـــ نفس پرستی ـــ حسد ـــ لالچ کے جذبہ میں۔ایک دوسرے کو قتل کر ڈالا ـــ تو اسکے نتیجہ میں۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر زمانہ میں مخلوقِ انسانی کی ہدایت اور گمراہی پر۔ایک ہی ضابطہ کے تحت ایک رسول بھیجا گیا ـــ جو ایک مقرر۔مخصوص عمل ـــ ''الـدین'' ـــ ''احکام'' ـــ ''تسبیح وعبادت''۔کا ضابطہ پیش کرتا رہا۔جس میں۔تسبیح وعبادت کے عمل کو ہی اولیت دی گئی ـــ جبکہ کسی رسول نے ـــ احکامِ الٰہی میں۔انسانی آبادی کیلئے ـــ کسی جمہوریت۔شہنشاہیت ـــ یا جمہوری ضابطہ اور اصول کا تصور ـــ پیش نہیں کیا ـــ اس حال میں۔کہ زمین پر انسان نے اسی ''الـدین'' کے ضابطہ پر ہی۔اپنی زندگی کا خالص عمل جاری رکھنا تھا ـــ جس سے انسان کو۔فلاحِ دینی (نجاتِ آخرت) کے ساتھ فلاحِ دنیوی حاصل ہوسکتی ہے۔برعکس اسکے یہ حقیقت بھی انسانی ذہن اور تجزیہ میں ہے۔کہ ماسوئ ''الـدین'' کے عمل کے انسان۔قطع نظر الـدین کے عمل کے ـــ انتہائی عروج حاصل کرتا رہا ـــ لیکن یہ عروج ہر زمانہ میں بالآخر انسان کی ہلاکت وتباہی کا نتیجہ بنتا رہا ـــ یہی اسباب تھے۔جن کی بناءَ پر ہر زمانہ میں مخلوق انسانی میں ـــ اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَيَسۡفِكُ الدِّمَآءَ ۔قتل و غارت گری اور فساد وخونریزی برپا رہی ـــ اسکی مثال اہل یورپ کی انتہائی تحقیق وایجادات کے نتیجہ میں۔جنگوں سے اربوں کی تعداد میں ـــ محض حصولِ دنیا میں عروج سے مخلوقِ انسانی کو غلام بنانا۔واضح ثبوت موجود ہے۔لازمی ہے۔کہ جب تک الـدین الاسلام ۔کے احکام بنیادی طور پر اپنائے نہ جائیں۔انسان کا ہر مادی عروج۔بالآخر انسانی تباہی وپستی کا سبب بنتا رہیگا ـــ لہٰذا۔یہ حقیقت ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔کہ انسانی پیدائش کا حقیقی مقصد ـــ ''آخرت کی نجات''

___ اور آخرت کے عذاب کا خوف پانا ___ اور اس خوف سے نجات حاصل کرنے کیلئے ___ الدین الاسلام ___ کے احکام ___ تسبیح وحمد وعبادت جیسا الـدیـن نے قانون ضابطہ۔ ''عمل کا'' مرتب کیا ہے۔ بعینہ اس پر عمل کرنا ___ اس حال میں ۔ کہ انسان کی دنیا میں پستی وذلت اور پراگندگی خواہ دنیاوی ہو ___ سوائے اطاعتِ الـدین کے انسان ان مصائب سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا ___ چنانچہ ہر زمانہ میں انسانی ۔ پستی وذلت ۔ غلامی میں ( دنیوی حالت میں بھی ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رسول بھیجا جاتا رہا ___ جو بجائے دنیوی عروج کے ایک الٰہی ضابطہ دینی احکام الـدین کی صورت میں پیش کرتا رہا۔ جس میں دین وعبادات پر ہی انسانی فلاح ونجات کی بنیاد رکھی جاتی رہی ___ اور رسول کا یہی علم وعمل حقیقتاً ___ اَلـدِّیـنُ الْاِسْلَامُ ___ شریعت اور خلافتِ اسلامی سے معروف وموسوم ہوتا ہے۔

جیسا کہ گزشتہ بیان ہوا۔ کہ ہر رسول کو اشاعتِ دین میں باطل قوتوں کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا ___ ایسے وقت میں ہر رسول کو کسی غالب قوت یا شہنشاہیت کی قدرتی طور معاونت میسر آئی ۔ جس قوت سے رسول کے الـــدیـــن کو مخلوقِ انسانی تک ۔ علم وعمل پہنچانے میں آسانی ملتی رہی ___ لہٰذا باطل قوتوں کی مزاحمت کے نتیجہ میں ۔ ایک رسول کو اجرائے الـدیـن ۔ اشاعتِ دین میں غالب قوت کی معاونت حاصل ہونا ۔ ایک وارداتی سبب ہے ۔ یہ عمل بذاتِ خود دین کی اشاعت کی جزو قرار نہیں دی جاتی ۔ نہ انسانی مقصدِ زندگی قرار دیا ۔ جاتا ہے ۔ تاہم اشاعتِ دین میں ۔ اس عمل ۔ کو جز کی حیثیت میں شامل رکھنا ضروری ہوا ___ یہی عمل جو اشاعتِ الـــدیـــن میں باطل قوتوں کی مزاحمت کے نتیجہ میں ۔ ایک رسول کو ضابطہ الٰہی سے سوا ___ ( اقتدارِ اعلیٰ کی صورت میں ) اختیار کرنا پڑا ___ حقیقتاً ___ حقیقی خَلافَتِ اِسْلَامِیُ ___ سے موسوم ہوا ___ یہی اشاعتِ دین میں اقتدارِ اعلیٰ کی قوی غالب قوت استعمال کرنا ۔ حقیقی خلافتِ اسلامی ___ سے موسوم ہوتا ہے ۔ جس میں اجرائے دین میں ۔ اقتدارِ اعلیٰ کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے ۔ کہ اصل عمل اقتدارِ اعلیٰ مقصود نہیں ۔ بلکہ اجرائے احکامِ الٰہی مخلوق انسانی تک پہنچا کر مخلوق کیلئے ۔ علم وعمل فراہم کر کے اس پر عمل

کرانا اور انسان کا نجات آخرت حاصل کرنا ہے۔ ہاں۔ یہ عمل رسول کی زندگی میں قائم ہوتا ہے ـــــ اور رسول کے بعد۔ اجرائے احکام الٰہی۔ الدین کی اشاعت علیٰ حالہ۔ جیسے رسول کے زمانہ میں قائم رہی۔ ویسی ہی ہر زمانہ میں۔ الـدیـن کی ہئیت۔ باقی و قائم رہنی چاہیے۔ جسکے لئے رسول کے بعد تابعین رسول۔ میں سے۔ ایک اولوالعزم۔ صاحبِ علم و عمل فرد کا رسولی مشن جاری رکھنے کیلئے۔ قائم مقام رسول۔ کا ہونا از حد ضروری و لازمی ہوتا ہے۔ جو رسول کے بعد اَلــدِّیــن ـــــ اجرائے دین کا فریضہ ادا کرے۔ ایسے فرد کو جو رسول کے بعد الــدیــن ـــــ احکامِ الٰہی ـــــ شریعت ـــــ اور احکام کی تعمیل کا فریضہ ادا کرے۔ رسول کے بعد۔ خَلِیْفَۃُ الرَّسُوْلَ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جس میں رسولی مشن (تبلیغ و اجرائے دین کے عمل) کو ''الـدین'' سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ خلافت سے نہیں ـــــ یہ ایک اہم نکتہ ہے۔ جس پر سوچ کرنے سے خلافتِ اسلامی کا اصل تصور واضح ہوسکتا ہے۔ کہ رسول کے اجرأ کردہ عمل۔ احکامِ الٰہی کا اجرأ تسبیح و عبادت پر عمل ایک واحد عمل ہے۔ جو رسول کے ذریعہ پورا ہوتا ہے۔ اس عمل کو خلافتِ اسلامی کے تصور میں دیکھا نہیں جاتا بلکہ احکام الٰہی کے اجرأ کی بنأ پر اس عمل کو ''الـدیـن الاسـلام'' سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ جیسا قرآنی آیات سے واضح ہے۔ اِنَّ الـدِّیْـنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔ اللہ کے نزدیک ''دین'' اسلام کے نام سے متصور ہوتا ہے۔ جبکہ باطل قوتوں کی مزاحمت کے نتیجہ میں۔ رسول اور تابعینِ رسول (جماعتِ اسلامی) کو اقتدارِ اعلیٰ کی حیثیت حاصل ہوجاتی ہے ـــــ یہاں تک کہ ایک رسول کی وفات کے بعد۔ رسول کے قائم مقام۔ جانشین کو خلیفہ (خلیفة الرّسول) اور خَلِیْفَۃُ الْمُؤْمِنِیْنَ کے خطاب سے پکارا جاتا ہے ـــــ اس مقام پر اجرائے الدین کے عمل کو ''شریعتِ اسلامی'' ـــــ یا الدین الاسلام سے ہی موسوم کیا جاتا ہے۔ اور خلیفہ کو خـلـیـفـة المومنین ۔ یا خـلـیـفـة الرّسول سے موسوم کیا جاتا ہے اور جب اقتدار اعلیٰ کی غالب قوت کو اجرائے دین میں استعمال کیا جائے تو اس ''مخلوط عمل'' کو بھی خلافتِ اسلامی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جس میں۔ اقتدار اعلیٰ کی غالب قوت۔ اصلاً احکام و ضابطہ الٰہی کی اصل جز قرار نہیں دی جاتی۔ جسکے لئے احکام کا نفاذ لازم ہو ـــــ یہ ایک فروعی عمل تصور کیا جاتا ہے۔ جس میں ضرورت

کے تقاضوں کے مطابق۔ ذاتی وضع کردہ قانون وضوابط مرتب کر کے۔ ایک قوت مستحکم کی جاتی ہے۔ اس حال میں کہ اس قوت کو صرف اجرائے دین کی آسانی کے لئے استعمال کیا جائے۔ کہ اقتدارِ اعلیٰ کے ضوابط اول احکامِ الٰہی کے تابع نہیں ہوتے ـــ دوسرے اقتدارِ اعلیٰ میں جب ذاتی قوانین اور ضابطے استعمال کئے جائیں۔ تو اقتدارِ اعلیٰ کے نتیجہ میں جماعتِ اسلامی سے کسی موقع پر ایسے اجتہادی احکام کا صدور ہو۔ جو حقیقی شریعت سے ہٹ کر اپنا اثر اور نتیجہ رکھتے ہوں۔ ایسے ضابطوں کے نفاذ میں۔ جماعت اسلامی (یا امتِ مسلمہ) میں اختلاف کی بنا پر۔ تفریق۔ اور فساد پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ ایسے ضوابط کے اجرا و نفاذ سے ایک طرف۔ شریعتِ حقہ کے نفاذ و اجرا میں کمزوری پیدا ہو کر اسلام کی حقیقی روح کے اثرات باطل و بے اثر ہو جاتے ہیں ـــ دوسرے شریعت کے احکام پر عملی جذبہ کمزور ہو کر۔ اسلام و شریعت کے اجرا کا وہ اثر باقی نہیں رہتا جو رسول کے اجرائے دین کی اصل ہوتی ہے۔ اس طرح۔ حقیقی الـــدیـــن کا اثر و نفوذ کمزور ہو کر احکامِ شریعت کی تعمیل عام حالت میں امتِ مسلمہ میں کمزور ہو کر رفتہ رفتہ خلافتِ اسلامی کا حقیقی اثر ـــ اور تصور معدوم ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں۔ امتِ مسلمہ کا دینی عمل ناقص ہو کر۔ خلافتِ اسلامی میں۔ دینی ـــ شرعی عمل ختم ہو کر ـــ خلافتِ اسلامی۔ محض ایک سلطنت [1] یا شہنشاہیت کی شکل اختیار کرتی ہے۔ جس میں صرف ہوسِ ملک گیری۔ اور حصولِ دولت و عیش کا جذبہ غالب ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں۔ رسول کے عمل (مشن) کا حقیقی معنوں میں اجرا نہ ہونے کے باعث۔ یہ حکومت۔ اگرچہ شریعت اسلامی کی بنیادوں پر ہی متشکل ہوتی ہے۔ لیکن حقیقی شرعی عمل سے خالی۔ بے عملی طرز حکومت۔ اقتدارِ اعلیٰ کی غالب قوت کے نتیجہ میں خلافتِ اسلامی ہی سے موسوم و معروف ہوتی ہے۔ جس میں اہل اسلام خلفاء (سلاطین) کی غالب قوت سے زمین کی وسعتوں میں طاقت پھیل جاتی ہے۔ لیکن حقیقتاً یہ قوت۔

---

[1] جیسا کہ تاریخ اسلامی۔ میں خلافت عباسیہ۔ خلافت اموی۔ خلافت عثمانی کے اقتدار اعلیٰ سے واضح ہے۔ کہ بالآخر خلافتِ اسلامی میں الـــدیـــن پر کاملاً نہ ہونے کی وجہ سے یہ خلافتیں اصولاً خلافت اسلامی سے تعبیر نہیں۔ بلکہ ایسی خلافتیں سلطنت اسلامی شمار ہوتی ہیں۔ جسکا نتیجہ آخر زوال پر منتج ہوا۔

خلافت اسلامی سے تعبیر نہیں ہوسکتی ـــ اسلئے کہ اس قوت سے اجرائے دین الـدین کا فریضہ ادا نہیں ہوتا ـــ حقیقتاً اگر ایسی حکومت ـــ خلافتِ اسلامی سے ہی معروف ہو۔لیکن بنیادی عمل ـــ الـدین ـــ تسبیح وعبادت ـــ ارکانِ اسلام ـــ ارکانِ شریعت ـــ نماز ـــ روزہ ـــ زکوٰۃ ۔احسان کا ـــ اس حکومت سے اجرأ نہ ہو ـــ اور خصوصاً۔ایک خلیفہ ـــ اور ارکان خلافت میں ـــ احکامِ شریعت ـــ ارکانِ شریعت پر عمل کاملاً نہ ہو ـــ تو یہ حکومت لادینی حکومت سے تعبیر ہوتی ہے۔لہٰذا الـدین۔اور شریعت میں ایسے موقع پر۔جب خلافتِ اسلامی میں۔خلفاً کی طرف سے اجتہادی احکام کا صدور ہو۔یہ احتیاط کرنا لازمی ہوتا ہے۔کہ ایسے احکامات بھی قرآن وسنت کے دائرہ میں۔لائق عمل ہوں۔تاکہ ایسے احکامات کے اجرأ سے۔شریعتِ حقہ کی حیثیت وہیئت الـدین الاسـلام کی ہیئت میں باقی وقائم رہے ـــ ہاں۔فطری ضابطہ کے تحت۔ایسے موقع پر۔اصلاح و ہدایتِ انسانی کیلئے۔جب کسی رسول سے ـــ اَلدِّیْنُ ـــ احکامِ الٰہی کے نفاذ کا عمل جاری ہو ـــ تو یہی مسخ شدہ (سابقہ) خلافتِ اسلامی (لادینی حکومت) ایسے رسول کے اجرأ الدین میں مزاحمت پر آمادہ ہوکر اجرائے دین میں روکاوٹ پیدا کریگی ـــ لہٰذا۔یہ ایک فطری ضابطہ ہے۔کہ مخلوق انسانی کی ہدایت (یا وہ حصولِ دنیا کیلئے بھی ہو) کیلئے۔جو بھی سربراہ ـــ لیڈر ـــ مشیرانِ قوم ـــ اور اللہ کی طرف سے منتخب شدہ رسول ہو ـــ انکے لئے بنیادی مقصد وعمل صرف اجرائے الدین ہونے کے ساتھ خود۔ایک صاحب عمل۔صاحبِ دین وتسبیح وعبادت ـــ متقی ـــ صاحب کردار ـــ صاحبِ فہم ـــ انسانی جذبۂ فلاح کے اثر سے۔انسانیت کا ہمدرد۔اور صاحب دیانت ہونا ضروری اور لازمی ہے۔اگر ایک سربراہ ـــ یا رسول میں۔یہ اوصاف موجود نہ ہوں تو ایسا فرد۔نہ لائقِ اطاعت وتقلید ہوسکتا ہے۔نہ ایسی جماعت۔قوم ـــ یا حکومت۔خلافتِ اسلامی تصور کی جاسکتی ہے ـــ نہ تسلیم کی جاتی ہے۔

# خلاصہ

گزشتہ بیان میں اَلْاَرْضَ پر خلافتِ اسلامی کا بنیادی تصور مختصراً پیش کیا گیا ــــ جسکی ابتدا حضرت آدمؑ سے ہوتی ہے۔ اور انتہا قیامِ قیامت پر ہوگی ــــ اب ہم خلاصہ کی صورت میں خلافتِ اسلامی کی حقیقی ہیئت کا تصور پیش کرتے ہیں ــــ کہ خلافتِ اسلامی کی ابتدا ازل سے ہوتی ہے!

اَللّٰہُ ــــ اَللّٰہُ اَحَد''

یعنی خلافتِ اسلامی کے بنیادی تصور کی ابتدا قرآنی آیات کی روشنی میں۔ اَللّٰہُ سے ہوتی ہے۔ کہ ازل میں سوائے اَللّٰـہُ اَحَـد'' کی ذات کے کسی وجود کا ہونا ممکن نہیں ــــ لیکن اسکے باوجود ــــ ماسوا۔ اللہ کے ایک وجود موجود کا تصور قائم ہوتا ہے ــــ اس وجود کو'' کائنات'' کے تعارفی نام سے موسوم کیا جاتا ہے ــــ یعنی کائنات ــــ سے مراد ــــ بنائی گئی کیفیات کا وجود۔ جسکا ماخذ ــــ مشتق ''کُـنْ'' سے ہے۔ ''کُـنْ '' عربی اصطلاح میں حکم ــــ ارادہ سے۔ کسی کیفیت کا وجود میں ظاہر ہونا ہے ــــ لہٰذا ــــ ''کائنات'' ــــ کا وجود ــــ کائنات کا لفظ (اسم) خود اس امر کی دلالت کرتا ہے ــــ کہ یہ وجود ــــ اللہ کے حکم سے پیدا ہوا ــــ اس حیثیت میں۔ دو کیفیتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک'' کائنات'' ــــ ''مخلوق'' ــــ دوسرا'' اللّٰہ '' ــــ خالق ــــ خالقیت کے اعتبار سے۔ ''اللّٰہ''[1] ــــ کائنات کا'' حاکم''۔ (اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن) تصور کیا جاتا ہے ــــ حاکم کی حیثیت میں۔ اللّٰـہ ہی کائنات کا مالک وسربراہ ہے۔ جسکے حکم سے کائنات کا تمام تخلیقی نظام قائم ہے ــــ جسکا حکم۔ جسکا آئین وقانون۔ تمام نظامِ کائنات پر حاوی ہے۔ ''تخلیقی نظام'' ــــ کیا ہے؟ ــــ یعنی کائنات کی تخلیقی ترتیب کا ایک منظم نظام ــــ جس نظام کے تحت کائنات کا ہر ذرہ

---

[1] لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ ط لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ ○ (پارہ ۲۴ سورۃ ۴۰ آیت ۱۶)

۔۔۔ ہر وجود ۔۔۔ پابند ۔۔۔ اپنے وجود کی بقا کو قائم رکھے انجام تک پہنچ جاتا ہے ۔۔۔ یہی کیفیت جس میں خالق و مالک کے ضابطہ و منظم نظام کے تحت کائنات کی بقا۔ قائم ہے۔ ''خلافتِ اسلامی'' سے تعبیر ہوتی ہے ۔۔۔ اور یہ نظام جب تک اللّٰہ کی وحدانیت قائم ہے۔ بغیر کسی۔ رخنہ اندازی ۔۔۔ بغیر کسی نقص کے۔ قائم رہیگا ۔۔۔ ہاں جب تک اللہ کی ذاتِ لامحدود باقی (حی و قیوم) ہے۔ اس نظام میں ۔ کسی دوسرے کی مداخلت ۔۔۔ کسی دوسرے کی ضرورت نہیں ۔ جسکے لئے کسی قائم مقام (خلیفہ) کا تصور بحیثیت خَلِیفَۃُ اللہ قائم ہو ۔۔۔ اس حال میں کہ کائنات کا ہر ذرہ۔ اپنی تخلیقی ہیئت میں۔ اس امر کی شہادت (گواہی) دے رہا ہے۔ ہر شے ایک منظم نظام کی پابند ۔۔۔ ایک خالق کی ''خالقیت'' ۔۔۔ حاکمیت کی نشاندہی کر رہی ہے۔ تُسَبِّحُ لَہُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَ الۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِیۡهِنَّ ط وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِیۡحَهُمۡ ط (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۴۴) اظہارِ عبدیت کر رہی ہے۔ ہر شے جو کچھ ۔۔۔ کائناتِ عالم ۔۔۔ اور آسمانوں ۔۔۔ اور زمین میں مخلوق کیا گیا ہے ۔۔۔ نہیں کوئی شے مگر نشاندہی کرتی ہے ۔۔۔ ساتھ اپنی ساخت و ہیئت کی پہچان کے ۔۔۔ ہاں۔ تمام کائناتِ نوری ایک ہی حیثیت میں خلق کی گئی ہے۔ جو اپنی ذات۔ اپنی تسبیح و عبادت سے اپنی مخلوقیت ۔۔۔ عبدیت کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ لیکن تم ان کیفیاتِ نوری کا مشاہدہ نہیں رکھتے ۔۔۔ ہاں۔ اس کائنات کی تخلیق کا ایک ایسا منظم نظام قائم ہے۔ جسکی تخلیق ۔۔۔ جسکی حیات ۔۔۔ جسکی بقا میں کسی قسم کا نقص واقع ہو سکتا ہے ۔۔۔ نہ اسکی بناوٹ میں کسی قسم کا رخنہ واقع ہو سکتا ہے ۔۔۔ لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللہِ ط (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۰ آیت ۳۰)۔ اللہ کی تخلیق کردہ کائنات میں کسی قسم کا نقص پایا نہیں جا سکتا۔

ہاں ۔۔۔ یہی تخلیق ۔۔۔ یہی کائنات ۔۔۔ جس میں ہر ذرہ کی سالمیت بقا و سلامتی کی ضمانت دی جاتی ہے ۔۔۔ اَلۡاِسۡلَام سے تعبیر ہوتی ہے ۔۔۔ ان حقائق پر فکر کرنے سے ۔ یہ امر واضح اور محقق ہے ۔۔۔ کہ ایک ''اللّٰہ'' ۔۔۔ کی ذات ۔۔۔ اور کائناتِ عالم کا منظم نظام بلاشبہ ۔۔۔ ''خلافتِ اسلامی'' سے تعبیر ہوتا ہے ۔۔۔ اس حال میں کہ اللّٰہ کی ذات کسی کی قائم مقام بحیثیت

''خـلیفـه'' نہیں۔ بلکہ خالق وحاکم اور سربراہ کی حیثیت میں۔ اپنا حکم نظام کائنات پر نافذ کرتا ہے ـــــ اسی تخلیقی تصور میں۔ ایک خالق ہونے کی حیثیت میں ـــــ ایک حاکم ہونے کے تصور میں ـــــ الـلّٰـه کی ذات کوخود۔ ایک حکمران کی حیثیت میں ـــــ ''خـلـیـفـه'' کی صفت سے تشبیہ دیا جاتا ہے۔ اور یہ حکم ـــــ یہ نظامِ ازل سے ابدتک۔ جب تک کائنات کا وجود ـــــ باقی وموجود ہے۔ علےٰ حالہٖ ہرزمانہ میں بغیر کسی ''خـلیفه'' کے قائم رہیگا۔ قرآن نے بھی اس سلسلہ میں ـــــ اس نظامِ کائنات میں۔ ''اللّٰه'' کے بعد کسی خلیفه (خـلیفة اللّٰه) کا تصور پیش نہیں کیا ـــــ اس حال میں کہ یہ کائنات ـــــ نظامِ کائنات۔ ایک الـلّٰـه کی حکمرانی میں ہی۔ ازل سے لیکر ابد تک اپنے انجام و اختتام کو پہنچ جائیگی ـــــ قرآنی حوالہ سے بھی یہ امر محقق ہے۔ کہ اس کائناتِ نوری ـــــ ناری ـــــ خاکی پر ـــــ کسی موقع پر سوائے اللّٰه کے ـــــ کسی کی حکمرانی ـــــ یا خلافت ثابت نہیں ـــــ

ہاں! اس مقام پر ''خلافتِ اسلامی'' کا مفہوم ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ جسے قرآن نے تُسَبِّحُ لَـهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ کے بیان سے واضح کیا۔ کہ کائناتِ۔ عالم۔ نوری ـــــ (جسکی حد اَلسَّـمٰـوٰتَ پر ہوتی ہے) اور عالمِ نوری (وَمَـنۡ فِيۡهِـنَّ) کی مخلوقِ نوری۔ جنہیں قرآن ''ملائکہ'' ـــــ سے تشبیہ دیتا ہے ـــــ اسی طرح۔ عالمِ ناری ـــــ اور اسکی مخلوقِ ناری۔ جنہیں قرآن اَلۡـجَانَ (جن) سے تشبیہ دیتا ہے ـــــ اللّٰه کے حکم سے۔ ازل سے ابدتک تسبیح وحمد ـــــ عبادت میں مشغول ومصروف ہیں ـــــ اس حال میں۔ کہ ہر وجود اللّٰه کے حکم کے تحت ـــــ جبراً ـــــ عمداً ـــــ اس تسبیح وعبادت میں پابند ہے ـــــ ہاں! ـــــ اس مقام پر ''خلافتِ اسلامی'' ـــــ میں یہی تصور قائم ہوتا ہے۔ کہ ہر شے کیلئے۔ ایک عبادت ـــــ تسبیح وحمد کی صورت میں لازم کی گئی ہے جسے ''خلافتِ اسلامی'' سے تشبیہ دیا گیا ـــــ جس میں۔ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ۔ عالم نوری (آسمانوں) کے ملائکہ ـــــ اور عالمِ ناری کے جنات ازل سے (جب سے انکا وجود۔ تخلیق ہوا) مصروف تسبیح وعبادت چلے آتے رہے ـــــ

اور اب ایک زمانہ آیا جس میں خود اللّٰه تعالیٰ نے اپنے ازلی منصوبہ کا اجراء کرنا ہے۔ جسے

قرآن نے ان الفاظ میں پیش کیا ــــ وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ " فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط اور جب کہا آپؐ کے رب نے ملائکہ (مخلوقِ آسمانی) سے۔ کہ میں زمین پر ایک وجود تخلیق کرتا ہوں۔ جو "خلیفہ" کی صفت سے متصف ہوگا ــــ یہ قرآن کا اپنا اندازِ بیان ہے جس میں قرآنی اشارات ــــ بیان ــــ قرآنی بیان کا اصل مفہوم خود سامنے آتا ہے۔ لہٰذا قرآنی اندازِ بیان میں۔ "اندازِ کلام" پر غور و نظر رکھنا ضروری ہے ــــ اس بیان میں قرآن نے خاص طور پر ــــ وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ ــــ ملائکہ کا ذکر کیا۔ جس سے مراد قبل از وقت (ازل سے) عالمِ آسمانی (نوری) میں ملائکہ کا وجود موجود۔ مصروفِ تسبیح و عبادت رہا ہے ــــ اور اب اللہ تعالیٰ کے منصوبۂ ازلی میں۔ یہ امر مقرر ہے ــــ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ " فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً زمین میں بھی ــــ زمین سے پیدا ہونے والی مخلوق سے ایسی ہی تسبیح و عبادت کا مظاہرہ ــــ عمل ــــ کیا جائے۔ جیسے ملائکہ سے تسبیح و عبادت کا مظاہرہ ہوتا رہا ــــ اس مقام پر قرآنی بیان میں۔ خود ایک نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ــــ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط اس انداز بیان سے حقیقتاً اِنِّیْ جَاعِلٌ " فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے معنی و تفسیر میں خَلِیْفَة کا حقیقی تصور ــــ اور اس وجود کے تخلیقی مقصد کا حقیقی تصور پیش کرنا ہے ــــ واضح کرنا ہے ــــ اول یہ ــــ قانونِ الٰہی ــــ قانونِ تخلیق کے تحت وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط ــــ ملائکہ نوری سے ہی ازل سے آج تک حمد و تقدیس ہوتی رہی۔ اس حال میں کہ یہ تسبیح و تقدیس نوری وجود سے ہی ہونا ممکن ہوسکتا ہے ــــ اس کے بعد " فِی الْاَرْضِ " زمین سے پیدا ہونے والے وجود میں تسبیح و عبادت کا عمل ممکن نہیں ــــ اس حال میں کہ ــــ الارض ــــ زمین ــــ ایک سفلی وجود ہے۔ جسکی مخلوق (مرکب) میں تسبیح و عبادت کی خاصیت نہیں بلکہ۔ انحراف ــــ نافرمانی ــــ کائناتی نظام میں تخریب ــــ اور آپس میں فساد و خونریزی کا مادہ ہے ــــ اس حیثیت میں ملکوتی وجود ــــ (نوری ملائکہ) کے بعد جو وجود پیدا ہوگا اسکی خاصیت سفلی ــــ اور نالائق ــــ تسبیح و عبادت ہونا۔ ایک قدرتی امر ہے ــــ اس بیان میں ــــ ایک خاص نکتہ یہ واضح ہوتا ہے

ـــــ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ـــــ کے بیان میں ''خلیفہ'' کا حقیقی تصور پیش کیا گیا ـــ کہ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ ـــ یہ خطاب ملائکہ سے ہورہا ہے۔ لہٰذا ملائکہ کے بعد ایک ارضی وجود کو تسبیح وعبادت کا حامل بنانا ـــ گویا۔ ملائکہ کے بعد۔ پیدا ہونے والا وجود ـــ جو نوری خصوصیات کا حامل وجود نہیں ـــ ایسے ہی وجود کو ـــ ملائکہ سے افضل تسبیح وعبادت سپرد کی جائیگی۔ یہ ایک منصوبہ الٰہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مرضی میں قبل از وقت طے ہو چکا ہے ـــ کہ یہ منصوبہ ـــ مقصدِ الٰہی ـــ مقصدِ ازلی میں ہے۔ کہ اللہ کی ذات کے سوا۔ تمام کائنات نے اَنَـا اَعْرَفَ کا مقصد تسبیح وحمد کے ذریعہ پورا کرنا ہے۔ جو تسبیح آسمان کی تخلیق میں وَمَنْ فِیْهِنَّ ۔ ملائکہ کی مخلوق تک پورا ہوا۔ اب وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۔ ملائکہ کے بعد۔ زمین بھی پیدا ہوگی۔ زمین اور وَمَنْ فِیْهِنَّ زمین کی مخلوق سے بھی یہ عمل پورا کیا جانا ہے۔ اس حال میں کہ یہ مخلوق۔ سفلی خاصیت کی حامل بشری حیثیت رکھتی ہے۔ جسے خلیفة کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ اس بیان میں۔ قرآن نے کائنات کی تخلیق میں سب سے پہلے۔ خَـلِیْـفَة ـــ خَـلِیْفَةً فِی الْاِرْض ـــ ''یعنی ملائکہ کے بعد پیدا ہونے والا وجود'' ـــ کا تصور پیش کیا ہے اور اس وجود سے۔ مثل سابق ـــ ملائکہ کی تسبیح وعبادت۔ کے مثل عمل جاری رکھنا ہے ـــ اس حال میں۔ کہ ارضی وجود (باوجود سفلی ہونے کے) ملائکہ کے مانند تسبیح وعبادت کا عمل پورا کرنے والا ہوگا ـــ لہٰذا یہ امر واضح ہے۔ کہ اس قرآنی بیان میں ـــ ''خَـلِیْـفَة '' ـــ کا حقیقی مفہوم وتصور ـــ ابتدائی طور پیش کیا گیا ـــ کہ خلیفہ سے مراد۔ منصوبہٗ ازلی ـــ کے الٰہی مقصد۔ اَنَـا اَعْـرَفَ کی تکمیل (یعنی معرفتِ الٰہی) تسبیح وحمد کی صورت میں زمین کی ایک سفلی ہیئت بشری سے مکمل کرنی ہے ـــ جس۔ ''خَـلِیْـفَة '' ـــ سے زمین پر خلافتِ اسلامی کا مظاہرہ ہونا ہے ـــ ہاں۔! اب اس قرآنی اشارہ پر توجہ کرنا ہے ـــ کہ ارضی وجود ـــ میں فطری تخلیقی قانون کے تابع فساد وخونریزی کا مظاہرہ ہوگا ـــ (ہاں یہ بیان خود قرآن ہی پیش کرتا ہے ـــ اَتَـجْـعَـلُ فِیْهَـا مَـنْ یُّـفْسِـدُ فِیْهَـا ..... ) ـــ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ خود ـــ ایک ارضی سفلی عالم (زمین) کی پیدائش

خَلِیْفَة کا ایک ہم اشارہ دیتا ہے۔قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ○ اس سلسلہ میں ملائکہؑ نوری کی تسبیح وعبادت کے مقابلہ میں۔ایک سفلی وجود سے تسبیح وعبادت کا عمل پورا کرنا ــــ اس تخلیقی عمل میں۔جو تخلیقی منصوبہ میرے علم میں ہے ــــ وہ ایک نیا اندازِ تخلیق ہے۔جس پر تم احاطہ نہیں کر سکتے ــــ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ایک ایسا وجود پیدا کرنا ہے۔جسے تخلیقی عمل میں پہلی بار ''خَلِیْفَة'' کے خطاب سے پکارا جائیگا۔کہ یہی سفلی وجود کائنات کی تمام مخلوق میں افضل تسبیح وعبادت کا حامل ہوگا ــــ اور اسی خَلِیْفَة کے ذریعہ تمام زمین ــــ اور کائنات پر''خلافتِ اسلامی'' کا اجرأ ونفاذ ہوگا ــــ ہاں! یہ اللہ تعالیٰ کا ایک نیا اندازِ تخلیق ہوگا۔جس سے اللہ تعالیٰ کی''خالقیت'' کا عظیم مظاہرہ۔ہونا مقصود ہے ــــ اس حال میں کہ اس تخلیق کو خَلِیْفَة کے خطاب سے متعارف کیا ــــ اور خود۔''خَلِیْفَة'' ــــ کے تصور میں۔اسکی تمام تر خصوصیات مُجتَمِعَ (جمع) کر دیں ــــ چنانچہ اللہ تعالیٰ خود ہی ــــ خَلِیْفَة ــــ کی تمام خصوصیات کا واضح طور ذکر کرتا ہے ــــ وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۵ آیت ۲۸،۲۹)۔وقت آیا جب اللہ تعالیٰ اپنی اس مخصوص تخلیق کی جملہ خصوصیاتِ خلافت کا دوبارہ اعلان کرتا ہے ــــ کہ میں زمین میں (ہی) ایک مخلوق پیدا کرتا ہوں ــــ زمین کی مٹی سے ــــ زمین کی تمام جوہری قوتوں (طِیْنٍ لَّازِبٍ) کے مجموعہ سے۔یہ ایک بشری جسم سے پہچانا جائیگا ــــ اس حال میں۔کہ اس میں قوی۔عمل وشعور وفہم کی اعلیٰ قوت ہوگی ــــ اسکی زندگی ایک قوی ناری (روح) قوت سے ہوگی ــــ اس وجود میں ایک خاکی (طین) مٹی کا جسم (جسمانی ساخت) اور اس جسم کو زندہ رکھنے والی ــــ قوت (روح) ناری جنس سے ہوگی بہ الفاظ دگر ــــ یہ جسم ــــ ایک ناری وجود (ذرہ) ہے جس (ذرہ) نے۔زمینِ خاکی کی جوہری (ایٹمی) قوت سے۔ایک وجودی شکل وصورت ــــ اختیار کی ــــ اس وجود کو بَشَر'' کے تعارفی نام سے پہچانا گیا ــــ یہی جسم ہے۔جس میں قرآنی بیان کے مطابق ــــ ثُمَّ سَوّٰهُ۔عقل وخرد۔ارادہ واختیار ــــ ''اختیار وعمل'' ــــ کی صلاحیت عطا کی گئی بس ــــ اس مقام

پر یہ وجود۔ ایک بشری شکل وصورت کا مجسمہ مکمل ہو کر پہچانا جاتا ہے ـــــ اسکے بعد قرآنی بیان کے مطابق وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ○ اس بشری جسم میں ایک نوری قوت ـــــ جو ملائکہ کی نوری قوت سے اعلیٰ وافضل کیفیت ہے ـــــ ودیعت (شامل) کی جاتی ہے۔ اس نوری قوت کے شاملِ جسم ہونے سے۔ یہ وجود ـــــ یہ مخلوق ـــــ جسمانی حیثیت میں ـــــ تخلیقی حیثیت میں ملائکہ کے وجودِ نوری سے۔ افضل وجود قرار دیا جاتا ہے ـــــ لہٰذا ـــــ آئندہ ان خصوصیات کی بنا پر ـــــ اس وجود کا عمل ـــــ ملائکہِ نوری کے عمل سے افضل ہونا۔ منصوبہِ الٰہی کے تحت۔ ایک مخصوص عمل ـــــ قرآنی اندازِ بیان ـــــ قرآنی اندازِ تخلیق میں ـــــ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۔ ''خلیفہ فی الارض'' کے تعارفی نام سے معروف ہوتا ہے ـــــ کہ آئندہ زمانہ میں۔ ملائکہ کی تسبیح وحمد۔ عبادت سے اعلیٰ وافضل تسبیح وعبادت ـــــ ملائکہ کے بعد (خلف) ایک ''بشر'' ـــــ کے ذمہ کی گئی ـــــ اسی عمل کے اعتبار سے اس وجود کو ''خَلِیْفَة'' کے نام سے پکارا گیا ـــــ اس حال میں کہ۔ زمین کی ایک سفلی ہئیت ـــــ ''خاکی'' ـــــ ''ناری'' ـــــ ''نوری'' ـــــ کو ملائکہ کے بعد فوقیت دیکر ـــــ اسکے عمل کے اعتبار سے۔ ''خَـــلِیْـــفَة'' کے خطاب سے اعزاز دیا گیا ـــــ کہ کائنات کے عمل۔ تسبیح وعبادت کا ازل سے جاری عمل ـــــ آئندہ ایک ''بشر'' سے خلیفہ کی حیثیت میں جاری رکھا جائے ـــــ

اس تفصیلی بیان سے ـــــ ایک اللہ کی خالقیت ـــــ اور کائناتِ عالم کی مخلوقی ہئیت و حیثیت۔ اور اس تخلیق کا حقیقی مقصد ـــــ واضح کیا گیا ـــــ کہ مخلوقِ کائنات کی تخلیق کا واحد مقصد۔ صرف ـــــ ہر شے کائنات کا تسبیح وعبادت ـــــ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ کا عمل پورا کرنا ہے ـــــ اس حال میں کہ یہ عمل ازل سے ابد تک کائناتِ عالم میں پیدا ہونے والی۔ ہر کیفیت ـــــ ہر شے ـــــ ہر وجود سے پورا ہوتا ہے ـــــ کیونکہ یہ تخلیقِ کائنات کا فطری عمل ہے۔ جو ہر موقع پر۔ ہر ہئیت ـــــ ہر وجود سے۔ اپنی اپنی تخلیقی استطاعت کے مطابق خود بخود پورا ہونا ہے ـــــ ہوتا رہیگا ـــــ یعنی نوری وجود (ملائکہ) سے نوری انداز میں ـــــ ناری وجود (جنات) سے ناری

انداز میں ـــ اور خاکی وجود (بشر) سے بشری انداز میں ـــ تسبیح وعبادت کا عمل پورا ہوتا رہیگا۔

ہاں ! ـــ اس عمل میں ۔کسی ''وجود'' ـــ کسی ''ہیئت'' کو اسکی تسبیح وعبادت میں ''خَلِیْفَة'' کے خطاب سے پکارا نہیں گیا ـــ سوائے ایک ''بشر'' ـــ کے اس بنا ٔ پر ۔کہ ارضی بشر کیلئے ـــ منصوبۂ الٰہی کے تحت ۔ارادۂ الٰہی ـــ ارادۂ ازلی کے تحت ـــ قانونِ تخلیق کے سوا۔ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ کے ارشاد کے مطابق ـــ ایک سفلی۔ خاکی ۔وجود میں ۔ایک زائد کیفیت ـــ زائد نوری قوت (جوارضی وجود کی جُز سے نہیں) شامل کی گئی ـــ یہ قوت وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ ـــ اللہ کی مخصوص (منتخب) کردہ نوری قوت ہے جو۔ ہر بشر ـــ ہر انسان کی پیدائش پر اس میں نفخ کی جاتی ہے۔ جو مخصوص نور تمام کائناتِ عالم کے انوار ـــ ملائکہ کے انوار سے اعلیٰ و افضل ''نور'' ـــ ہے ـــ اور اسی نور کے نفخ سے ۔ایک بشر کی۔ تسبیح وعبادت ۔باقی کائناتِ عالم کی مخلوق سے اعلیٰ وافضل تسبیح وعبادت قرار دی جاتی ہے۔اسی تسبیح وعبادت کے عمل پر۔ایک بشر کو اسکی خصوصیت کے اعتبار سے اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ـــ ''خَلِیْفَة'' کے خطاب سے پکارا گیا ـــ یعنی کائناتِ عالم کی تمام مخلوق میں ـــ نوری ـــ ناری ـــ مخلوق کے بعد چونکہ تخلیقی عمل میں ۔ایک وجود ـــ خاکی (سفلی) ہیئت میں پیدا ہونا ہی مقرر ہے۔لہٰذا ان تمام ہیئتوں (خاص کر ملائکہ) کے بعد (خلف) ـــ کائناتِ عالم میں جاری شدہ تسبیح وعبادت کو جاری رکھنے والا ''بشر'' ـــ خَلِیْفَة ـــ کے نام سے متعارف کیا گیا ـــ اس حال میں کہ ایک ''بشر''۔کی خلافت (عمل) اسکی تسبیح وعبادت پر منحصر کی گئی ہے۔

اس بیان سے یہ امر واضح ہے ـــ کہ تخلیقِ کائنات میں ـــ تخلیق کی آخری ہیئت الارض (زمین) میں پیدا ہونے والی مخلوق ۔بشر ـــ انسان ـــ کے ذریعہ ہی تسبیح وعبادت کی تکمیل ہونا مقصدِ الٰہی مقرر ہے ـــ اور اس مخلوق میں ـــ تسبیح وعبادت کیلئے ـــ اللہ تعالیٰ کی خالقیت کا ایک اہم اور خاص منصوبہ طے شدہ ہے ـــ جو اپنی تخلیق میں اللہ کی خالقیت کا ایک مخصوص عمل قرار دیا جاتا ہے ـــ وہ یہ کہ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ'' م بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○

ـــــ مِنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۝ مخلوقِ کائنات میں سب سے افضل عبادت کیلئے۔ تخلیق کی کمترین کیفیت سے پیدا ہونے والا وجود۔ ''بشر'' کو تسبیح و عبادت کیلئے منتخب کیا گیا۔ اس حال میں۔ کہ اَلۡاَرۡض ـــــ کی وجودی خاصیت کے اعتبار سے۔ زمین سے پیدا ہونے والی مخلوق سفلی خاصیت کی بنأ پر لائقِ عبادت ـــــ قابلِ عبادت نہیں یہ ایک فطری تخلیقی عمل کا قانون تصور کیا جاتا ہے ـــــ لیکن اسکے باوجود اللہ تعالیٰ ملائکۂ نوری کو حکم دیتا ہے ـــــ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ اے ملائکہ تم اس ارضی مخلوق کو۔ اپنی ذات سے افضل تسلیم کرو۔ اس ''حکم'' کی نوعیت کیا ہے؟۔ یہ نوعیت خصوصی طور اللہ تعالیٰ نے واضح کردی۔ کہ فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ ـــــ تمہارا یہ قانونی (تخلیقی) نکتہ (Point) درست ہے۔ کہ تسبیح و عبادت۔ نوری وجود سے ہی ہو سکتی ہے۔ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ۔ اور یہ امر خلافِ قانونِ الٰہی ہے۔ کہ زمین سے پیدا ہونے والا وجود تسبیح و عبادت کا حامل ہو؟ لیکن یہ تصور عام پیدائشِ ارضی کیلئے ہے۔ (جن میں زمین کی ادنیٰ مخلوقِ حیوانی شامل ہے) انسان کیلئے نہیں۔ اس لئے کہ زمین کی انسانی پیدائش میں چند زائد خصوصیات ـــــ اور انسانی تخلیق کی اصل ترتیب کا تمہیں علم نہیں ـــــ وہ یہ کہ فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ ـــــ انسان کے وجود میں۔ حماءِ مسنون ـــــ اور طین الازب یعنی زمین کی تمام جوہری قوتوں کا مرکب ـــــ اور عام مخلوق۔ کے مقابلہ میں ـــــ اعلیٰ عقل و فہم ـــــ ارادہ و اختیار ـــــ پایا جاتا ہے جس قوت سے مخلوقِ ارضی میں افضل و اشرف۔ یَسۡفِکُ الدِّمَآءَ ـــــ خونریزی اور فساد کرنے سے پرہیز کرنے والا ہوگا ـــــ یہ اسکی خاکی قوتوں پر افضلیت کا نمایاں نشان ہوگا ـــــ انسان سے قبل چونکہ ناری وجود بھی عالمِ ناری میں پیدا ہوئے ہیں ـــــ لہٰذا افضلیت کے اعتبار سے انسان میں بھی ایک ناری قوت کا ہونا ضروری ہے ـــــ جو عالم ناری کی ایک مخصوص کردہ ناری قوت ہے ـــــ اس قوت کے ودیعت ہونے سے انسان کو ناری قوتوں (جن میں زمین کی ناری قوتیں ـــــ جوہری قوتیں شامل ہیں) پر فضیلت حاصل ہے۔ اس قوت کو انسان کی ''روح'' سے موسوم کیا گیا ـــــ تخلیقِ الٰہی میں۔ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص ترکیبِ تخلیق کا مظاہرہ ہے۔ کہ ایک سفلی وجود کیلئے ناری قوتوں سے برتر قوت مخصوص کی گئی ـــــ جس میں انسان کی ترکیبِ تخلیق

اسکی ارضی۔سفلی ___ ترکیب سے تعلق نہیں رکھتی ___ کہ یہ ناری قوت زمین کی ناری قوت سے لی گئی ہو۔جیسا کہ زمین سے پیدا ہونے والے ہر وجود کی روح ___ زمین کی ناری قوت سے تخلیق کی گئی ہے۔پھر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا۔کہ فَقَعُوْالَهٗ سٰجِدِیْنَ ___ اب تمہارے بعد۔زمین کی (طین) مٹی سے ہی ایک وجود تخلیق ہوگا۔لیکن اس وجود کی تخلیقی ترکیب میں یہ ایک اضافی عمل (ترتیبِ تخلیق) شامل ہے۔کہ وجودی اعتبار سے۔یہ ارضی وجود ___ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ ۔ کی اضافی ترتیب سے۔افضل تصور کیا جائیگا۔کہ الٰہی ترتیبِ تخلیق کے منصوبہ پر اس خاکی وجود میں عالمِ نوری کی ایک عظیم وافضل نوری قوت شامل (نفخ) کی جائیگی ___ اس قوت کے ودیعت ہونے سے۔اس ارضی ___ زمینی ___ وجود کو جسمانی حیثیت میں ملائکہ سے افضل قرار دیا گیا ___ اس بنا پر کہ اس ارضی مخلوقِ انسانی کے ذمہ ملائکہ سے افضل تسبیح وعبادت مقرر کی گئی ہے۔فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ (پارہ۱۴سورۃ۱۵آیت۳۰)۔کائناتِ خلقت کی تمام نوری قوتوں نے انسان کو اپنے سے بہتر وافضل (جسمانی حیثیت میں) تسلیم کرلیا۔

قرآنی اندازِ تخلیق ___ اندازِ بیان سے یہ امر واضح ہے۔کہ اللہ تعالیٰ کے منصوبۂ ازلی میں یہ امر طے شدہ ہے۔کہ کائناتِ عالم کی نوری ___ ناری ___ مخلوق میں ___ زمین کی ایک سفلی مخلوق کو کائنات کی تمام مخلوق پر فضیلت دیکر اسکے ذمہ ___ ازلی مقصدِ الٰہی کی تکمیل، تسبیح وعبادت سے کرنی ہے ___ جس میں ایک ارضی سفلی وجود کی افضلیت ___ ایک عظیم نوری قوت۔کے ودیعت ہونے سے بِاالنُّبُوْت پیش کی ___ اس تکمیلِ وجود سے ہی ایک ارضی سفلی وجود کو خَلِیْفَة [1] کی صفت

---

[1] خلیفه : اس مقام پر ''خلیفہ'' کے تصور میں۔اسکی ہیت کے اعتبار سے۔ایک مخصوص کیفیت کا تصور دیا گیا ___ یعنی ''اللہ'' کی ذات میں ___ ''خلیفه'' کا تصور ___ اسکی ذاتِ ''احکم الحاکمین'' کی حیثیت میں ___ ایک سربراہ۔''حاکم'' کی ہے ___ لیکن فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط کے تصور میں۔ایک کامل الوجود ہیت کے ذریعہ ___ ''محکومی'' ___ ''عَبدِیت'' کی حالت میں۔تسبیح وحمد کی صورت میں ''اطاعت'' ___ کا واضح تصور پایا جاتا ہے ___ لہٰذا۔یہاں ''خَلِیْفَه'' کے تصور میں۔''عبدیت'' ___ و''اطاعت'' کی صفت واضح ہے۔

سے پکارا گیا ـــــ یعنی۔ ازل سے جاری شدہ تسبیح وعبادت ـــــ جو ملائکہ تک پہنچی۔ اب ملائکہ کے بعد یہ عمل ایک سفلی ارضی وجود کے سپرد کر کے ـــــ اس مخلوق میں تسبیح وعبادت کا عمل پورا کرنے کیلئے اس میں۔ قوی ناری ـــــ اور قوی نوری قوت شامل کی گئی۔ لہٰذا۔ ان خصوصیات کی بناء پر اس مخلوق کو ـــــ انسان ـــــ آدم ـــــ اور خلیفہ کے نام سے پکارا گیا ـــــ یہ جسم فضیلت کے اعتبار سے۔ ملائکہ کے بعد (خلف) تسبیح وعبادت کرنے والا۔ منتخب کیا گیا۔

اس مقام پر مخلوقِ کائنات میں جاری ـــــ تسبیح وعبادت کا حقیقی تصور حاصل کرنا ہے۔ کہ تسبیح وعبادت کس نوع کی ہوگی۔؟ ـــــ اس مقام پر مخلوقِ کائنات کی تسبیح وعبادت کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔ سوائے قرآنی بیان سے متعلق مختصر سا تصور پیش کیا جائے ـــــ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ ـــــ اِلَّا ۔ یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ ط یہ کہ کائنات کی ہر شے کی تسبیح کا تصور ـــــ ہر شے کی ہیئت ـــــ وجود سے اخذ کی جاسکتی ہے ـــــ وجودِ نوری سے ملائکہ سے۔ نوری حیثیت میں ـــــ کس قدر استطاعت ہے۔ ''کائنات اور خالق''۔ کا علم ومشاہدہ حاصل کرنے کی ـــــ اسی استطاعت کے مطابق نوری ہیئتوں ـــــ کی پہچان (بِحَمْدِہٖ) ہوسکتی ہے۔ جس پر انکی تسبیح کا تصور حاصل کیا جا سکتا ہے ـــــ اسی طرح ناری وجود الجن۔ ناری حیثیت سے جتنی قوت کا حامل ہے۔ اسی استطاعت کے مطابق ناری وجودوں کی ـــــ پہچان سے انکی تسبیح وعبادت کا تصور کیا جاسکتا ہے ـــــ لیکن وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ ۔ انسان بغیر شعور قلب کے ادراک کے انکی تسبیح وعبادت کا اصل تصور حاصل نہیں کرسکتا ـــــ ہاں! یہ تسبیح وعبادت کا تصور۔ مشاہدۂ قلبی [1] سے حاصل ہوسکتا ہے ـــــ

اسکے بعد ملائکہ سے ''خلف'' ـــــ بعد میں آنے والا وجود ـــــ انسان جو آدم کے نام سے پکارا گیا ـــــ اسکی تخلیقی نوعیت باقی مخلوقِ کائنات سے۔ منفرد ـــــ اور علیحدہ ہے۔ اور اسکی تخلیق کا مقصد بھی واضح کیا گیا کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ○ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۱ آیت ۵۶)۔ نہیں بنایا گیا جنوں اور انسانوں کو مگر تسبیح وعبادت کیلئے ـــــ لہٰذا۔ انسان کی تسبیح وعبادت بھی

---

[1] لَھُمْ قُلُوْب'' لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا۔ انکے قلب (دل) ہیں۔ جس سے فقہ (بالشاہدہ) کی جاتی ہے۔

___ باقی مخلوق کے مقابلہ میں۔خصوصیت کی حامل ہوسکتی ہے۔جسکے متعلق قرآن نے ایک خصوصی بیان پیش کیا۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ لا فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۱)

انسان ___ آدم کی پیدائشی ترکیب۔اوراسکے مرکبِ جسمانی کی۔ایک علیحدہ۔مخصوص ترتیب ___ یہ انسان کی پیدائش کی ایک منفرد ترتیب پیدائش ہے۔جس میں ایک خاکی (سفلی) وجود میں ایک عظیم نور ودیعت کیا گیا ___ اس عمل کی خصوصیت کا اظہار۔اسی بیان سے کیا گیا کہ انسان کی تسبیح وعبادت کس نوع کی ہے ___ اوراس بیان میں اس نوع کی عبادت وتسبیح کی نشاندہی کی گئی ہے ___ ''اور علم دیا آدم کو تمام اسماءً کا'' پھر اسے پیش کیا۔ملائکہ کے آگے ___ اور کہا ملائکہ سے ''خبر دو'' ان اسماء کی اگر تم اپنے قولِ معترض میں درست ہو ___ ظاہر ہے مخلوقِ کائنات میں سب سے افضل وجود۔وہ وجودِ ابتدائی ہے۔جو کائنات میں سب سے پہلے نوری وجود کی صورت میں پیدا کیا گیا ___ لہٰذا لازم ہے ___ کہ پیدائشی اعتبار سے۔یہی ابتدائی وجود (نور) سب وجودوں سے عظیم ___ افضل قرار دیا جاسکتا ہے ___ اور مقام کے اعتبار سے قوت میں سب سے افضل قوت ___ اسی قوت کے اعتبار سے یہی قوت۔ذاتِ الٰہی سے قریب ___ اور قُرب کے اعتبار سے استطاعت میں وسیع ___ اور قرب کے اعتبار سے۔حسبِ استطاعت ''حمد'' ___ پہچان میں ___ کائنات کی ہر شے سے زیادہ۔علم وادراک میں کامل ___ کاملیت کے اعتبار سے ___ سب سے زیادہ تسبیح وعبادت میں اکمل ___ کائنات کی ہر مخلوق شے ___ نوری۔ناری خاکی کا علم رکھنے والا وجود ___ بدرجہ اتم ___ اپنی حمد ___ پہچان کے اعتبار سے۔ اَحْـمَـدُ ___ کی صفت سے خود پہچانا جاتا ہے یعنی کائنات میں سب سے اول پیدا ہونے والا وجود۔جو اپنے مقام کے اعتبار سے سب سے افضل وجود ___ سب سے افضل قوت (ہئیت) اور قوت کے اعتبار سے کائنات کی ہر شے سے زیادہ حسبِ استطاعت علم و پہچان رکھنے والا وجود ___ احمد کی صفت سے پکارا جاتا ہے۔اسکے بعد کائنات کی ہر شے ایک مخلوق

اور عبد کی حیثیت میں۔ مقام ــــ علم ــــ پہچان۔ میں کمتر درجہ کے حامل ہو سکتے ہیں۔ انہیں وجودوں میں ــــ عالمِ نوری کی آخری ہیئت آسمان ــــ اور آسمان کی مخلوق۔ مشہور و معروف ملائکہ کا وجود ہے۔ جو مقام کے اعتبار سے الارض (زمین اور زمین کی مخلوق) سے زیادہ۔ قوت۔ استطاعت ــــ قرب ــــ اور علم کی حامل مخلوق تصور کی جاتی ہے ــــ اس حال میں کہ آسمان کے بعد۔ زمین (الارض) کا ہی مقام آتا ہے ــــ اسی تصور پر۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے اپنے مقام کے لحاظ سے خطاب کیا ــــ اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ــــ اس خطاب میں اللہ تعالیٰ کے اندازِ بیان پر نظر رکھنی ہے ــــ کہ اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ !۔ خبر دو مجھ کو ''اسماء'' کی ــــ اس انداز بیان سے۔ ''خطاب'' کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے ــــ اے ملائکہ تم اپنی نوری استطاعت کے مطابق ہی ملکوتُ السّمٰوٰت کی ہیئتوں کا ادراک و علم رکھ سکتے ہو ــــ اسی انداز سے تمہاری تسبیح و عبادت ــــ اور اسکے نتیجہ میں وسعتِ ادراک و علم بھی محدود ہے۔ یہی تمہاری نوری ہیئت کی وسعت ہو سکتی ہے ــــ کیا تم مجھے۔ کائناتِ عالم کی باقی نوری ہیئتوں کی ''خبر'' ــــ ''و مشاہدہ''۔ دے سکتے ہو؟ ــــ اس حکم سے ''اسماء'' کی ''خبر'' ــــ پوچھنا ــــ اس بناء پر ہے۔ کہ ایک وجود کی بنیادی نوری ہیئت سے تسبیح و عبادت کا نتیجہ۔ کائناتِ عالم کی تمام کیفیات کا بالمشاہدہ علم و ادراک ہونا ــــ اور ان کیفیاتِ نوری کے مشاہدہ سے کائنات کے خالق کی پہچان ــــ ''حمد'' ــــ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا حقیقی تصور ــــ خالقیت کا تصور پانا ــــ حقیقی مقصد ہے۔

لہٰذا۔ اللہ کے حکم پر ملائکہ کا اللہ کی خالقیت کا اعتراف۔ کہ ملائکہ نوری۔ ایک محدود۔ مقام ــــ محدود ہیئت ــــ محدود قوت سے کائناتِ عالم کا مشاہدہ ــــ اور اللہ کی پہچان ــــ حمد ــــ کی خبر دینے کی استطاعت و قوت نہیں رکھتے ــــ یہ ملائکہ کی فہم و ادراک کا تجزیہ ہے ــــ نوری وجود۔ اپنی حدِّ استطاعت تک جتنی انکی قوت و ہیئت ہے۔ اسی قدر۔ علم و ادراک رکھ سکتے ہیں ــــ اس حال میں۔ کہ ــــ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ــــ کائنات کا وجود۔ ملائکہ کے مقام تک محدود نہیں ــــ اور اللہ کی خالقیت میں ــــ اسکی تخلیق ملائکہ کی تخلیق تک۔ مختصر نہیں ــــ بلکہ جیسا وہ چاہے

___ جیساوہ کہے۔ کرنے کی (قانونی) قدرت رکھتا ہے ___

اس تجزیہ پر ملائکہ نے۔ قانونِ الٰہی کے آگے ___ عجز اختیار کرتے ہوئے ___ اللہ کے خطاب پر ___ یہی جواب دیا ___ کہ قانونِ الٰہی کا تقاضا یہی ہے ___ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ ___ لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ۔ پاک ہے تو غلط کرنے سے ___ تیرا عمل ہر مقام پر۔ تیری خالقیت کے قانون کے عین مطابق ہے ___ فرق ہے۔ تو یہی ___ کہ ہم تیری کائنات میں تیرے تخلیقی عمل تک ادراک نہیں رکھتے ___ کہ ایک سفلی وجود میں کس طرح نوری خاصیت کا ظہور ممکن ہے ___ بیشک تیرا فرمان درست ہے ___ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَاتَعْلَمُوْنَ ___ تخلیق کے متعلق جو منصوبہ تیرے علم میں ہے۔ اسکا ہمیں علم نہیں دیا گیا۔ اس بناء پر کہ ملائکہ کا مسکن ___ مقام۔ سدرۃ المنتہٰی کی محدود حد تک ہی قائم ہے۔ جبکہ کائنات کی وسعت ماوراسدرۃ المنتہٰی سے بھی وسیع ہے۔ جہاں ہماری رسائی نہیں اس حال میں رسائی نہ ہونے کی بناء پر ہمیں اس عالم کا ادراک نہیں ہوسکتا۔ تحقیق تو وسیع علم رکھنے والا ___ اور ان کیفیتوں کا جاننے والا ہے۔ جو متشابہات (ماورائے ادراک) کا درجہ رکھتی ہیں ___ یہ بیان۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط میں ___ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی قرآنی تفسیر بیان کی جاتی ہے ___ جس میں انسانی عقلی تاویل کو دخل نہیں ___ اسکے بعد اس بیان کی مکمل تفسیر۔ قرآنی بیان سے واضح ہے ___ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۔ پس کہا اللہ نے۔ اے آدم (مخلوقِ ارضی) اب تمہارا امتحان ہے۔ کہ میرے اس بیان ___ اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط کی حقیقت ملائکہ پر واضح کر دو۔ ملائکہ بھی اسماء (ملکوت السمٰوٰت کی مخلوق) میں شامل ہیں۔ انہیں بھی انکی حیثیت تخلیق ___ کی خبر دو ___ کب سے ہو ___ تمہارا وجود کس شے سے بنا۔ اور تمہارا عمل ___ تمہارا مقام کیا ہے۔ اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ صفت میری وجودی کیفیت میں ودیعت کی ہے ___ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ ۔ کہ میں کائناتِ عالم کی تمام کیفیات کی اصل مشاہدہ کر چکا ہوں ___ پہچان کر چکا ہوں تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ۔ کی ہر کیفیت کا ادراک و پہچان کر چکا ہوں ___ اسی پہچان پر اپنے

خالق کی پہچان بھی مجھے حاصل ہے ـــــ فَلَمَّا اَنۡبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآءِهِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۙ وَ اَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ○ پس جب آدم نے ملائکہ کو۔ ملائکہ کے حدِّ ادراک وعلم سے باہر کیفیات کی خبر دی۔ تو اللہ تعالیٰ نے کہا۔ تم نے آدم (مخلوق ارضی) کی تخلیقی ترتیب میں ایک ''نور'' کا اضافہ دیکھ لیا۔ یہی قوت ہے۔ جس پر اسے خلیفہ قرار دیا گیا ـــــ جسکا تم علم نہیں رکھتے تھے۔ کیا میں نے قانون کے مطابق عمل کیا۔ کہ یہ میری قدرت میں ہے۔ جس پر حرف نہیں آ سکتا؟

اس امر کا اعتراف ہر صورت میں لازم ہے ـــــ کہ اس قرآنی بیان میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت کا ایک عظیم مظاہرہ ہے ـــــ اور ایک خاص مقصد و منصوبہ ہے ـــــ جسکا ذکر دانستہ طور قرآن میں کیا گیا ہے۔ حقیقتاً۔ یہ بیان محض ''خَلِیۡفَة'' ـــــ اور ''خلافتِ اسلامیؐ'' ـــــ اور ''اَلدِّیۡنُ الۡاِسۡلَامُ'' ـــــ کے تصور کی تفصیل وتفسیر ہی تصور کی جاتی ہے ـــــ کہ اس تصور کا مظاہرہ تخلیقِ آدم اور اسکے مقام و منصب اور صفات سے واضح کیا گیا ـــــ اس قرآنی بیان میں خصوصی طور دو کیفیتوں کا حوالہ دیا گیا ہے ـــــ وہ ملائکہ کے بیان میں اَنۡبِـُٔوۡنِیۡ ـــــ بِاَسۡمَآءِ کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے ـــــ اسی طرح یٰۤاٰدَمُ اَنۡبِئۡهُمۡ ـــــ بِاَسۡمَآءِهِمۡ کا اشارہ دیا گیا ہے ـــــ اور ملائکہ کی عدم استطاعت پر اعتراف ـــــ سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ ـــــ اور پھر آدم کے مظاہرۂ علم پر فَلَمَّاۤ اَنۡبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآءِهِمۡ۔ کی اصطلاح استعمال کی گئی ـــــ یہ اس لئے کہ انہیں الفاظ کی اصطلاح سے ان کیفیات کا اصل تصور حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا۔ اس مقام ـــــ بیان پر ـــــ ان دو اصطلاحوں کے حقیقی (قریشی اصطلاح) مفہوم پر ہی ان کیفیات کا اصل تصور قائم کیا جا سکتا ہے۔

ملائکہ سے سوال کیا گیا ـــــ ''اَنۡبِـُٔوۡنِیۡ'' ـــــ ''بِاَسۡمَآءِ'' ـــــ اس سوال سے مراد نوری ہیئتوں ـــــ نوری وجودوں سے ـــــ انکی ساخت ـــــ ہیئت (مرکب Material) اور ساخت کی صفت کے مطابق ـــــ انکی تسبیح وعبادت کے نتیجہ میں ـــــ ماورائے ادراک کیفیات کا ادراک وعلم سے خالق کی پہچان حاصل ہونا ـــــ جبکہ (بقول ملائکہ) قانونی صورت میں وَنَحۡنُ

نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ ــ نوری وجود ہی ــ تسبیح وعبادت سے اللہ اور کائنات کا علم ومشاہدہ سے پہچان حاصل کر سکتے ہیں ــــ اس مقام پر ــ ملائکہ کا عجز سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ کے بیان سے یہ واضح ہے۔ کہ اس مقام پر اَسْمَآءَ ایسی کیفیت ہیں ــــ جو ملائکہ کی نوری ہیئت ــ استطاعت ــ کے مطابق ایسے لطائف ہیں۔ جہاں تک ملائکہ کی نوری قوتوں کی رسائی ممکن نہیں۔ کہ ان مقامات کا علم و مشاہدہ پاسکیں ــــ اس بیان سے یہ واضح ہے۔ کہ یہ مقام ــ ملائکہ کے مقامات سے بالاتر مقام ہیں ــــ جو تخلیقِ کائنات کی تخلیق میں شامل ہیں ــــ تحقیق ومشاہدہ کی اصطلاح میں ان مقامات کو۔ اسرارِ کائنات ــ یا اسرارِ الٰہی سے۔ تعبیر دیا جاتا ہے ــــ موسوم کیا جاتا ہے ــــ اسی ہیئت و کیفیت کی صفت پر ان کیفیات کے علم کی اطلاع وخبر کیلئے اَنْبَأَ کا لفظ (اصطلاح قریش میں) استعمال کیا گیا ــــ اور قرآنی اصطلاح کے مطابق ــــ اَنْبَأَ ــــ مصدر ہے ــــ نَبِی ــــ کا ــــ لہٰذا ایسے فرد کو ــ جو کائناتِ عالم (تا ذات ونورِ الٰہی) کا مشاہدہ۔ روحی (روح) رسائی سے۔ ہر اسرارِ کائنات کی پہچان وعلم حاصل کئے ہو۔ اور وہ ان اسرار کی خبر دینے والا ہو ــــ یعنی اسرار کی خبر پانے والا ــ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ــــ اور فَلَمَّآ اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ۔ خبر دینے والا نبی (اَلنَّبِیُّ) سے موسوم ومعروف ہوتا ہے ــــ گویا۔ قانونِ تخلیق کے مطابق ــــ جب کائناتِ عالم کی ہر شے کو تسبیح وعبادت کیلئے۔ تخلیق کیا گیا۔ تو یہ عمل ازل سے جاری ہونا۔ تخلیقِ الٰہی کے تابع ہوا۔ لہٰذا۔ اس تخلیقی عمل میں ــــ اللہ کی ذات کو ایک مالک ــ خالق ــ حاکم ــ سربراہ کی حیثیت میں ایک ''خَلِیْفَة'' سے تشبیہ دیا جاسکتا ہے ــــ اور اس تخلیقی عمل میں۔ ''مخلوق'' کی حیثیت ــ ''ایک عبد'' ــ (غلام) کی ہوتی ہے۔ لہٰذا اللہ کی خالقیت وحاکمیت اور ایک ''عبد'' ــ کی تسبیح و عبادت (یعنی اسماء کلها کا علم وعرفان) دونوں کیفیتیں ــ ''خلافت اسلامی'' ــ سے تعبیر ہوتی ہیں ــــ چونکہ یہ عمل کائناتِ فطرت کے ساتھ مطابقت کرتا ہے۔ اسلئے اس عمل کو اَلدِّیْنُ الْاِسْلَامُ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اگرچہ قرآن میں ــ تخلیقِ کائنات میں ــ ابتداً ''خلیفه'' ــــ ''خلافت'' ــــ اور ''اَلدِّیْنُ الْاِسْلَامُ'' ــــ کا ظاہر تصور موجود نہیں ــ لیکن تخلیق کائنات

ـــــ کے تخلیقی عمل سے۔اور قرآن کی آیات سے ـــــ ان خصوصیات کے احکام وآیات سے۔بغیر تعارف کائنات کی تخلیق میں۔''خـلیفه''ـــــ''خلافت''ـــــ اور''الـدین الاسلام'' کا تصور واضح ہوتا ہے ـــــ اور جہاں تک قرآن میں تخلیقِ انسانی۔تخلیق آدمؑ کا تفصیلی بیان ہے۔اس سے بھی تخلیق کائنات کا مقصد واضح ہو جاتا ہے۔کہ کائنات کی ہر شے تسبیح وعبادت کیلئے وقف ہے۔اور خصوصاً مخلوقِ ارضی ـــــ''انسان'' ـــــ کو خالص۔تسبیح وعبادت کیلئے تخلیق کیا گیا اور اس عمل میں قرآنی آیات وبیان کے مطابق ـــــ تسبیح وعبادت کے نتیجہ میں عِلْـمُ الْاَ سْـمَـآءَ ـــــ کا حاصل ہونا ـــــ یعنی تخلیق کائنات کی علت۔اور انسان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے (بطور خاص) روحانی قوتیں ودیعت کرنے سے معرفتِ آثار واسرار الٰہی کا مشاہدہ۔اور اللہ کی ذات کا عرفان حاصل کرنا ـــــ حقیقتاً یہ عمل۔کائنات پر۔''خلیفہ'' ـــــ''خلافت''اور''الدین الاسلام'' کا تصور واضح کر دیتا ہے ـــــ

قرآن نے تخلیقِ انسانی ـــــ آدم ـــــ کے متعلق جو بیان پیش کیا اس بیان میں۔حضرت آدم (انسان) سے متعلق خَـلِیْفَة۔خلافت۔الـدیـن الاسلام کا تصور ـــــ یکسر واضح ہوتا ہے۔کہ مخلوق ارضی کی تخلیق میں۔انسان کو خلیفہ کی صفت سے پکارا گیا۔اور خلیفہ کی تفسیر میں قرآن نے واضح طور۔عَـلَّـمَ اٰدَمَ الْاَسْـمَـآءَ کے بیان میں ـــــ معرفتِ آثارِ کائنات۔اور تخلیق کائنات کے آثار کے روحانی مشاہدہ کی نشاندہی کرتے ہوئے۔خـلـیـفـہ کی تفسیر میں انسان کا تسبیح وعبادت سے ـــــ روحانی پاکیزگی کے ساتھ کائنات اور خالقِ کائنات کے آثار واسرار کا مشاہدہ کرنا ـــــ خَلِیْفَة ـــــ کے تصور میں پیش کیا ـــــ

لہٰذا ـــــ قرآن۔مقامِ ارض (زمین) پر ایک مخلوقِ انسانی کو اسکی تخلیقی صفات کی بنا پر ـــــ تسبیح وعبادت کے نتیجہ میں ـــــ مشاہدۂ اسرار الٰہی ـــــ مشاہدۂ تخلیق کائنات عطا کر کے ـــــ ''خَـلِیْـفَة'' ـــــ''الـنَّبِـی'' ـــــ کی صفت سے پکارتا ہے ـــــ اور اسکے عمل (تسبیح وعبادت معرفتِ اسرار کائنات) کو''خلافت'' ـــــ''نَبوّت'' سے موسوم کرتا ہے ـــــ یہی عمل چونکہ تسبیح و عبادت کی اصل ہے۔اسلئے اس اصل کو اَلدِّیْنُ الْاِسْلَامُ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

قرآن نے چونکہ مخلوقِ ارضی ـــــ ''انسان'' سے متعلق ـــــ انسان کی تسبیح وحمد۔عبادت ـــــ خلیفہ اور خلافت سے۔ خلیفة فی الارض کا تعارف پیش کیا۔اسلئے اب انسان سے متعلق ـــــ خلیفہ ـــ خلافت ـــ الدین الاسلام کے بیان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔جس میں زمین پر خلافتِ اسلامی کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

ان واقعات میں ـــــ قرآنی شواہد کو سامنے رکھکر ۔ یہ تسلیم کیا جاتا ہے۔کہ کائنات کی تخلیق کا مقصد ـــــ واحد مقصد ـــــ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ کے بیان کے مطابق۔کائنات کی ہر شے کیلئے۔تسبیح وحمد۔لازم کی گئی ہے۔اور یہ تسبیح وحمد ہر شے کی خِلقت (بناوٹ مرکب) کے مطابق۔مقرر ہے۔کہ نوری ہیئتوں سے۔نوری انداز میں تسبیح ہو۔ناری ہیئتوں سے ناری انداز میں تسبیح ہو ـــ خاکی انداز میں خاکی ہیئتوں کی تسبیح (وَمَنْ فِيهِنَّ) خودبخود عمل میں آتی ہے ـــــ البتہ الارض کی مخلوق میں۔مخلوقِ انسانی کیلئے۔منصوبۂ الٰہی کے مطابق۔ایک مخصوص عمل خوداللہ تعالیٰ کی ذات سے مقرر ہوا۔اس حال میں کہ۔مخلوقِ انسانی کو کائنات کی تمام مخلوق پر فضیلت دی گئی ـــــ وہ یہ کہ الارض (زمین) کی ایک سفلی ہیئت ووجود کو ـــــ اسکی تخلیقِ ارضی میں ـــــ اسکے مرکب میں ـــــ ایک قوی ناری قوت (روح حیوانی) ایک اضافی قوت ودیعت کی گئی ـــــ اورانسان کی خصوصی حیثیت کی بنأ پر اس میں۔(اس کی خِلقت ومرکب سے علاوہ) وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي ـــــ کائنات کی تمام ہیئتوں کے مقابلہ میں ـــــ اضافی قوت ـــــ نوری روح (جو الارض کی جز نہیں) اسکے وجود میں ودیعت کی گئی ـــــ یہ اس لئے کہ انسان کو کائنات کی تمام مخلوق کے مقابلہ میں ـــــ نوری حیثیت میں تسبیح وحمد (عبادت) کا عمل پورا کرنا ہے ـــــ لہٰذا۔اِن خصوصیات کی بنأ پر انسان کیلئے ـــ ایک خاص عبادت۔خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کی گئی۔یہ عبادت ـــ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ۔کا علم تھا۔جس میں انسان۔آدم کو تمام اسرار کائنات کا مشاہدہ ـــــ اور مشاہدۂ ذاتِ الٰہی عطا ہوا۔یہی علم وعمل حقیقتاً ـــ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِيفَةً ۔کے بیان میں واضح کیا گیا ـــ اسی علم وعمل کو خلافت ونبوت سے تعبیر دیا گیا ـــــ اسی علم وعمل کی بنأ پر انسان کو

''خـلیفـہ'' و ''نبی'' کے خطاب سے پکارا گیا ___ اور یہی علم و عمل تسبیح وحمد کی صورت میں ___ آئندہ اولادِ آدم کیلئے مخصوص کیا گیا۔ جس عمل سے اولادِ آدم کا ہر فرد خـلیـفـہ تصور کیا جاتا ہے۔ اور آئندہ اولادِ آدم میں۔ ایک خلیفہ کی حیثیت میں۔ اسکے مخصوص علم وعمل کو ''خلافت'' سے موسوم کیا جاتا ہے ___ ہاں! اس عمل کو تسبیح وعبادت کی صورت میں ''الدین'' کی حیثیت دی گئی ہے۔ اسلئے اس علم وعمل کو اَلدِّیْنُ الْاِسْلَام سے تعبیر دیا گیا ___ جو خلافتِ اسلامی سے متعارف ہے ___

ان حقائق کی روشنی میں یہ تسلیم کرنا لازمی ہے۔ کہ (القرآن) اللہ تعالیٰ نے۔ ''خـلیفہ'' ''خلافت'' ___ اور ''اَلدِّیْنُ الْاِسْلَامُ'' کے بیان میں انسان کے ذمہ خصوصی طور خلیفہ کی صفت میں ___ تسبیح وحمد کا ایک خاص عمل مقرر کیا۔ وہ ہے۔ تسبیح وحمد مشاہدہ وعلم ___ اسرارِ کائنات۔ اور خالقِ کائنات ___ اور یہی ایک عمل انسان کیلئے لازم کیا گیا ___ اسکے سوا کوئی ایسا عمل باقی نہیں جو تسبیح وحمد میں شامل یا شمار ہو ___ یہی عمل ہر مخلوق انسانی کیلئے۔ ہر زمانہ میں مقرر ہوا ___ جس سے۔ ''خـلیفہ'' ___ ''خلافت'' ___ اور اَلدِّیْنُ الْاِسْلَامُ ___ کا حقیقی تصور قائم ہوتا ہے ___ یہی تصور ان قرآنی آیات میں محقق اور مسلّم نمایاں ہے ___ جسکی ابتداً وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ___ فَلَمَّآ اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ کے بیان سے ہوئی ___ اور آئندہ یہ عمل نسلِ انسانی ___ اولادِ آدم سے پورا ہونا ہے ___ کہ ہر انسان بحیثیتِ خـلـیـفـہ پیدا ہوگا۔ مشاہدۂ اسرارِ کائنات (اور تسخیر کائنات) اور مشاہدۂ ذاتِ الٰہی اسکی تسبیح وحمد ہوگی ___ یہی عمل اسکی خلافت سے موسوم ہوگا ___ اور یہی عمل خلافتِ اسلامی سے تعبیر ہوگا ___

جہاں تک تاریخِ انسانی کا تعلق ہے ___ تحقیقِ کائنات۔ اور تحقیقِ ارضی سے ___ انسانی پیدائش ___ نسلِ انسانی ___ اور انسان کے عمل سے متعلق ایک تحقیقی تاریخ مرتب ہوتی ہے۔ کہ حضرت آدم کی۔ نسل میں اولادِ آدم ___ ذریتِ آدم کیلئے یہی عمل ___ یہی تسبیح وحمد ___ یہی مشاہدۂ کائنات مقرر ہوا ___ یہ عمل حضرت آدم کے ذریعہ ___ اولادِ آدم میں۔ ہر زمانہ میں۔ نسل در نسل منتقل ہوتا رہا ___ لہٰذا۔ ہر زمانہ میں۔ مخلوق انسانی ___ نسلِ انسانی میں ___ یہی عمل ___

''خلیفه'' ـــــ ''خلافت'' ـ اور ''الدین الاسلام'' ـــــ ''خلافتِ اسلامی'' سے پہچانا گیا ـــــ
پہچانا جاتا ہے ـــــ اور طویل زمانہ تک یہی علم وعمل انسان کیلئے لازم ہوا ـــــ جس میں ایک انسان
خلیفہ کی صفت سے پکارا گیا ـــــ اور اس عمل ـــ تسبیح وحمد ـــــ مشاہدۂ اسرارِ کائنات کو خلافتِ
اسلامی سے موسوم کیا گیا ـــــ اس حال میں کہ انسانی ذہن میں کسی سلطنت ـ نظامِ سلطنت ـ امورِ
سلطنت کا تصور قائم نہ ہوا تھا ـــــ یہاں تک کہ انسان نے خواہشات نفسانی کو ذہن میں جگہ دیکر
حصول دنیا کی طرف توجہ دی ـــــ جسکے نتیجہ میں انسان حصولِ دنیا کی ہوس میں ـ ایک دوسرے کا دشمن
بنا ـــــ اور ملائکہ کی نشاندہی پوری ہوئی کہ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا ـ کہ انسان حصولِ دنیا کی
ہوس میں ـ حقیقی تصورات ـ تسبیح وحمد مشاہدہ اسرار کائنات کی صفات سے محروم ہوکر ـ دنیا میں فساد و
خونریزی کرنے لگا ـــــ یہی موقع تھا ـ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت یہ اطلاع دی تھی
ـــــ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ'' ـــــ انسان خواہشاتِ نفسانی کی ہوس میں ایک دوسرے کا دشمن بنیگا ـ
لہٰذا ـ ایسے موقع پر فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ'' عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۸) ـ پس میں تمہارے لئے ـــــ تمہاری ہدایت کیلئے ـ
تمہاری اصلاحِ نفس کیلئے ـــــ کہ تم میں وہ پاکیزگی روح قائم نہ رہ سکی ـــــ تمہارا مشاہدہ اسرارِ
کائنات ـ مشاہدۂ ذاتِ الٰہی ختم ہوگیا ـــــ اپنی طرف سے ایک ''ہدایت'' ـــــ ایک ضابطۂ عمل
ـــــ پیش کرونگا ـ جس سے ـ تم دوبارہ ـــــ اپنے بنیادی عمل ـــــ تسبیح وحمد ـ اور معرفتِ اسرار
کائنات پر قائم ہوکر ـــــ آخرت ـ یوم القیامۃ میں عذاب سے نجات حاصل کرسکو گے ـ کیونکہ
میرے منصوبہ میں انسان کی پیدائش کا واحد مقصد اسکے عمل سے ـ نتیجۂ عمل میں ـ یوم القیامہ ـــــ
آخرت میں عذاب سے نجات حاصل کرنا ہے ـ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ'' ـ عِنْدَ اللّٰهِ [1] ـ لہٰذا اللہ
تعالیٰ نے اپنی طرف سے ایک ہدایت ـ ایک ضابطہ کی صورت میں ـــــ ایک مخصوص ومنتخب فردِ
انسانی کے ذریعہ مخلوقِ انسانی کو پیش کیا ـــــ جسے قرآن نے اَلدِّيْنُ الْاِسْلَام کے تصور میں پیش کیا

---

[1] اور البتہ اللہ کے نزدیک انسان کیلئے قیامت میں نجات اصل چیز ہے ـ

ــــــ جسے شریعت۔ یا شریعتِ اسلامی کے تصور میں متعارف کرایا گیا۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۔ اللہ کا ضابطۂ ہدایت۔ دینِ اسلام یا شریعتِ اسلامی کے تصور میں پیش کیا گیا ــــــ

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مخلوقِ انسانی کی ہدایت اور اصلاح نفس کیلئے جو طریق پیش کیا ــــــ اس میں ایک خاص ترکیب استعمال کی گئی۔ جس پر توجہ کرنا ضروری ہے ــــ

اول یہ کہ ــــ انسان کیلئے۔ قدیمی عمل تسبیح وحمد سے علاوہ۔ ایک ''ہدایت'' پیش کی گئی ــــ یعنی جس عمل سے۔ انسان کی مردہ روح (روح وجسم) پاکیزہ ہوکر۔ دوبارہ اسرارِ کائنات کا مشاہدہ پا کر۔ تصورذات میں مشغول ہوکر اپنا مقام ''خلیفہ'' ــــ پاسکے ــــ یہ تسبیح وحمد سے علاوہ ایک ضابطہ ۔ایک قانون ــــ ایک حکم ہے۔ جس پر تعمیل کرنا ایک اضافی عمل قرار دیا جاتا ہے ــــ

دوسرے اس ضابطے کے پیش کرنے کیلئے۔ مخلوقِ انسانی میں ایک فردِ انسانی کو خصوصی طور منتخب کیا جاتا ہے ــــ اسکی خصوصیت میں انسانی خلیفہ کی صفات۔ پیدائش کے ساتھ ہی محفوظ کی جاتی ہیں۔ کہ انسانی روح پاکیزہ ہوکر ایسے انسان کا مشاہدہ اسرارِ کائنات۔ اور صفتِ تسبیح وحمد محفوظ رہ کر۔ انسان پیدائش کے ساتھ ہی۔ ''خلیفہ'' کی صفت سے متصف ہوتا ہے ــ یعنی ایسا انسان۔ پیدائشی طور خلیفہ کی صفت پاتا ہے۔ اور خلیفہ کی صفت میں اسے مشاہدۂ اسرارِ کائنات۔ مشاہدۂ ذاتِ الٰہی حاصل ہوتا ہے ــــ اور اسی صفت کے اعتبار سے یہ فردِ انسانی۔ ''نبی'' ــ کی صفت سے پکارا جاتا ہے ــ اس حال میں کہ زمانہ میں مخلوقِ انسانی میں صفاتِ خلافت۔ مشاہدۂ اسرار کائنات مفقود ہونے کے باعث ۔کوئی فرد۔ صفتِ خلافت (خلیفہ) اور نبوت (نبی) پر قائم نہیں رہا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فردِ انسانی کو باقی مخلوقِ انسانی پر فضیلت حاصل ہونے کی بنأ پر۔ یہ خصوصیت حاصل ہوتی ہے۔ کہ یہی ایک فرد تمام مخلوقِ انسانی میں۔ خلیفہ۔ اور نبی تصور کیا جاتا ہے۔ اس حال میں کہ فطری قانونِ تخلیق کے تحت۔ ہر انسان کا۔ ایک خلیفہ ــــ ایک نبی کی حیثیت میں پیدا ہونا۔ ایک الٰہی منصوبہ کے تحت لازم ہے ــــ اور ایک مخصوص فردِ انسانی بھی ــــ اسی خلیفہ ــــ نبی کی صفت کا حامل ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ ایک فردِ انسانی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوقِ انسانی تک

ہدایت ـــــ ضابطہ الٰہی ـــــ پہنچانے کیلئے مامور کیا جاتا ہے۔ جبکہ عام مخلوقِ انسانی کے مقابلہ میں ایسے فرد میں خلافت و نبوت کی صفت موجود ہوتی ہے۔ جس بناءٔ پر ایسے فرد کو ایک مخصوص صفت ''النبی'' ـــــ کے تصور میں دیکھا جاتا ہے۔ قرآن نے ایسے مخصوص ومنتخب فردِ انسانی کو۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص ـــــ اضافی ہدایت وضابطہ پیش کرنے کیلئے۔ مقرر کیا گیا ہو'' رَسُوْل '' کے خطاب سے پکارا ـــــ حقیقتاً۔ یہ فردِ انسانی ـــــ نبوت سے سوا۔ ایک اضافی ہدایت واحکام الٰہی مخلوقِ انسانی تک پہنچانے کی خصوصیت پر رسول کہلاتا ہے ـــــ اور انسانی پیدائشی۔ فطری تخلیقی صفت پر۔ تسبیح وحمد کا حامل (جو اسکا بنیادی اور فطری عمل ہے) ـــــ مشاہدۂ اسرار کائنات کا حامل۔ ملائکہ کے بعد تسبیح وحمد کا حامل ـــــ خَلِیْفَة ـــــ اور النَبِیُّ ـــــ نبی کہلاتا ہے ـــــ

اللہ تعالیٰ کی خالقیت ـــــ کے منصوبۂ ازلی کے مطابق ـــــ حضرت آدم کی ذریت میں ـــــ یہی عمل جاری رہا ـــــ کہ انسان فطری طور۔ بنیادی پیدائش میں۔ تسبیح وحمد کا حامل خلیفہ ـــــ نبی کی صفت میں پہچانا گیا ـــــ اور جب انسان لذتِ نفس کے زیر اثر ناجائز خواہشاتِ نفسانی کی جستجو میں۔ تصورِ ذات اور مشاہدۂ اسرارِ کائنات سے محروم ہوا۔ تو لَھُمْ قُلُوْب'' لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَاز وَلَھُمْ اَعْیُن'' لَّایُبْصِرُوْنَ بِھَاز وَلَھُمْ اٰذَان'' لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَا ط اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ ط (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۱۷۹) جب انسان نے اپنی آنکھوں کو حقائق کا مشاہدہ کرنے سے باز رکھا اور کانوں سے حقیقت کے حقائق سننے پر توجہ نہ دی۔ تو اسکا نتیجہ اسکا قلب وروح اسرارِ کائنات کا مشاہدہ کرنے سے محروم ہو جاتا ہے ایسی صورت میں انسان مقامِ خلافت سے گر کر۔ خلیفہ کی صفت سے محروم۔ حیوانی صفت میں آجاتا ہے ـــــ ایسے موقع پر مخلوقِ انسانی کی ہدایت وراہنمائی کیلئے ایک فردِ انسانی جسکی صفات خلافت محفوظ کی جائیں۔ ایک خلیفہ۔ نبی ـــــ اور رسول کی صفت میں نمایاں مخصوص تصور کیا جاتا ہے۔

تاریخ انسانی ـــــ تاریخِ اسلام ـــــ تاریخ معاشرتِ انسانی میں قدیم سے۔ انسانی کردار وعمل پر بحث چلی آتی رہی۔ جس میں ایک ہی نسلِ انسانی سے۔ لاتعداد قومیں بکھر کر چہار

اطراف عالم میں پھیلتی رہیں ـــــ انکی طرزِ زندگی میں۔ بنیادی کیفیت۔ تسبیح وعبادات پر انکے کردار وعمل کو دیکھا گیا ـــــ ہاں! ـــــ یہ کردار وعمل ہر انسان کا انفرادی عمل تصور کیا جاتا تھا ـــــ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط (پارہ ۲۹ سورۃ ۶۷ آیت ۲) بنایا انسان کو (موت وحیات کی قید میں) کہ ان میں کون بہتر اور اچھے کردار عمل کا مالک ہے ـــــ ایک زمانہ انسانی زندگی کا ایسا گزرا جب انسان مقامِ خلافت سے گر کر ذلت وپستی میں آیا ـــــ تو تاریخ انسانی کا یہ مشہور واقعہ قدیم سے۔ چلا آیا۔ کہ ایسی مخلوق کی راہنمائی کیلئے فطرت (اللہ تعالیٰ) نے مخلوق انسانی کے ایک ''نبی'' ـــــ ''خلیفہ'' ـــــ کو بحیثیت ''رسول'' (مصطفیٰ (منتخب) کر کے) اپنا ایک اضافی ضابطہ دیکر بھیجا ـــــ جو ہر زمانہ میں ـــــ ہر مقامِ پر۔ گمراہ پست وذلیل افرادِ انسانی کو حقیقت کی طرف لا کر مقامِ خلافت ونبوت پر پہنچاتا رہا۔

ہاں اس مقام پر انسانی طرزِ زندگی کے نظام پر توجہ دینا ضروری ہے وہ یہ کہ ـــــ انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے ـــــ انسان مثل مخلوقِ سابق (مخلوق نوری۔ وناری) تسبیح وعبادت کیلئے پیدا کیا گیا ـــــ اس عمل میں۔ اللہؔ اور عَبدؔ کا تعلق مستحکم ہوتا ہے ـــــ جس میں ''اللہ'' ایک خالق ہونے کے اعتبار سے۔ مالک وسربراہ ہونے کے تصور میں۔ ایک ''خلیفہ'' تعبیر دیا جاتا ہے۔ گویا ''خلیفہ'' کا تصور۔ بنیادی تصور ہے ـــــ یہی تصورِ تخلیقِ کائنات کا بنیادی نکتہ ہے ـــــ جس دائرہ میں کائنات وَمَنْ فِيهِنَّ ازل سے ابد تک محوِ گردش رہیگی ـــــ اور یہ عمل خصوصاً مخلوقِ انسانی کیلئے خاص کیا گیا ـــــ کہ ملائکہ کی مخلوق کے بعد۔ ایک ارضی۔ سفلی زمین کی پیداوار (مخلوق) کو کائنات کی تمام قوتوں پر (روحانی ـــــ جسمانی) فضیلت دیکر۔ بدرجہ اولیٰ تسبیح وحمد کا حامل بنایا گیا ـــــ جسکی ابتداً حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے ہوئی۔ اور یہ سلسلہ ذریتِ آدمؑ میں برابر ہر زمانہ میں جاری رہا۔ تا قیامت جاری رہے گا ـــــ

ہاں۔! تاریخ انسانی سے یہ واضح ہے۔ کہ ذریت آدم میں۔ مخلوقِ انسانی کی گمراہی وپستی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ ایک فردِ انسانی کو منتخب کیا گیا۔ جس نے صرف۔ بحیثیتِ ''رسول'' ـــــ

اللہ تعالیٰ کے احکام مخلوقِ انسانی تک پہنچائے ـــــ ان احکام میں (کوئی بھی زمانہ ہوا) رسول نے خاص ایک مقصد وتصور پر ـــــ انسان کی روحانی جسمانی پاکیزگی سے ـــــ تسبیح وعبادت کے عمل سے۔مشاہدۂ اسرارِ کائنات۔مشاہدۂ خالقِ کائنات کیلئے ـــــ اصول وضوابط پیش کر کے۔مخلوق انسانی کو مقامِ خلافت (خلیفہ) ونبوت (نبی) پر فائز کیا ـــــ ہاں! ـــــ اسی عمل میں ـــــ مثلِ سابق ـــــ ایک رسول کی تعریف ـــــ پر توجہ ضروری ہے ـــــ اول بنیادی حیثیت میں بحیثیتِ انسان یہ رسول پیدائشی خلیفہ ـــــ پیدائشی نبی ہے ـــــ دوم۔مخلوقِ انسانی کی ہدایت وراہنمائی کیلئے ـــــ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصطفیٰ (منتخب) کیا گیا ـــــ جس میں ایک اضافی علم وعمل (وحی) عطا ہونے کی حیثیت میں۔''مصطفیٰ رسول'' کا اعلیٰ مقام اسے حاصل ہوتا ہے۔ہدایتِ انسانی کیلئے مقامِ رسالت کے اعتبار سے یہ ہستی۔ایک سربراہ۔حاکم کی حیثیت میں ـــــ ایک سربراہ کے تصور میں ـــــ خَلِیۡفَةُ اللّٰه کہلاتی ہے کہ اللہ کے احکام اس مصطفیٰ ہستی کے ذریعہ مخلوقِ انسانی کی اطاعت و تعمیل کیلئے پیش کئے جاتے ہیں ـــــ اسی ہستی کیلئے ـــــ رسول مصطفیٰ کی حیثیت میں ـــــ ''خَلِیۡفَةُ اللّٰه'' ـــــ کا ایک اضافی اعزاز والقاب ہوتا ہے۔

اسی بنیادی تصور پر ہر زمانہ میں۔زمین پر پھیلی ہوئی مخلوقِ انسانی کیلئے ـــــ ایک فردِ انسانی ـــــ ایک ''خلیفہ'' ارضی ـــــ ایک ''نبی'' ـــــ ایک ''مصطفیٰ رسول کی'' صورت میں۔مبعوث ہوتے رہے ـــــ جن ہستیوں کے ذکر تاریخ انسانی میں ـــــ اور رسولوں کے ذریعہ ـــــ احکامِ الٰہی کے ساتھ ـــــ قوموں کے ''رسولوں'' کے نام سے مشہور ہیں۔ان میں بعض اولوالعزم رسولوں میں۔حضرت آدمؑ کے بعد۔حضرت شیثؑ۔حضرت یونسؑ۔حضرت نوحؑ۔حضرت لوطؑ۔حضرت ابراہیمؑ۔حضرت اسماعیلؑ۔حضرت اسحاقؑ اور قومِ بنی اسرائیل (اولادِ حضرت یعقوبؑ رسول) کے مشہور رسولوں میں حضرت داؤد۔حضرت سلیمان۔حضرت موسیٰ۔حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی شخصیات مسلمہ ہیں۔کہ ان رسولوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات واحکام اور ضوابط پیش کئے۔جن میں۔احکامات کی روح ـــــ تسبیح وعبادات اور تزکیہ نفس سے روحانی جسمانی پاکیزگی حاصل کر کے۔

معرفتِ اسرارِ کائنات اور مشاہدۂ خالق کائنات۔ بنیادی۔ حقیقی مقصد وعمل واضح تھا۔

جیسا کہ گزشتہ باب میں بیان ہوا۔ کہ زمین پر مخلوق انسانی کی گمراہی پر ہر زمانہ میں۔ ایک رسول احکام الٰہی لیکر مبعوث ہوا۔ جب رسول کے اجرائے احکام تبلیغ الـدیـن (دین) پر باطل قوتوں نے اپنی باطل خواہشاتِ نفسانی کے زیر اثر محض اپنے ناجائز مفادات کے حصول میں خطرے کے مدنظر رسول کے اجرائے دین میں مزاحمت کر کے۔ رسول کے قتل کے منصوبے بنائے یا رسول کے اجرائے دین میں شدید رکاوٹیں پیدا کر کے مغلوب کرنے کی کوشش کی۔ تو نصرت الٰہی کے سبب ایک رسول کو کسی غالب قوت (سلطنت یا شہنشاہیت) کی حمایت حاصل ہوئی۔ کہ اس طاقت نے اسلام قبول کیا۔ تو اسی طاقت کے ذریعہ باطل قوتوں کو مغلوب کر کے ایک رسول کے دین کو ــــ اجرائے دین میں آسانی میسر آ کر دین مخلوق انسانی تک پہنچا ــــ یا اللہ تعالیٰ نے خود کسی رسول کو ذاتی طور قوت بخشی (جیسے رسولوں میں۔ حضرت یونس۔ حضرت داؤد۔ حضرت سلیمان۔ حضرت موسیٰ علیہم السلام کو شہنشاہیت کا غلبہ عطا ہوا) جس سے ایک رسول باطل قوتوں کے مقابلہ میں۔ احکامِ الٰہی کے اجرا میں کامیاب رہا ــــ چنانچہ گزشتہ باب میں خلافتِ اسلامی کے بیان میں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی۔ خلافت و نبوت اور سالت سے متعلق تفصیلی حقائق پیش کئے گئے۔ جن سے خلافتِ اسلامی کی حقیقی ہئیت واضح کی گئی ہے ــــ

یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ خلافتِ اسلامی کے مفہوم میں۔ سوائے اسکے کہ کل کائناتِ عالم کیلئے ایک عمل ــــ تسبیح و عبادت۔ اور مشاہدۂ اسرار کائنات مقرر ہوا۔ اور کوئی فروعی تصور شامل نہیں ــــ یہ عمل ازل سے لیکر ابد تک قائم رہیگا ــــ مخلوقِ انسانی کی کوئی بھی طرزِ زندگی ہو ــــ اس میں خلافتِ اسلامی کی صورت میں تسبیح و حمد اور مشاہدۂ اسرار کائنات کے سوا۔ اور کوئی تصور شامل نہیں ــــ البتہ جیسا کہ بیان ہوا۔ کہ ایک رسول کے اجرائے دین میں باطل قوتوں کی مزاحمت [1] کے سبب

---

[1] درحقیقت اس زمانہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان۔ جنگِ صفین رونما ہونے کی وجہ سے امت مسلمہ (اصحاب) دو نظریوں میں بٹ گئے تھے۔ جس میں یہ خاص (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک رسول کی اشاعتِ دین میں ایک اضافی عمل کی ضرورت پیدا ہوئی۔ وہ یہ کہ جیسا گزشتہ انبیاء کے

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) نظریہ انتخابِ خلافت کیلئے شرائطِ دینی کے مطابق خلیفہ کا انتخاب ہونا ___ یا اقتدارِ اسلامی کے تحفظ واستحکام کیلئے۔ شرائطِ دینی میں اجتہاد پر۔ تقویٰ۔ علم وعمل کے علاوہ سیاسی فہم وتدبر کو لازم رکھا جائے۔ حضرتِ امیر معاویہؓ کے اس اجتہادی عمل کے نتیجہ میں ضروری تھا۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نظریہ کی حمایت کرنے والے اصحاب جو جنگ صفین میں آپ کی طرف سے جنگ میں شریک تھے۔ ویسے ہی۔ یزید کی خلافت پر اعتراض کرتے ہوئے۔ یزید کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے۔ انکار کی صورت میں خلافت میں امت مسلمہ میں فساد ہونا یقینی تھا۔ جس اندیشہ کے مدنظر حضرت امیر معاویہؓ کی یہ کوشش تھی۔ کہ تمام امت مسلمہ بغیر کسی اعتراض واختلاف کے یزید کی بیعت قبول کرلیں۔ تاکہ آئندہ خلافتِ اسلامی (اقتدارِ اعلیٰ) بغیر کسی فساد کے قائم رہ سکے ___ جسکے لئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے محض ایک دوراندیشی ومصلحت کے تابع تمام اصحاب وامت مسلمہ سے قبل از وقت بیعت لینے کی کوشش کی۔

تاریخی واقعات کو سمجھنے میں۔ ایک قاری حقائق کا دور سے مطالعہ کرتا ہے۔ جبکہ طویل زمانہ گزرنے کے بعد واقعات ایک ہی کیفیت میں موجود نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا ماضی کے واقعات کو حال کی کیفیات کے آئینہ میں تجزیہ کرنے میں اصل حقیقت من وعن سمجھی نہیں جاسکتی۔ جب تک کہ واقعات کو انکے زمانہ کے ساتھ۔ انکی اصلی ہیئت پر نہ پرکھا جائے ___

تاریخ اسلامی ___ یا اَلـدِّیْنُ الْاِسْلَامُ۔ میں اجرائے رسالت پر ایک فطری عمل فطری طور ظہور میں آتا ہے۔ وہ ہے "مُزَاحِمَتُ"۔ یعنی ایک حقیقت (حق) کے اجرا میں "باطل" کا وجود فطرۃً سامنے آتا ہے ___ اسلئے کہ "باطل" کی قوت کے ظہور پر ہی "حق" کا اجرا لازم ہوتا ہے ___ یہی کیفیت "معرکۂ حق وباطل" سے تعبیر ہوتی ہے ___ اور یہ جاننا ضروری ہے کہ حق کا ظہور۔ ازل سے ایک منتخب (مامور من جانب اللہ) رسول کے ذریعہ ہوتا ہے ___ ہوتا رہا ___ چنانچہ تاریخی واقعات سے یہ امر واضح ہے۔ کہ زمین پر جب بھی باطل قوتوں کے غلبہ سے فطری قانون کی خلاف ورزی ہوتی رہی۔ تو فطرۃً سے ہی۔ ایک منتخب رسول کے ذریعہ "حق" کا نفاذ واجرا ہوا ___ اس نفاذِ حق کی صورت میں۔ باطل قوتوں کے عمل سے مُزَاحِمَتُ کا تصور پیدا ہوا۔ اسی تصور پر زمانۂ رسالت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ۔ اَلـدِّیـن اِلاسلام کی ہیئت میں جب ایک جامع اور مکمل ضابطۂ ہدایت مخلوقِ انسانی کیلئے نافذ کیا گیا ___ تو فطری طور باطل قوت کی مُزَاحمت سامنے آئی جسکا مقصد یہ کہ مخلوقِ انسانی کیلئے۔ صراط مستقیم ___ فلاح ونجات۔ امن وسلامتی کے حصول میں تعمیل ھـدایت کی راہیں مشکل بلکہ بند کردیں۔ یہی وہ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اشاعت دین میں انہیں۔ایک غالب قوت کی امداد وحمایت سے ـــــ غلبہ وقوت حاصل ہوئی۔جس

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) بنیادی نکتہ ہے۔جس پر ہر زمانہ میں حق وباطل کا معرکہ جاری ہوتا رہا۔جسے ''اسلام'' (الدین الاسلام) اور ''کفر'' سے تعبیر دیا گیا ـــــ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر انسانی۔عقلی۔شعوری ـــ روحانی فکر کہ ''حقیقتِ محمدیؐ'' کیا ہے؟ یہ انسانی عقل وفکر سے ماوراٗ ہے۔سوائے۔اسلام۔شریعت محمدی کی اُولوالعزم ہستیاں ـــ ''حقیقت محمدیؐ'' کا کسی حدتک احاطہ کرسکیں ـــ سوائے اسکے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ''عملِ رسالت'' پر بحیثیت ''رسول''۔تاریخی تجزیہ کیا جائے۔جسکے لئے حضورؐ کی مقدس زندگی کے واقعات چودہ سو سال قبل۔اور مخاطبین رسول ـــ اور تابعین رسول۔منکرین رسول کے حالات زندگی اور زمانۂ رسالت کے واقعات کو سامنے رکھنا ضروری ہے ـــ

قرآنی آیات کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہے۔کہ ایسے زمانہ میں جب الارض۔زمین پر ہر جہت سے کفر وضلالت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔باطل قوتوں نے تمام مخلوق انسانی پر غلبہ حاصل کر کے۔ انکے لئے ـــ حصولِ فلاح آخرت ـــ حصولِ فلاح دنیا کے دروازے بند کر کے انسان کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔جسکے لئے ضابطۂ فطرت کے تحت۔باطل قوتوں کے خاتمہ کیلئے ایک رسول۔اور ایک ضابط ہدایت لازم تھا ـــ ہاں! کائنات کا یہ ایک فطری عمل ہے ـــ ''حق''! ـــ ''وباطل''!! ـــ اس حق وباطل کے معرکہ کا ظہور۔حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ضابطۂ ھدایت ـــ قرآن سے ہوا ـــ

چنانچہ قرآن نے اپنے ابتدائی نفاذِ ہدایت میں پہلا اعلان جاری کیا ـــ یا رسول اللہ قُمْ فَـأَنْذِرْ ـــ یا رسول اللہ آپ اٹھیں اور باطل قوتوں کو انکے نتائجِ عمل (عذاب قیامت) سے ڈرائیں ـــ ہاں! یہی انسانی زندگی کا واحد تصور۔واحد مقصد ہے۔کہ زمین پر انسانی عمل میں ضابطۂ فطرۃ کے خلاف تخریبی عمل کے نتیجہ میں ـــ آخرت ـــ قیامت۔میں انسان کو شدید نقصان ـــ شدید عذاب سے دوچار ہونا ہوگا ـــ یہی وہ اعلانِ ''حق'' ہے۔ جس پر حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر۔آپ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تابعین پر باطل قوتوں کی مزاحمت میں۔مکی زندگی اور مدنی زندگی میں متواتر دس سال انتہائی مصائب ومشکلات سہنے پڑے ـــ ہاں! یہی وہ بنیادی عمل ـــ اجرائے رسالت۔نفاذِ ضابطۂ ہدایت پر باطل قوتوں کی مزاحمت میں ـــ الدین الاسلام پر ـــ ''یلغار'' ـــ مظالم۔قتل وخونریزی کا عمل شروع ہوتا ہے۔

یہی معرکۂ ''حق وباطل''۔الدّین الاسلام میں ہر موقع پر سامنے آتا ہے جہاں ضابطۂ الٰہی کے خلاف کسی اقدام کو محسوس کیا گیا۔حق وباطل کا معرکہ سامنے آتا ہے ـــ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے باطل قوتوں کی قوتِ مزاحمت ختم ہو کر۔ اشاعتِ دین میں آسانی میسر آئی ــــ اسکے لئے ایک

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے بعد۔ حضورؐ کے جانشین خلیفۃ الرسول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر۔ حق و باطل کا معرکہ سامنے آیا ــــ آپؓ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر عیاں طور حق و باطل کا معرکہ جاری رہا ــــ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ــــ پسپا و ذلیل یہود و نصاریٰ کی سازشوں کے نتیجہ میں بنیادی انتقامی جذبۂ مزاحمت۔ شہادتِ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی صورت میں سامنے آیا ــــ ان تمام واقعات میں اصل محرک جذبہ مزاحمت ہی تھا ــــ جس معرکہ میں اسلام (الدین الاسلام) کو نیست و نابود کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا اس معرکہ حق و باطل کے نتیجہ میں الدین الاسلام کی قوت کے سامنے تمام باطل قوتیں پاش پاش ہو کر بکھر گئیں۔ اور اسلام ایک نا قابل تسخیر قوت بن کر روئے زمین کی وسعتوں میں پھیل گیا ــــ

الدین الاسلام کی ہیتِ مسلمہ میں یہ امر واضح ہے۔ کہ نفاذِ اسلام۔ نفاذِ احکامِ الٰہی۔ اجرائے رسالت میں۔ بنیادی ضابطہ امن وسلامتی۔ اور حسنِ اخلاق کے ذریعہ مخلوقِ انسانی تک علمِ ہدایت پہنچانا ہے ــــ جس میں کسی جبر و ظلم و سختی کا عمل کسی طرح بھی جائز نہیں۔ یہی اسلام کا اصل ضابطہ ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ تمام انبیاءِ ارضی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آنے والے رسول کی بشارت دی گئی ــــ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ط قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ ○ اور جب لیا اللہ نے عہد انبیاءؑ سے۔ کہ جو کچھ میں دوں کتاب حکمت سے۔ پھر آئے تمہارے پاس ایک رسول۔ جو تصدیق کرے۔ اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے۔ تو تم ضرور اس پر ایمان لانا ــــ اور اسکی مدد کرنا ــــ کہا (اللہ نے) کیا تم نے اقرار کیا ــــ اور قبول کیا اس پر میرا عہد! ــــ کہا انہوں نے۔ اقرار کیا ہم نے۔ اور کہا اللہ نے۔ اب تم گواہ رہو ــــ اور میں بھی تمہارے گواہوں میں ہوں ــــ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۸۱)

ــــ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ ز۔ وہ جو تابع ہوتے ہیں اس رسول کے۔ جو نبی اُمی ہیں۔ جن کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس۔ توریت اور انجیل میں۔ (پارہ ۹ سورۃ اعراف آیت ۱۵۷)

یہ بشارت حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے متعلق دی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رسول کو ایک قوی۔ غالب۔ پاکیزہ کردار افراد کی ایک جماعت کی حمایت حاصل ہوتی ہے ـــــ

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) گئی۔ چنانچہ تمام انبیاءؑ نے اپنی قوم کو اس عہد نامۂ الٰہی کی بشارت دی ـــــ اسی بشارت پر ہر قوم خاص کر یہود و نصاریٰ اس بشارت کو دہراتے رہے۔ کہ ایک رسول مخلوقِ انسانی کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوگا ـــــ جس پر ہم ایمان لائینگے ـــــ اور اس رسول کی مدد کرینگے ـــــ اور جب وہ رسول مبعوث ہوا ـــــ تو اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ ھُمْ ط (پارہ۲ سورۃ۲ آیت ۱۴۶)۔ تو وہ حضور محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نبیِ آخر زمان کی بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا کی ذاتِ اقدس تھی۔ جنہیں انکی ذات سے تمام قوموں نے پہچان لیا ـــــ

یہ غور کرنے کا مقام ہے۔ ایک ذاتِ اقدس جن کیلئے۔ اللہ تعالیٰ نے بشارت و پیشگوئی دی۔ جن کے لئے ہر زمانہ میں۔ ہر نبی۔ ہر رسول پیشگوئی اور بشارت دیتا رہا۔ اور یہ جانا جاتا تھا۔ کہ وہؐ مخلوقِ انسانی کی فلاح و سربلندی کیلئے مبعوث ہونگے۔ تو لازم تھا۔ کہ یہود و نصاریٰ ایسے رسول کی بلا چون و چرا اطاعت کرتے۔ آپ کی مدد کرتے۔ اور خاص کر قوم بنی اسماعیل علیہ السلام کے قوم قریش یہ جانتے ہوئے۔ کہ یہ رسول مِنْھُمْ۔ انہیں کی قوم سے مبعوث ہوئے۔ انکے لئے مقامِ فخر تھا۔ کہ یہ تمام قوم باقی یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں آپ کی بدرجہ اولیٰ اطاعت و امداد کرتے ـــــ اور اگر ایسا ہی ہوتا۔ تو مزاحمت کا تصور باقی نہ رہتا ـــــ مزاحمت نہ رہتی۔ تو اقتدارِ اعلیٰ کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ اقتدارِ اعلیٰ کی ضرورت نہ رہتی۔ تو جہاد و مقابلہ کی نوبت باقی نہ رہتی ـــــ اور اگر مابین جنگ وجدل کا موقع نہ رہتا تو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے۔ سوائے قُمْ فَاَنْذِرْ کی صورت میں۔ سوائے اجرائے قرآن واحکام الٰہی اور کوئی فروعی عمل کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اسی سنتِ نبوی پر۔ الدین الاسلام کی صورت میں سوائے احکامِ قرآنی پر عمل سے نجاتِ آخرت کا اور کوئی تصور ومقصد سامنے نہ آتا ـــــ ہاں یہ انسان کی فطری زندگی کا حقیقی تصور تھا ـــــ جو ہر زمانہ میں خلیفۃ الرّسول کے ذریعہ تسلسل کے ساتھ ہمیشہ جاری رہتا ـــــ جس میں۔ سلطنت۔ شہنشاہیت۔ یا امور دنیوی میں حصولِ دنیا کیلئے کسی ضابطہ مرتب کرنے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ لیکن۔ چونکہ مزاحمت ایک فطری عمل ہے۔ اسلئے فطری طور۔ جب ''حق'' کا ظہور ہو۔ تو۔ ''باطل'' کا وجود سامنے آتا ہے اسی حق وباطل کے نتیجہ میں مزاحمت کا وجود یقینی ہوتا ہے ـــــ جسکے لئے اجرائے الدین الاسلام ـــــ اجرائے رسالت کے ساتھ اقتدارِ اعلیٰ کی ایک فروعی قوت خود بخود وجود میں آتی ہے ـــــ لہٰذا یہ امر لازمی ہوا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اجرائے رسالت۔ نفاذِ احکامِ قرآن کے پہلے قدم پر ہی۔ خود آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی قوم سے مزاحمت کی ابتداً ہوئی۔ اس حال میں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ـــــ اور آپؐ کے تابعین کی طرف سے۔ مخالفین کی مزاحمت کے نتیجہ میں سنتِ نبوی کے مطابق اس مزاحمت کا کوئی فروعی عمل پیش نہ ہوا۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چونکہ یہ عمل اَلـدِّیْـن کے ضابطہ سے متعلق نہیں اسلئے ایک رسول کیلئے مادی ۱؎ ذرائع سے ایک ''اقتدارِ

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) سوائے قُـمْ فَـاَنْذِرْ کے ضابطہ کے تحت عملِ رسالت کا بغیر کسی مقابلہ یا مجادلہ کے اجرا ہوتا رہا ـــــ یہاں تک کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دس سال کا عرصہ اسی سنت پر اجرائے رسالت کا عمل جاری رکھا یہاں تک کہ قوم (قریش) کے مظالم اس حد و نوبت تک پہنچ جسکے لئے۔ الـدیـن الاسلام کے اجرائے رسالت کیلئے۔ ایک فروعی عمل۔ اقتدارِ اعلیٰ کی قوت حاصل کرنا ضروری ہوا جسکے لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکہ سے ہجرت کا حکم صادر ہوا۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کیلئے مدینہ منورہ کا انتخاب فرمایا۔ یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم محض مکہ سے دور رہ کر ہی اقتدار اعلیٰ کی تشکیل آسان ہوسکتی ہے ـــــ جہاں مدینہ میں سکونت سے الـدین الاسلام کی ہیئت اقتدار اعلیٰ کی ہیئت میں نمایاں ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اسلام۔ اجرائے رسالت کیلئے۔ فروعی قوت سے اجرائے رسالت کا حامی نہیں۔ ضروری تھا۔ کہ مکہ میں اقتدار اعلی کی ہیئت میں۔ قریش کی مـزاحـمـت کے نتیجہ میں قتال ہونا لازمی تھا ـــــ اس خیال کے مدنظر بھی۔ کہ اسلامی اقتدار اعلیٰ کا وجود ـــــ تصور ـــــ میں اقتدار اعلیٰ کا عمل صرف دفاعی نظریہ کے تحت قائم کرنا تھا ـــــ تاکہ الـدین الاسلام کی قوت کو تحفظ و استحکام میسر ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور تابعینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مکمل ہونے کے ساتھ ہی۔ قریشانِ مکہ نے محض اس اندیشہ کے مدنظر کہ الـدین الاسلام (حضور صلے اللہ علیہ وسلم) اب اقتدار اعلیٰ کی وسیع قوت حاصل کر کے باطل قوت کی ظلم رسانی سے محفوظ ہوکر الـدیـن الاسلام کی قوت ان پر غلبہ حاصل کر لیگی۔ لہٰذا۔ جماعتِ اسلامی کو وہاں قوت و استحکام حاصل کرنے کا موقع ملنے نہ دیا جائے۔ اسی عمل کے نتیجہ میں حق و باطل ـــــ اسـلام اور قریش کا ابتدائی معرکہ بدر میں ظہور پذیر ہوا جہاں قریش مکہ نے الـدیـن الاسلام کی قوت کو ختم کرنے کیلئے جنگ شروع کر دی۔

ان حقائق و واقعات پر غور کیا جائے۔ تو واضح ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق انسانی کیلئے۔ ایک رسول کے ذریعہ۔ احکاماتِ الٰہی ـــــ ضابطہ الٰہی ـــــ ضابطۂ ہدایت۔ کے نفاذ میں ایک مخصوص انداز مخصوص طریقِ تبلیغ۔ قُـمْ فَاَنْذِرْ اور بَـلِّـغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ اختیار کیا گیا۔ یعنی انسان کو عذابِ قیامت کے خوف سے نجات دلانے کا واحد مقصد اور طریقِ تبلیغ میں کسی قسم کا فروعی اقتدار حاصل کرنے کا خیال موجود نہیں ـــــ لہٰذا خلافتِ اسلامی میں ابتدائی تصور خالص الـدِّیْنُ الاسلام سے سوا کسی حکومت یا انتظامِ سلطنت کا تصور (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

**حاشیہ صفحہ ھذا** ۱؎ مادی سے مراد۔ بغیر ہدایت و وحی ـــــ اجتہادی طور۔ عقلی منصوبہ بندی سے۔ امور دنیوی سے۔ کامیابی حاصل کرنا۔

اعلیٰ'' کی تشکیل لازمی ہوئی ــــ اس حال میں کہ رسول اپنے مشن [1] (مقصد) کی تکمیل اجرائے

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) موجود ہی نہیں۔

یہ امر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ ــــ اور وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ سے واضح ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ الدین میں نہ کسی قوت سے مدد حاصل کی نہ کسی اقتدار ــــ یا غالب قوت کا سہارا لیا ــــ جبکہ اجرائے دین ــــ اجرائے رسالت میں کسی سلطنت کسی حکومت کی تشکیل و نظام کا کوئی تصور موجود نہیں ــــ جبکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بحیثیتِ ''عقل کل'' زمانہ کے حالات کو سمجھکر یہ جان سکتے تھے۔ کہ یہود و نصاریٰ ــــ اہل مکہ کے قریش۔ حضورؐ کے اس اعلانِ رسالت پر۔ کیا قدم اٹھائینگے ــــ لازم تھا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ــــ قبل از اعلانِ رسالت اپنی قوت مستحکم بنا کر۔ تبلیغ فرماتے جبکہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی ہاشم۔ بنی مطلب۔ سے تعلق رکھتے تھے اس حال میں کہ خود قوم انہیں اپنا امیر مقرر کرنے پر رضامند تھی۔ یہ عمل قبل از اعلانِ رسالت ہوتا ــــ تو قریش مکہ کی مزاحمت و جنگ و جدل کا موقع ہی نہ آتا۔ بلکہ حضورؐ کی طاقت کے آگے سر تسلیم ہو کر تمام عرب حضورؐ کی اطاعت بخوشی قبول کرتے۔ لیکن اسلام الدین الاسلام ــــ ہدایتِ الٰہی۔ کے اجرا و نفاذ کا ہمیشہ یہی ابتدائی اصول و ضابطہ رہا۔ کہ رسول سوائے اپنی ذات کے کسی فروعی امداد کا طالب نہیں ہوتا۔ نہ الدین الاسلام کی ہیئت حکمران ہیئت میں ظاہر ہوتی ہے ــــ لہٰذا یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ الدین الاسلام۔ اور اجرائے قرآن وسنت ــــ اجرائے رسالت۔ خلافتِ اسلامی میں کسی حکمران حیثیت یا سلطنت کا تصور بنیادی طور شامل نہیں۔

جیسا کہ بیان ہوا۔ کہ کفار مکہ محض اجرائے الدین الاسلام میں وسعت و استحکام کے اندیشہ پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اشاعت دین میں مزاحمت پر اتر آئے۔ اور یہ مزاحمت جنگ و جدل کی صورت میں پیش آئی۔ لہٰذا یہ قدرتی نتیجہ تھا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم۔ اور جماعت اسلامی کیلئے۔ ایک دفاعی صورت اختیار کرنی پڑی ــــ یہاں کفار مکہ کی مزاحمت کے نتیجہ میں۔ دو کیفیتیں خود بخود پیدا ہوتی ہیں۔ اول کفار مکہ کی یلغار۔ (حملہ) کی صورت میں ذاتی تحفظ کیلئے ''دفاعی'' (Defence)۔ صورت ــــ دوسری اشاعتِ اسلامی۔ اجرائے رسالت کیلئے۔ باطل قوتوں کی مزاحمت ختم کرنے کیلئے ــــ ''جہاد'' ــــ یعنی ــــ حملہ (Offense) اسلئے کہ اشاعت دین میں مقصود مخلوق انسانی کو باطل قوتوں کی غلامی سے نجات دلانا ــــ اور من کل الوجود۔ تمام مخلوق انسانی تک ہدایت الٰہی پہنچا کر انہیں عذاب آخرت سے نجات دلانا۔ یہ امر عالمِ انسانی کیلئے اشد ضروری ہے ــــ جسکے لئے باطل قوتوں کی مزاحمت سے ہی یہ ضرورت پیدا ہوتی ہے۔ کہ اشاعت اسلام ــــ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حاشیہ صفحہ ھذا [1] اشاعت و اجرائے دین

احکامِ الٰہی سے کرتا ہے۔ جس میں تسبیح و عبادات ۱؎ اور مشاہدہ اسرار کائنات کو خالصتاً لازم رکھا جاتا

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) الدین الاسلام کیلئے جماعتِ اسلامی کے تحفظ کیلئے ایک قوی غالب (مادی) قوت حاصل کرنا لازمی ہو جاتا ہے اور اسی دفاعی قوت کو قوی بنا کر اشاعت الدین الاسلام کیلئے باطل قوتوں کی مزاحمت ختم کر کے مخلوق الٰہی تک ہدایت الٰہی پہنچا کر انہیں عذابِ آخرت سے نجات دلانے کا سامان (علم و عمل) فراہم کرنا ــــ یہی عمل ــــ اقتدارِ اعلےٰ ــــ یا اسلامی اقتدارِ اعلےٰ سے منسوب ــــ تعبیر ہوتی ہے۔ جو خالص طریق اشاعت اسلامی (تبلیغ دین) کے ساتھ ایک سلطنت کی ہیئت اختیار کرتی ہے۔ لیکن یہ خیال رکھنا ضروری ہے۔ کہ اشاعت اسلام میں۔ بنیادی مقصد نفاذِ قانون الٰہی ــــ یعنی عبادات و تسبیح سے آخرت سے نجات حاصل کرنا ــــ اصل عمل ہے۔ اور اقتدار اعلےٰ کو اشاعت دین کیلئے آسان ماحول پیدا کرنا ہے ــــ گویا الدین الاسلام میں اقتدارِ اعلےٰ کو ثانوی حیثیت حاصل ہوتی ہے ــــ بہ الفاظ دیگر۔ اقتدارِ اعلےٰ کو۔ کفار کی مزاحمت کے نتیجہ میں۔ جنگ کی صورت میں صرف ''دفاع'' ــــ کیلئے استعمال کیا جاتا ہے ــــ دفاع سے مراد جس عمل میں صرف اشاعتِ دین مقصود ہو ــــ کسی قوت کو طاقت سے مجبور کر کے اشاعتِ دین کا اجرا جائز نہیں۔ دوسری صورت میں۔ ایک رسول کے اجرائے احکام الٰہی کا فریضہ ادا کرنے کی صورت میں۔ احکام الٰہی کو تمام مخلوق انسانی تک پہنچانے کے فریضہ کیلئے۔ غالب باطل قوتوں کی ''قوت''۔ ختم کر کے کمزور انسان کو باطل قوتوں کے غلبہ سے آزادی دلا کر ان تک احکام الٰہی پہنچانے کیلئے۔ اقتدار اعلےٰ کی غالب ''قوت''۔ استعمال کرنا۔ جس میں۔ باطل قوتوں کی مزاحمت سے۔ جنگ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ یہ صورت اگرچہ کریہہ (اکراہ) محسوس ہوتی ہے۔ لیکن مقصد کی نوعیت کے اعتبار سے یہ عمل احسن قرار دیا جاتا ہے۔ اسلئے کہ اس عمل (جہاد) سے مقصد الٰہی۔ مقصد انسانی کی تکمیل ہو جاتی ہے ــــ اسی عمل کی نوعیت کے اعتبار سے۔ اقتدارِ اعلےٰ کو الدین الاسلام کی آمیزش سے خلافتِ اسلامی سے منسوب کیا جاتا ہے ــــ ہاں! ــــ یہی کیفیت آگے چل کر سلطنت اسلامی کی ہیئت اختیار کر جاتی ہے۔ درآں حالیکہ۔ یہ شکل بنیادی طور الدین الاسلام ہی کی ہوتی ہے۔ جس ہیئت پر۔ الدین الاسلام ــــ خلافتِ اسلامی کی مابعدِ زمانۂ رسالت پہچان ہوتی رہی ــــ

یہی وہ شواہد ہیں۔ جن پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اجرائے رسالت ــــ الدین الاسلام آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ ایک۔ ضابطۂ الٰہی ــــ قانون۔ نفاذِ اجرائے رسالت کی حیثیت میں قیامت تک مخلوقِ انسانی کی نجاتِ آخرت۔ کیلئے قائم و دائم رہنا لازم ہے۔

**حاشیہ صفحہ ھذا** ۱؎ ہاں جہاں تک الدین الاسلام کی اشاعت کا تعلق ہے۔ اس میں منصوبۂ الٰہی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔اور اسکے ساتھ باطل قوتوں کو مغلوب کرنے میں انکی قوتِ مزاحمت کو ختم کرنے کیلئے۔ مادی ذرائع سے قوت وغلبہ حاصل کر کے اجرائے دین کیلئے راہ ہموار کر کے۔ مخلوقِ انسانی کو تسبیح وعبادت کا حامل بناتا ہے۔

اس مقام پر۔عملِ رسالت کے ساتھ ـــــ ایک اضافی عمل۔ایک فروعی عمل ـــــ اقتدارِ اعلیٰ ـــــ کی ضرورت پیدا ہو جاتی ہے۔اور یہ عمل اجرائے دین میں شامل کیا جاتا ہے ـــــ ہاں! ـــــ اس عمل کی نوعیت ـــــ اجرائے دین کے عمل سے مختلف محسوس ہوتی ہے۔وہ یہ کہ ایک رسول کے مشن (عمل) میں مخلوقِ انسانی کی فلاح کیلئے۔رحمت وشفقت کا عنصر غالب ہوتا ہے۔اس عمل میں

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) کے تحت فَـامَّـا يَـاْتِيَـنَّـكُمْ مِّنِّىْ هُدًى ۔احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ جبرئیل ملائکہ رسول پر نازل ہوتے ہیں۔اس بنا پر ایسے فرد کو رسول کہا جاتا ہے۔اسکے ساتھ۔جہاں رسول کے منصوبہ بندی۔ اشاعتِ الـدین میں تدبیر واحکام کی ضرورت ہوتی ہے۔رسول کو اگر چہ وحی کے ذریعہ احکام نازل ہوتے ہیں۔تاہم رسول ـــ النبی ـــ عقلِ کل کی حیثیت میں ذاتی احکام بھی جاری کرسکتا ہے۔جس عمل کو اجتہادِ نبوت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔اس عمل میں اجتہادی صورت میں اللہ تعالیٰ رسول کے قلب پر بغیر جبرئیل احکام القا کرتا ہے۔رسول قوت مشاہدہ سے وہ احکام حاصل کر کے اجرأ کرتا ہے۔ایسی ترتیب کو اجتہاد نبوت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔اور اگر رسول موجود نہ ہو۔تو جو خلیفہ رسول۔مقامِ خلافت پر فائز ہوتا ہے۔اسکی بھی یہ خصوصیت ہوتی ہے۔کہ اگر رسول موجود نہ ہو۔اور وحی الٰہی حاصل (نازل) ہونے کا کوئی ذریعہ حاصل نہ ہو ایک خـلیفة الـرّسول جسے معرفت الٰہی حاصل ہو۔اپنی قوتِ مشاہدہ (طریقت) سے براہ راست اللہ تعالیٰ سے احکام حاصل کر کے۔امت میں اجرأ کرسکتا ہے۔اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ ابد سے حی وقیوم۔سمیع وبصیر اور علیم وخبیر ازل سے قائم ہے۔کہ کسی وقت بغیر تعینِ زمانہ کے وحی کرسکتا ہے۔ایسی صورت امت مسلمہ کا ایک اولوالعزم صاحبِ تقویٰ ومعرفت۔خلیفہ۔عالمِ امت۔اولیائے امت کی حیثیت میں اللہ تعالیٰ سے احکام حاصل کر کے امتِ مسلمہ میں اجرأ کرسکتا ہے۔ایسی کیفیت کو اجتہاد یا القا سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اسکے لئے زمانہ ـــ وقت کی تخصیص نہیں۔لہٰذا۔ایک خلیفہ۔ولی اکمل اجرائے۔قرآن سے سوا۔وقت کی ضرورت کے مطابق۔اللہ سے احکام حاصل کر کے۔امت کی ہدایت کا عمل جاری رکھ سکتا ہے۔اس نزول احکام میں قدرتِ الٰہی کسی موقع پر اپنی قدرت میں مجبور و بےبس یا کسی قانون کی پابند وعاجز نہیں۔

کسی شے کیلئے ۔نقصان کا امکان نہیں ہوتا ـــــ اقتدارِ اعلیٰ چونکہ باطل قوتوں کی مزاحمت کے نتیجہ میں ایک دفاعی عمل کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔جس میں جدال وقتال کی نوبت آتی ہے۔اسلئے اس حیثیت میں یہ عمل دین کی اصل تصور نہیں کی جاتی سوائے اسکے کہ حادثاتی طور اس عمل کی ضرورت لازم آتی ہے۔اسلئے اس عمل میں ۔احکامِ الٰہی ۔یا ضابطۂ الٰہی کی شرائط کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا سوائے اسکے ایسے عمل میں ۔ایک رسول ذاتی طور۔اقتدار اعلیٰ کے وسعت واستحکام اور حصول غلبہ کیلئے۔ حالات کے مطابق ضوابط وتدابیر وضع کرے۔ہاں! جب تک اجرائے دین میں ایک رسول کا وجود موجود ہو۔اجرائے دین کے ساتھ اقتدارِ اعلیٰ کا عمل بھی شامل ہوکر ''اَلدِّین'' کے زمرہ میں شامل کیا جاتا ہے۔اس حال میں کہ اجرائے دین میں۔اقتدار اعلیٰ کا عمل اہمیت کا حامل۔محض اجرائے دین کی تکمیل کیلئے استعمال ہوتا ہے۔اسلئے اقتدار اعلیٰ کے عمل کو بھی خلافتِ اسلامی سے موسوم کیا جاتا ہے ـــــ جس میں ایک رسول کو ـــــ خلیفۂ ارضی ـــــ نبی ـــــ اور مصطفےٰ رسول کی حیثیت میں پہچانا جاتا ہے ـــــ

رسول کی رسالت ۔اجرائے دین۔ کے بعد (رسول کی وفات پر) تابعین رسول کیلئے اجرائے دین ـــــ اشاعتِ دین ـــــ اور عملِ رسالت ـــــ اور عملِ نبوت ـــــ اور خلافت اسلامی ـــــ اور اقتدارِ اعلیٰ کے استحکام کا فریضہ ادا کرنا۔ایک اہم عمل قرار دیا جاتا ہے۔جو رسول کے بعد تابعینِ رسول اللہ میں سے ایک فردِ امت کے ذریعہ پورا کیا جاتا ہے ـــــ اور یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ازلی ضابطۂ ہدایت کے مطابق۔ازل سے۔ایک نبی ورسول اور امت (مخلوقِ انسانی) کے درمیان ۔ہمیشہ جاری رہا ہے۔اسلئے ضابطۂ الٰہی کے تحت یہ عمل ابد تک جاری رہنا ایک فطری قانون کے مطابق لازم ہے۔اسی فطری قانون کے تحت۔مخلوقِ انسانی میں ہر زمانہ میں۔ایک فردِ انسانی منتخب ہوکر ہدایتِ انسانی کیلئے مامور ہوتا رہا ـــــ جس عمل سے مقامِ ارضی پر ''حاکمیت'' ـــــ اور خلافت کا تصور قائم ہوتا رہا ـــــ اور زمانہ کسی موقع پر اس عمل سے خالی نہیں رہا۔اس حال میں۔کہ ایک رسول کے بعد امت کے منتخب افراد۔بحیثیت خلیفہ (خلیفۂ رسول) اس رسولی مشن (مقصد) کی تکمیل

کرتے رہے۔اور یہ عمل ازل سے ابد تک مسلسل چلا آرہا ہے ___ لہٰذا یہ امر مسلمہ ہے۔کہ اس مقامِ ارضی میں۔مخلوقِ انسانی میں ہر زمانہ میں ایک ''خلیفہ'' کا وجود میسر آتا رہا اور جب تک نظامِ کائنات باقی ہے۔یہ سلسلہ تسبیح وعبادت ایک رسول یا خلیفہ کی رسالت وخلافت میں چلتا رہیگا ___

## خلاصہ در خلاصہ

تاریخِ خلافتِ اسلامی (حقیقتِ ۱ خلافت اسلامی) ___ سے متعلق جو گزشتہ تفصیل بیان ہوئی۔اسکے ساتھ اب خلافتِ اسلامی کا اجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہے جسکے مطالعہ کیلئے ضروری ہے۔ کہ دورانِ مطالعہ۔خلافتِ اسلامی سے متعلق جو کچھ بھی تاریخی مواد ذہن میں محفوظ ہو ___ انہیں قبل از وقت ذہن سے علیحدہ کر کے ایک نئے انداز سے۔حقیقتِ خلافتِ اسلامی (تاریخ خلافت اسلامی) کا مطالعہ کیا جائے۔کیونکہ اس تاریخ میں بعض ایسے واقعات پیش کئے گئے ہیں۔جو شریعتِ اسلامی ۔خلافت اسلامی کی اصل بنیاد سمجھے جاتے ہیں۔جنہیں محققین تاریخ نے دورانِ تحقیق نظر انداز کر دیا ہے۔جسکے نتیجہ میں۔خلافتِ اسلامی کی اصل ہیئتِ مسلمہ علم میں (زیرِ نظر) نہ آنے کے سبب۔خلافتِ اسلامی کا حقیقی تصور پایا نہ جاسکا۔جس بنا پر۔خلافتِ اسلامی کے وجود (کردار) پر مخالفین۔معترضین ___ اور خود محققین اسلام کیلئے۔انگشت نمائی کی گنجائش ملتی رہی۔اس سلسلہ میں۔''خلاصہ در خلاصہ'' کی صورت میں۔گزشتہ بیان کئے گئے۔حقائق کو اجمال کے ساتھ اسکے بنیادی حقائق کو قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔کہ انسان کی ابتداً۔قرآنی تاریخ کے مطابق حضرت آدمؑ سے ہوتی ہے ___ قرآن نے اس حقیقت کو وضاحت سے بیان کیا۔اور یہی بیان خَلِیْفَة کے تصور کے ساتھ خلافتِ اسلامی کی ابتداً کرتا ہے۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِل'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۔یہ ایک اٹل قرآنی بیان ہے جس میں۔مخلوقِ انسانی میں ''خَلِیْفَه'' کا واضح اور ابتدائی تصور

---

۱ تصور خلافتِ اسلامی

پیش کیا گیا ہے۔ جبکہ اس سے قبل کسی زمانہ میں ـــــ کسی موقع پر ـــــ خَلِیْفَةَ کا تصور پیش نہیں کیا گیا۔ لٰہذا واقعات کیسے بھی ہوں ـــــ کچھ بھی ہوں ـــــ ہر موقع پر ـــــ ہر ہیئت میں۔ اسی قرآنی بیان پر خَلِیْفَةَ کا تصور قائم کرنا ضروری ہوگا ـــــ

اس مقام پر جیسا گزشتہ ابواب میں ''خـلـیـفـه'' کی تفسیر پیش کی گئی۔ خلیفہ سے مراد۔ صاحبِ تسبیح و عبادت فردِ انسانی۔ قرآن سے خود واضح کیا گیا ہے ـــــ لٰہذا بنیادی طور ''خـلـیـفـه'' کے تصور میں ایک صاحبِ تسبیح و عبادت۔ صاحب علم انسان۔ جسکی تسبیح و عبادت اسکے اظہارِ عبدیت کیلئے مقرر ہے ـــــ اور اس علم و عمل کے مظاہرہ کی واحد غرض و غایت ایک نتیجہ عمل کے تحت خالص ایک ہی تصور ـــــ نجاتِ آخرت ـــــ دارِ آخرت ـــــ یعنی دنیا میں ایک مخصوص علم و عمل سے دارِ آخرت ـــــ قیامت کے عذاب سے نجات حاصل کرنا لازمی تصور ہے ـــــ اور اسی بنیادی تصور پر۔ خـلافتِ اسـلامـی۔ کا حقیقی تصور بھی ذہن میں لایا ـــــ قبول کیا جاتا ہے ـــــ اس حال میں کہ اس تصورِ ''خلیفه'' اور ''خلافت'' میں۔ کسی دنیوی نظامِ زندگی کا کوئی تصور قائم نہیں ہوسکتا ـــــ

جیسا بیان ہوا۔ کائناتِ ارضی پر جو بھی ہیئت خـلافتِ اسـلامی کی شکل میں ظاہر ہو۔ اس میں۔ خـلیفـه اور خلافت کا ایک حقیقی تصور قائم رکھنا ضروری ہے۔ بغیر اس تصور کے خـلافتِ اسلامی کی ہیئتِ مسلمہ پر تحقیق و علم نتیجہ خیز نہیں ہوسکتا ـــــ

جہاں تک محققین اسلام کی تاریخ کا تعلق ہے۔ اس میں خلافتِ اسلامی کو ایک حکمران سلطنت کی ہیئت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس حال میں کہ زمین پر خـلافتِ اسلامی کی ایسی ہی ہیئت مشاہدہ کی گئی۔ لیکن بنیادی طور۔ ابتدائے انسانیت جو قرآن نے۔ انسان کیلئے خلیفہ کا تصور پیش کیا ہے۔ اس بیان اس نکتہ پر غور نہ کرنے کی وجہ سے خلافتِ اسلامی کو ایک حکمران۔ سلطنت کے تصور میں دیکھا گیا ـــــ جبکہ قرآن محض۔ تسبیح و عبادت اور نجاتِ آخرت کا ایک خالص تصور ـــــ خلافتِ اسلامی کیلئے ظاہر کرتا ہے جسے الدین الاسلام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اسکی وجہ خلافت اسلامی میں جو مظاہرات مشاہدے میں آئے۔ اسکے پس منظر (Back ground) پر نظر نہ ڈالی گئی۔ اس

حال میں کہ ان حقائق میں ۔قرآنی بیان پر بنیاد رکھی جاتی ۔جبکہ انسان کسی بھی حالت میں ہو۔قرآن اسکے مقصد زندگی کا خالص اور اٹل اعلان کرتا ہے۔کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔نہیں بنایا انسان کو ـــــ مگر تسبیح و عبادت اسکا واحد عمل ہو گا ـــــ چنانچہ قرآن نے اس سلسلہ میں حضرت آدم سے متعلق جو تفصیل بیان کی اس سے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے ـــــ بلکہ ایک نظریہ اسی بیان پر وضع کیا جاتا ہے۔کہ سوائے اسکے نہیں ـــــ کہ انسان کو ''خلیفہ'' کی حیثیت ۔''خلیفہ'' کی صفت پر محض تسبیح و عبادت کیلئے پیدا کیا گیا۔ بہ الفاظ دیگر ـــــ کہ انسان کسی حیثیت میں ہو ـــــ تسبیح و عبادت ـــــ اور نجاتِ آخرت کا تصور ہی ۔''خلیفہ'' کی صفت قرار دیا جا سکتا ہے ـــــ جس میں نظامِ ارضی کا کوئی تصور موجود نہیں ـــــ

اسی بنیادی نکتہ ـــــ بنیادی تصور پر زمین پر مخلوقِ انسانی میں خلافتِ اسلامی میں خلیفہ فی الارض کا حقیقی تصور لازم رکھا جائے۔تو دنیا میں مخلوقِ انسانی کی ہر خلافت میں۔تسبیح و عبادت اور نجاتِ آخرت کا تصور واضح ہو سکتا ہے۔جبکہ ان تمام خلافتوں میں ایک حکمران سلطنت کی واضح ہیئت بھی محسوس کی جاتی ہے۔

حقیقتاً کائنات میں مخلوقِ انسانی کا ایک واحد مقصد متعین کیا گیا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۱ آیت ۵۶)۔انسان کو محض عبادت کے ذریعہ (اسکی اعلیٰ جسمانی روحانی ساخت کے ساتھ) اسرارِ کائنات اور اسکے خالق (اللّٰــــہ) کی پہچان و معرفت کیلئے پیدا کیا گیا ـــــ لہٰذا انسان نے اپنی پیدائش سے لیکر موت تک اسی ایک مقصد (مقصدِ خلافت) کو پورا کرنا ہے۔اور اسی تکمیلِ مقصد کیلئے۔ دنیا میں ـــــ نبی ـــــ رسول ۔انسانی راہنمائی کیلئے مبعوث کئے گئے۔ جنہوں نے مخلوق انسانی کے تکمیل مقصدِ حقیقی میں ۔الٰہی احکام ـــــ الٰہی ضابطے۔ ذاتی احکام ذاتی ضابطے وضع کر کے۔ دنیا میں عمل کا۔ ایک خاص خاکہ (تسبیح و عبادت) اور طریقِ عمل وضع کر کے وحدتِ انسانی کو قائم رکھنے کی کوشش کی۔ اور یہ حقیقت ہے۔ کہ اسی ضابطۂ عمل کو ـــــ ''خلیفہ'' ـــــ اور ''خلافتِ اسلامی'' سے تعبیر دیا گیا اور جہاں تک رسول کی وساطت سے یہ

عمل جاری ہوا۔شریعت اسلامی میں الدین الاسلام کے نام سے معروف ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔

اب اسی ضابطۂ عمل کی روشنی میں ''خلیفہ''۔۔۔ اور''خلافتِ اسلامی'' کا تصور اور حقائق پیش کرنا ہے۔ کہ ابتداءِ بیانِ قرآنی کے مطابق ایک فردِ انسانی (حضرت آدمؑ) کو خلیفہ کی حیثیت میں پیدا کیا گیا۔۔۔ اور خلیفہ کے مفہوم میں اسکے ذمہ تسبیح وعبادت کے عمل سے۔معرفتِ اسرار باطنی۔اور معرفتِ خالقِ کائنات کا عمل تا اختتامِ کائنات قائم رکھنا ہے۔۔۔ جس میں کسی فروعی تصور کو شامل کرنے کی گنجائش نہیں۔ کہ امور دنیوی کی تکمیل کو خلافتِ اسلامی کے عمل میں شامل کیا جائے۔۔۔

قرآنی تاریخ سے یہ امر واضح ہے۔ کہ حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت عیسیٰؑ نبی و رسول کی بعثت تک خلافت وخلیفہ کا یہ عمل ایک ہی ہیئت میں جاری رہا۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے (ایک رسول کی وساطت سے) احکام جاری کئے گئے اور رسول نے ضابطۂ الٰہی کے مطابق مخلوقِ انسانی تک۔الدین الاسلام کی حیثیت سے۔احکام الٰہی پہنچا کر۔مخلوق انسانی کی راہنمائی کا عمل پورا کیا لہٰذا۔ یہی ایک عمل ہے۔جس پر۔خلیفہ اور خلافتِ اسلامی کا تصور قائم ہوتا ہے۔

ایک زمانہ ایسا آیا۔ کہ جب انسان نے اپنے مقصد کی تکمیل سے انحراف کیا اور یہ انحراف کائنات کی وسعتوں میں پھیلا۔ کہ انسان اپنا مقصدِ حقیقی بھول گیا۔زمین فساد وطغیان سے بھر گئی۔ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقِ کائنات کیلئے۔ایک اولوالعزم عظیم رسول کا انتخاب کیا۔ جو تمام مخلوقِ کائنات کی راہنمائی کیلئے مبعوث کیا گیا۔۔۔ جنکے ذریعہ جملہ کائناتِ عالم پر۔ایک خلیفہ اور خلافتِ اسلامی کا نظام قائم کیا جائے۔اور یہ اولوالعزم۔۔۔ مصطفیٰؐ۔ذاتِ اقدس حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ جو تمام کائنات کے''رسول''۔ہادی۔۔۔ اور مقصدِ خلافت وخلیفہ کی تکمیل کرنے والے ہیں۔

جہاں تک تاریخ اسلام کا تعلق ہے۔۔۔ بلاشبہ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وعدۂ الٰہی کے مطابق (فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی) احکامِ الٰہی کے نفاذ کیلئے دنیا پر مبعوث ہوئے یہ اولین

ضابطہ ـــــ ضابطۂ خلافت ہے۔ جسکا اجرا (قرآن کی صورت میں) دنیا پر ہوا۔ اور یہی بنیادی ضابطہ ہے۔ جس میں صرف۔ تسبیح وعبادت کا خصوصی عمل متعین ہے۔ الدین الاسلام کے نام سے مشہور ہے (جس میں اقتدار اعلیٰ کو مصلحتاً شامل کیا گیا)۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے جو ضابطہ الدین الاسلام کی شکل میں پیش ہوا۔ اس میں ۔قرآن کے واضح احکام ہیں۔ اور یہ عمل جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے پیش ہوا۔ عملِ رسالت سے موسوم ہوتا ہے۔ جسکا تعلق الدین الاسلام سے ہے۔ (خلافتِ اسلامی سے موسوم نہیں ہوسکتا) لہٰذا یہ امر ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ کہ الدین الاسلام کی ہیئت میں ـــــ عملِ رسالت کا خصوصی تصور سامنے رکھا جائے ـــــ یعنی اجرائے قرآن (احکامِ الٰہی ۔ تسبیح وعبادت) کا عمل ۔ ہاں یہ عمل ایک رسول (حضور صلے اللہ علیہ وسلم) سے جاری ہوتا ہے۔ لہٰذا اس عمل کے اعتبار سے یہ عمل الدین الاسلام کا۔ ابتدائی (پہلا) ضابطہ مقرر ہے۔

اسکے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے ہادی۔ راہنما۔ اور رسول کی حیثیت سے اجرائے قرآن میں۔ جو مخلوق انسانی کی ہدایت وقبولیت کیلئے ضرورت پیش آئے۔ حضورؐ نے خود اس کی ترتیب میں ضوابط وضع کیے۔ اس حال میں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ـــــ "نبی" ـــــ "رسول" ہونے کی حیثیت میں۔ امام الانبیاء ـــــ امام المرسلین کی حیثیت میں۔ عقلِ کل کا درجہ رکھتے ہیں کہ آپ تمام کائنات کے جملہ اسرار کے شاہد وعالم ہیں۔ لہٰذا۔ آپکی طرف سے کسی قسم کا ضابطۂ ہدایت لائق۔ تسلیم۔ لائق عمل ہونا یقینی ہے۔ اسلئے۔ آپؐ کے عملِ رسالت میں۔ قرآنی احکام و ضوابط سے سوا۔ آپؐ کے ذاتی احکام بھی الدین الاسلام میں شامل قابل عمل ہوسکتے ہیں۔ اسلئے کہ بعد از اللّٰـہ۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ذاتی ارشادات بھی بحیثیت "نبی" ورسول قابلِ تسلیم ہوتے ہیں وَمَآ اٰتٰـكُـمُ الـرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ (پارہ ۲۸ سورۃ ۵۹ آیت ۷)۔ اللہ تعالیٰ کے احکام وضابطہ ہدایت سے سوا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جو کچھ ذاتی احکام۔ ذاتی ہدایت۔ پیش کریں۔ ان پر اطاعت وعمل کرنا لازم ہے ـــــ لہٰذا الدین الاسلام میں دوسرا عمل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیش

کردہ اصول وضوابط تسلیم کرنا۔اوران پرعمل کرنا متعین ہے۔یہ عمل بھی الدین الاسلام کی ہیئت میں شامل ہے۔اوراس پر قرآنی آیت اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کے تحت تسلیم وعمل کرنا لازم ہے۔جس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد تابعینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ یہ رسولی مشن (عملِ رسالت) مخلوقِ انسانی تک پہنچانے کے ذمہ دار ہونگے۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (پارہ۴سورۃ۳آیت۱۱۰)۔

قرآنی بیان کے مطابق یہ لوگ اُولِی الْاَمْرُ کہلاتے ہیں۔یعنی رَسُوْلُ کی حیثیت سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی صورت میں احکامِ الٰہی ـــــ اوراپنی ذات سے جوعلم وعمل ترتیب دیا۔یہ ایک جامع علم۔شریعت کے نام سے موسوم ہے۔جسے اَلدِّیْنُ الْاِسلَام سے تعبیر دیا گیا ـــــ یہی علم اصحابِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم خلیفہ کی حیثیت میں مخلوقِ انسانی تک پہنچائینگے۔ انہیں اصحاب کو اولی الامر کالقب دیا گیا۔یہ لوگ خلیفۃ الرّسول کہلاتے ہیں۔اس مقام پر ''خلیفۃ'' کاایک زائد تصور سامنے آتا ہے۔

اول ــ قرآنی بیان کے مطابق اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے بیان میں پیدائشی طور مخلوقِ انسانی کا ہر فرد ـــ ازل سے لیکر ابدتک۔ خلیفہ کی صفت میں شامل ہے۔اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً سے مراد۔زمین میں پیدا ہونے والا ہرانسان خلیفہ کی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے۔یہاں زمین میں پیدا ہونے والے فرد میں۔''خلیفہ'' ایک صفت ہوتی ہے۔جبکہ ''خلیفہ'' کونام ـــ اسم۔کی حیثیت میں ایک سربراہ کے تصور میں سمجھا جاتا ہے۔یعنی پیدائشی (انسانی)''خلیفہ'' ـــ اس صفت میں یہ خلیفہ ''النّبی'' کی صفت سے متصف ہوتا ہے۔جس میں ایک انسان عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا کے بیان کے مطابق معرفت اسرارکائنات کی خصوصیات سے مخصوص ہوتا ہے۔

دوم ــ ایک نبی کے بعد۔رسول کی جملہ صفات سے متصف ــ عملِ رسالت کی تکمیل کے لئے منتخب ہوکر۔اجرائے قرآن وحدیث کی ذمہ داری پوری کرنے والا۔''خلیفۃ الرسول ''

کہلاتا ہے۔یہ عمل الدین الاسلام سے موسوم ہوتا ہے۔اس عمل میں صفتِ النَّبی (نبوت) کا تصور کہ قرآنی بیان کے مطابق النبی کی صفت (خلیفہ کی حیثیت میں) صاحبِ معرفتِ الٰہی تصور کی جاتی ہے ـــــ اور رسول کی صفت ایک زائد خصوصیت ـــــ اللہ کی طرف سے احکام حاصل کرنا ہے۔لہٰذا النبی اور الرسول میں قرآنی ضابطہ کے مطابق فرق جاننا ضروری ہوتا ہے حقیقتاً یہ تصور خلافتِ اسلامی۔اور الدین الاسلام میں فرق واضح کرتا ہے۔جس سے الدین الاسلام کی حقیقی ہئیتِ مسلمہ واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اور رسالت کو اَلنّبی ـــ اور نبوت کے تصور میں دیکھا جائے۔ اس عمل میں سوائے احکام قرآنی (احکامِ الٰہی) اور حدیث (تسبیح وعبادت) پر عمل کے اور کوئی عمل شامل نہیں۔یعنی اجرأ ـــ اشاعتِ قرآن وسنت۔لہٰذا ''خلیفة الرسول'' کا انتخاب محض اجرائے قرآن وسنت اور احکامِ قرآن وسنت کے اجرأ کے سوا۔کوئی فروعی عمل شامل نہیں۔

سوم ـــ یہ امر واضح ہے۔کہ نزولِ قرآن ـــــ بعثت رسول میں فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی کا ایک خالص واحد تصور قائم ہوتا ہے۔جس میں اتباع احکامِ الٰہی میں تسبیح وعبادات کے عمل کے سوا اور کوئی عمل موجود نہیں البتہ جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت سے ہی۔کفار کی مزاحمتِ الدین کے سبب اجرائے قرآن وسنت میں ـــ ایک زائد عمل ـــ اقتدارِ اعلےٰ کی ضرورت پیدا ہوئی۔جس میں اجرائے الدین الاسلام کیلئے ایک غالب قوت کا حصول شامل ہوا ـــــ کہ احکامِ قرآنی کے سوا۔حصولِ اقتدارِ اعلےٰ میں۔ذاتی فہم وتدبر وسیاست کا اجرأ ہونا لازم ہوا ـــــ گویا یہ عمل قرآنی ہدایات سے زائد عمل ہے۔لیکن چونکہ اس عمل کو تحفظ ووسعت واستحکام الدین کیلئے استعمال کیا گیا۔اسلئے اس عمل کو بھی الدین الاسلام کے عمل میں شامل کیا جاتا ہے۔اس حال میں ۔کہ اس عمل میں ''وحی'' اور ہدایات (احکامِ الٰہی) سے سوا رسول کی وضع کردہ ذاتی تدابیر (منصوبہ بندی) کو بھی استعمال کیا جانا لازمی ہوتا ہے۔جو اولاً ایک رسول کے ذریعے پورا کیا جاتا ہے۔اس عمل کو ''اجتہادِ رسالت'' سے تعبیر دیا جاتا ہے۔اور رسول کے بعد۔رسول کے ذریعہ منتخب کردہ خلیفہ کے لئے۔یہی عمل۔اجرائے قرآن وسنت میں وحی واحکام الٰہی کے مطابق عمل ـــ اور اسکے ساتھ مَـآ

اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ۔رسول کے احکام کے مطابق اشاعتِ الدین الاسلام کا عمل جاری رکھنا لازمی ہوتا ہے۔اسکے علاوہ اقتدارِ اعلیٰ کے استحکام وقوت کیلئے۔ذاتی طور تدابیر واحکام کا اجرا براہ راست ایک منتخب خلیفۂ رسول کے لئے لازم ہوتا ہے ـــــ لہٰذا شریعتِ اسلام میں۔انہیں تین تصورات پر خلافت اسلامی قائم ہوتی ہے ـــــ اور اسی بنیادی اصول و ضابطۂ الٰہی پر۔اسلام میں۔خلافتِ اسلامی کی تشکیل ہوتی ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدائشی نبی کی صفت کے ساتھ عمرِ مقدس کے چالیسویں سال بعد مقامِ رسالت پر مبعوث کیا ـــــ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے تابعین میں لاتعداد خلفاً پیدا کئے۔جن میں خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد۔ایک جانشین قائم مقام ـــــ بحیثیت خلیفہ(خلیفہ الرّسول )منتخب فرمایا۔ جس میں کسی غیر فرد کو انتخاب میں شامل نہیں کیا جاتا۔رسول ''عقلِ کل'' کی حیثیت سے امت کے ایک اعلیٰ فرد کا انتخاب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔جو الدین الاسلام کی اشاعتِ دین کے واحد مقصد کی تکمیل کرتا ہے۔اس حال میں۔کہ الـــدیـــن کے اجرائے قرآن وسنت کے ساتھ اقتدارِ اسلامی کا عمل بھی شامل ہوتا ہے۔لیکن خلیفہ چونکہ خلیفۃ الرّسول ہوتا ہے۔لہٰذا اس نے قرآن وسنت کے مطابق اور قرآن وسنت کی حدود کے اندر صرف اشاعتِ دین کا فریضہ پورا کرنا ہوتا ہے۔کہ اس حال میں کہ اشاعتِ دین کے عمل کیلئے اقتدارِ اعلیٰ کے ایک فروعی اضافی عمل کے ساتھ اشاعت دین میں آسانی ہو ـــــ اور ساتھ اقتدارِ اعلیٰ کے غلبہ تحفظ اور استحکام کیلئے حسب ضرورت وقت ذاتی منصوبہ استعمال کر کے اقتدارِ اعلیٰ کی قوت کو بحال و مستحکم رکھنا ضروری ہوتا ہے۔گویا اگر چہ الدین الاسلام اور اقتدارِ اعلیٰ کو ساتھ ساتھ استعمال کیا گیا۔لیکن الدین الاسلام کو ایک فریضہ اور خلیفۃ الرّسول کی حیثیت میں ادائے سنت کے تحت پورا کرنا۔اور اقتدارِ اعلیٰ کو ایک فروعی عمل کی حیثیت میں۔ذاتی تدابیر وضوابط کے ماتحت استعمال کرنا۔جسکے لئے احکامِ قرآنی کا نزول لازم نہیں ہوتا سوائے اسکے کہ اقتدارِ اعلیٰ کو ایک خلیفۃ الرّسول کے فہم وتدبر وتقویٰ کی صفات کے ساتھ استعمال کیا جائے۔تاکہ اس عمل سے الدین الاسلام کی تسبیح وعبادت وتقویٰ کی روح محفوظ رہے۔

واضح ہو کہ اسی حقیقی تصور الـدیـن الاسـلام میں حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا مظہر'' الـدیـن الاسلام '' کے تصور پر اول سے لیکر آخر تک تصور قائم رکھنا ضروری ہے۔ کہ انتخاب رسول میں۔ ''خـلـیـفـه '' کا تصور رسول کیلئے نہیں ہوتا ـــــ البتہ رسول کے بعد ہی ایک فرد قائم مقام۔ جانشین کی حیثیت میں رسول کی جملہ صفات سے متصف ہوسکتا ہے۔ اس لئے اس مقام پر رسول کے منتخب کردہ فرد کو۔ خـلیـفة الرسول سے موسوم کیا جا تا ہے۔ جس میں اقتدار اعلےٰ کا اضافی عمل شامل نہ بھی ہو۔ الـدین الاسلام کو خلافتِ اسلامی سے تعبیر دیا جا تا ہے۔ یعنی ایک خلیفة الـرسول کی نسبت سے الـدیـن الاسلام کو خلافتِ اسلامی (سلطنتِ اسلامی) سے منسوب کیا جا تا ہے ـــــ اور یہ انتخاب بغیر ایک رسول کے کسی غیر سے واجب نہیں۔ جیسا تاریخ اسلام سے واضح ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خود ایک خـلیـفه الرّسول کی حیثیت سے منتخب کیا۔ جس انتخاب میں کسی کے مشورہ وحمایت کی ضرورت ہے۔ نہ کسی کے اعتراض و تنقید کی گنجائش ہے۔ اسلئے کہ اللہ و رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک۔ مخلوقِ کائنات۔ اور خصوصاً جماعتِ اسلامی ـــــ اصحاب رسول اللہ میں۔ مقامِ خلافت و نبوت (مشاہدۂ اسرار باطنی) کیلئے قرآنی علم وادراک میں سنت کی پیروی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کوئی فرد افضل نہیں ہوسکتا۔ اسلئے رسول اللہ صلے اللہ یہ وسلم کے انتخاب پر کسی قسم کی بحث وتاویل کی گنجائش نہیں۔

تاریخِ اسلام سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی علمی فضیلت۔ تقویٰ۔ تسبیح وعبادت۔ اطاعت رسول۔ کا ثبوت اظہر من الشمس ہے۔ جسکی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ اسی طرح اقتدار اعلےٰ کے وسعت واستحکام میں حضرت ابوبکرؓ اعلےٰ صلاحیت فہم وتدبر میں تمام اصحابِ رسول میں ممتاز واعلےٰ مقام رکھتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت الـدیـن الاسـلام کا چمکتا روشن سورج تھا۔ جس بنیاد نے الدین الاسلام (خواہ وہ اقتدارِ اعلےٰ کی شکل میں ہوا) کو طویل زمانہ تک اپنی روشنی سے منور رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں۔ الـدیـن الاسـلام کی وسعت کے ساتھ۔

اقتدارِ اعلیٰ کو بھی وسیع زمین تک قوت وغلبہ عطا ہوا۔ جسکے لئے اقتدارِ اعلیٰ کی وسعت واستحکام کیلئے منصوبہ بندی لازمی ہوئی۔ جس بناً پر اشاعتِ دین کے مقصد کے ساتھ اقتدارِ اعلیٰ کی ہئیت وحیثیت کو برقرار وقائم رکھنے کیلئے۔ اجتہادی عمل خلیفہ کی منصوبہ بندی لازمی ہوگئی۔ اس حال میں کہ یہ عمل الـدین کی جز تصور نہیں کیا جاسکتا۔ سوائے اسکے کہ ایسے منصوبوں میں ضابطہ دین کے اصولوں پر ہی اقتدارِ اعلیٰ کی ہئیت قائم ہوتی ہے۔ اس امر کا ثبوت تاریخ اسلام سے فراہم ہوسکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک مختصر عہد متعین تھا۔ لہٰذا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں الـدین الاسلام ۔ خلافتِ اسلامی ــــ اور اقتدارِ اسلامی کی ۔ اشاعت ۔ وسعت و استحکام اور غلبہ ــــ باطل قوتوں کی پسپائی کے مدنظر اپنے بعد ایک خلیفہ ــــ ''خلیفة الرّسول'' اور ''خلیفۂ اسلام'' کے انتخاب میں امت میں سب سے اعلیٰ صاحبِ علم قرآن وحدیث ۔ متقی ۔ عابد ۔ دیانتدار ۔ صاحب تدبر وفہم موزوں ۔ مناسب فرد کا انتخاب کرتے ہوئے ۔ حضرت عمر ۱ رضی اللہ عنہ کو نامزد فرمایا (اپنی زندگی میں) کہ امت میں اس سے بہتر فرد لائقِ خلافت ہونا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ذاتی انتخاب پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صحیح انتخاب ہوا ــــ اور آپؓ نے بھی خلافتِ اسلامی کو الـدین الاسـلام ۲ کے تصور پر قائم رکھا۔ البتہ اقتدارِ اعلیٰ کی ضرورت کے تحت جبکہ اشاعت دین میں اقتدار اعلیٰ کی اہمیت بڑھ گئی۔ تو ضروری ہوا ــــ کہ قرآن وسنت (حدیث) کے احکام کے سوا۔ اقتدارِ اسلامی کے استحکام کیلئے ۔ اجتہادی طور خلیفہ اور مجلس مشاورت

---

۱ یہ امر بھی ضابطۂ الٰہی میں شامل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فردِ انسانی (ایک النبی) بحثیت الرّسول محض ۔ اجرائے ۔ قرآن ۔ صرف الـدین کی صورت ــــ میں منتخب ہوتا ہے۔ اس حال میں کہ رسول کی رحلت پر ــــ رسول خود اختیار رکھتا ہے۔ کہ خود اپنی دانست کے مطابق کسی فرد کو رسالت کیلئے منتخب کرے۔ لہٰذا یہ اصول ۔ شرائطِ دینی میں شامل ہوا۔ کہ ایک خلیفہ کی رحلت پر (رحلت سے قبل) آئندہ ایک خلیفہ کے ذریعہ ہی خلیفہ منتخب ہوسکتا ہے۔

۲ الدین الاسلام سے مراد ۔ الدین کے استحکام کیلئے احکامِ قرآنی کا نزول اور اقتدارِ اعلیٰ سلطنت کے استحکام کیلئے ۔ خلیفة الرسول کے ذاتی احکام۔

کی ذاتی (عقلی) اصلاحات کو بھی۔ الـدیـن الاسـلام (قرآن وسنت) کے احکام میں شامل کیا جائے۔اس حال میں کہ یہ اجتہادی احکام الـدیـن الاسـلام کے اجزأ میں شامل کرنا جائز نہیں۔ سوائے اقتدار اعلیٰ (سلطنت اسلامی کی حیثیت میں) کے قائم کرنے میں اجتہاد سے کام لیا جائے۔ یعنی وقت کی ضرورت کے مطابق اقتدار اسلامی کے نفاذ کیلئے خلیفہ یا مجلس مشاورت امورِ سلطنت (اقتدار اسلامی) میں ذاتی احکامات کا نفاذ کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں زمین کی وسیع قوتیں اسلام کے دائرہِ اطاعت میں مغلوب ہو کر اقتدار اسلام کی وسعت عرب وعجم تک کشادہ ہوگئی۔جسکے نتیجہ میں۔مفتوحہ ممالک کے ملکی انتظام کی تکمیل خلافتِ اسلامی کے ذمہ ہوگئی۔یہی وہ مقام ہے۔جہاں تاریخ میں الـدیـن الاسلام۔کی ہئیت ایک حکمران سلطنت کی محسوس ہوتی ہے۔اس بنأ پر کہ اشاعتِ دین کو اقتدارِ اعلیٰ کی غلبہ وقوت پر منحصر کیا گیا۔۔۔ گویا دونوں ہئیتوں۔(الـدیـن الاسلام اور اقتدارِ اعلیٰ) کو خلافتِ اسلامی کی ہئیت میں۔ایک حکمران حیثیت میں سمجھا گیا۔۔۔ اور یہ صورت انتخابِ خلیفہ میں۔منضبط شرائطِ دینی۔۔۔ شرائطِ خلافت میں ضرورت کے تحت ترمیم اور اجتہادی ترامیم کی بنأ پر پیدا ہوگئی۔ جبکہ بنیادی طور خلافتِ اسلامی میں۔الـدیـن الاسلام کی حیثیت کو ہی ملحوظ رکھا گیا۔۔۔ دراصل اس حیثیت کا نمایاں ہونا۔باطل طاقتوں۔اور یہود و نصاریٰ۔منافقین کی اسلام کے خلاف دشمنی اور سازشوں کے باعث ہوا۔۔۔ کہ خلافت اسلامی میں۔ابتدأ سے انتہا تک (باطل قوتوں کی مخالفت و مزاحمت) پوری قوت کے ساتھ اسلام کو مٹانے کی کوششوں میں انتہائی زور لگاتے رہے۔جسکے نتیجہ میں۔خلافتِ اسلامی کو اقتدارِ اعلیٰ کی قوت زیادہ تر استعمال کرنے کی ضرورت پڑی۔گویا قوت و اقتدار خلافت اسلامی کی شکل میں ہی قائم رہا۔۔۔ اسی بنأ پر بعد کے زمانہ میں الدین الاسلام کی ہئیت ایک حکمران سلطنت میں محسوس کی گئی۔جبکہ الدین الاسلام صرف تسبیح وعبادت اور اشاعتِ دین عملِ رسالت کی شکل میں مخلوق انسانی تک پہنچانا ایک واحد۔اصل مقصدِ زندگی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں باطل قوتوں کی یلغار اور انکی پسپائی

کے نتیجہ میں۔ الدین الاسلام کی ہیئت اقتدارِ اسلامی کی ہیئتِ مسلمہ قوی و غالب محسوس ہوتی ہے۔ کہ آپؐ کے عہد میں دنیا کے قوی شہنشاہوں کو مغلوب ہونا پڑا۔ یہ عمل اقتدارِ اعلیٰ کے ذریعہ ہوا ـــــ اسلئے محققین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتدار اعلیٰ کی اصلاحات کو نمایاں کر کے الدین الاسلام کی ہیئت کو اقتدارِ اعلیٰ کی ہیئت میں ایک حکمران ہیئت تصور کیا۔ ورنہ عہد فاروقی میں۔ الـــدیـــن الاسلام کی ہیئت واضح تھی لیکن محققین کی بے محل تاویلوں کی بناءٔ پر اس خلافت میں الـدین الاسلام کی وہ حیثیت ہیئت نمایاں نہ ہو سکی جتنی اس میں خالص اجرائے الدین ۔اشاعتِ الدین الاسلام کی صورت میں پائی جاتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بلاشبہ اقتدار اعلیٰ کی ہیئت نمایاں اور غالب ہو چکی تھی اسلئے ۔خـلیفة الرّسول کی شرائط انتخاب میں چند جزئیات کو اہمیت حاصل ہوئی۔ وہ خلیفہ کیلئے شرائط خلافت پر انتخاب میں ۔چند اجتہادی ترامیم لازمی ہوئیں۔ جنکا خلاصہ اس موقع پر پیش کیا جاتا ہے۔

## شرائطِ خلافت ـــــ شرائطِ دینی

(۱) اول ۔ یہ کہ خلافتِ اسلامی کی بنیاد۔ احکامِ الٰہی کے نزول میں ایک رسول کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت کیلئے منتخب کیا گیا۔ جو کہ مقصدِ انسانیت تھا۔ اس انتخاب میں اللہ تعالیٰ خود انتخاب کرتا ہے۔ اور احکام الٰہی میں ایک لائحہ عمل رسول کو عطا کیا جاتا ہے۔ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ـــــ قُمْ فَاَنْذِرْ ـــــ اس عمل میں رسول کیلئے شرائطِ دینی میں ''نبی'' ہونا شرط ہے ـــــ باقی نبی کیلئے بحیثیتِ رسول مخلوقِ انسانی تک احکامِ الٰہی پہنچانے کی ذمہ داری پوری کرنا ـــــ

(۲) دوم ۔ رسول کے بعد قائم مقام رسول ـــ جانشین کی حیثیت میں ایک فرد کا منتخب ہونا ـــ جس میں اہم ۔مخصوص شرائط وضع کی جاتی ہیں۔ جو ایک ''خلیفہ'' کے انتخاب میں ازروئے شریعت لازمی ہیں۔

(ا) یہ کہ ایک فرد۔ مخلوق انسانی کی راہنمائی کا بدرجہ اولیٰ اہل ثابت ہو۔

(ب) بحیثیت خلیفۃ الرّسول۔ ایسا فرد۔ قرآن وحدیث۔ فقہ کا بدرجہ اولیٰ عالم ہو۔

(ج) بحیثیت خلیفہ ایسا فرد۔ سنّتِ رسول کے مطابق امت میں سب سے زیادہ۔ عبادات وتسبیح میں عمل کرنے والا ہو ــــ اس حال میں کہ ایسی ہستی بحیثیت قائم مقام رسول۔ رسول کے اسوۂ حسنہ پر کلی طور عامل ہو۔ اس اسوۂ حسنہ میں خصوصی طور قرآن وحدیث کے مطابق عمل ــــ قرآن و حدیث کا علم حاصل ہونا (جسے شریعت سے بھی موسوم کیا جاتا ہے) اور تسبیح وحمد کے نتیجہ میں خصوصی و اہم تصور۔ اسرار باطنی۔ مشاہدۂ ذاتِ الٰہی سے سرفراز ہو۔ کیونکہ شریعت (قرآنی احکام پر عمل) کی یہی بنیادی ہیئت ثابت ہے ــــ قرآن وحدیث پر بدرجہ اتم ''عبور'' ــــ قرآن وحدیث پر بدرجہ اتم ''عمل''، تسبیح وحمد کے نتیجہ میں۔ (نتیجۂ عمل) معرفت اسرارِ باطنی کا حاصل ہونا۔ خلافت کیلئے یہ تین اجزاءِ شریعت ہونا لازمی ہیں۔ رسول خود ایسے فرد کا انتخاب کرتا ہے۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد انہیں صفات پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا۔ اس حال میں کہ نسلی ــــ نسبی حیثیت میں کسی فرد (رشتہ دار) یا نسبی قرب پر کسی عزیزِ رسول کا انتخاب لازم نہ ہوا ــــ کیونکہ انتخاب خلیفہ میں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے مقابلہ میں۔ محض علم وعمل کی خصوصیت پر ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی فوقیت دی۔

حضرت ابوبکرؓ خلیفۃ الرّسول کے بعد۔ اشاعت دین (الدین الاسلام) کی وسعت واستحکام کیلئے۔ ایک موزوں۔ مناسب شرائط دینی کے مطابق۔ انتخاب میں۔ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ خلیفۃ المومنین ــــ خلیفہ الرّسول کی حیثیت سے۔ ایک فرد کا انتخاب فرماتے ہیں ۔ باوجود۔ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی۔ نسبتِ نسبی میں۔ بنی ہاشم۔ بنی مطلب وغیرہ۔ کے اولوالعزم متقی افراد بھی۔ قربِ رسول اللہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی موجود تھے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ازروئے قرآن وسنت شرائط دینی کے تابع۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔ کہ حضرت صدیق اکبر یارِ غار رسول اللہ۔ عاشقِ رسول اللہ اور جانثار رسول اللہ کا اولین انتخاب منشائے الٰہی کے مطابق درست تھا۔ اور اسکے بعد خلافت کیلئے کسی فرد کا انتخاب ایک خلیفہ کے ذریعہ

ہونا۔شرائط دینی کے مطابق لازم ہے۔کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صفات وخصوصیات پر خود اللہ تعالیٰ نے قرآنی بیان کے مطابق تائید کی۔اسلئے قربِ رسول۔یا نسبِ رسول اللہ سے قطع نظر۔ شرائطِ دینی کے مطابق۔وسعت واستحکام الــدیــن الاســلام ۔اورتقویت وغلبۂ اقتدارِ اعلیٰ کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی دوسرا فرد موزوں ۔مناسب نہ تھا۔کہ یہ فیصلہ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ (عقلِ کل) کے ذریعہ ہوا۔

تاریخ اسلام سے واضح ہے۔کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں۔دنیائے عرب کے وسیع علاقہ پر الــدیــن الاسلام کا غلبہ وتسلط قائم ہوا۔جس میں کئی شہنشاہوں کی حکومتیں اســلام کے زیر تسلط آ گئیں۔اور یہ غلبہ اقتدارِ اعلیٰ کے ذریعہ حاصل ہوا۔ایسے حالات میں ضروری ہوا۔کہ ''اصولِ حکمرانی'' کے تحت مفتوحہ علاقوں کے استحکام اور قوموں۔کے سامان زندگی کی فراہمی ۔الدین الاسلام (شریعت اسلامی) کے ذمہ ہو۔۔۔ یہی صورت ہے۔جہاں الدین الاسلام کی ہئیت حکمران حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔جس میں اشاعت واجرائے قرآن وسنت کے عمل کے ساتھ امورِ حکمرانی میں۔اقتدارِ اعلیٰ کے وسعت واستحکام کیلئے ضوابط وضع کرنا ضروری ہوتے ہیں ۔۔۔ اور آئندہ یہی ہئیت (ہئیتِ مسلمہ) اقتدار اسلامی یا خلافتِ اسلامی سے تعبیر دی جاتی ہے۔اور ضروری سمجھی جاتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت (خلیفۃ الرّسول ۔۔۔ اور الدین الاسلام) میں ۔۔۔ الــدیــن الاسلام کی ہئیت علیٰ حالہٖ۔شریعت کی صورت میں قائم رہی۔جس میں الــدین الاسلام کا مقصدِ حقیقی۔اجرائے قرآن وسنت اور اسکے نتیجہ میں۔مخلوقِ انسانی کو ایک اللہ کی اطاعت میں تسبیح وعبادات کا حامل بنانا۔اصل مقصد واضح ہے۔اور اسکے ساتھ اقتدارِ اعلیٰ کے ذریعہ زمین پر الــدیــن الاسلام کا غلبہ حکمران حیثیت میں قائم رکھنے کیلئے۔قرآنی احکام اور ضابطۂ شریعت سے علاوہ۔ایک خلیفہ کیلئے ذاتی اجتہادی عمل سے ضوابط وضع کرنا لازمی اور ضروری ہوتے ہیں۔جس میں بحیثیت مجموعی۔الدین الاسلام ۔اور اقتدارِ اعلیٰ ۔۔۔ اور اقتدارِ اسلامی ۔۔۔ کو قوت واستحکام حاصل

ہوااوراسی تصور پرآئندہ۔الدین الاسلام ۔کی ہیئتِ مسلمہ ـــ خلافتِ اسلامی کی ہیئت میں قائم رہیگی ـــ اوراسی ہیئت پرحضرت عمررضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۔خلافتِ اسلامی کی ہیئت قائم رہی۔ جس میں حضرت عمررضی اللہ عنہ نے ذاتی طور (محض استحکامِ اقتدارِ اعلیٰ کیلئے) ضرورت کے مطابق اصلاحات فرمائیں جس میں ذاتی اجتہاد کواستعمال کیا گیا ـــ

ہاں!اس موقع پر ـــ الدین الاسلام ـــ عملِ رسالت ـــ اشاعتِ قرآن وسنت کا عمل ۔قرآن وسنت کے تابع ہی رہیگا۔اوربنیادی عمل کی حیثیت میں (خواہ اقتدارِاعلیٰ کی حیثیت واضح ہو) ـــ اشاعتِ قرآن وسنت اورمخلوقِ انسانی کی ھدایت کا مقصد قائم رہیگا ـــ جس میں ـــ خلافت میں ۔ایک خلیفہ کاانتخاب اصول شرائطِ دینی پرلازم ہوگا۔اس مقام پرالدین الاسلام ـــ خلافتِ اسلامی کے بنیادی تصور پر۔شرائطِ دینی کے حقیقی ضوابط کااعادہ کرناضروری ہے۔تاکہ حقیقی خلافتِ اسلامی ـــ اورالدین الاسلام کی ہیئتِ مسلمہ کاحقیقی تصورزیرِنظررہے۔

(۱) جیسا پیشتر ''خلیفہ'' ۔اورخلافت'' کے بیان میں تفصیل پیش کی گئی ۔کہ تمام امت مسلمہ میں قائم مقام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ۔خلیفۃ الرّسول کی حیثیت میں تمام علومِ قرآنی۔ علومِ حدیث وفقہ میں بدرجۂ اولیٰ علم وعمل کا حامل ہونا۔انتخاب خلیفہ میں لازمی شرط ہے۔کیونکہ ایک فرد میں جب تک قرآن وحدیث ۔اورتفسیرواجتہاد پرکاملاً عبور نہ ہو۔خلیفہ منتخب ہونا خلافِ شریعت ہوگاایسافردخلیفہ نہیں ہوسکتا۔

(۲) خلیفہ الرّسول کی حیثیت میں تمام امتِ مسلمہ میں سب سے اولیٰ۔عمل و عبادات میں (عالمِ امت) بدرجہ کمال عامل ہونا۔

(۳) خلیفۃ الرّسول کی حیثیت میں ۔تمام امتِ مسلمہ میں۔تسبیح وعبادت کےعمل کے نتیجہ میں صفاتِ خلیفہ (خلیفہ فی الارض ) کی حیثیت میں عالم اُمت (اولیائے امت) صاحبِ معرفتِ اسرارِباطنی کابحدِ کمال عارف وشاہد ہونااشدضروری ہے۔اسلئے کہ منصوبۂ الٰہی کے تحت اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کےقرآنی بیان کے مطابق ۔انسان کیلئے صاحب معرفت

ہونا روحِ اسلام سے تعبیر ہوتا ہے۔

(۴) خلیفۃ الرّسول کی حیثیت میں۔ اجرائے رسالت وخلافت (نبوت) میں بدرجہ اولیٰ۔ اجرائے الدین الاسلام ـــــ اور استحکام ووسعتِ اقتدار اعلیٰ ـــــ (اقتدارِ اسلام) میں فہم وتدبر وسیاست میں اعلیٰ حکمران صلاحیتوں کا حامل ہونا (مثل حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ)۔

یہ چار شرائطِ دینی ایک خلیفہ کے انتخاب میں لازم ہیں۔ جن پر خلافتِ اسلامی کا نفاذ لازم ہوتا ہے۔ انہیں چار شرائط پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب (بطریق سنت) فرمایا اور آئندہ یہ طریقِ انتخاب ایک سنت (سنتِ نبویؐ) کی حیثیت میں۔ خلافتِ اسلامی کا ایک اہم ''قانونی'' (شرعی) ضابطہ مقرر ہوتا ہے۔ سوائے اس ضابطہ کے۔ کسی فرد کو خلیفہ منتخب ہونے کا شرعی حق حاصل نہیں۔ خواہ وہ نسبی اعتبار ـــــ نسلی اعتبار سے قرب کے اعتبار سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو ـــــ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعد۔ طریق وضابطۂ انتخاب میں۔ طریقِ سنت رسول اللہ کے مطابق ـــــ جیسے ایک رسول (حضور صلے اللہ علیہ وسلم) سے ایک خلیفہ کا انتخاب ہوتا ہے۔ اسی سنت کے مطابق۔ قائم مقام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے۔ آئندہ خلافتِ اسلامی کیلئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ہی۔ ایک خلیفہ کا انتخاب ہونا ضروری ہے۔ ـــــ اسلئے کہ ایک منتخب خلیفہ تمام امت مسلمہ میں۔ بہمہ صفات ''عقلِ کل'' کا درجہ رکھتا ہے۔ اسلئے اس کی ذات سے ہی ایک خلیفہ کا انتخاب موزوں ہوسکتا ہے۔ جس میں۔ بوجہ اسکے کہ عوام المسلمین بحیثیت مجموعی ایک خلیفہ کے انتخاب کی صلاحیت نہ رکھنے کے۔ خلیفہ کا انتخاب کرنے کے مجاز نہیں ہو سکتے۔ اسی تصور پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا ـــــ دنیا نے دیکھ لیا۔ کہ آپؓ کا انتخاب۔ گویا مشیتِ الٰہی ـــــ اور مشیتِ رسول کے عین مطابق عمل میں آیا۔

خلافتِ اسلامی کے انتخابِ خلیفہ کے تصور کے ساتھ ساتھ اب خلافتِ اسلامی کی ہیئتِ مسلمہ کو بھی زیرِ نظر رکھنا ہے۔ کہ اشاعت الدین کے ساتھ ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت

سے ہی اشاعتِ الدین (عملِ رسالت) میں اقتدارِ اعلیٰ کا وجود قائم ہوا۔ اور یہ اقتدارِ اعلیٰ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت میں ہی۔ ایک غالب قوت بن کر سامنے آیا۔ جس میں اقتدارِ اعلیٰ کو الدین الاسلام کے نفاذ میں ثانوی حیثیت حاصل ہوئی۔ گویا۔ اشاعت دین میں۔ تبلیغِ دین ــــ اور اقتدارِ اعلیٰ لازم وملزوم قوتیں بن گئیں۔ اس حال میں کہ ان قوتوں سے محض اجرائے الدین الاسلام کا واحد مقصد وتصور قائم رہا ــــ جس میں حقیقی مقصدِ پیدائشِ انسانی (اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً) کی تکمیل کے بغیر اسلام کی ہیئتِ مسلمہ قائم نہیں ہوسکتی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں۔ چونکہ اسلام پر (حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے) باطل قوتوں کی ہر طرف سے یلغار ہوئی۔ کہ اقتدارِ اعلیٰ کی قوت کو زیادہ تر استعمال کرنے کی نوبت آئی۔ اسلئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اعلیٰ فہم وفراست وتدبر کی بدولت خلافتِ اسلامی نے اقتدارِ اعلیٰ کی قوت سے تمام باطل قوتوں کا خاتمہ کرکے۔ الدین الاسلام کی اشاعت وترویج میں وسعت واستحکام حاصل کیا۔ اس حال میں کہ اشاعت الدین الاسلام کے ساتھ اقتدارِ اعلیٰ کی عظیم قوت کو نمایاں مقام حاصل ہوا۔ اور یہ عمل لازم وملزوم ہونے کی صورت میں۔ اقتدارِ اعلیٰ کی ہیئتِ مسلمہ کو ہی خلافتِ اسلامی محسوس کیا گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اقتدارِ اعلیٰ کی ہیئت۔ الدین الاسلام کی ہیئت میں مدغم ہوتی ہے۔ جسکے لئے اقتدارِ اعلیٰ کی ذاتی ہیئت ایک حکمران حیثیت میں محسوس ہوتی ہے اسلئے ضروری ہوا۔ کہ اشاعتِ الدین کے ساتھ اقتدارِ اعلیٰ کی قوت کو بوجہ اسکے کہ اشاعتِ الدین الاسلام کا انحصار۔ اقتدارِ اعلیٰ پر موقوف ہوا۔ بذاتِ خود اقتدارِ اعلیٰ کو الدین کی ایک اہم جز قرار دیکر اسکے استحکام وقوت کو۔ قوی ومستحکم بنانا۔ اشد ضروری ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے موقع پر۔ خلافتِ اسلامی میں۔ دونوں ہیئتیں۔ الدین ــــ اور خلافتِ اسلامی ــــ (اقتدارِ اعلیٰ) سرزمینِ عرب پر غالب ہوچکی تھیں ــــ لہٰذا ضروری تھا کہ شرائطِ دینی شرائطِ خلافت میں۔ ایک خلیفہ کی صفات میں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری

کردہ احکام (الدین الاسلام) سے سوا ـــــ وسعت واستحکام اقتدارِ اعلیٰ کیلئے ایک خلیفہ کی ۔ذاتی (عقلی) صفات میں ۔عبادات وتقویٰ ـــــ سے سوا (علاوہ) ایک حکمران حیثیت (خلیفہ الرّسول کی صفت سے علاوہ) میں عقلی فہم وتدبروسیاست کی اعلیٰ صفت ہونا لازمی ضروری ہوا۔اس حال میں کہ اقتدارِ اعلیٰ کی صورت میں ۔جبکہ اشاعتِ دین کا انحصار ۔اقتدارِ اسلامی پر ہی منحصر ہوا۔شرائطِ دینی میں ایک خلیفہ کیلئے اعلیٰ حکمران صلاحیت اور حکمران منصوبہ بندی کی صفات لازم ہوئیں۔

قرآنی تاریخ سے واضح ہے۔کہ ابتدائے عملِ رسالت میں ۔حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی مکی زندگی میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور تابعینِ رسول کا ایک ’’عمل‘‘ صرف اشاعتِ دین سے سوا۔کسی اقتدارِ اعلیٰ کا عمل وتصور موجود نہیں تھا ـــــ یہ حقیقی اشاعتِ الدین الاسلام کا طریق عمل واضح ہے۔جس میں تعمیل احکامِ الٰہی میں ۔تسبیح وعبادات کے سوا کوئی تصور شامل نہیں ۔یہ اصل الدین الاسلام کی ہیئت واضح ہے۔جو دس سال کے عرصہ تک قائم رہی ۔اور حکمِ ہجرت کے بعد۔ ہجرت مدینہ پر۔جب باطل قوتوں کی مزاحمت واضح ہوکر سامنے آئی ۔تو یہ امر غورِ طلب ہے۔کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے کوئی ایسا حکم نہیں کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم اس حکم کے مطابق ۔مشرکین مکہ کے ساتھ جنگ کرنے کی غرض سے مقامِ ’’بدر‘‘ پر پہنچکر مقابلہ کریں۔ بلکہ یہ امر ’’اجتہادِ رسالت‘‘ ۔پر موقوف تھا کہ وہ اس اضافی عمل میں اپنی طرف سے وقت کی ضرورت کے مطابق ذاتی طور منصوبہ بندی کریں کہ کفار کی یلغار کے مقابلہ میں وہ اپنا تحفظ حاصل کرنے کیلئے ۔کفار کا مقابلہ کریں۔اس میں چونکہ قرآنی احکام کو دخل نہیں لہٰذا رسول اللہؐ اور تابعینِ رسول اللہ باہمی مشاورت سے جو فیصلہ خود طے کریں۔اس کے مطابق وہ مشرکین سے نبرد آزما ہوں۔ہاں! فتح ہو یا شکست ۔یہ ایسا عمل ہے۔ جو زمانۂ قدیم سے اقوامِ عرب میں ۔جنگ وجدل ۔جاری تھا۔لہٰذا ضروری نہیں کہ اس عمل کیلئے ’’وحی‘‘ کی ضرورت ہو ـــــ یہ عمل اجتہادِ رسالت پر منحصر ہے۔کہ آپ اور تابعین رسول ایسے موقع پر ۔قومی روایات اور حالات وقت کے مطابق کیا تدابیر اختیار کریں۔اس حال میں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم انہیں اقوام ہاشمی ۔قریشی ۔کے افراد میں سے ہیں۔اور تابعینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

بھی انہیں اقوام کے افراد سے ہیں۔ جو قبل از وقت جنگوں کے ماہر اپنی جنگی تدبیروں پر ''فتح وشکست'' حاصل کرتے رہے۔

یہ واقعہ ''بــــدر''۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی امتِ مسلمہ کا پہلا واقعہ ہے۔ جو کسی ذاتی معاملہ کی بنأ پر نہیں ہوا۔ بلکہ الــدیــن الاســلام کی اشاعت واطاعت کی بنأ پر واقع ہوا لہٰذا ــــ اگر چہ اس واقع کی حیثیت عام ہے۔ لیکن دین کی نسبت کی بنأ پر یہ واقعہ الـدیـن الاسـلام کی ہئیت میں شمار ہوتا ہے۔ جس الدین الاسلام کے ضابطہ کے تحت۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰـهِ اَمْوَات''ط بَلْ اَحْيَآء'' (پارہ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۵۴) ــــ کا حکم جاری ہوتا ہے۔ اسلئے کہ یہ واقعہ محض اشاعتِ دین میں تحفظ الدین الاسلام کی خاطر پیش آیا۔

اس واقعہ میں ایک انسان کی حیثیت اس کا عمل۔ الدین الاسلام کے عمل میں شامل ہوتا ہے اس عمل میں ''جنگ'' کو ــــ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِکُ الدِّمَآءَ کی صفت میں شامل نہیں کیا جاتا۔ بلکہ جٰهَـدُوْا فِـیْ سَبِيْلِ الـلّٰـهِ۔ یہ جنگ کسی طرح بھی انسان کے ذاتی مفاد ــــ ذاتی منفعت ــــ ذاتی حصول کی غرض سے نہیں۔ نہ حصول ملک وجائیداد یا حکمرانی کی غرض سے ہے۔ بلکہ فـی سبیـل اللہ۔ اللہ کے احکام کی اشاعت۔ ووسعت۔ اور مخلوقِ انسانی کی نجاتِ آخرت کی غرض سے عمل میں آتی ہے۔ اس عمل پر ہی۔ الـدین الاسلام میں۔ ایک فرد کا عمل۔ اسکا مقصد۔ اسکی جستجو کا ایک واضح لائحہ عمل مرتب ہوتا ہے۔ کہ خلافتِ اسلامی میں ایک خلیفہ کے انتخاب میں جب اقتدارِ اعلےٰ کی صورت میں الـدیـن الاسلام کی اشاعت ووسعت میں ایک خالص واحد مقصد ونظریہ مقصود ہو۔ تو ایک خلیفہ کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔ کہ وہ احکامِ الٰہی کی اشاعت۔ اور مخلوقِ خدا تک الـدیـن کا علم وحکم پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ جس میں اسکی ذاتی منفعت۔ ذاتی حکم کو دخل نہیں ــــ ایسی صورت میں مقامِ خلافت ایک مومن کیلئے کٹھن آزمائش کا مقام ہوتا ہے۔ کہ وہ بطریقِ احسن۔ منشائے الٰہی کے مطابق فریضہ خلافت ادا کرے۔ کسی کوتاہی اور کسی لغزش کے نتیجہ میں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے۔ قابلِ تعزیز ہوتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں۔ الدین الاسلام ۔اور اقتدارِ اعلیٰ ایک مخلوط قوت بن چکی تھی۔ جسے ایک سلطنت یا حکمران ہیئت بھی کہا جا سکتا ہے۔لہٰذا حضرت عمرؓ کی خلافت میں یہ ضرورت پیش آئی۔ کہ خلافتِ اسلامی میں۔امور دنیوی سے متعلق نظام و نفاذ کیلئے۔ دنیوی انداز میں۔اجتہادی عمل استعمال کر کے اقتدارِ اعلیٰ کی وسعت و استحکام کیلئے۔ضوابط وضع کئے جائیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی ذات سے متعلق آپ کی خصوصیات میں امورِ دنیوی (امور سلطنت۔ اقتدارِ اعلیٰ) سے متعلق اہم اصلاحات تاریخ اسلام میں۔واضح اور اقتدار اعلیٰ کی حیثیت میں ایک منضبط نظامِ فاروقیؓ خلافتِ اسلامی کا ایک اہم واقعہ ہے۔

تاریخِ اسلام سے ظاہر ہے۔کہ دنیائے عرب میں مجاہدین اسلام نے عظیم باطل قوتوں کو تہ و بالا کر کے ایک عظیم اقتدارِ اعلیٰ کی وسیع قوت حاصل کی جسکے لئے۔شرائطِ دینی کے ساتھ۔ ایک حکمران صلاحیت فہم و تدبر کے مالک ذہن کا ایک خلیفہ کیلئے ہونا ضروری ہے۔اس خیال کے مدنظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک شرائط دینی کے مطابق ایک خلیفہ کے انتخاب میں۔ایک حکمران ذہن اور فہم و تدبر ذہن کی خصوصیت کو بھی شرائطِ دینی میں اہمیت دی گئی ــــ لہٰذا ضروری تھا کہ اصول شریعت یا شرائط دینی کے مرتب شدہ ضابطہ کے مطابق ایک خلیفہ کا انتخاب براہ راست خلیفہ سے ہونا کافی نہیں۔ بلکہ اس انتخاب میں اصول ''اجتہاد'' ـــــ اجتہادِ رسالت کی روشنی میں۔ امت کے اکابرین صاحبِ علم۔صاحبِ عبادت۔صاحب فہم و تدبر کو منتخب کر کے ان کو انتخابِ خلافت میں۔شریک کر کے۔خلیفہ کا انتخاب کیا جائے۔

لہٰذا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے (شرائط دینی کے مطابق) ذاتی طور (خلیفہ کی حیثیت سے) خلیفہ کے انتخاب میں۔اولاً خود ایسے افرادِ امت کا انتخاب کیا۔ جو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں قابلِ انتخاب تھے۔اور بحیثیت مجموعی افرادِ امت کے نزدیک اولوالعزم لائق انتخاب تسلیم کئے جاتے تھے۔انکا اجتماع ضروری سمجھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا ــــ لہٰذا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق ان اصحاب کا

انتخاب ۔بحثیت مجلسِ مشاورت قائم ہوا۔کہ آئندہ خلیفہ کے انتخاب میں ۔ایک قائم مقام خلیفہ کے ساتھ ۔یابعدِ وفات ــــ (خلیفہ کے بعد) مجلس مشاورت ہی کے ذریعہ ایک خلیفہ کا انتخاب لازم ہو گا۔بغیر ان منتخب افرادِ مجلسِ مشاورت ۔عوام المسلمین کے ذمہ انتخابِ خلافت لازم نہیں ۔

اس ضابطہ کے تحت انتخابِ خلیفہ کیلئے ۔شرائطِ دینی میں ۔ایک اضافی ضابطہ یہ طے ہوتا ہے ۔کہ خلافت اسلامی میں ۔

(۱) ایک خلیفہ خود۔آئندہ خلیفہ کا انتخاب ــــ نامزد کرنے کا مجاز ہوتا ہے ۔

(۲) اقتدارِ اعلیٰ کے نفاذ کی صورت میں ۔جبکہ شرائط دینی ــــ شرائطِ خلافت ۔میں صفاتِ خلیفہ متعین ہیں ۔لیکن اقتدار اعلیٰ کے نظام کیلئے ۔ایک خلیفہ کے انتخاب کیلئے ایک اضافی صفت ۔اعلیٰ حکمران صلاحیت ــــ فہم و تدبر ۔اور قوی ذہنی صلاحیتِ ''اجتہاد'' کا ہونا ضروری سمجھا گیا۔ایسی صورت میں ۔مخصوص منتخب مجلس مشاورت کا وجود۔اور اس مجلس کی مشاورت سے ایک خلیفہ کا انتخاب ۔شرائط دینی کی اہم جز تصور کی جاتی ہے ۔ہاں! جیسا تصور جمہوریت میں ایک فروعی تصور پایا جاتا ہے ۔کہ جمہوریت کے عمل میں ۔عوام الناس ۔یا عوام المسلمین کی رائے سے ہی ایک سربراہ کا انتخاب لازم ہے ۔یہ عمل ــــ یہ تصور لغو ہے ۔اسلئے کہ بحثیت مجموعی عوام الناس میں اتنی صلاحیت کا پایا جانا ممکن نہیں کہ مختلف خیالات و نظریات کے حامل ۔منتشر الخیالی میں صحیح الصفات خلیفہ کا انتخاب کرسکیں ۔یا صحیح العمل افراد کا انتخاب کرسکیں ۔سوائے اسکے کہ بحثیت عمومی عوام سے مخصوص افراد کی ''نشاندہی'' کی جاسکتی ہے ۔جنکا عوام الناس میں عمل مشہور و مسلم ہو۔صرف عوام سے ''نشاندہی'' کی جاسکتی ہے ۔تا کہ ایسے انتخاب پر کسی فرد کو فروعی تنقید و اعتراض کا احتمال نہ ہو۔ جس سے (امت) قوم میں بلاوجہ فتنہ پیدا ہونے کا احتمال ہوسکتا ہے ۔لہٰذا۔خلیفہ خود ذاتی تجربہ کی بناءً پر مجلس مشاورت کے افراد کا انتخاب کرسکتا ہے ۔اور یہی مجلس مشاورت ایک خلیفہ کا انتخاب کرسکتی ہے ۔یہ عمل خلیفہ کی زندگی میں ہونا ضروری ہے ۔تا کہ نظامِ اقتدارِ اعلیٰ کے اجرأ میں وقتِ ضرورت رائے اور مشورہ حاصل کیا جائے ۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت میں ۔اگر قرآن

سے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ کا حکم ہے۔ تو یہ عمل احکام الٰہی کے نزول۔ اتباع۔ ونفاذ میں لاگو ہونے کا موقع نہیں۔ نہ عملِ رسالت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل میں نقص یا فہم میں کہیں گنجائش ہو سکتی ہے۔ کہ نفاذِ قرآن وحدیث میں رسول اللہ ؐ کو "عقلِ کل" کی حیثیت میں مشاورت کی ضرورت ہو۔ اسلئے کہ اشاعت الدین کیلئے براہ راست اللہ تعالیٰ کی ذات سے موقع بہ موقع ہدایت کی صورت میں احکام نازل ہوتے ہیں۔ سوائے اقتدارِ اعلیٰ کے نظام وعمل میں۔ اجتہادی صورت میں مشاورت کی ضرورت اس صورت میں ہوسکتی ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کسی امر میں صحابہ سے "رائے" لیں کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم امور دنیوی کے عمل میں۔ مزید کوئی معقول عمل کیلئے مشورہ لیں۔ جیسا کہ بعض جنگوں میں حضورؐ نے بہتر منصوبہ اختیار کرنے کیلئے صحابہ سے رائے لی۔ اسلئے مجلس مشاورت کا وجود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت سے ہی شروع ہوتا ہے۔ لیکن اس مجلس کی اہمیت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کے مقابلہ میں نمایاں نہیں ہوسکتی ___ یہی صورتِ مشورت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں رہی۔ کہ آپ کی خلافت میں صحابہ کی استطاعتِ مشاورت۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ صلاحیتِ خلافت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جبکہ آپ کا فیصلہ اقتدار اعلیٰ کی صورت میں بھی قابل قبول۔ قابل تسلیم۔ اعتراض وتنقید سے مبرا رہا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آپؓ کے عہد خلافت میں مجلس مشاورت کا کوئی مخصوص نمایاں وجود ظاہر نہیں ہوتا۔ سوائے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عملِ اجتہاد میں۔ آپ نے مجلس مشاورت کو نمایاں صورت میں ترتیب دیا۔ اور یہ مجلس مشاورت آپؓ کی شہادت کے موقع پر وجود میں آئی۔ جبکہ اس سے قبل حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت کے دوران مجلس مشاورت نامزد نہیں کی گئی سوائے اسکے کہ کسی موقع پر خود اصحابِ رسول اللہ بحیثیت مجموعی۔ بلا تخصیص ونامزدگی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اقتدار اعلیٰ کے کسی امر میں۔ سنت نبویؐ کے خلاف تنقید واعتراض کریں۔ جسکا ذکر تاریخ میں بھی آتا ہے۔

(ا) الغرض خلافتِ اسلامی میں ایک خلیفہ کے انتخاب میں محض اقتدارِ اعلیٰ کے استحکام و وسعت کے نظریۂ ضرورت کے تحت خلیفہ خود کسی خلیفہ کا انتخاب کرنے کا مجاز ہے۔ کہ شرائط دینی کی

صفات پر ایک خلیفہ کا انتخاب لازم ہے۔

(۲) خلیفہ کی وفات کی صورت میں صرف مجلس مشاورت کو خلیفہ کے انتخاب کرنے کا حق ہے۔ اس حال میں کہ مجلس مشاورت خود خلیفہ کے انتخاب سے نامزد کی گئی ہو۔ ایسی صورت میں بھی عوام الناس سے خلیفہ کی نامزدگی میں۔ نہ رائے لی جاسکتی ہے۔ نہ انکی مداخلت کا کوئی موقع آتا ہے۔

(۳) اگر خلافتِ اسلامی میں اچانک خلیفہ کی وفات ہو۔ یا شہادت ہو۔ اور خلیفہ اپنی زندگی میں مجلس مشاورت نہ منتخب کرسکا ہو۔ ایسی صورت میں۔ امت مسلمہ کے اولوالعزم۔ معزز۔ صاحب علم اصحاب بذات خود مجلسِ مشاورت کی تشکیل کیلئے خود اقدام کریں ـــــ کہ عوام المسلمین سے ایسے باصفت اصحاب کی نشاندہی کر کے ایک جماعت ترتیب دی جائے۔ جن میں۔ مشاورت کے ساتھ ـــــ شرائطِ دینی کی صفات کے ساتھ خلیفہ منتخب کرنے کی صلاحیت ہو۔ انہیں مرتّبہ افراد کے اجتماع سے ایک مجلس مشاورت تشکیل دی جائے۔ یہی مجلس مشاورت آپس میں مشاورت سے اپنے میں افضل ترین شخصیت کا انتخاب کر کے۔ اسے خلیفہ نامزد کیا جائے۔ جس میں کسی اور فرد کا دخل لازم نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کے وقت خود مجلسِ مشاورت کیلئے چھ اصحاب کا انتخاب فرمایا۔ (جن میں (۱) حضرت عثمان غنیؓ (۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ (۳) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (۴) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۵) حضرت طلحہؓ (۶) حضرت زبیر بن العوامؓ منتخب کئے گئے۔) اور اسی مجلس شوریٰ کے ذمہ انتخاب خلیفہ مقرر کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک صحابی حضرت صہیبؓ کو حکم دیا۔ کہ ان نامزد اشخاص کو اپنے گھر بلا کر کمرے میں بند کردو۔ انہیں تین دن تک ہرگز باہر نہ جانے دیا جائے یہاں تک کہ یہ لوگ اپنے میں افضل ترین۔ فرد کا انتخاب کر کے خلیفہ نامزد نہ کریں۔ چنانچہ ان اصحابِ مشاورت نے متفقہ طور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔ اس حال میں کہ ان اصحاب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی شامل تھے۔ جو نسب اور قرب رسول میں سب سے اونچا مقام رکھتے تھے۔ لیکن آپؓ نے بھی شرائط دینی کے ضابطہ کے آگے سرِ تسلیم خم کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بغیر کسی اختلاف کے قبول کیا بلکہ رائے دی ـــــ اسلئے کہ صحابہ میں ہر فرد سنتِ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق عمل کرنے میں اپنے اختیارات پر کوئی عمل نہ کرتے تھے۔ نہ اپنی خواہش ورائے کو سنت نبویؐ کے مقابل استعمال کرتے اور خصوصاً۔ الدین الاسلام کی اطاعت میں۔ ہرفرد ایک خلیفہ کے حکم پر اطاعت کرنے کا پابند تھا۔ سوائے اسکے کہ خلیفہ یا کسی فرد سے قرآن۔ یا حدیث (سنت رسول) کے خلاف اقدام ہو۔ اسکی سختی سے مخالفت کی جاتی۔ جس میں امت مسلمہ کا ہرفرد۔ خلیفہ پر تنقید کا حق رکھتا تھا۔ اس حال میں اسکی تنقید ذاتی عقلی تاویل پر یا حدیث وسنت کے مطابق نہ ہو ــــــ ایک شخص نے حضرت عمرؓ خلیفۂ وقت کے خلاف احتجاج کیا۔ کہ مالِ غنیمت سے حاصل شدہ کپڑے کی تقسیم سے آپ کی قامت کی قمیض نہیں بن سکتی۔ جو آپ نے پہن رکھی ہے۔ لہٰذا آپ کی خلافت تسلیم نہیں! ــــ اس اعتراض پر امت کے ہرفرد کو بوجہ خلافِ سنت عمل محسوس ہونے پر اختیار ہے۔ کہ وہ ایک ''وجہ'' کی بناء پر خلیفہ کو تسلیم کرنے سے انکار کرے۔ لیکن اسکے فعل پر خلیفہ کو برطرف نہیں کیا جاسکتا ــــ تاوقتیکہ۔ قرآن وحدیث کے احکام پر الدین الاسلام ہو یا اقتدار اعلےٰ میں کوئی ایک حکم قرآن وحدیث کے احکام سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔ ایک خلیفہ کے خلاف۔ جرم ثابت ہو۔ تو (بجائے عوام کے) مجلس مشاورت (مجلس شوریٰ) قرآن وسنت کی روشنی میں تحقیق کے بعد کوئی اقدام کرنے کی اہل یا مجاز ہوتی ہے۔ اس اقدام میں کسی فرد امت کے کسی فیصلہ پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بجائے حضرت عمرؓ کے منتخب کرنے کے مجلس شوریٰ نے خلیفہ منتخب کیا۔ لہٰذا شرائط خلافت میں۔ انتخاب خلیفہ کیلئے۔ انہی اصولوں کے مطابق شرائط دینی ــــ شرائط خلافت کے مطابق۔ خلافتِ اسلامی میں۔ مجلسِ شوریٰ ہی خلیفہ کا انتخاب کرنے کی مجاز ہے ــــ اس حال میں کہ مجلس شوریٰ خود خلیفہ کی منتخب کردہ ہو ــــ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں۔ آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ خلافتِ اسلامی وراثت میں ملی۔ جس میں الدین الاسلام کا کامل وجود ــــ اسکے ساتھ اقتدارِ اعلےٰ کی نمایاں ہیبت۔ عرب وعجم کی وسیع سرزمین پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس زمانہ میں۔ خلافتِ اسلامی کا رعب وجلال دنیا پر اسلام کی ہیبت طاری کر چکا تھا ــــ اور اسکے ساتھ ہی۔ مخالفینِ اسلام۔ باطل

قوتیں۔اندرون۔اسلام کی قوت کونیست ونابود کرنے میں شب وروز سازشوں میں مصروف تھیں۔ جن میں۔شام وعراق۔مصر کے سابق امت بنی اسرائیل کے یہود ونصاریٰ شدت سے اسلام کی عظمت مٹانے میں اپنی پوری قوت استعمال کررہے تھے۔اس حال میں کہ انہیں (حضور صلے اللہ علیہ وسلم۔حضرت ابوبکر صدیقؓ۔اور حضرت عمر فاروقؓ کی مدبرانہ صلاحیتوں اور جلال ورعب کی وجہ سے) ظاہراً مخالفت یا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔لیکن یہ قوتیں اندرون اسلام کی قوت کو سازشوں سے مٹانے میں کوئی لمحہ خالی نہ چھوڑتی تھیں۔اسی سازش کے نتیجہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کفار شہید کرنے میں کامیاب ہوگئے۔یہ اسلامی سطوت ورعب وجلال کا آخری دور تھا۔۔۔

یہی خلافتِ اسلامی کی وسیع ہئیت۔حضرت عثمانؓ کی تحویل میں دی گئی جسکے لئے ایک عظیم الشان صاحبِ علم۔صاحبِ تقویٰ۔۔۔ ہم پایہ خلیفہ اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مثل فہم وتدبر و سیاست۔اور حکمران حیثیت میں اتنی وسیع العظیم خلافت (اقتدار اعلےٰ کی سلطنت) کے دوام و استحکام اور وسعت۔اور اجرائے الدین الاسلام کی ہئیتِ مسلمہ کو دوام اور قائم رکھنے کی صلاحیت موجود تھی۔انہیں صفات پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مجلس شوریٰ نے بقیہ پانچ اصحاب کے مقابلہ میں متفقہ رائے پر خلیفہ منتخب کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور ایک کٹھن مرحلہ سے گزرا ہے۔اول یہ کہ دنیائے اسلام کے عظیم ترین صحابی۔خلیفۃ المسلمین کی قائم کردہ عظیم خلافت (الدین الاسلام ۔۔۔ اور اقتدارِ اعلےٰ کی عظیم سلطنت) کے سنبھالنے کیلئے اتنی وسیع سرزمین پر دین اسلام کی ہئیت ۔۔۔ اجرائے قرآن وحدیث۔تعلیم۔عمل اور ہئیتِ اسلامی کو قائم رکھنے میں تبلیغ کا وسیع انتظام ۔۔۔ اور مفتوحہ علاقوں میں۔اقتدارِ اعلےٰ کے استحکام۔تحفظ اور باطل قوتوں کی یلغار سے محافظت کی منصوبہ بندی ایک عظیم کام تھا۔۔۔ حضرت عثمان غنیؓ نے ان تمام امور کو بحسن خوبی انجام دیا۔جس سے الدین الاسلام کی ہئیت اجرائے قرآن وسنت میں ہر طرح وسعت واستحکام رہا۔۔۔ اور آپ کے زمانہ میں اقتدارِ اسلامی میں کئی ملک فتح ہوکر اسلامی سلطنت کو وسعت وتقویت حاصل رہی۔یہ امر ظاہر ہے کہ

آپؓ کی خلافت میں۔آپؓ کی اعلیٰ واولوالعزم شخصیت ۔شرائطِ دینی کے لحاظ سے۔خود ایک جانشین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے۔ایک ''معلم''۔''ھادی'' کا مقام رکھتی تھی۔اقتدارِ اعلیٰ (خلافتِ اسلامی) کے نظام ونفاذ کے لحاظ سے۔آپ امت کے منتخب اصحاب میں۔علم وفضل۔فہم و تدبر وسیاست ـــــ اور ملکۂ اجتہاد میں یکتا۔اصحاب رسول اللہ میں افضل مقام رکھتے تھے۔کہ آپ کے عہدِ خلافت میں۔ملتِ اسلامیہ ــــ خلافتِ اسلامیہ۔اقتدارِ اعلیٰ کو کسی مقام پر۔کسی موقع پر۔کسی نقص۔کسی تنزل۔کسی فساد کا قطعاً اندیشہ ہونا ممکن نہ تھا۔اس حال میں۔کہ آپکی خلافت میں۔بے شمار اصحاب رسول اللہ۔جو تقویٰ وعبادت۔اور اقتدارِ اعلیٰ کے کارہائے خلافت میں۔خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چھ منتخب اصحابِ مجلس شوریٰ آپ کی خلافت میں شریک ومعاون موجود تھے۔ایسی صورت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اتنی وسیع عریض خلافتِ اسلامی کے استحکام ودوام میں۔کسی نقص کا تصور لغو اور بے بنیاد مفروضہ کہا جاسکتا ہے۔

اس مقام پر اس حقیقت کو زیرنظر رکھنا ضروری ہے۔کہ الدینِ رسول اللّٰہ صلے اللہ علیہ وسلم۔''ھدایت'' کے ساتھ مخلوقِ کائنات کیلئے۔امن وسلامتی کا دعویٰ لیکر آیا۔جس میں کسی مقام پر۔فساد وغارتگری کا عمل پایا نہیں جاتا۔حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور تابعین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعتِ دین۔اور اجرائے دین میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی معیت (ساتھ دینا) میں باطل کے خلاف صبر واستقلال۔عزم۔اور امن کا مظاہرہ تاریخ سے واضح ہے۔کہ ان ہستیوں نے باطل قوتوں کے کس قدر مظالم برداشت کئے۔جسکے جواب میں اپنی طرف سے کوئی جوابی کاروائی عمل میں نہیں آئی ــــ اس دور میں جماعتِ مومنین پر مکہ کے رہنے والے۔قریش کے مظالم تابعینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ڈھائے جاتے تھے۔تاریخ شاہدہ ہے۔اسلام کی اس کسمپرسی کی حالت میں۔ایمان لانے والوں کے جذبات سوائے اطاعتِ رسول اللہؐ۔ایمان اور دارآخرت کے تصور کے کسی دنیوی عروج کی خواہش درمیان میں نہ تھی۔نہ کسی آسودہ زمانہ کی امید تھی جسکے لئے ایمان لایا جاتا۔تاریخ شاہدہ ہے۔اس دور کے مظلوم شہیدوں کو سوائے مظالم۔شدتِ

عذاب کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ نہ انہیں کسی آسودگی۔ امن کی امید تھی نہ خواہش۔ یہی عمل حقیقتاً اجرائے الدین الاسلام کا حقیقی تصور ہے۔ جس پر الدین الاسلام۔ دین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بنیاد رہی ـــــ

ہجرتِ مدینہ کے بعد کفار مکہ (قریش) کی یلغار اتنی شدید نہ تھی۔ جتنی مدینہ کے بسنے والے۔ یہود و نصاریٰ اور منافقین کی مخالفت ـــــ اسلئے کہ مدینہ میں شام۔ مصر۔ عراق کے یہودی سرمایہ داروں کا تسلط غالب تھا۔ کہ غریب عوام کو ناجائز حصول کی لالچ میں محکوم بنا رکھا تھا ـــــ لہٰذا۔ اسلام کی مدنیہ میں سکونت ایسے یہود و نصاریٰ سرمایہ داروں کے لئے موت کا پیغام تھا۔ اس احساس کے ساتھ یہود و نصاریٰ نے ابتدأ کے ساتھ ہی اہل اسلام کی مدینہ میں مستقل سکونت کے نتیجہ میں۔ اسلام کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اشاعتِ دین میں یہودیوں نے اسلام کی مخالفت میں علے الاعلان مخالفت کی۔ لیکن اس بنأ پر کہ۔ قریشِ مکہ کی جنگی یلغار کے نتیجہ میں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مقابلہ کیلئے۔ ''اقتدارِ اعلےٰ'' کی ضرورت پڑی۔ تو ابتدأ ہی سے اہلِ اسلام کو قوت و غلبہ حاصل کرنے کیلئے اجرائے دین کے ساتھ ظاہری اسباب کو مجبوراً استعمال کرنا پڑا ـــــ اور وقت کے ساتھ جوں جوں۔ اہل اسلام کو ہر موقع پر فتح حاصل ہوئی ـــــ اتنا ہی۔ یہود و نصاریٰ کو اپنی قوت و غلبہ کے خاتمہ کے آثار قوی ہوتے گئے ـــــ لہٰذا ـــــ جبکہ قلیل عرصہ میں۔ اہل مکہ اور عرب کے بیشتر قبیلوں کو اسلام میں داخل ہونا پڑا ـــــ ایسے حالات میں۔ مدینہ کے یہود و نصاریٰ ہی ایک قوم مد مقابل آئی۔ جنہوں نے۔ سازش اور اسلام کی وسیع قوت کے خوف سے منافقانہ رویہ اختیار کیا۔ اور جوں جوں۔ اسلام کی قوت غالب آنے لگی۔ یہود و نصاریٰ نے۔ اسلام کے خلاف اپنی۔ ظاہر مخالفت۔ اور باطنی سازشوں سے ہر موقع پر اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی چنانچہ سکونتِ مدینہ سے لیکر آخر دورِ رسالت تک تاریخ میں یہود و نصاریٰ کی منافقانہ سازش اور علے الاعلان بغاوت سے یہ امر واضح ہے۔ کہ عراق و شام۔ مصر کے تمام یہودیوں نے مل کر اسلام پر شدید حملے کئے ـــــ اور خفیہ ـــــ جن کا علم خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو بھی تھا۔ لیکن ابتدائی

دورِ اسلام اور بعد میں اقتدار کے زمانہ میں۔ (مدینہ میں ایک عظیم وسیع قوت حاصل ہونے کے) حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انکی کھلی سازشوں کے باوجود درگزر سے کام لیا۔اس حال میں کہ یہود اپنی بد باطنی سے مجبور ظاہراً مخالفت پر سازش پر آمادہ رہتے۔مگر حضورؐ نے انکے خلاف کسی موقع پر کوئی۔ اقدام۔کوئی سرزنش نہیں کی۔سوائے اسکے کہ ایسے اقدامات جو صریحاً اسلام اہل اسلام کی ہلاکت کا موجب ہوتے۔منافقین کی سازشوں کو ناکام بنا کر مدینہ بدر کیا گیا۔بس۔اسکے علاوہ انہیں انکی سازشوں میں کھلا چھوڑ دیا گیا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد۔جبکہ یہود نے اسلام کی عمارت کو مسمار ہوتے محسوس کیا۔تو خلافتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی منافقین نے بغاوت کر کے۔ اسلام کی ہیئتِ مسلمہ کو نیست و نابود کرنے کے ناپاک حربے استعمال کئے۔مگر خلیفۂ اعظم۔خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ صلاحیتوں کے نتیجہ میں یہود اس قدر پست ہو گئے۔کہ دور عہد صدیقی میں انہیں اہل اسلام کے خلاف کسی قسم کی ناپاک حرکت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔لیکن اپنی بد باطنی سے مجبور۔یہود اپنی اندرون سازشوں سے اسلام کی بربادی کیلئے ہمہ تن مصروف رہے۔ یہاں تک کہ عہدِ صدیقی کے انجام پر اسلامی خلافت غالب ہیئت میں ابھر کر وسیع علاقہ تک پھیلی اور الدین الاسلام اپنی دینی حیثیت سے عرب کی وسیع سرزمین پر مسلط ہو کر اسکی تعلیم و عمل سے ہر فرد امن و سلامتی میں محفوظ ہو گیا۔جسکے نتیجہ میں۔یہود و نصاریٰ کو کسی موقع پر اپنی سازشوں میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں دنیا کی عظیم شہنشاہتوں کو یا تو اسلام قبول کرنا پڑا۔یا اپنی سرکشی اور خلافِ انسانیت مظلوم کشی کے نتیجہ میں نیست و نابود ہونا پڑا۔کہ دنیا کی ہر طاقت اسلام اور حضرت عمر فاروقؓ کی قوت سے لرزاں و دہشت زدہ تھی۔اسلئے آپ کے عہد خلافت میں یہود منافقین کے ساتھ کسی بھی مخالف قوت کو اسلام کے خلاف سازش کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اسلئے عہد فاروقی میں۔اسلام ہر سازش ہر منافقت اور مخالفت سے محفوظ رہا۔اس حال میں کہ دور دور

تک حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل رسالت کو آسانی سے زمین کی وسعتوں تک پہنچنے میں راہیں کشادہ میسر آئیں اور تمام عالم میں اسلام ــ قرآن وحدیث وسنت کی روشنی سے تمام عالم سیراب ہونے لگا۔ اس کے باوجود ـــ یہود ونصاریٰ۔ منافقین نے اسلامی لبادہ پہن کر جو بھی موقع ملا۔ اسلام کو نقصان پہنچانے میں کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا ــ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے نتیجہ میں۔ الدین الاسلام ـــــ خلافتِ اسلامی کو انتہائی تقویت حاصل ہوئی۔ کہ آئندہ کسی مخالف قوت کے نقصان یا مخالفت کا اندیشہ ذہنوں میں باقی نہ رہا ــ اگر ہوا۔ تو اپنی قوت کے احساس سے مخالفین کی مخالفت یا سازشوں کو خاطر میں نہ لایا گیا۔ اس حال میں بھی۔ کہ یہ ایک سنتِ نبوی ؐ کا عمل تھا۔ کہ آپ نے۔ کیا اہل اسلام کے ہر مومن فرد نے دشمنانِ اسلام سے عفو و درگزر سے اتنا کام لیا۔ کہ منافقین نے اہل اسلام کی درگزر سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اہل اسلام کو ہر موقع پر دغا دیکر نقصان و آفت میں مبتلا کر دیا۔ لیکن اہل اسلام ایسے موقع پر بھی حادثات سے محفوظ رہے اور یہ امر لائقِ توجہ ہے۔ کہ خلفائے اسلام نے اسی سنتِ نبوی ؐ کے عمل کے تحت۔ خود یہود ونصاریٰ کی سازشوں پر عفو و درگزر سے کام لیا اور انکے خلاف انتقامی کاروائی نہ کی۔ اور اسکے ساتھ تابعین (عوام المسلمین) نے بھی خلیفہ کی اطاعت کے زیر اثر اپنی طرف سے کوئی اقدام نہیں کیا۔ جو خلیفہ کی طرف سے جاری نہ ہوا ہو ـــــ تاریخ سے واضح ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں۔ یہود ونصاریٰ علے الاعلان مخالفت اور سازشیں کرتے رہے لیکن حضور صلے اللہ علیہ وسلم درگزر فرماتے۔ ایسے میں اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جانتے ہوئے کہ یہود کھلی بغاوت اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی مکروہ سازش کرتے ہیں۔ حکمِ رسول ؐ!۔ اطاعتِ رسول کے جذبہ میں!۔ وہ مخالفین کے خلاف لفظ بھی زبان سے نہ ادا کرتے۔ کہ قرآن وحدیث کے حکم کے مطابق امت مسلمہ کے ہر فرد کیلئے خلیفۂ وقت کے ہر حکم کی تعمیل ایک فرض کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس حال میں کہ خلیفۂ وقت کے حکم کے مقابلہ میں اپنی ذات سے کوئی اقدام کرے۔ یہی عمل ہر خلیفہ کے دور میں جاری رہا۔ کہ خلیفہ کی ذاتی مرضی کے خلاف اپنی ذات سے کسی قسم کا مخالف اقدام

کرنے پر مجبور۔ یا خاموش رہتے جس سے یہود و منافقین ناجائز فائدہ اٹھا کر اسلام کو نقصان پہنچانے میں آزاد اور دلیر ہو جاتے۔

یہی کیفیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سامنے آئی۔ کہ آپ کی حلیم الطبع اور امن خواہی سنت نبویؐ کی پیروی میں آپؓ نے امت کے ہر فرد۔ دشمن کے ہر منافق فرد سے انتہائی درگزر سے کام لیا۔ جسکے نتیجہ میں منافقین خاص کر۔ شام۔ عراق۔ مصر کے یہودیوں کو ناجائز فائدہ اٹھانے کا کھلا موقع ملا۔ کہ انہوں نے مومن ہونے کے بھیس میں منافقانہ طرز اختیار کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک سازشی منصوبہ کے تحت باغیانہ انداز اختیار کر کے۔ اسلام میں فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انکی منافقانہ۔ کافرانہ سازش پر درگزر۔ اور میانہ روی اختیار کی۔ لیکن چونکہ یہود و منافقین نے ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت یہ اقدام کیا تھا۔ یعنی خود کو امتِ مسلمہ کا مومن ظاہر کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہر فعل پر بلا جواز تنقید کی آڑ میں۔ آپ پر کھلم کھلا حملے کر کے بغاوت کے آثار پیدا کئے۔ اور آپ نے اپنے جملہ صحابہ۔ کو منافقین کے خلاف کسی قسم کی باز پرس یا سرزنش سے باز رکھنے کی کوشش کی کہ مبادا۔ آپؓ یا اہل اسلام کی طرف سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو۔ جس سے سنتِ نبویؐ کی خلاف ورزی ثابت ہو۔ یا اسلام ــــ اہل اسلام کے کردار پر کسی قسم کا حرف ثابت ہو۔ اس بناء پر (جیسا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت میں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف۔ جانتے ہوئے بھی منافقین کے خلاف کوئی جائز اقدام کرنے پر خاموش رہتے) اہل اسلام منافقین کے خلاف کوئی قدم اٹھانے میں خلیفہ کی اطاعت کو مقدم سمجھتے ہوئے۔ خاموشی اختیار کرتے رہے۔ جسکے نتیجہ میں یہودی سازش کو کامیابی کا خاصا موقع ملا۔ انہوں نے علے الاعلان جھوٹے بہتان باندھ کر براہ راست حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حملے کئے۔ یہود سازش میں رئیس المنافقین ابن سبا دشمن اسلام۔ آپؓ کے خلاف سازش میں پیش پیش رہا۔ چونکہ یہ منافقین مومنانہ لبادہ پہنے آپ کی خلافت کے عمل پر تنقید کرتے تھے۔ اسلئے کسی فرد کو انکے خلاف کوئی اقدام کرنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ اسلئے اس آزادانہ سازش اور براہ راست حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ پر شریعت کی آڑ میں۔امور خلافت پر اعتراض۔کا انجام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی ــــ یہ حقیقت ہے۔کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بناٗ کردہ خلافت اور آپ کے صحابہ جنہوں نے عرب وعجم کی قوتوں کو پامال کر دیا۔اس موقع پر یہ تمام قوتیں خلافتِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ستون تھے۔اس وقت دنیا کی کسی طاقت کو خلافتِ اسلامی کی طرف نظر اٹھانے کی جرأت نہ تھی ۔افسوس اس عظیم قوت کے ہوتے کس کی مجال تھی۔کہ اس خلافتِ اسلامی کے سربراہ کے بال کو نقصان پہنچا سکتے! لیکن یہ امر قابل غور۔قابلِ فکر ہے۔کہ اسلام امن کا داعی ہے۔امن کے داعی سے فتنہ غارتگری میں خون کا ایک قطرہ بہانے کی بھی روایت نہیں ــــ اس بناٗ پر کہ شرائطِ دینی ــــ شرائطِ خلافت کے مطابق۔اسلامی شریعت میں۔ہر فردِ امت کیلئے۔خلیفہ کے حکم کی اطاعت ازبس اطاعت لازم رکھی گئی ہے۔یہی وجہ ہے۔کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شدت سے منع فرمایا۔کہ ظاہر منافقین کے خلاف۔کوئی فردِ امت اقدام نہ کرے جبکہ آپؓ ہر منافق کو اس کے منافقانہ رویہ پر باصواب جواب دیتے رہے۔ایسی صورت میں باوجود قدرت کے اصحاب وامت کی قوی غلبہ وقوت کے اطاعت امیر المومنین (خلیفہ) کے حکم پر خاموش رہنے۔یا کچھ کرنے پر مجبور ہوتے۔اسی اطاعت کے نتیجہ میں۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔حضرات حسنینؓ اپنی ذات سے منافقین کے خلاف کوئی قدم اٹھانے میں بے بس رہے۔اور منافقین کھلم کھلا بلا مزاحمت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے میں آزاد رہے۔اس حال میں مخالفینِ خدا ــــ کافر ــــ دشمنانِ اسلام ہی کی ہدایت کیلئے اسلام اور رحمۃ للعٰلمین صلے اللہ علیہ وسلم کے وجودِ اقدس کا ظہور ہوا۔ایسی صورت میں دشمنانِ اسلام کو یہ کھلی چھٹی ملی۔کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات لاہوتی پر اوجھڑی۔غلاظت پھینکیں۔پتھراؤ کر کے خونِ اقدس بہائیں۔تلواریں لیکر محاصرہ کر کے قتل کرنے پر اتر آئیں ــــ اور حضورؐ خود ان کی دشمنانہ اور سفاکانہ سرگرمیوں سے خود کو بچائیں ــــ بچائیں نہیں۔بلکہ کفار کیلئے وعیدِ عذاب وتباہی کے خدشہ کے مدِنظر انکے اقدام سے انکے لئے تباہی سے انہیں محفوظ کرنے کی غرض سے انکے اقدام کو قابلِ مواخذہ ہونے کی نوبت نہ پہنچنے دیں ــــ ورنہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بادشاہت چاہیں

۔۔۔ حکومت چاہیں۔ دولت چاہیں ۔۔۔ عروج چاہیں یہ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ کام ہے۔ اگر قوت سے ہی اقتدار کی خواہش کرتے تو آپ ''عقلِ کل'' تھے۔ عمر کے چالیس سال کا مشاہدہ ہے۔ آپکی اعلےٰ صفات کے آگے مکہ کے تمام اکابر۔ صاحبِ حکمت وفلسفہ۔ شجاعت کے سردار۔ جھکنے پر مجبور ہو کر آپ کی سربراہی قبول کرنا اپنے لئے فخر سمجھنے لگے۔ تو کیا آپ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے قبیلہ بنی ہاشم۔ اور دیگر قبائل کو اپنی سربراہی میں قبل از وقت ایک قوت لیکر۔ اعلانِ رسالت فرماتے اس حال میں کہ اہل مکہ۔ اہلِ عرب کو آپ کے خلاف مزاحمت کرنے یا مظالم ڈھانے کی قدرت نہ ہو سکتی۔ لیکن اسلام اس عمل کا قائل نہیں کیونکہ اسلام۔ مخلوقِ انسانی کی فلاح۔ امن وسلامتی کا داعی ہے۔ لہٰذا۔ اسلام میں ایک دشمن کیلئے اتنی گنجائش ہے۔ کہ وہ عمار یاسرؓ کو قتل کریں۔ بلالؓ کو تپتی ریت پر جھلسا دیں۔ غلامانِ مصطفےٰؐ کے وجودوں کو پارہ پارہ کردیں۔ دار پر لٹکا کر تڑپا تڑپا کر ہلاک کردیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر چبائیں۔ حضرت عمرؓ شہنشاہ اسلام کو سرعام خنجر سے ذبح کردیں۔ شیرِ خداؓ کو عبادت میں قتل کردیں۔ خدا اور اسکے رسولؐ کی عظمت کی قسم۔ رسول اللہؐ کے ذہنِ اطہر۔ قلبِ اطہر پر رمق بھر غم کا اثر نہیں۔ اسلئے کہ محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت ہے۔ جس پر ہر خلیفہ۔ ہر صحابی اور امتِ محمدیؐ کے ہر فرد نے سرِ تسلیم خم کرنا ہے۔ یہی وہ سنت نبویؐ ہے۔ جس پر اسلام کی دنیا میں عظیم ترین قوت۔ حضرت عمرؓ کی بنا کردہ اسلامی قوت۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کو نہ روک سکے ۔۔۔ کیا دنیا کی اقوام میں ۔۔۔ مخلوقِ انسانی میں۔ ایسی کوئی روایت ہے ۔۔۔ کہ شہنشاہِ اسلام کی عظیم تر مجاہد قوت کے ہوتے آپ کو شہید کیا جائے!؟ لیکن یہ اسلام کی سنت ہے۔ کہ باوجود اقتدار اعلےٰ کے ہر فردِ اسلام کیلئے کسی صورت خون کا ایک قطرہ بھی بہانا خلافِ اسلام ۔۔۔ خلافِ سنتِ نبویؐ ہے ۔۔۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

اس مقام پر دیکھنا ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منتخب کردہ خلیفۂ اسلام عثمانِ ذوالنورین جامع القرآن ۔۔۔ دامادِ رسول کے خلاف کن وجوہات کی آڑ میں۔ یہود کو اتنے دلیرانہ اقدام کی جرأت ہوئی؟ اس امر پر فکر کرنا ضروری ہے۔ کہ خلافتِ اسلامی کی بنیاد الـــــدیـــن

الاسلام پر ہے۔ الدین الاسلام سے مراد اَطِیۡعُوا اللّٰہَ ۔ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ ــــ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ ۔یعنی اللہ پر ایمان لانا۔ اللہ کے احکام پر عمل کرنا۔ فرض ہے ــــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں احکامِ الٰہی پر عمل کرنا سنت نبویؐ ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے منتخب کردہ۔ خلیفۃ الرّسول کی اطاعت میں۔ احکامِ الٰہی۔ احکامِ رسول۔ اور خود اولی الامر کے احکام کی اطاعت الدین الاسلام سے تعبیر ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں اللہ کے احکام پر عمل یہ بنیادی تصور ــــ عمل ــــ ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں۔ ایک احکام الٰہی پر عمل۔ لیکن جس طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو۔ اسی ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تعمیل کرنی۔ یہ عمل سنتِ نبویؐ کے مطابق ــــ ''حدیث'' کہلاتا ہے۔ لہٰذا الدین الاسلام کے عمل میں انہیں دو احکام کے مطابق ــــ اطاعت اللہ ــــ اطاعتِ [1] رسول الدین الاسلام سے تعبیر ہے۔ جو ہر اہلِ اسلام ــــ مومن کیلئے۔ لائقِ تسلیم وعمل ہے۔ بس یہی الدین الاسلام کا ابتدائی ــــ بنیادی تصور ہے۔ جس میں کسی قسم کی تاویل وترمیم کی گنجائش نہیں۔

---

[1] ''اطاعت'' ــــ شریعتِ اسلامی۔ حکمِ قرآنی میں اَطِیۡعُوا اللّٰہَ ــــ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ ۔ میں۔ اللہ کی ذات ــــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو بلادلیل وثبوت تسلیم کرنا۔ اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ ــــ اللہ کی ذات کا تسلیم۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کا تسلیم۔ اس حال میں ہو۔ انسان ایک عبد کی حیثیت میں آقا۔ جو کچھ حکم کرے۔ اس پر بلاسوچے۔ بلادلیل عمل کرے۔ اس حال میں ایسے حکم کی تاویل میں۔ نہ اپنی سوچ ــــ نہ اپنی رائے۔ نہ انکار کی گنجائش پیدا ہو یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی ط قَالَ یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ز سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ ۝ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۷ آیت ۱۰۲) حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کی طرف سے فرزند کو ذبح کرنے کے حکم پر کوئی تاویل۔ کوئی سوچ۔ کوئی ارادہ شامل نہ کیا ــــ کیونکہ نبیوں۔ رسولوں پر جو مشاہدات وارد ہوتے ہیں وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی وارد ہوتے ہیں۔ جن پر کسی تاویل۔ یا سوچ کی گنجائش نہیں ہوتی ــــ اسلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بلا تاویل (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابتدائے۔ بعثتِ رسالت۔ تابعینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی اصول وضابطہ پر الٰہی احکام کی پیروی میں سنتِ۔ حدیثِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق عمل کیا۔ اس عمل میں۔

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) حکم پر ــــ ''اطاعت'' کی۔ لیکن حضرت اسماعیلؑ کی آزمائش میں بیٹے کی اطاعت کا امتحان لینا مقصود تھا کہ ایک رسول کا بیٹا بھی۔ باپ کی طرح۔ بلاسوچے۔ بلاتاویل۔ حکمِ الٰہی ــــ کی اطاعت پر تیار ہے!ــــ تو بیٹے نے بغیر کسی توقف کے بلاتاخیر۔ کہہ دیا یٰٓاَبَتِ افۡعَلۡ مَاتُؤۡمَرُ ــــ اے باپ ایک رسول کا خواب حقیقتاً اِلقاً الٰہی ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اس حکم کی ''اطاعت'' ہم پر فرض ہے ــــ جانو ــــ اسلام میں اللہ ورسول کی ذات کو تسلیم کرنے کا واحد عمل۔ ''اطاعت'' ہے۔ یہی تصور شریعتِ اسلامی میں۔ امتِ مسلمہ میں بنیادی تسلیم کا ذریعہ ہے ــــ

اُبی ابن خلف رئیس المنافقین کا بیٹا نہایت دلسوزی سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے التجا کرتا ہے۔ یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرا باپ کھلم کھلا منافقت اور اسلام کو نقصان پہنچانے پر آمادہ رہتا ہے ــــ جبکہ منافق شرعی طور پر واجب القتل ہوتا ہے مجھے اجازت دیجئے کہ میں اسے قتل کردوں۔ مگر رحمۃ اللعٰلمین کی طرف سے اجازت نہیں ملتی ــــ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے منافقین کو سزا دینے میں اصرار کرتے ہیں۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس رئیس المنافقین کے جنازے پر بھی کھڑے ہوتے ہیں ــــ ہاں! ــــ وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ کی یہی تفسیر ہے۔ جس پر عمل کیا جاتا ہے۔ یہ روحِ اسلام ہے۔ جس پر اصحاب رسول اللہ باوجود عظیم قوت ہونے کے اپنی ذات سے ــــ امیر المومنین۔ خلیفۃ النبی کی ''اطاعت'' سے ذرہ بھر قدم باہر نہیں اٹھاتے ــــ انکے ''اطاعت'' میں ہاتھ پاؤں شل ہوجاتے ہیں۔ اپنی آنکھوں ظلم دیکھتے۔ خون دیکھتے۔ اطاعتِ امیر سے سرتابی کی جرأت نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ صاحبِ قوت کی قسم۔ حضرت عثمان کی شہادت میں (مصطفےٰ ءِ عثمان رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ کی منشاء اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ اللعٰلمینی۔ اور اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ''اطاعت'' ــــ لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَ ۃِ ــــ میں اپنی جانیں۔ بلاسوچ۔ بلا تاویل۔ بلا اختیار پیش کردیں۔ خواہ اسکا نتیجہ قتل ہی ہوتا ــــ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنتِ رحمۃ اللعٰلمینی کے تحت اپنی جانِ مقدس قربان کرنا قبول کیا ــــ مگر۔ منافقینِ دشمنِ الدین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جہنم کا ایندھن بننے سے بچانے کی کوشش کی۔ کہ ہماری خلافت۔ اقتدار اعلےٰ۔ الدین الاسلام کے ہاتھوں کوئی کافر جہنم کا حقدار نہ بنے۔ کیوں نہیں! ــــ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پیروی الدین الاسلام (عملِ رسالت) کی ہوئی۔ یا اقتدارِ اعلیٰ کی صورت میں۔ چونکہ رسول خود موجود ہیں۔ اسلئے اس عمل میں کسی اجتہادی صورت میں کسی اختراع کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ نہ احکامِ الٰہی میں۔ کسی تاویل کی گنجائش ہے۔ سوائے اسکے۔ کہ وقت کی ضرورت کے مطابق خواہ الدین الاسلام کی صورت ہو۔ یا اقتدارِ اعلیٰ میں وقت کی ضرورت کے مطابق کسی فروعی عمل کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ایسے موقع پر ہی حدیث رسول پر عمل کیا جاتا ہے۔ جسکا حکم قرآن سے واضح ہے۔ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۔ قرآنی احکام میں کسی موقع پر عمل کیلئے وضاحت موجود نہ ہو۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خود اس عمل کیلئے ترتیبِ عمل وضع فرماتے ہیں۔ جس پر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تکمیل کی جاتی ہے۔ یہ عمل ''اجتہادِ رسالت'' یا ''اجتہادِ نبوت'' سے موسوم ہے جس پر ہر فردِ اسلام کا عمل کرنا سنت کی پیروی سے تعبیر ہے۔ الدین الاسلام کے سوائے جب رسول موجود نہ ہوں۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی حد تک عمل لازم ہے۔ کیونکہ الدین الاسلام (قرآن و حدیث) کے احکام میں کوئی ایسا عمل نہیں جو تسبیح و عبادت (الدین) کی صورت میں نافذ ہو۔ اس میں کسی قسم کی ترمیم کی ضرورت ہو۔ سوائے اسکے کہ اقتدارِ اعلیٰ کے نفاذ میں۔ ہر زمانہ۔ ہر موقع پر امورِ دنیوی کی انجام دہی میں ایک عملی ضابطہ وقت کے ساتھ پیش آتا ہے۔ جسکے لئے ایک خلیفة الرّسول ؐ کیلئے لازم ہے۔ کہ وہ خلافتِ اسلامی میں اقتدارِ اعلیٰ کے امور میں ضرورت کے مطابق ——

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اس خلافت میں۔ حضرت علیؓ شیرِ خدا۔ حضرت امیر معاویہؓ جیسی عظیم طاقت ۔ عمرو ابن العاصؓ جیسے مدبر صحابی۔ ایک نہیں لاکھوں۔ سیف اللہ (اللہ کی تلواریں)۔ جنکا جاہ و جلال (عہدِ خلافت عثمانی میں) مشرق۔ مغرب پر غالب تھا—— موجود تھیں۔ ایسا نہیں—— ! کہ تمام امت مسلمہ حضرت عثمانؓ۔ مسلمہ خلیفة المومنین کے خلاف عداوت یا نفرت رکھتی تھی—— ایسا نہیں۔ یہ حادثہ صرف۔ صفتِ رحمة للعٰلمینی کے نتیجہ میں۔ ایسا ہونا شانِ اسلام—— شان شریعت کا تقاضا تھا—— ایسا ہونا ہی تھا—— کیونکہ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ غلامانِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے قتل سے موت پانا۔ ایک عظیم نفع تصور ہوتا ہے۔ اس حال میں کہ۔ امت کے مردہ جسم ایسی موتوں کو عذاب سمجھتے ہیں۔

منصوبہ بندی سے اصول وضوابط وضع کرے۔البتہ ایسے منصوبہ میں۔مجلس شوریٰ کی شرکت ــــ رائے ــــ مشورہ۔تدبیر لازمی ہے۔کیونکہ ایسے امور میں عقلی طور منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔اس حال میں کہ یہ عمل۔الدین الاسلام۔اوراحکام الٰہی کے تحت نہیں ہوتے۔البتہ چونکہ یہ اقتدارِ اعلیٰ الدین کی اشاعت کی معاونت کیلئے قائم کیا جاتا ہے اسلئے ضروری ہے۔کہ اقتدارِ اعلیٰ میں وضع کئے گئے اصول وضوابط الدین الاسلام کے احکام کی حدود کے دائرہ میں وضع کئے گئے ہوں۔تاکہ ایسے امور میں۔فتنہ واختلاف پیدا ہوکر۔الدین الاسلام کی ہیئت متاثر ہوکر۔بنیادی مقصد ''ھدایت'' کا تصور مسخ نہ ہو ــــ

واضح ہو کہ اقتدارِ اعلیٰ کی بنیاد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت سے ہی کفار مکہ کی مزاحمت اور لشکر کشی سے پیدا ہوئی۔اور آئندہ اسی اقتدارِ اعلیٰ کی قوت پر خلافتِ صدیقی میں بھی مدد حاصل کی گئی۔لیکن اس وقت تک آپؓ (صدیق اکبرؓ) نے سنتِ نبویؐ کے سہارے پر الــــدیــــن الاســــلام کی ہیئت میں خلافت کا عمل پورا کیا ــــ جہاں اقتدارِ اعلیٰ میں کسی اجتہادی عمل کی نہ ضرورت پڑی۔نہ اس عمل کو استعمال کرنے کی نوبت آئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں۔اقتدارِ اعلیٰ نے خلافتِ اسلامی کی صورت اختیار کی۔جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بے شمار اصلاحات وضع کیں۔جو اجتہادِ رسالت کی روشنی میں وضع کی گئیں۔اور یہ عمل بھی ''اجتہاد'' کی ایک صورت ہے۔جو اقتدارِ اعلیٰ کے نظام میں۔ایک خلیفہ کے ذریعہ عمل میں آنا ضروری ہوا۔چونکہ اس عمل میں۔ایک خلیفہ کے ذاتی اجتہاد۔اور مجلس شوریٰ کا وجود ــــ اور اہلِ اسلام میں علمائے امت جو قرآن وحدیث۔پر رسول اللہ کی سنت کے عین مطابق عمل کرتے ہیں۔انکی حمایت سے ایک خلیفہ کا اجتہادی عمل تصدیق کے ساتھ روبہ عمل لایا جاتا ہے۔قابلِ تسلیم ہوتا ہے۔ایسے حالات میں اگر خلیفہ کے اجتہادی عمل میں سنتِ نبویؐ ــــ حدیثِ نبویؐ کی مطابقت میں فرق ہو تو ہر فردِ امت کو یہ حق حاصل ہوتا ہے۔کہ وہ خلیفہ کے اجتہادی عمل پر اعتراض یا تنقید کرے۔اس حال میں کہ علمائے امت ایسے اجتہادی عمل کی ردّ ومخالفت۔

حدیث نبویؐ سے ثابت کریں۔تو خلیفہ کا ایسا اجتہادی عمل رد کیا جاتا ہے ایسے حالات میں۔ایک طرف خلیفہ ــــ اولی الامر کی حیثیت سے ــــ اقتدارِاعلٰی کے نظام میں اجتہاد کا مجاز ہے۔ کہ وہ بقائے۔استحکام و وسعتِ الدین الاسلام ــــ اور اقتدارِاعلٰی کیلئے اپنی ذات سے تدبیر و اصلاحات وضع کر کے خلافت اسلامی کو قائم رکھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں۔اقتدارِاعلٰی وسیع سرزمین پر غالب ہوا۔ جسکے لئے وقت کے مطابق اقتدارِاعلٰی میں اصلاحات کی ضرورت پڑی۔جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ذاتی اجتہاد سے کام لیا۔یہ ایسی اصلاحات تھیں۔اس سے قبل جنکا تصور اہل اسلام کے ذہنوں اور عمل میں نہ آیا تھا ــــ کیونکہ اس سے قبل اسلام میں ایسا اقتدارِاعلٰی کا نظام بھی مشاہدے میں نہ آیا اس لئے بعض صورتوں میں ایسے اجتہاد پر (جو خلافِ حدیث و سنت محسوس کیا گیا) خود علمائے امت یا افرادِ امت مسلمہ نے تنقید شروع کی جس میں حضرت ابوذر غفاریؓ جیسے اصحاب شامل تھے۔کی تنقید و اعتراض کا واقعہ مشہور ہے۔کہ آپؓ نے سنت رسولؐ سے ہٹ کر ایک اجتہادی عمل کی ہئیت میں فرق (اختلاف) محسوس کر کے خلافتِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں آپؓ پر شدید احتجاج کیا۔جسکے نتیجہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں آبادی سے الگ کر کے ایک ویرانے میں محبوس کر دیا ــــ تاکہ آئندہ اقتدارِ اسلامی میں خلیفہ کے اجتہادی عمل کے نفاذ میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا ہو کر امور خلافت میں دشواری ــــ اور امت مسلمہ میں فتنہ پیدا ہونے کا سبب نہ ہو ــــ

حقیقت یہ ہے۔کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بنیادی طور جس مسئلہ پر نزاع کی صورت پیدا ہوئی۔وہ الدین الاسلام کا بنیادی حکم۔جو قرآنی ارشاد کے مطابق نافذ ہوا۔وہ مسئلہ مالِ غنیمت میں حاصل کئے ہوئے مال کے مصرف میں۔زر نقدی رقم کا تھا۔کہ احکام قرآنی کے مطابق یہ رقم (مال) یتمٰی۔مساکین۔طالبان علم وغیرہ۔کیلئے وقف تھی۔جو رقم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق خرچ کی جاتی تھی۔اسلئے سنت کے مطابق یہ دولت ایسی مدوں سے علاوہ خرچ کرنا خلافِ سنت تصور کیا گیا چونکہ اس زمانے میں مالِ غنیمت میں شہنشاہوں کے خزانے۔جواہرات

بے شمار انداز میں جمع ہوتے تھے۔ کہ اہل اسلام میں غربت ولاچاری ختم ہو چکی تھی۔ کہ اس حال میں ۔خلافتِ اسلامی میں ۔یتیم ۔مساکین ۔اور اہل ضرورت کی حاجتیں پوری ہو رہی تھیں۔ لہٰذا مال غنیمت خزانوں میں جمع رہتا تھا۔ ایسے موقع پر جبکہ اقتدار اعلیٰ میں بہت سی اصلاحات ایسی تھیں جہاں دولت کی خاص ضرورت محسوس کی جاتی تھی۔ لہٰذا۔ اجتہاد کے عمل کے تحت خلیفہ مجاز تھا۔ کہ الـدیـن الاسـلام کی بقا کی خاطر۔ اقتدار اسلام کی قوت میں وسعت واستحکام کیلئے یہ رقم صرف کی جائے۔ اس حال میں کہ اس اجتہادی عمل سے۔ الـدیـن الاسـلام کی بقا ووسعت قائم تھی ـــ اسی طرح۔ خلافتِ اسلامی کے خلاف باطل قوتوں کی یلغار ـــ سازشیں۔ اقتدار اعلیٰ کی قوت کو ختم کرنے کیلئے کفار ہر موقع پر اسلام کو مٹانے کے درپے رہتے تھے ایسی صورت میں۔ الدین الاسلام کے اجرأ کے مقصد کے باوجود اقتدار اعلیٰ کی قوت کو قائم رکھنا انتہائی ضروری عمل تھا۔ جس پر الـدیـن الاسـلام ۔اور خلافتِ اسلامی کے وجود وبقا کا انحصار تھا۔ اسلئے اقتدار اعلیٰ کی بقا کیلئے۔ ہر صورت میں اجتہادی عمل کو لازم رکھنا لازمی تھا۔ گویا ایک خلیفہ اور مجلس شوریٰ اور امت مسلمہ کے ہر فرد کیلئے۔ اقتدارِ اعلیٰ کی بقا کو اولیت دینے کی حد تک عمل کرنا ضروری تھا ـــ

افسوس کہ محققین (مورخین) اسلام نے بنیادی حقائق پر تاریخ اسلام کو نظر انداز کر دیا ـــ جس بناً پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بلا جواز تنقید سے سب سے روشن مثلِ نور خلافت کو کریہہ تصور میں پیش کر کے عظمتِ اسلامی کو داغدار بنا دیا ـــ اسکی وجہ مورخین اسلام کی عدم صلاحیت اور بنیادی حقائق پر پوری توجہ اور فکر سے حقیقت کو سامنے نہ لانے کا سبب ہے۔ جس پر مخالفین اسلام ۔اور خود حقیقتِ اسلام سے فرار چاہنے والے مسلمان منافقین کو اسلامی اقدار کو مسخ کرنے کی راہ ملتی ہے۔ حقیقتاً مخالفین ۔منافقین اسلام نے جو الزامات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر لگائے ہیں۔ سب بے بنیاد لغو افسانے ہیں۔ جو صرف اسلام کو تباہ کرنے کی ایک سازش ہے۔ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفة الرّسول کو شہید کرنے کی صورت میں پوری کی گئی۔

جہاں تک امورِ خلافت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے احکامات اور اجرائے الـدیـن

الاسلام اور اقتدارِ اعلیٰ کی ساخت کو قائم رکھنے میں آپؓ کے عمل کا تعلق ہے۔ الدین الاسلام میں شرائط دینی کے ضابطہ کے مطابق آپ تمام امت مسلمہ میں اعلیٰ صفاتِ دینی میں افضل ترین فرد تھے۔ اور اقتدارِ اسلامی کے استحکام واجرأ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذاتی انتخاب اور پانچ اصحاب شوریٰ کا انتخاب شرائط خلافت کے عین مطابق تھا۔ اس حال میں کہ آپؓ کی خلافت کو تمام امتِ مسلمہ نے تسلیم کیا۔ ایسی حالت میں ماتم ہے ان لوگوں پر جو حضرت عثمانؓ کی (اجتہادی) اصلاحات میں کسی قسم کی خامی یا غلطی کا تصور قائم کریں۔ اس حال میں کہ آپ کی اصلاحات ـــــ یا اجتہادی عمل میں خود ایک خلیفہ حضرت عثمانؓ ہی نہ تھے۔ بلکہ حضرتِ عمرؓ کے منتخب کردہ امتِ مسلمہ میں سب سے اعلیٰ افضل صاحب علم۔ صاحب تقویٰ۔ سنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیرو۔ صاحب فہم۔ تدبر۔ سیاست میں اعلیٰ اصحاب اور دیگر اصحاب آپ کے ہر عمل میں شریک معاون تھے۔ ایسے حالات میں بجائے خود ایک خلیفہ کے احکام اور اصلاحات ایسے نہیں ہو سکتے۔ جو ایک واحد خلیفہ کی طرف سے عمل میں آئے ہوں۔ جن میں۔ کسی غلط اجتہاد۔ سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یک سرِ مو اختلاف۔ یا کنبہ پروری۔ یا دولت کا ناجائز اسراف۔ یا خلافتِ اسلامی (اقتدارِ اعلیٰ) کے امور میں۔ غلط تعیناتی۔ کا گمان کرنا بھی۔ گناہِ عظیم کے مترادف ہے۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ منافقین یہود ونصاریٰ۔ دشمنانِ اسلام کی۔ یہودیانہ منافقت اور کھلم کھلا سازش کے نتیجہ میں۔ منافقین کی براہ راست حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف یلغار اور غلط گمراہ کن داستانوں کی اختراع ۔سب ایک عظیم الشان خلیفۃ الرّسول کی ذات کو آلہ کار بنا کر اسلام کی عظیم الشان قوت کے خاتمہ کا منصوبہ ہے۔ ایسے منصوبوں پر ایمان لانا۔ خود ایمان کی ہلاکت کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد الدین الاسلام کا عظیم الشان قلعہ متزلزل ہو کر رہ گیا۔ اور خلافت میں ایک خلیفہ کے تقرر۔ نامزدگی اور انتخاب کی شرائط دینی ـــــ شرائط خلافت پر ایک خلیفہ کے انتخاب کی نوبت باقی نہ رہ سکی ـــــ اول یہ کہ شہادت کی صورت میں خلیفہ خود خلیفہ کا انتخاب نہ کر سکا۔ (جب کہ آئندہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نامزد کردہ اصحاب میں سے

کسی ایک کا خلیفہ منتخب ہونا مناسب تھا) دوسرے مجلس شوریٰ کیلئے ایسے حالات میں کسی ایک خلیفہ کا تقرر وانتخاب ممکن نہ ہوسکا۔شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے امت مسلمہ خود انتشار کا شکار ہوکر۔ (بغیر سربراہ۔خلیفہ کی عدم موجودگی میں) اپنی طرف سے خلیفہ یا مجلس شوریٰ کے بغیر کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکی۔گویا ایک خلیفہ کی موت تمام امتِ مسلمہ کی موت کے برابر تھی۔ایسے موقع پر جب۔امت مسلمہ انتشار کا شکار ہو۔مجلس شوریٰ ناکارہ ہوکر رہ گئی ہو لازم ہے۔امتِ مسلمہ کے اکابرین ـــــ یا خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نامزد کردہ مجلس شوریٰ کے ارکان فوری طور ایک خلیفہ کے انتخاب میں فوری اقدام کریں۔ایسی صورت میں یا مجلس شوریٰ خود اتفاق ـــــ کرکے خلیفہ کے انتخاب کیلئے اجتماع کریں۔یا مجلس شوریٰ کا کوئی بھی فرد خود خلیفہ کے مقام پر فائز ہوکر خلافتِ اسلامی کے نظام کو اپنے ہاتھ میں لیکر۔احکام نافذ کرے (اسکے سوا کوئی دوسری صورت نہیں ہوسکتی)۔

اس مقام پر (موقع پر) اس نکتہ کو زیر نظر رکھنا ضروری ہے۔کہ شرائط دینی ـــــ شرائطِ خلافت کے مطابق ایک خلیفہ کے انتخاب میں۔مقرر کردہ شرائط کے سوا ایک خلیفہ کا انتخاب جائز نہیں۔کہ

(۱) خلیفہ خود خلیفہ کا انتخاب کرسکتا ہے۔

(۲) خلیفہ کی عدم موجودگی میں (اچانک وفات یا شہادت کے موقع پر) مجلس شوریٰ سے خلیفہ کا انتخاب ہوسکتا ہے۔اس حال میں کہ مجلس شوریٰ خود خلیفہ کے ذریعہ نامزد (منتخب) کی گئی ہو۔

(۳) اگر حادثاتی حالات میں۔مجلس شوریٰ باقی نہ ہو۔ایسی صورت میں اصولِ شرائطِ خلافت کے مطابق (اجتہادی عمل سے) امت مسلمہ میں اکابر اصحاب اور عوام المسلمین کے ذریعہ صرف لائقِ خلافت۔ایسے اصحاب کی نشاندہی کی جائے جو امت میں صفاتِ شرائطِ دینی کے حامل۔علم وعمل میں افضل۔تقویٰ وعبادات میں افضل۔فہم وتدبر میں کامل ہوں۔(امت صرف نشاندہی کی مجاز ہے) خود یکجا ہوکر ایک خلیفہ کا انتخاب کریں (جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی مجلس شوریٰ سے واضح ہے) تو یہ انتخاب مجلس شوریٰ کے ذریعہ انتخاب کے مساوی ہوگا۔

(۴) دوسری صورت یہ ہے۔ کہ اگر مجلس شوریٰ کا وجود ممکن نہ ہو۔ تو امتِ مسلمہ کے ہر فرد پر شریعتِ حقہ کی طرف سے یہ ذمہ داری ہے۔ ایک فرد (ادنیٰ یا اعلیٰ) کے اسلام قبول کرنے پر۔ اشاعتِ الدین الاسلام ۔تحفظِ الدین الاسلام ۔تحفظِ اقتدارِ اعلیٰ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس حال میں کہ اس فریضہ کی ادائیگی میں تغافل برتنے پر ہر فرد اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ اور قابلِ مواخذہ (سزا) ہوگا۔ یہ ایک اہم نکتہ ہے۔ جسکے مطابق امتِ مسلمہ کے ہر فرد پر۔ اشاعتِ الدین الاسلام کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں۔ ماسوائے شرائطِ دینی کے امتِ مسلمہ میں سے ایک فرد۔ جو علم وعمل میں کامل۔ تقویٰ وعبادت میں اولیٰ۔ فہم وتدبر میں کامل مندرجہ حالات موجود نہ ہونے کی صورت میں۔ خود خلیفہ کے مقامِ خلافت پر متمکن ہو کر۔ دعویٰ خلافت کر سکتا ہے۔

یہی وہ مقام ہے۔ جہاں حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر۔ نہ خلیفہ خود خلیفہ کا انتخاب کر سکا ـــ نہ مجلس شوریٰ سے خلیفہ کا انتخاب ہو سکا۔ جبکہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منتخب کردہ مجلس شوریٰ کے پانچ صحابہ ـــ (۱) حضرت علی کرم اللہ وجہہ (۲) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (۳) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۴) حضرت طلحہؓ (۵) حضرت زبیر بن العوامؓ موجود تھے۔ جن میں سے کسی شخص کا انتخاب اسی مجلسِ شوریٰ سے ہونا لازم تھا۔ لیکن بحیثیت مجموعی حضرت عثمانؓ کی شہادت ایک سانحہ عظیم تھی۔ اور دوسری طرف منافقین یہود کی سازش کی وجہ سے امت مسلمہ میں مزید خطرات کا خدشہ تھا اسلئے۔ مجلس مشاورت کے ارکان کا ایسے موقع پر کسی شخص کے خلیفہ انتخاب کرنے پر بھی۔ منافقین کی یلغار سے مزید انتشار اور نقصان کا موقع ہو سکتا تھا۔

ایسے موقع پر ایک صورت یہی ہو سکتی تھی۔ کہ مجلس شوریٰ میں کوئی فرد۔ خلافتِ اسلامی کی ہیئتِ مسلمہ کو ان اثرات سے محفوظ کرنے کیلئے۔ قرآن وحدیث کی اشاعت وتبلیغ کو بنیاد رکھکر خلافتِ اسلامی میں خود خلیفہ ہونے کا دعویٰ کر کے۔ اپنی ذات سے اشاعتِ دین میں احکامات جاری کرے۔ اس اصول کے تحت۔ مجلس شوریٰ کے پانچ ارکان میں۔ اصولی طور۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام ـــ خواہ ان کا ارکانِ مجلس سے انتخاب ہوتا۔ یا حضرت علیؓ خود مقامِ خلافت پر فائز ہوتے

شرائطِ خلافت کے عین مطابق جائز تھا ـــ اسکے علاوہ امتِ مسلمہ میں کسی فرد کیلئے۔ مقامِ خلافت پر فائز ہونا۔ جائز نہیں تھا۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ کے مقام پر امتِ مسلمہ نے آپ کی خلافت کو تسلیم کر کے۔ بیعت و اطاعت کر کے۔ خلافتِ اسلامی کا وجود پھر سے نمایاں ہوا ـــ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے زمانہ میں خلافتِ اسلامی کی منتشر ہیئت کو مجتمع کرنے کا ایک شدید وکٹھن کام تھا۔ کیونکہ اس وقت منافقین یہود کی سازش کی کامیابی کے نتیجہ میں باوجود اسکے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بنا کردہ خلافتِ اسلامی کا وجود قائم و بحال تھا۔ لیکن اس خلافت میں جلال صدیقی۔ جلال فاروقی کا وہ رعب و دبدبہ۔ اور تنظیم دینی کے اثرات قائم نہ تھے۔ یہود و نصاریٰ۔ دشمنانِ اسلام۔ منافقانہ سازش کے تحت اہل ایمان کا لبادہ پہن کر دنیائے اسلام میں اپنی تقریروں سے اہل اسلام کو بھی متاثر کر رہے تھے۔ اور غیر مسلموں میں جو اطاعت و حمایت کا اثر تھا وہ بھی متاثر ہو رہا تھا۔ اسلئے ایسے وقت میں خلافت میں الدین الاسلام کی ہیئت متاثر ہو کر۔ دینی شعائر میں عبادت و تسبیح کا جذبہ کم ہو گیا۔ جسکے لئے ابتدائی طور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ـــ کہ الدین الاسلام ۔ اور خلافتِ اسلامی کی ساخت کو محفوظ کر سکیں۔ جبکہ خلافتِ اسلامی میں ہر جگہ یہود و منافقین ۔ پھیلے ہوئے۔ خلافتِ اسلامی میں۔ فتنہ خونریزی برپا کر کے خلافتِ اسلامی کو مٹانے میں شدت سے برسرِ عمل تھے۔

دوسری طرف شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کا حادثہ بھی۔ ایک فتنہ کا سبب بنا ـــ کہ بنیادی طور منافقین یہود نے مسلمان بھیس میں۔ شہادتِ عثمانؓ کو اچھالا۔ کیونکہ۔ منافقین میں۔ کوفہ۔ شام۔ عراق کے منافقین شقی القلب فتنہ و سازش کے منصوبہ تیار کرنے میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ اور انکی سازشیں ہر موقع پر کامیاب ہوتی تھیں ـــ اسلئے خلافتِ اسلامی میں بھی بعض مسلمانوں (اہل ایمان) نے بحیثیت مجموعی اس واقعہ میں دلچسپی لیکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے خلاف مقدمہ چلانے کا علے الاعلان مطالبہ کیا ـــ اسکے ساتھ ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو شام کے گورنر

تھے انہوں نے بھی رشتہ داری کی نسبت کی وجہ سے حضرت علیؓ سے مطالبہ کیا کہ وہ بحیثیت خلیفہ سب سے پہلے قاتلان حضرت عثمان کو گرفتار کر کے سزا دیں ـــــ لیکن یہ موقع خلافتِ اسلامی میں انتشار کا تھا۔ جس کے لئے سب سے پہلے۔ اولین اقدام۔ خلافتِ اسلامی کو انتشار سے نکال کر اس کی ساخت کو قوی کرنا اشد ضروری تھا۔ بجائے اسکے کہ قاتلانِ حضرت عثمان کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جاتا۔ اسلئے کہ منافقین خلافت میں پھیل چکے تھے۔ قاتلان عثمان میں زیادہ تر منافقین ہی تھے۔ اسلئے منافقین اس اقدام سے مزید فتنہ پھیلا کر خلافت میں وسیع انتشار پیدا کرتے۔ اس حال میں کہ خلافت بذات خود اتنی قوی مستحکم نہ تھی کہ فوری طور قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے انہیں سزا دی جا سکتی لہٰذا ضروری تھا کہ پہلے خلافت اسلامی کو قوی و متحد بنا کر۔ بعدہٗ ایک قوت کے ساتھ قاتلانِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لیا جا سکتا۔ ادھر اہل اسلام خصوصاً عزیزان حضرت عثمانؓ نے عظیم سانحہ۔ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلان کے خلاف مقدمہ چلانے پر زور دیا۔

اس مقام پر امتِ مسلمہ (اکابرین امت) دو جماعتوں میں بٹ گئی۔ جس میں ایک طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور انکے حامی صحابہ۔ اور دوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو ایک گورنر کی حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بحیثیت صحابی علم و عمل اور فہم و تدبر میں بھی اعلیٰ صلاحیت کے مالک تھے۔ اور انکے حامی۔ ایک مسئلہ پر دونوں جماعتوں میں شدید اختلاف کے نزاع پیدا ہو گیا۔ اس نزاع میں۔ دو نظریے نزاع کا سبب بنے۔

اول۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حقیقتاً خلافتِ اسلامی کے خلیفہ کی حیثیت میں خلافت کے منتخب حقدار تھے۔ ایک یہ کہ حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کے نامزد کردہ خلفاءٔ میں انکا شمار تھا ـــــ دوسرے حضرت علی کرم اللہ وجہہ مجلس شوریٰ کے دیگر چار نامزد اصحاب۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیر بن العوامؓ۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور باقی صحابہ کے مقابلہ میں۔ علم و فضل۔ تقویٰ۔ فہم و تدبر میں افضل تصور کئے جاتے تھے۔ اسلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد۔ شرائطِ دینی ـــــ شرائط خلافت کی رو سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ تسلیم کئے جاتے تھے اور

بحثیت خلیفہ انہیں کے ذمہ قاتلانِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف مقدمہ چلانا لازمی تھا۔لیکن مصلحتِ وقت کے تابع حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلان کے خلاف کارروائی نہ کرنا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس توقف کو آپؓ کی دانستہ کوتاہی سمجھا گیا ___ کہ حضرت علیؓ جان بوجھ کر قاتلان حضرت عثمانؓ کے خلاف اقدام نہیں کرتے۔ایسے موقع پر جب دو جماعتیں ایک مسئلہ پر برسر پیکار ہونے لگیں۔تو منافقین یہود نے پھر ایسے حالات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ایک طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حامیوں میں شامل ہو گئے۔اور ایک جماعت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حامی جماعت میں شامل ہو گئی۔کہ ایسے حالات میں دونوں جماعتوں میں تصادم ضرور پیدا ہونا ہے۔لہٰذا اس فروعی مسئلہ کو اتنا اچھالا جائے۔کہ یہ جماعتیں کسی فیصلہ پر نہ آسکیں اور ان جماعتوں میں تصادم پیدا ہو جس سے خود خلافتِ اسلامی۔امت مسلمہ پھر ایک فساد و فتنہ کا شکار ہو۔انکی قوت منتشر ہو جائے نتیجہ یہی ہوا۔کہ قاتلان حضرت عثمانؓ کے مسئلہ پر ایک طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور انکی حمایت میں۔صحابہ اور عوام المسلمین ___ اور ان میں شامل منافقین۔اور دوسری طرف ایک سربراہ کی حیثیت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور انکی حمایت میں بیشتر خاندان حضرت عثمان (قبیلہ بنی امیہ) اور منافقین کی جماعت ___ آپس میں جنگ و جدل تک پہنچ گئے ___ اس تصادم میں ایک اور نظریہ بھی سامنے آیا۔وہ یہ کہ جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں۔خلافت کو شرائطِ دینی کے ضابطہ کے مطابق الدین الاسلام کی بنیاد پر۔صرف تسبیح و عبادت اور اشاعتِ دین کو سنتِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کی بنیاد پر چلانا لازم تھا۔مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شرائط دینی کے ساتھ اجتہادی عمل کو رواج دیا جس پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمانؓ کے اس اجتہادی عمل پر اعتراض و مخالفت کی اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ اسی نظریہ کے حامی۔سنتِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں اجتہادی عمل پر خلافت (اقتدار اعلیٰ) چلانے کے خلاف تھے۔دوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے ہی۔اجتہادی عمل کے حامی تھے۔یعنی حضرت علیؓ سنت نبوی کے مطابق خلافت چلانے پر زور دے رہے تھے۔اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اجتہادی

عمل کے تحت خلافت چلانے کے حق میں تھے۔ یعنی حضرت امیر معاویہؓ انتخابِ خلیفہ کے لئے شرائط دینی سے سوا۔ ایک خلیفہ کیلئے۔ صاحب فہم و تدبر۔ صاحب سیاست۔ حکمران صلاحیت کا ہونا لازم سمجھتے تھے ـــــ ان دو نظریات میں۔ نتیجۃً یہ خدشہ پیش آتا ہے۔ کہ اگر اجتہادی عمل کے مطابق خلافت کو چلایا جائے۔ تو اس عمل میں۔ ایک خلیفہ اگر تسبیح و عبادت کا کاملاً حامل نہ ہو۔ تو بھی اقتدارِ اعلیٰ (سلطنتِ اسلامی) کی بقا و وسعت کیلئے ایک صاحب فہم مدبر سیاستدان کا ہونا ضروری ہے جس سے اقتدارِ اعلیٰ طویل عرصہ تک قائم رہ سکتا ہے ـــــ اسکے مقابل اگر سنت نبوی کے دائرہ کے اندر شرائطِ دینی پر ہی انتخاب خلیفہ مقرر ہو۔ تو آگے چل کر خلافتِ اسلامی میں ـــــ امتِ مسلمہ میں تسبیح و عبادت کا قوی جذبہ و عمل موجود نہ رہیگا۔ ایسی صورت میں۔ اقتدارِ اعلیٰ کو (ایک سلطنت کی حیثیت میں) بحال رکھنے میں دشواری پیدا ہوگی جسکے نتیجہ میں۔ امت مسلمہ میں نہ تسبیح و عبادت کا عمل دوامی رہیگا۔ نہ ایسے خلیفہ سے اقتدار اعلیٰ کی بقاؤ سالمیت محفوظ رہ سکیگی۔ جسکے نتیجہ میں۔ الدین الاسلام کی اشاعت و وسعتِ دین ممکن نہ ہوسکیگا۔ دوسری طرف اجتہادی عمل میں بھی یہی تاثر ابھرتا ہے۔ کہ اگر انتخاب خلیفہ میں شرائط دینی سے سوا۔ اجتہادی عمل پر خلافت کو چلایا گیا۔ تو اقتدار پانے کی صورت میں۔ اہل اسلام (عوام المسلمین اور خود خلفاً) میں تسبیح و عبادت کی طرف رجوع کم ہوتے ہوتے۔ خلافت ایک خالص سلطنت کی صورت اختیار کر جائیگی۔ جس میں۔ اشاعت الدین الاسلام کا روحانی جذبہ مفقود ہوکر۔ صرف ایک سلطنت کی حیثیت اختیار کر جائیگی۔ جس میں الدین الاسلام کا تصور و وجود ختم ہوکر عمل رسالت۔ اور تسبیح و عبادت کا عمل یکسر ختم ہو جائیگا۔ اسلئے دونوں نظریات میں نتیجہ یکساں ظاہر ہوتا تھا۔ اجتہادی عمل پر خلافتِ اسلامی کو چلانے میں۔ چونکہ خلافتِ اسلامی ایک وسیع قوت حاصل کر چکی تھی۔ لہٰذا اس قوت کو مزید وسعت و استحکام قائم رکھنے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظریات کو تقویت حاصل ہوئی ـــــ جبکہ ایسے ہی نظریہ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا ـــــ یہاں یہ امر زیر نظر رکھنا ضروری ہے کہ خلافتِ اسلامی میں۔ حصولِ خلافت میں۔ اسلام کے کسی فرد کو حق حاصل

نہیں۔کہ کوئی فرد۔سوائے شرائط دینی کے خود یا کسی اور ذریعہ سے حصولِ خلافت میں اقدام کرے۔لہٰذا۔انتخاب خلافت میں شرائط دینی شرائطِ خلافت کے ضابطہ کے تحت ہی ایک خلیفہ کا قیام جائز ہوسکتا ہے۔اور اس انتخاب میں شرائط دینی کے ساتھ اقتدارِ اعلیٰ کی حیثیت۔بقا و سالمیت کے مدنظر اجتہادی عمل شامل رکھنا اتنا ہی ضروری ہے۔جتنا شرائط دینی پر خلیفہ کا انتخاب ضروری ہے۔

مشیتِ الٰہی کو کائنات کی موت وحیات۔اور دوام میں دخل ہے۔کہ مشیتِ الٰہی میں کائنات کے نظام میں ایک مقدر منصوبہ ہوتا ہے۔جس پر کائنات کا نظام قائم ہے۔اسی نظام میں مشیت الٰہی میں حادثات زمانہ کا بھی دخل ہے۔جو حادثات رونما ہوتے ہیں۔وہ پہلے مشیت میں مقرر ہوتے ہیں۔لہٰذا انقلاباتِ زمانہ بھی اسی مشیت کے تحت عمل میں آتے ہیں۔بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے۔کہ حادثات ہی ایسے واقعات کا سبب ہوتے ہیں۔

اس واقعہ میں امت مسلمہ کی سوچ ہو۔یا منافقین کی سازش شامل ہو۔کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگ میں۔امت مسلمہ میں انتشار و پریشانی لازمی تھی۔کہ ایسے حالات پیدا ہونا فطری بات تھی۔کہ ہر دو فریق۔اپنے کسی ذاتی مفاد کے حصول کی لالچ میں جنگ نہیں کرتے تھے نہ ہی انکی جنگ حصولِ عہدۂ خلافت کیلئے تھی کہ وہ خلافِ شرائطِ دینی۔اپنی ذاتی مرضی پر عہدۂ خلافت حاصل کریں۔کیونکہ صحابہ میں سے ہر فرد شرائطِ دینی کا پابند۔عہدۂ خلافت حاصل کرنے کا شرعی طور مجاز نہ تھا جیسا کہ شرائطِ دینی ـــــ شرائطِ خلافت کا تعین ہوا ہے۔سوائے اسکے کہ اجرائے الدین الاسلام میں وسعت واستحکام اور مخلوقِ خدا تک دین کے فیض پہنچانے کا ایک مستحکم ذریعہ اختیار کرنا۔جس پر محض رضائے الٰہی۔رضائے رسول کے جذبہ کے تحت عمل ہو رہا تھا۔لیکن جنگ اور خلافتِ اسلامی کی ہیئتِ مسلمہ میں افتراق وانتشار کے باعث۔پریشانی کی وجہ سے عوام المسلمین نے یہ فیصلہ کیا کہ اس تنازعہ کے اصل محرک کا وجود ختم کیا جائے۔تاکہ خلافتِ اسلامی میں سکون پیدا ہونے کے آثار پیدا ہوں۔اس میں کہا جاسکتا ہے کہ افرادِ امت کے ساتھ اس عمل میں

منافقین کی سازش بھی شامل تھی۔ کہ دونوں سربراہوں کے قتل سے دوسرا کوئی فرد ایسا نہیں جو خلافتِ اسلامی کی ساکھ کو بحال رکھنے میں کامیاب ہو۔ اسطرح خلافتِ اسلامی انتشار وفساد کا شکار ہو کر خود بخو د اسکا وجود نابود ہو جائیگا۔

مشیتِ الٰہی اس امر میں اپنی مرضی پوری کرتی ہے۔ کہ منافقین حضرت علیؓ کو شہید کرنے میں کامیاب ہو گئے اور حضرت امیر معاویہؓ قتل ہونے سے بچ گئے۔ اب اسکے بعد۔ خلافتِ اسلامی کی ایک نئی ہیئت وجود میں آئی۔ کہ انتخابِ خلیفہ کیلئے شرائطِ دینی کے مطابق عمل مشکل ہو گیا۔ ایک یہ کہ خلیفہ اپنی زندگی میں کسی کو خلیفہ منتخب نہ کر سکا۔ مجلس مشاورت کا وجود کمزور ہو گیا۔ ایسے موقع پر امت مسلمہ میں ایک اعلیٰ صلاحیت فرد کیلئے۔ مقامِ خلافت پر فائز ہونا لازم تھا۔ کہ وہ (شرائطِ دینی کے ضابطہ کے تحت) خود عہدۂ خلافت پر فائز ہو کر۔ خلافت کا انتظام چلائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت پر آپ نے بحیثیت خلیفہ کسی فرد کو خلافت کیلئے شرائط دینی کے مطابق نامزد نہ فرمایا۔ مجلس شوریٰ کے بقیہ چار افراد۔ ایسے فتنہ وانتشار کے موقع پر کسی فرد کو خلیفہ نامزد کرنے میں مطمئن نہ تھے اس حال میں امت مسلمہ میں۔ خلافت کیلئے موزوں۔ بہمہ صفاتِ شرائط دینی۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کا مقام تھا۔ کہ آپ شرائط دینی کے مطابق۔ علم وعمل۔ تقویٰ وعبادت میں کامل اکمل لائقِ منصبِ خلافت تھے۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذاتِ والا کے بعد۔ شرائط دینی ــــــ شرائطِ خلافت کے مطابق۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی ذات والا میں۔ وہ تمام صفاتِ مومنانہ موجود تھیں جو ایک خلیفہ کے نامزد ہونے میں موجود ہونی چاہیے تھیں۔ کہ تمام امت مسلمہ آپؓ کی خلافت پر متفق ہوتی۔ جبکہ قبل از وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت پر انہیں یہ موقع نہ مل سکا۔ کہ آپ کرم اللہ وجہہ ــــ خود حضرت امام حسنؑ کا انتخاب فرماتے۔ لیکن خلافتِ اسلامی اب شدید بحران کا شکار ہو چکی تھی۔ دشمنانِ اسلام، اسلام کی ساخت کو نیست و نابود کرنے پر منافقین کی سازش کے ساتھ موقع تلاش کر رہے تھے۔ ایسے موقع پر ضروری تھا۔ کہ شرائط دینی سے علاوہ ایک فرد میں اعلیٰ فہم وفراست۔ حکمران صلاحیت۔ اور خلافتِ اسلامی کی ہیئت کو محفوظ

کرنے کیلئے پوری ذہنی صلاحیت موجود ہو۔ جہاں شرائط دینی کے مقابلہ میں ۔ اقتدار اعلیٰ کے اجتہادی عمل کو اولیت دی جائے تا کہ خلافتِ اسلامی کا تحفظ ہو سکے۔ اسی نظریہ کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بذات خود اقدام کر کے۔ ایک اجتہادی عمل پر ایک خلیفہ کے تقرر کو لازم سمجھکر۔ خود مقامِ خلافت پر فائز ہونے کا ارادہ کرلیا۔ کہ اپنی دانست میں ایسے وقت میں اپنے ذاتی تدبیر وصلاحیت سے خلافت اسلامی کی حفاظت وبقا کو مستحکم کر سکیں جس میں الدین الاسلام کے ساتھ۔ اسلامی اقتدار اعلیٰ (دوسرے لفظوں میں حکومتِ اسلامی ـــ یا خلافت اسلامی) کو تحفظ و استحکام حاصل ہو۔ جبکہ یہ طریق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بہتر طریق عمل تھا۔ یہی جذبہ ـــ یہی خیال ـــ یعنی اشاعت دین کیلئے اقتدارِ اعلیٰ کی قوت کو بحال کرنے میں۔ ایک اعلیٰ مدبر۔ سیاستدان صلاحیت کا حامل فرد۔ خود۔ بلا شرائطِ دینی زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لے۔ اس اقدام کی اشد ضرورت تھی۔ کہ خلافتِ اسلامی میں ایک خلیفہ کا فوری طور حکم جاری ہو۔ جس پر خلافتِ اسلامی کے انتظام میں فوری طور عمل ہو کر۔ خلافتِ اسلامی کا وجود محفوظ ہو ـــ

اسی نظریہ وخیال پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے۔ وقت کی نزاکت کے مدنظر اور اپنی مدبرانہ صلاحیتوں کے بھروسہ پر خود خلافتِ اسلامی ۔ کے عہدۂ خلافت کو حاصل کر کے خلافت کا انتظام سنبھالنے کا عزم کیا۔ ایسے موقع پر۔ اگر چہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ شرائطِ خلافت ـــ شرائطِ دینی کے ضابطہ کے تحت۔ خلیفہ منتخب ہونے کا حق نہیں رکھتے تھے۔ انکے مقابل۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نامزد کردہ بقیہ (مجلس شوریٰ کے) چار افراد بھی موجود تھے۔ انکے بعد بھی خلیفہ کیلئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد۔ حضرت امام حسن علیہ السلام۔ بہمہ صفات۔ تقویٰ ـــ علم وعمل (شرائط خلافت) میں کامل لائقِ خلافت قرار دیئے جاسکتے تھے۔ لیکن انکا انتخاب شرائطِ دینی کے مطابق۔ خلیفہ کے ذریعہ یا مجلس شوریٰ کے ذریعہ ہوسکتا تھا اس حال میں کہ انکا انتخاب نسبی اعتبار سے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی آل سے ہونا۔ لائق خلافت نہ ہوسکتا۔ چونکہ ایسے موقع پر نہ خلیفہ کا وجود موجود تھا۔ نہ مجلس شوریٰ کا وجود قائم تھا۔ ایسی

صورت میں امام حسنؓ کے انتخاب کا جواز ١ موجود نہ تھا۔ ایسی صورت میں خود حضرت امام حسنؓ بھی مقامِ خلافت (خلیفہ) قبول کرنے کا (شرائطِ دینی کے تحت) جواز نہ رکھتے تھے۔ نہ حضرت امام حسنؓ۔

---

١ ایسی صورت میں خود حضرت امام حسن علیہ السلام کے ذہن میں بھی یہ بات آئی نہ تھی۔ کہ آپؑ مقامِ خلافت حاصل کرنے کا حق رکھتے ہیں ــــ کیونکہ آپؑ اصولِ شریعت ــــ شرائطِ خلافت کے تحت یہ سمجھتے تھے کہ آپ اس حال میں مقامِ خلافت کا دعوے کرنے کے مجاز نہیں۔ نہ اصولِ۔ شرائطِ دینی ــــ شرائطِ خلافت۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبی نسبت یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کی نسبت سے۔ خلیفہ ہونے کا دعوے رکھتے ہوں ــــ ایسے موقع پر آپ علیہ السلام کے ذہن میں ایسا اقدام کرنے کا کوئی خیال موجود نہ تھا ــــ سوائے اسکے کہ شرائطِ خلافت کے اصول کے تحت۔ (جب امت میں انتخابِ خلیفہ ممکن نہ ہو) ایک فردِ امت پر فرض عائد ہوتا ہے۔ کہ اس میں انفرادی حیثیت میں خلیفہ ہونے کی صفات موجود ہوں۔ بغیر انتخابِ خلیفہ ــــ یا بغیر انتخابِ مجلس مشاورت کے۔ خود تختِ خلافت سنبھال کر مقامِ خلافت پر متمکن ہو کر خلافت کے احکام کا نفاذ کر کے۔ خلافتِ اسلامی کا بطریقِ احسن اجرا کرے ــــ چنانچہ آپؑ اس امر کا حق رکھتے تھے کہ خود خلیفہ ہونے کا دعویٰ کریں۔ لیکن اس موقع پر۔ خلافتِ اسلامی کی ہیئت۔ الدین الاسلام کی ہیئت۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے خلافتِ اسلامی پر اثرات کا جائزہ سامنے رکھنا ضروری ہے۔ اس حال میں کہ۔ الدین الاسلام۔ از روئے شریعت خلافت اسلامی کے خلیفہ ہونے میں۔ سوائے جہاد فی سبیل اللہ۔ اپنی ذات کی منفعت کا کوئی تصور پایا نہ جاتا تھا۔ جسکے حصول میں۔ کسی ذاتی نفع کی خاطر نقصان یا محرومی کا احتمال متوقع ہوتا ــــ ایسی صورت میں حصولِ خلافت میں کسی قسم کا اقدام کرنا۔ غیر ضروری سمجھا جاتا تھا ــــ

اس اہم فیصلہ کیلئے واقعات وحقائق پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں۔ آپؓ کی نرم دلی۔ عفو ودرگزر۔ اور خلافت میں اجتہادی عمل نے موقع دیا۔ کہ منافقین۔ یہود۔ نصاریٰ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دریادلی۔ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بے بنیاد الزامات تراش کر۔ خلافتِ اسلامی۔ اور الدین الاسلام کی ساخت کو نقصان پہنچا کر خلافتِ اسلامی کو نیست ونابود کر دیں۔ منافقین کی منافقانہ۔ کافرانہ سازش کو اس شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس قدر تقویت حاصل ہو چکی تھی۔ کہ عرب کے جملہ منافقین قبائل سے ملکر خلافتِ اسلامی کا شیرازہ بکھیرنے میں آسانی سے کامیابی حاصل کر سکیں۔ اس حال میں بھی۔ کہ شہادت حضرت عثمانؓ کے بعد کسی خلیفہ کا انعقاد۔ شرائط دینی پر ہونا ممکن نہ تھا ایسی صورت میں جب تک ایک خلیفہ کا تعین نہ ہو۔ شرائطِ خلافت میں کسی ترمیم واضافہ کی گنجائش نہ تھی۔ ایسی صورت میں خلافتِ اسلامی میں اقتدارِ اعلیٰ۔ حکومتِ اسلامی کے تحفظ کی فراہمی کیلئے شرائطِ دینی میں ترمیم کے بغیر الدین الاسلام۔ اور خود (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بغیر شرائط خلافت۔ ذاتی طور مقامِ خلافت کیلئے دعویٰ کرتے۔ کہ خلافت انہیں سونپی جائے ـــــ
ایسے موقع پر اصحابِ رسول اللہ ـــ اور امت مسلمہ سے عملی قدم اٹھانے میں خلیفہ کے انتخاب کیلئے۔

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) خلافت کا تحفظ واستحکام۔ اور دشمنانِ اسلام کی یلغار سے تحفظ کا کوئی منصوبہ مکمل کرنا ممکن نہ تھا۔

یہ ایسی صورتیں تھیں۔ کہ خلیفہ کیلئے۔ خلافتِ اسلامی کے استحکام وتحفظ کیلئے۔ شرائطِ دینی کے تحت ایک حکمران۔ سیاستدان ذہن ہونا انتہائی ضروری تھا۔ ایسی صورت میں۔ ایک فردِ امت ـــ ایک خلیفہ کے انتخاب میں ترمیم ضروری تھی۔ کہ شرائط دینی ـــ شرائط خلافت میں ایک خلیفہ کے انتخاب میں ایسی صفات کا ہونا لازم سمجھا جائے۔

وقتی حالات کے مطابق جب اسلام۔ دشمنانِ اسلام کے نرغے میں بری طرح آچکا تھا ـــ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ـــ اور حضرت امام حسن علیہ السلام۔ میں تقابل برائے انتخاب خلافت پر ایک تجزیہ کی ضرورت ہے۔

اسلام کی بنیاد ـــ الدین الاسلام کی شرائطِ دینی پر استوار ہے۔ جس میں بے جا قوت وغلبہ کا تصور قائم نہیں ہوسکتا کہ انتخاب خلیفہ کیلئے ـــ

(۱) امت سے سب سے اعلیٰ صاحبِ علم القرآن وحدیث ہونا شرط ہے۔

(۲) امت میں خلیفہ کیلئے سب سے اعلیٰ صاحبِ علم وعمل۔ تقویٰ۔ تزکیہ از روئے قرآن۔ ہونا شرط ہے۔

(۳) از روئے قرآن اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ کی خصوصیت کا عالمِ امت۔ خلیفہ الرّسول۔ خلیفۂ اسلام میں پایا جانا شرط ہے۔

(۴) خلیفہ کیلئے صفاتِ۔ اجرائے قرآن وحدیث۔ اشاعتِ الدین کی وسعت ہونا لازم ہے۔

(۵) خلافتِ اسلامی کے تحفظ ووسعت واستحکام کیلئے۔ دشمنانِ اسلام کے خلاف قوت۔ سیاست وتدبر کی۔ ایک اضافی صفت کا ہونا ضروری تصور کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا۔ منافقین۔ اور علمائے یہود ونصاریٰ کی بد باطنی کی بناء پر تاریخ اسلام کی نورانی۔ ہیئتِ مسلمہ کو داغدار بنا کر اسلام کی عظمت کو مخلوق کے دلوں سے مسخ کرنے کی غرض سے۔ تواریخ۔ اسلام اور علماء اسلام کے کردار کو گھناؤنی شکل میں دیدہ دانستہ پیش کیا۔ یہی انداز۔ تاریخ کربلا میں۔ خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذاتِ والا کو اہل اسلام (مسلمانوں) کے دلوں میں غلط تصورات پیدا کرکے۔ گھناؤنی صورت میں ثبت کیا ـــ جس وجہ سے واقعاتِ کربلا میں۔ ہمارے اولوالعزم ہستیوں کے بارے میں غلط تصورات پیش کرکے اسلام کی پوری ہیئتِ مسلمہ کو مسخ کرکے قابلِ نفرت بنادیا۔

حضرت امیر معاویہؓ۔ تاریخ اسلام میں۔ جہاں تک لغو تاریخ اسلام میں مورخین (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک مجلس شوریٰ مقرر کرنے کا موقع تھا۔لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کی حمایت میں آنے والے صحابہ کی باہم مشاورت سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے موقع کی نزاکت کے تحت۔خود

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) کی روایات کو شامل کیا گیا۔اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذاتی حیثیت کو ایک مفتن کی حیثیت میں پیش کیا گیا۔جبکہ واقعات اسکے بالکل برعکس ہیں۔

حقیقی محققین کی روایات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذاتِ والا کے متعلق جو بیان اس تاریخ اسلام میں بھی پیش کیئے گئے ہیں۔کہ

(۱) آپؓ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ رسالت (وحی) میں کاتبِ وحی تھے۔

(۲) آپؓ۔حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مبشروں میں تھے۔جنکے متعلق حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کی سلطنت اور خلافت کی بشارت دی ہے۔

(۳) حضرت عمر فاروقؓ۔حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں۔شام کے گورنر مقرر رہے ہیں جہاں آپؓ کے عہد امیری میں کسی قسم کے غلط طرزِ عمل کا ثبوت نہیں۔

(۴) ان حالات میں آپکا کردار۔تقویٰ وعلم باقی اصحابِ رسول اللہ کے مقابلہ میں اسوۂ رسول اللہ کے عین مطابق رہے ــــــ

(۵) انتخابِ خلافت میں۔کسی اصحاب۔امیر۔خلیفہ کی حکمرانی میں کسی اختلاف کا ثبوت نہیں۔کہ آپ نے کسی خلیفہ سے کسی طور اختلاف کر کے خودغرضی یانفس پرستی کا اظہار کیا ہو۔بلکہ ہر خلیفہ کی اطاعت میں ایک مومنانہ کردار ادا کرتے رہے۔

(۶) آپؓ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے رشتہ میں تعلق قریبی رکھتے تھے۔ایسی حالت میں اطاعتِ رسول اللہ میں آپؓ کی عظمت کا پورا پاس رکھتے تھے۔

(۷) آپؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقرب اصحاب میں لائق عزت واحترام مبشرینِ رسول اللہ میں سے تھے۔

(۸) عام حالت سے سوا عہدِ امیری میں۔سادہ زندگی رکھتے تھے۔مال وزر کی خواہش میں اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی میں میانہ روی اختیار کرتے تھے۔

البتہ یہ بات تحقیق طلب ہے۔کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان شرائط خلافت میں اختلاف رہا۔کہ آپ شرائطِ دینی کے ساتھ۔شرائطِ خلافت۔اقتدارِ اعلےٰ۔(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ اقدام کیا۔ کہ وہ خود زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لیں لیکن ابھی یہ خطرہ باقی تھا۔ کہ منافقین ایسے موقع پر پھرنا جائز فائدہ اٹھانے کیلئے۔ مومنانہ بھیس میں یہ اعتراض و اختلاف پیدا کریں۔ کہ حضرت علی

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) میں ترمیم کے خواہاں تھے۔ کہ شرائط خلافت میں ایک خلیفہ کیلئے۔ علم وتقویٰ سے علاوہ ایک سیاستدان۔ حکمران ذہن کو بھی شامل رکھا جائے۔

انہیں حالات کے مدِ نظر۔ حضرت امام حسن علیہ السلام۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نظریہ کے حامی تھے۔ کہ خلافتِ اسلامی میں شرائطِ خلافت کو حدیث نبویؐ کے ارشادات واحکامات کے اندر محدود طریقہ پر جاری رکھا جائے۔ اور حکمران حیثیت میں الدین الاسلام کی ہیئت کو اجتہادی عمل ــــ (تدبر۔ سیاست) پر منحصر نہ کیا جائے۔

اسی اختلاف پر حضرت علی وحضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان نزاع پیدا ہوا۔ جبکہ منافقین یہود ونصاریٰ کے علماءٗ نے ان دونوں ہستیوں کے سرشدید جنگ وجدل۔ قتل وخونریزی کا خودساختہ الزام لگا کر۔ انہیں بدنام کیا اور یہی نظریہ تھا۔ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے انتخاب خلیفہ پر درمیان میں آیا جس میں عراق۔ عرب شام کے منافقین نے مل کر ایک مکروہ سازش۔ اور مسلمانوں میں داخل ہوکر فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا کر اسلام۔ خلافتِ اسلامی کی ساخت کو کمزور کر کے اسکی وسعت کی راہیں مسدود کرنے کی کوشش کی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں یہی جذبہٗ جہاد فی سبیل اللہ موجزن تھا۔ کہ تمام دنیا کے اسلام دشمن کفار۔ حکومتی سطح پر اسلام کے مٹانے کے درپے ہیں وہاں انکے مقابلہ میں۔ خلافتِ اسلامی میں بھی ایک مادی (حربی)۔ سیاست کا ہونا ضروری ہے۔ اور وہ یہ اندازہ کر چکے تھے۔ کہ خود وہ اپنی ذات سے تمام دشمن قوتوں کا مقابلہ کر کے۔ خلافتِ اسلامی ــــ الدین الاسلام کا دفاع کر سکینگے۔

اسی نظریہ کے تحت آپؓ نے خلافتِ اسلامی کے تحفظ کیلئے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی خلافت کے بجائے۔ خود خلافت کو حاصل کرنا چاہا۔ کہ خلافت کی صورت میں وہ تمام خلافتِ اسلامی کو محفوظ کر لینگے۔ کہ حضرت امام حسنؑ سے ایسا سیاسی عمل ممکن نہیں۔ کہ دنیا کے دشمنانِ اسلام کا سیاست اور حرب سے مقابلہ کریں۔ وہ خود۔ خلافت اسلامی پر دشمنان اسلام کو شکست دیکر الدین الاسلام کو استحکام ووسعت بخشیں گے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن علیہ السلام کے سامنے خلافت اسلامی کے ابتلا کے تمام نقوش پیش کئے۔ کہ میں خلافتِ اسلامی کا ضامن ہوکر اسلام کا تحفظ کرونگا۔ اس حال میں۔ کہ آپ میری بیعت کرنے پر آمادہ ہوں۔ گو یہ حقیقت ہے۔ کہ آپؑ ہی خلافت کے حقیقی وارث وحقدار ہیں۔ اس صورت میں منافقین کو اسلام میں فتنہ کرنے کا موقع ملیگا۔ اس حال میں کہ میں نے حضرت امام حسنؑ سے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کرم اللہ وجہہ کے بعد۔حقِ خلافت۔حضرت امام حسنؓ کا ہے۔جبکہ شرائطِ دینی کے ضابطہ کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے کے مجاز نہیں ــــــ اسی نکتہ کے مدنظر حضرت امیر معاویہ

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) جبراً خلافت چھین لی ــــــ بیعت کی صورت میں انہیں اسلام پر حملہ کرنے کا موقع نہ ملیگا۔اور میں حکومتِ اسلامی کو سلامتی دونگا۔اس تجویز کو معقول سمجھکر حضرت امام حسنؓ نے عوام المسلمین کے اختلاف کی رد میں بخوشی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تجویز قبول کر کے آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔اس حال میں تمام امتِ مسلمہ کا بھی اتفاق ہو کر خلافتِ اسلامی ایک عظیم فتنہ سے محفوظ ہو کر۔حضرت امیر معاویہؓ نے ــــــ اصول ضابطہ شریعت ــــــ شرائط دینی کے اصول پر خلافت سنبھال لی۔اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی بھی پوری ہوگئی۔آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ہمارے فرزند (امام حسن علیہ السلام) ایک وقت اسلام کو شدید فتنہ سے محفوظ کرنے کا اقدام کرینگے۔

حقیقتاً۔حصولِ خلافت میں اگرچہ حضرت امیر معاویہؓ خود خلیفہ ہونے کے مجاز نہ تھے۔نہ وہ اس سلسلہ میں کسی جدوجہد کرنے کے مجاز تھے۔اگر امام حسن علیہ السلام۔اصولِ شریعت ــــــ شرائطِ دینی کے مطابق۔خود کو خلیفہ کیلئے پیش کرتے ــــــ تو نظریہ امیر معاویہؓ کے مطابق حضرت امام حسنؓ کی خلافت پر۔نہ حضرت امیر معاویہؓ زبردستی خلافت پر قبضہ کرتے۔اور امام حسنؓ شریعت کے مطابق اپنے حصول میں حضرت امیر معاویہؓ سے مقابلہ کرتے۔تو مخالفین اسلام منافقین موقع سے ناجائز فائدہ اٹھا کر پھر حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت امام حسنؓ کے درمیان جنگ کا عظیم فتنہ پیدا کرتے جس میں منافقین بھی شامل ہو کر حضرت امام حسنؓ کے خلاف جنگ کر کے خلافتِ اسلامی کو شدید نقصان اور تباہی سے دوچار کر کے۔خلافتِ اسلامی ــــــ الدین الاسلام کے تمام راستے بند کر کے پسپا کرتے۔کہ دنیا پر سطوتِ اسلامی کا نام نہ لیا جاتا۔حضرت امام حسنؓ نے اپنا حق از روئے شریعت جانتے ہوئے حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ بیعت سے تمام منافقین کے فتنہ کے راستے بند کر کے امن کو بحال کر کے اسلام کو شدید نقصان سے بچایا ــــــ تو ظاہر ہے۔اس امن پسندی کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انیس سال حکومت میں اسلام ــــــ خلافتِ اسلامی کو ایسے مضبوط ستونوں پر استوار کیا کہ ــــــ حکومت ترکیہ عثمانیہ تک اسلام دنیا کے کونہ کونہ پر پھیل کر دنیا پر امن و سلامتی کا سبب بنا۔یہ حضرات خلفائے راشدین کا اعلےٰ تدبر تھا۔کہ اسلام مخالفین۔دشمن اسلام کے جبر و تشدد اور چیرہ دستیوں سے محفوظ رہا۔اسکے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی۔شہادت کے موقع پر۔اسلام میں ایسی ابتلا تھی اگر حضرت امام حسن علیہ السلام کی مومنانہ فراست اور حضرت امیر معاویہؓ جیسی مدبرانہ قیادت میسر نہ آتی تو دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں اسلام کو شدید زک پہنچنے کا احتمال تھا ــــــ جانیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے عین مطابق (وَمَكِّنْ لَهُ فِي الْبِلَادِ) حضرت (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رضی اللہ عنہ نے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے سامنے۔ خلافت میں بحران اور آئندہ پستی کے نقشے بتا کر آمادہ کیا۔ کہ مخالفین ومنافقین۔ دشمنانِ اسلام کیلئے پھر ایسا موقع فراہم ہوسکتا ہے۔ کہ وہ میری خلافت کے بہانہ پھر ایک فتنۂ عظیم پیدا کریں۔ اس حال میں۔ کہ ایسے موقع پر اقتدارِ اعلیٰ کے تحفظ وسالمیت کی اشد ضرورت ہے۔ اگر اقتدار اعلیٰ کی حیثیت کو بحال نہ کیا گیا۔ تو باطل قوتیں۔ ہم پر ہر طرف سے یلغار کر کے ہمیں نقصان پہنچائینگی۔ جس سے حقیقی اشاعتِ الدین الاسلام میں اجرائے قرآن وسنت اور قوتِ خلافتِ اسلامی اقتدارِ اسلامی کا تسلط وغلبہ باقی نہ رہ سکیگا۔ اسی نظریہ کے تحت ہم خود خلافت کا بار لیکر فہم وتدبر سے اپنی قوت کو محفوظ کر سکتے ہیں جسکے لئے منافقین کی سازش کو ناکام بنانے کی صورت یہی ہوسکتی ہے۔ کہ آپ میری بیعت کا اعلان فرمادیں تاکہ جملہ امت مسلمہ آپ کی تقلید میں میری بیعت کریں۔ تاکہ کسی منافق کو اس موقع پر سازش کر کے امت مسلمہ میں۔ افتراق وانتشار پیدا کرنے کا موقع نہ مل سکے ـــــ یہ ایک معقول منصوبہ تھا۔ جس پر حضرت امام حسن علیہ السلام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تدبیر کو معقول سمجھکر۔ آپؓ کے ہاتھ پر بیعت ١ کی۔ چنانچہ امام حسنؓ کے ساتھ امام حسین علیہ السلام نے بھی اصولی طور بیعت کی۔ کیونکہ انکی نظر میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم۔ یا حضرت علیؓ کے نسبی تعلق پر۔ شرائطِ دینی کے مطابق۔ انکا (امام حسینؓ کا) حقِ خلافت ثابت نہیں ہوتا تھا۔

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اکثر فرماتے۔ کہ اس پیشگوئی پر مجھے اکثر خطرہ رہتا کہ میں اس فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں ـــ اور یہ مشیت الٰہی ہی کا فیصلہ تھا۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت خلافت عطا ہوئی۔ جب قانونِ شریعت کے مطابق۔ خلیفہ کے انتخاب کا کوئی موقع نہ تھا۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت اسلام کا ایک روشن باب ہے۔ کہ آپ کو انیس (١٩) سال کا طویل وقت میسر آیا۔ کہ دنیا کی کافر۔ غالب قوتوں کی یلغار میں خلافتِ اسلامی کی حقیقی ہیئتِ مسلمہ کو قیامت تک پھلنے پھولنے کا موقع فراہم ہوا۔

١ یہی واقعہ ہے جس واقعہ کی طرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ ہمارے فرزند (امام حسن) سے امت میں ایک عظیم فتنہ فرو ہوگا۔ فی الحقیقت حضرت امام حسنؓ کی طرف سے بیعت سے انکار کفار منافقین کو ایک موقع فراہم کرتا۔ کہ وہ حضرت امام حسنؓ کی بیعت خلافت کی آڑ لیکر امت مسلمہ میں قتل وغارتگری کا بازار گرم کردیتے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عمل سے اپنی تدبیر وفہم اور اعلیٰ متقیانہ خصوصیات پر خلافتِ اسلامی کو زندہ جاوید کر دیا۔ کہ ایسے پر آشوب زمانہ میں۔ جبکہ خلافتِ اسلامی کی حیثیت متزلزل ہو چکی تھی۔ کسی باطل قوت کو خلافتِ اسلامی پر یلغار کرنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے انیس سالہ دورِ خلافت میں۔ اس قدر وسعت واستحکام دیا۔ کہ الدین الاسلام ــــ خلافتِ اسلامی اقتدارِ اعلیٰ کی شکل میں زمین کی وسعتوں میں اتنی قوت سے پھیلا کہ طویل زمانہ تک اقتدارِ اسلامی کی حکمرانی اور الدین الاسلام کی دینی حیثیت قرآن وسنت کی اشاعت میں مخلوقِ انسانی کو انکے مقصدِ حقیقی کی تکمیل ہوتی رہی۔ یہ دنیائے اسلام اور خلافتِ اسلامی کا ایک عظیم ترین کارنامہ ہے۔ جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں۔ انکی دینی خدمات۔ اجرائے قرآن و سنت۔ وسعت الدین الاسلام اور وسعت اقتدارِ اعلیٰ کی صورت میں تکمیل پذیر ہوا ــــ

حضرت امیر معاویہؓ کی ذاتی خصوصیت مومنانہ ــــ افسوس کہ محققین اسلام۔ منافقین کی خود ساختہ تاریخ میں حضرت امیر معاویہؓ کی مومنانہ خصوصیات پر عمیق تحقیق نہ کر سکے۔ جس بناء پر۔ محض اسلام دشمنی کے جذبہ کی بناء پر حضرت امیر معاویہؓ کے کردار پر اکثر حرف لایا گیا ــــ اصل حقیقت یہ ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذاتِ والا صفات مبشرِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم تھی۔ آپ اصحاب رسول اللہ میں سے تھے۔ ایک ''عقلِ کل'' نبی آخر الزمان۔ امام الانبیاءؐ کی تحقیق میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی منتخب کیا گیا۔ یہ مقام ہی انکی عظیم مومنانہ شخصیت کیلئے کافی دلیل ہو سکتی ہے۔ آپ کے کردار پر کسی موقع پر۔ خلافتِ صدیقیؓ۔ خلافتِ فاروقیؓ۔ خلافتِ عثمانیؓ میں کوئی حرف نہیں لایا گیا۔ بلکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں حضرت امیر معاویہؓ کی مومنانہ حیثیت اور مدبرانہ حیثیت کو سراہا گیا ــــ اس قدر عظیم المرتبت شخصیت سے کسی موقع پر خلافِ سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یکسر مولغزش یا خلاف شریعت اقدام کا پایا جانا ممکن نہیں ہو سکتا۔ اور آپ کی انیس سالہ خلافت میں تاریخ سے واضح ہے۔ کہ خلافتِ اسلامی۔ الدین الاسلام کی وسعت روئے زمین کے وسیع وعریض خطہ تک پھیلی اور الدین الاسلام اور اقتدارِ اعلےٰ۔ آپ کی مدبرانہ صلاحیتوں

کی بناءَ پر اس قدر مستحکم ہوا۔ کہ اسی اقتدارِ اعلیٰ کی قوت پر خلافتِ اموی ـــــ خلافتِ عباسی ـــــ خلافتِ عثمانی کی قوت نے دنیا کی تمام قوتوں کو زیر کر کے دیــن الاسـلام کی اشاعت وتبلیغ میں الدین الاسلام کی ہیبتِ مسلمہ کو زمین کی وسعتوں میں قائم کیا ـــــ

یہی وہ ذات ہے۔ جن کی تدبیر وفہم ۔ مومنانہ کردار ۔ قرآن وسنت کی اطاعت عبادات و تسبیح ۔ یوم آخرت کا لرزہ ـــــ کہ ایک خلیفہ کو ۔ الـدیـن الاسلام ـــــ اقتدارِ اعلیٰ کی ذمہ داری میں اللہ کے نزدیک جواب دہ ہونا ہوگا۔ ایک مومن ۔ کاتبِ وحی ۔ اعلیٰ کردار کے مالک ۔ سے خلافتِ اسلامی کی سربراہی ۔ اور ذمہ داری میں ۔ جنہوں نے اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کی بناءَ پر ایک عظیم الشان سلطنت کا وجود اپنی اعلیٰ قوتوں کی صورت میں قائم رکھا۔ انکی ذات سے کسی لغزش ۔ کوتاہی ۔ جبر ۔ غلط منصوبہ بندی خلافِ عقل بلکہ خلافِ ایمان تصور کی جاتی ہے ۔ اور آئندہ خلافت اسلامی کی وسعت واستحکام کیلئے ایک خلیفہ کی حیثیت سے انکے کسی فیصلہ کو خلافِ شریعت یا خلافِ سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تصور کرنا ۔ سوائے ۔ کوتاہ فہمی اور کج بحثی کے حقیقت نہیں سمجھا جاسکتا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۔ خواہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حامی جماعتِ صحابہ ہوں ۔ یا عام امتِ مسلمہ کے اصحاب ۔ علمائے امت ۔ عوام المسلمین ـــــ کسی فرد سے حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف کسی لغزش یا خلافِ شریعت جبر، عمل کی دلیل ثابت نہیں ۔ اس حال میں کہ آپ کے دستِ مبارک پر امت مسلمہ کے ہر فرد نے خلافت کی بیعت کی کہ ہر فرد امت آپکی اعلیٰ صلاحیتوں ۔ مومنانہ کردار کی تائید میں آپ کے ہر قول وفعل پر صاد (حمایت وتائید) کرتا تھا ـــــ لہٰذا آپ کے بعد خلافتِ اسلامی کی بقا وسالمیت کیلئے ۔ آپ کی تدبیر بھی لائقِ تسلیم ہوتی ہے ۔

اس مقام پر جبکہ ایک خلیفہ کے ذریعہ خلافتِ اسلامی کیلئے ایک خلیفہ کا انتخاب شرائط دینی شرائط خلافت پر منحصر کیا گیا ـــــ تو ان شرائط کو زیر نظر رکھنا لازمی ہے ۔ کہ خلیفہ خود ایک خلیفہ کے انتخاب کا مجاز ہے ۔ (یہ ایک لادینی حکومت کا غلط مفروضہ ہے ۔ کہ عوام سے ایک سربراہ کے انتخاب میں عوام کے حقِ خود اختیاری کے اصول پر جمہوریت کا تصور پیدا ہوتا ہے) عوام کے ذریعہ کسی خلیفہ کا

انتخاب اسلامی ضابطہ کے تحت۔ لغو اور بے حقیقت تصور سمجھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے ایسے مفروضہ سے ہر موقع پر سرمایہ دار کو عوام پر مسلط کرنے کا ایک بے معنی عمل دہرایا جاتا ہے ـــ

دوسرے مجلس شوریٰ کے ذریعہ خلیفہ کا انتخاب لازم ہوتا ہے۔

تیسرے۔ مجلس شوریٰ اور خلیفہ کا وجود موجود نہ ہونے کی صورت میں ہر فردِ امت کی ذمہ داری ہے۔ کہ وہ اجرائے قرآن وسنت کیلئے۔ خلافتِ اسلامی کے استحکام کیلئے ذاتی طور (شرائطِ خلیفہ موجود نہ ہونے کی صورت میں) خود مقامِ خلافت پر فائز ہو کر۔ قرآن وسنت کے احکام کے ساتھ۔ اقتدارِ اعلیٰ کی بقا کیلئے اجتہادی عمل استعمال کرے۔ اس حال میں۔ کہ یا تو وہ شرائط الدین کی صفات سے (اعمال وکردار میں) متقی ہو ـــ یا حکمران حیثیت میں۔ تقویٰ کے ساتھ اعلیٰ فہم وتدبر کا حامل ہو۔ الدین الاسلام اور اقتدارِ اعلیٰ کی حیثیت کو قائم رکھنے میں ذاتی طور احکام صادر کرے اسی ضابطۂ دینی کے تحت حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے بعد ایک خلیفہ کا انتخاب کیا۔ اس سے قبل پیشتر کے واقعات کو زیرِ نظر رکھنا ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد ایک خلیفہ کا تقرر کس بنیاد پر ہوا؟

وہ یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد۔ خلافت کے حقدار ـــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چار اصحاب (۱) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (۳) حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ (۴) حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک صحابی کا انتخاب ازروئے شرائط دینی (کہ ان کا انتخاب ایک خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی سے ہوا) لازم تھا ـــ لیکن حالات ایسے تھے کہ ان اصحاب میں سے کوئی خلیفہ نہ بن سکا۔ ان کے بعد۔ نہ خلیفہ کے انتخاب کا موقع رہا ـــ نہ مجلس شوریٰ کے ذریعہ ایک خلیفہ کے انتخاب کا موقع رہا۔ ایسے موقع پر ـــ شرائطِ دینی کے مطابق۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کا انتخاب ہونا۔ صحیح انتخاب ہوتا۔ لازمی تھا۔ ایسے موقع پر حضرت امیر معاویہؓ کی حصولِ خلافت میں مداخلت جبکہ اصولِ شریعت کے مطابق آپ منتخب اصحاب کی فہرست میں شمار نہ تھے۔ آپ کا خلیفہ مقرر ہونا۔ یا خلافت

کیلئے جدوجہد کرنا خلافِ شرائطِ دینی امر تھا ـــــ البتہ۔ اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذاتی طور مداخلت کر کے خلافت حاصل کرنا ـــــ اس بناء پر (ضروری) تھا۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے درمیان جنگ جمل (جس میں حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت امیر معاویہؓ کے نظریہ کی حمایت میں (جنگ جمل میں) شامل ہوئیں) کا واقع ہونا۔ یہود منافقین ایسے متزلزل حالات میں اسلامی منتشر ہیئت کو شدید نقصان پہنچا کر اسلام کو مٹانے میں کامیاب ہو جاتے۔ جس سے اسلام کی۔ اقتدارِ اعلیٰ کی قوت کمزور ہو کر یکسر ختم ہو جاتی۔ ضرورت تھی کہ ایسے موقع پر۔ شرائطِ دینی ـــــ شرائط خلافت کے ضابطہ پر ایک خلیفہ کا انتخاب ہوتا لیکن خلیفہ میں باوجود ـــــ بدرجہ اولیٰ۔ صاحبِ علم و عمل۔ متقی ہونے کے۔ صاحبِ تدبر و سیاست میں کامل نہ ہونے کی صورت میں اقتدارِ اسلامی کا تحفظ مکمل نہ ہو سکتا۔ جس وجہ سے اقتدار اعلیٰ کی کمزوری۔ الدین الاسلام کی کمزوری کا سبب بن جاتا۔ ایسی صورت میں ضروری ہوا کہ خلافت اسلامی میں (اقتدارِ اعلیٰ کی شمولیت کی بناء پر) ایک اجتہادی عمل کے تحت خلافتِ اسلامی کی اقتدارِ اعلیٰ (حکمران حیثیت) کی بقا و سالمیت کیلئے ایک مدبر و سیاست دان فرد کو خلیفہ کے انتخاب میں اولیت دی جائے۔ اس حال میں (یہ تصور رکھنا لازم ہے) کہ وقت۔ ضرورت کے تحت خلافتِ اسلامی کی حکمران حیثیت کو قوی کیا جائے۔ جبکہ الدین الاسلام کی اشاعت و اجراٗ علمائے اسلام سے بھی پوری ہو سکتی ہے۔

خلافت اسلامی میں ایسا موقع آیا۔ کہ ایک خلیفہ کیلئے۔ شرائط دینی کے ضابطہ کے مقابلہ میں ایک خلیفہ کے انتخاب میں صاحبِ تدبیر و سیاست کو اولیت دی جائے۔ اسی نظریہ کے تحت۔ جبکہ خلافتِ اسلامی میں ایسے واقعات و حالات رونما ہو چکے تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبل از وقت ایک خلیفہ کے انتخاب کیلئے حالات کو سازگار بنانے میں اپنی زندگی میں ـــــ کہ خلیفہ خود خلیفہ منتخب کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ اپنی زندگی میں خود بحیثیت خلیفہ۔ ایک خلیفہ منتخب کرنے کا اقدام کیا۔ تاکہ ایسے حالات میں منافقین واقعات کو الجھا کر۔ امت مسلمہ کو ایسا تاثر نہ دیں۔ کہ آپ کے

خلیفہ کے انتخاب کو خلاف شرائطِ خلافت قرار دیکر۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد کی طرح خلافت میں شورش برپا کرنے کا موقع حاصل کر کے پھر کسی خلیفہ کے تقرر کو کامیاب بنانے نہ دیں۔ اس طرح خلافتِ اسلامی کا شیرازہ بکھر کر پھر دوبارہ وہ قوت مستحکم نہ رہ سکے۔ جو خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے انیس سالہ دورِ خلافت میں قائم کی تھی۔

اس موقع پر عوام المسلمین میں۔ حضرت امام حسنؓ کے بعد ایک شخصیت حضرت امام حسین علیہ السلام کی تھی جو تاحال حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت میں۔ دائرۂ خلافتِ اسلامی میں ایک فردِ امت کی حیثیت میں تھے۔ جن کی خصوصیت شرائط دینی کے مطابق۔ تربیت یافتہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ امت میں سب سے زیادہ صاحب علم۔ اور تربیت یافتہ نورعینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت میں امت میں سب سے زیادہ صاحب عمل مقامِ معرفت میں صاحبِ کمال۔ اجرائے الدینِ رسول اللہ میں۔ عملِ رسالت کی تکمیل کرنے والے جانشینِ رسول اللہ کی حیثیت میں لائقِ خلافت امت میں تسلیم کئے جاتے تھے۔ ضروری تھا۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام ـــــ ہاں ایسے موقع پر امتِ مسلمہ کی تائید وحمایت میں خود مقامِ خلافت پر فائز ہو کر شریعت کے احکام کا نفاذ فرماتے ـــــ یہ حقیقت ہے۔ کہ اگر عہدِ عثمانی رضی اللہ عنہ میں۔ یہود۔ منافقین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذاتِ والا کو شہید کرنے میں کامیاب نہ ہوتے۔ تو واقعات یکسر بدلے ہوتے۔ اس پر بھی تجزیہ ضروری ہے۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہود۔ منافقین کی یلغار سے۔ خلافتِ اسلامی۔ الدین الاسلام شدت سے متاثر ہوئی۔ کہ اصولِ شریعت۔ اور شرائطِ دینی۔ قائم نہ رہ سکے۔ کہ کسی خلیفہ کی موجودگی میں خلیفہ کا انتخاب نہ ہو سکا۔ جبکہ الدین الاسلام میں۔ اقتدارِ اعلےٰ کا وجود قائم و مستحکم ہونا چاہیے تھا۔ ایسی صورت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد۔ نہ خلافت کیلئے ایک خلیفہ منتخب ہو سکا۔ نہ الدین الاسلام کی ساخت قائم ہو سکی۔ جسکے لئے ایک خلیفة الرّسول کی ذات موجود ہونی چاہیے تھی۔ ایسی صورت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے نتیجہ میں۔ اقتدارِ اسلامی منتشر ہو گیا ـــــ اور جیسا کہ ضرورت تھی۔ بمطابق انتخابِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ایک ضابطہ کے تحت خلیفہ منتخب ہو جاتے ایسی صورت میں ۔کہ آپ الدین الاسلام میں خلیفة الرسول بھی ہوتے۔مگر شہادت حضرت عثمانؓ کی وجہ سے یہ حیثیت الدین الاسلام کی بھی قائم نہ رہ سکی۔جسکے نتیجہ میں ۔اقتدارِ اسلامی کی حیثیت میں ۔اجتہادی حیثیت میں ۔ ضابطۂ اسلامی بھی متاثر ہو کر۔لازماً اقتدارِ اسلامی کے تحت مجبوراً سہارا لینا پڑا۔کہ اقتدارِ اسلامی کے شرائط پر خلیفہ کا انتخاب لازمی ہوا۔ورنہ اگر یہ واقعات۔خلافتِ اسلامی میں رونما نہ ہوتے۔تو حسب دستور۔شرائطِ دینی کے تحت انتخاب ہوتا اور بغیر کسی دقت کے (جبکہ اقتدارِ اعلیٰ کی ضرورت نہ پڑتی) خلیفہ کے ذریعہ خلیفہ کا انتخاب ہوتا۔اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا انتخاب ہوتا۔اور آپ کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام ـــــ اور آپ کے بعد امام حسینؑ کا ـــــ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منتخب اصحاب میں سے کسی کو خلیفہ قرار دیا جاتا۔اس حال میں ۔کہ اقتدارِ اعلیٰ کیلئے بھی۔نہ حضرت امیر معاویہؓ کی ضرورت پڑتی۔نہ آپؓ خلافت کے حصول میں مداخلت کرتے۔کہ اس حال میں حضرت امیر معاویہؓ ـــــ یا یزید کیلئے نہ خلافت حاصل کرنا جائز تھا۔اور نہ ہی آپ اس سلسلہ میں کوئی (اجتہادی) قدم اٹھاتے۔نہ یزید کو خلافت کیلئے منتخب کیا جاتا۔نہ واقعہ کربلا کا ظہور ہوتا ـــــ لیکن ـــــ حضرت امیر معاویہؓ کے نزدیک اتنی وسیع سلطنت کے تحفظ واستحکام اور منافقین کی سازشوں کے نتیجہ میں ۔خلفاءِ اسلام کی موجودگی میں ۔خلافتِ اسلامی میں انتشار و تنزل کے نمایاں آثار کی حالت میں ۔ایک صاحب تدبر۔حکمران ذہن (جس میں تقویٰ و عبادت کا کامل ہونا شرط نہیں) اور مدبر ہستی کا ہونا انتہائی ضروری تھا۔اس بناء پر کہ اب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بناء کردہ خلافتِ اسلامی۔ ایک حکمران سلطنت کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔جس میں الدین الاسلام کی ہیئت کے مطابق ایک خلیفة الرّسول کا انتخاب۔خالص شرائطِ دینی۔پر ہونا۔ممکن نہ تھا۔اسلئے کہ اب اقتدارِ اعلیٰ کی حکمران ہیئت کیلئے۔شرائط دینی سے سوا۔ایک مدبر۔سیاستدان۔حکمران ذہن کا ہونا اہم تھا۔اسی نظریہ کے تحت آپؓ نے اپنے بیٹے یزید کو اس امر کا اہل سمجھا کہ اسکی خلافت و اطاعت میں ۔جبکہ ابھی خلافتِ اسلامی میں کثرت سے اکابرینِ امت صاحبِ فضل و علم موجود ہیں ۔اسلام کی ساخت محفوظ

رہ سکتی ہے ـــــ اور اسی انتخابِ خلیفہ میں ۔ جبکہ حضرت امام حسین علیہ السلام جیسی شخصیت پر امت مسلمہ کا اتفاق ہونا آسان تھا۔ کہ آپ مقامِ خلافت پر فائز ہوں۔ اس صورت میں یہ تصادم ضروری تھا۔ کہ منافقین یہ آواز اٹھائیں ۔ کہ ایسے موقع پر امام حسین علیہ السلام شرائط دینی کے تحت مقامِ خلافت پر فائز ہوں از روئے شریعت جائز و واجب ہے۔ جبکہ دینی اعتبار سے یزید کا وہ مقام نہیں۔ جہاں اسے خلیفہ کیلئے ۔منتخب کیا جائے ۔ سوائے اسکے کہ حضرت امیر معاویہؓ کا انتخاب (ایک خلیفہ ہی خلیفہ کا تقرر کر سکتا ہے ) جائز ہوسکتا ہے۔ لیکن ایسے موقع پر امت میں پھر فساد و فتنہ اور آپس میں جنگ واقع ہونا ضروری ہوسکتا تھا۔ اس بناءَ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں یزید کی خلافت کیلئے حالات ساز گار بنانے کی کوشش کی کہ اگر بحیثیت مجموعی امتِ مسلمہ (حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے ) یزید کی خلافت کو تسلیم کریں تو منافقین کیلئے فتنہ اور سازش کا موقع نہ مل سکیگا ـــ سوائے اسکے کہ وہ لوگ حضرت امام حسینؑ کی ذات کی آڑلیکر فتنہ پیدا کریں۔ جیسا کہ پہلے حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان جنگ ہوئی۔ یہ ایک اہم خطرہ تھا جسکا پیدا ہونا ضروری تھا۔ اسلئے یہ کوشش کی گئی ۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام یزید کی بیعت کریں [1]۔ جیسے اس سے قبل حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت امام حسنؑ سے مذاکرات کر کے حضرت امام حسنؑ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کا مظاہرہ کیا۔ یہ امر صرف اس خیال سے تھا۔ کہ مخالفین اسلام۔ منافقین یہود کو اسلامی ضابطوں کی آڑلیکر سازش یا فتنہ کرنے کا موقع نہ ملے۔ جب حضرت امام حسنؑ نے ایک

---

[1] یہ بیعت اطاعت و خلافت کیلئے نہ تھی ۔ بلکہ محض اظہار کیلئے تھی ۔ کہ اس بیعت سے منافقین دشمنان اسلام کو ایسے واقعہ (بیعتِ خلافت ) سے فتنہ اٹھانے کا موقع فراہم نہ ہو سکے۔ یعنی امتِ مسلمہ میں یہ تاثر پیدا ہو کہ۔ حضرت امام حسینؑ کی یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنا ـــ انتخابِ خلیفہ میں ۔ ایک معزز ہستی کا بیعت ہونا ـــ خلیفہ کے انتخاب کی حمایت کے مترادف ہے ۔ لہٰذا ایسی صورت میں ۔ کسی اعتراض یا اختلاف کو سامنے لایا نہیں جا سکتا۔ اسی خیال کے مدنظر حضرت امیر معاویہؓ نے محض اپنے نظریہ کی کامیابی کی خاطر یہ طریق اختیار کیا تھا اس حال میں کہ وہ کسی خودغرضی کی وجہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے بجائے یزید کو خلیفہ منتخب کرتے ۔

اجتہادی ضابطہ کے تحت حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت کی تو منافقین کو سازش ۱ کا موقع نہ مل سکا۔ اسی نظریہ پر حضرت امام حسینؓ نے بھی حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت کی۔ تاکہ کسی کو فتنہ پیدا کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ کہ دونوں حضراتِ امام حسن و امام حسین علیہما السلام شرائط دینی کے تحت یہ سمجھتے تھے۔ کہ خلافت میں۔ انتخاب کیلئے شرائطِ دینی پر عمل لازمی ہے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے نسبی ــــ نسلی ــــ نسبت کا ہونا۔ حصولِ خلافت۔ یا انتخاب خلافت میں شرط نہیں۔ ایسی صورت میں اگرچہ امام حسین علیہ السلام کیلئے بھی۔ حصولِ خلافت میں۔ شرائطِ دینی کے تحت۔ انتخاب ہونا۔ درست ثابت تھا۔ لیکن حصولِ خلافت میں۔ کسی بھی تعلق۔ یا نسبت سے۔ اپنی ذات سے حصولِ خلافت میں جدوجہد۔ یا دعویٰ خلاف شریعت اقدام قرار دیا جاتا ہے لہٰذا ایسے اقدام کیلئے امام حسین علیہ السلام۔ حصولِ خلافت میں کوئی اقدام کرنے کے مجاز تصور نہ کئے جاتے تھے۔ نہ اصولِ شریعت کے تحت حضرت امام حسینؓ کے ذہن میں۔ حصول خلافت کیلئے کوئی اقدام کرنے کا تصور تھا۔ ایسی صورت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بحیثیت خلیفہ ایک خلیفہ کا انتخاب درست تسلیم کرنا اصولِ شرائطِ خلافت کے تحت جائز تصور کیا جاتا ہے ایسے موقع پر محققین کے غلط مفروضات پر تاریخ کو تدوین کرنا قابلِ افسوس ہے۔ جس وجہ سے اسلام۔ الدین الاسلام کی پاکیزہ ساخت کو کریہہ صورت میں پیش کیا گیا ــــ کہ حضرت امیر معاویہؓ ایک جابر حکمران تھے۔ جو خلاف شرع اقدام کو کسی صورت میں۔ برداشت نہیں کرسکتے۔ ایک صاحب علم۔ صاحبِ عمل متقی۔ خوفِ قیامت سے لرزاں اور اپنی خلیفانہ حیثیت کا احساس کرنے والے۔ کیا اپنے اہلِ خانہ۔ اور بیٹے (یزید) کی مومنانہ اصلاح میں معذور تھے؟۔ کہ آپ کی خلافت میں۔ یزید کو شراب میسر ہوسکتی۔ یا وہ ایسی مجلسوں کے عادی ہوتا۔ جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں علے الاعلان جاری ہوتیں۔ اور یزید ایسی مجلسوں میں

---

۱ اسی فتنہ کی طرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کا اشارہ ہے کہ اگر امام حسن علیہ السلام شرائط دینی کے ضابطہ پر خلافت پر فائز ہوتے تو منافقین اس واقعہ سے امیر معاویہؓ اور امام حسنؓ کے درمیان فساد پیدا کر کے امت مسلمہ کو شدید نقصان سے دوچار ہونا پڑتا۔

شامل ہوتا۔ کیا اتنی عظیم الشان خلافت میں۔ جہاں الدین الاسلام کی اشاعت ایک مبشرِ رسول۔ کاتب وحی۔ مومن کی خلافت میں۔ یزید کو اتنی لغو۔ فاسقانہ کردار کیلئے کھلی اجازت ہو۔ خلافتِ اسلامی کی صفت میں اتنی وسعت وعظمت کی حامل ہوسکتی ہے؟ ــــ نہیں یہ سب محققین اسلام و مورخین کی کوتاہ فہمی اور تحقیق کی عدم صلاحیت کی دلیل ہے۔ کہ ایک مومن اور عظیم الشان خلیفہ کی تربیت میں پرورش پانے والا بیٹا فاسق وفاجر پیدا ہو ـــ اور ضابطۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے والا۔ متقی خلیفۃ المومنین۔ اپنے فاسق وفاجر بیٹے کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں فوقیت دیکر محض حصولِ اقتدار کی ہوس میں اقتدارِ اسلامی کی خلافت پر فائز کرے ـــ جبکہ ایسے موقع پر۔ عہدۂ خلافت میں۔ نہ حصولِ اقتدارِ حکمرانی۔ نہ طلبِ زرومال۔ نہ دنیوی امارت وجاہ۔ عیش کا کوئی تصور۔ یا طلبِ دنیا کا جذبہ پایا جاتا تھا ـــ سوائے اسکے۔ کہ انتخاب کی کوئی صورت ہو۔ اس میں۔ استحکام و وسعت اقتدارِ اعلیٰ ـــ اقتدارِ اسلامی ـــ خلافتِ اسلامی ـــ اور بالخصوص۔ الدین الاسلام کے تصور پر اجرائے قرآن وسنت کا خالص تصور پایا جاتا تھا۔ کہ ایسے عہدہ کے حصول میں کسی نفع کی خاطر جدوجہد کی جاتی۔

اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق گزشتہ بیان کی گئی۔ بشارتوں کو دہرایا جاتا ہے۔ کہ آیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حصولِ خلافت میں اقدام سنت کے مطابق تھے۔ یا خلافِ شریعت۔ اس سلسلہ میں گزشتہ صفحہ ۶۴ پر بیان کی گئی حدیث نقل کی جاتی ہے۔

وَعَنْ عرباضِ بن سارية قال قال رسول اللّٰهِ صلے اللّٰه عليه وسلم۔ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مَعَاوِيَةَ الْكِتٰبَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَاب ۔حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اے اللہ معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذاب سے بچا۔

دوسری حدیث مسلم بن مخلد سے روایت کی گئی ہے۔

عَنْ مُسْلِمْ بن مُخَلَّدْ اَنَ النَّبِیُّ صلے اللّٰه عليه وسلم قَالَ لِمَعَاوِيَةَ اَللّٰهُمَّ

عَلِّمْهُ الْکِتٰبَ وَالْحِسَابَ وَمَکِّنْ لَہٗ فِی الْبِلَادِ (وفی روایتہ و ایضًا) وَقِعَ سُوْء الْعَذاب ۔ مسلم بن مخلد سے روایت ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اللہ۔ معاویہ کو علم عطا کر اور حساب کا علم عطا کر اور اسے حکومت دے۔ اور عذاب سے بچا۔

اس کے ساتھ ہی بشارتِ رسول اللہؐ کے نتیجہ میں آپ کو خلافتِ اسلامی کی خلافت عطا ہوئی۔ اور مَکِّنْ لَہٗ فِی الْبِلَادِ ۱؎ آپ نے انیس سال خلافت کی اور الدین الاسلام کے اقتدارِ اعلےٰ کو زمین کی وسعتوں میں پھیلایا۔ اور یہی خلافت آپؓ نے اپنے بیٹے یزید کے حوالے کر دی۔ کہ انہوں نے آئندہ اس وسیع خلافتِ اسلامی کی وسعت و استحکام و سالمیت کیلئے یزید کو موزوں ۲؎ سمجھا۔ اس سلسلہ میں آپؓ کے انتخاب میں آپ کے مقصد و نظریہ سے متعلق آپ کی ایک دعا کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے درمیان تعلقات کے متعلق تاریخ الخلفا میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک دعا کا حوالہ دیا ہے۔ یہ سند عطیہ بن قیس سے مروی ہے۔

اَللّٰھُمّ ان کنت اِنّمَا عھدت لِیَزِیْدُ لَمّا رَأیت مِنْ فَضْلِہٖ فُبْلِغْہُ مَا اَصَلْتَ وَاَعِنْہُ وَاِنْ کُنْتَ اِنّمَا حَمَلَتِیْ حُبُّ الْوَالِدِ لِوَلَدِہٖ وَاَنَّہٗ لَیْسَ لِمَا صَنَعْتَ بِہٖ اَھْلًا فَاَقْبِضْتُہٗ قَبْلَ اَنْ

---

۱؎ فی الحقیقت یہ دعا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی (النبی کی پیشگوئی) سے تعلق رکھتی ہے۔ کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خلیفۃ المومنین کی حیثیت میں مشاہدہ (مستقبل) کیا۔

۲؎ اس دعا کا مفہوم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ملتا ہے۔

ایک صحابی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے قریب آپ سے شکایت کی۔ کہ ”آپ خدا کے آگے کیا جواب دینگے“۔ کہ آپؓ نے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے) کس شخص کو اپنی جگہ متعین فرمایا ___ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا اگر اللہ مجھ سے ایسا سوال کرے۔ تو میں جواب دونگا کہ میں نے اپنی جگہ (خلافت کیلئے) امت میں سب سے بہتر شخص کو منتخب کیا۔

یَبْلُغ ــــ اے اللہ اگر میں نے یزید کو حکومت کا اہل سمجھ کر ولی عہد (خلیفہ) بنایا۔ تو میں نے جو امید یں اس سے وابستہ کی ہیں ــــ پوری فرمانا ــــ اور اگر محض محبت پدری (کنبہ پروری کے جذبہ کے تحت) کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ تو اسے وقت آنے سے پہلے موت دید ینا۔

اس کے ساتھ ہی۔ انتخابِ یزید پر دشمنانِ اسلام۔ منافقین کی طرف سے یزید کے کردار کو گھناؤنا بنانے کی کوشش میں۔ یزید کے کردار کو اتنا گھناؤنا بنایا گیا۔ کہ زمانہ میں یزید کے ساتھ۔ ''حضرت'' ــــ یا ''رضی اللہ عنہ'' شامل کرنا۔ خود اہل اسلام کے نزدیک ''کفر'' تصور کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں یزید کے کردار پر حضرت محمد بن حنیفہ کا ایک بیان حقیقت حال واضح کرتا ہے۔

**فقالَ اِبْن مَطِیع ''۔ اَنْ یزید یَشْرِبُ الْخُمْرَ وَیُتْرکُ الصّلٰوۃ وَ یَتَعَدّی حُکم الْکِتٰب فقال لهم (محمد بن حنیفه [1]) مارَأیْتَ مِنْهُ ما تذکرونَهُ وَ قَدْ حَضَرْتَهُ وَاَتمتَ عِنْدَهُ فَرَأیْتَهُ مَوَاظِباً عَلَے الصَّلٰوۃ مُتَحَدّابالْخَیْرِ یُسَالُ عَنِ الْفِقَةِ مُلَازِمًا لِســـنّة** ۔ عبداللہ بن مطیع (رئیس المنافقین) نے کہا کہ یزید شراب پیتا ہے ــــ نماز نہیں پڑھتا ــــ کتاب اللہ کے حکم میں تعدی کرتا ہے۔ محمد بن حنیفہ (بن علی ابن ابی طالب) نے کہا۔ میں شام میں یزید کے ہاں رہا ہوں میں نے اس میں سے کوئی امر نہیں دیکھا جسکا تم ذکر کرتے ہو ــــ میں نے اسے دیکھا کہ نماز کا پابند ہے ــــ ہر نیکی جمع کرنے والا ہے ــــ فقہی مسائل پوچھا کرتا ہے۔ سنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو لازم پکڑا ہے۔

یہ مکالمہ ابنِ کثیر نے البدایہ والنہایہ ۸:۲۳۳ پر درج کیا ہے۔

اسکے بعد حضرت امیر معاویہؓ کا اپنی زندگی میں یزید کو اپنا جانشین (خلیفہ) مقرر کرنا۔ گزشتہ بیان کئے گے شرائطِ دینی ــــ اور شرائطِ خلافت کی روشنی میں ان واقعات کا تجزیہ کیا جانا لازمی ہے۔

(۱) سب سے پہلے۔ مقصدِ خلافت۔ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام (**فَـاِمَّـا یَـاْتِیَـنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی**) کا

---

[1] یہ ابن مطیع رئیس المنافقین نے۔ محض یزید کی خلافت کے لائق نہ ہونے میں الزام لگایا۔

بنیادی ۱؎ مقصد زیرِ نظر رکھنا ہے۔ کہ بنیادی طور۔ الـدیـن الاسـلام ــــ اور خلافت اسلامی کا کیا مقصد ہے۔

(۲) اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے۔ ایک نبی۔ ایک رسول کو۔ منتخب۔ مبعوث کیا جاتا ہے کہ رسول احکام الٰہی مخلوق انسانی تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ اس حال میں کہ ہر فردِ بشر ان احکام پر عمل کر کے نجاتِ آخرت حاصل کرے۔

(۳) رسول کے بعد۔ رسول کا جانشین۔ (بحثیت خـلـیـفـتـہ الرّسول) احکامِ الٰہی و احکام رسول

---

۱؎ قرآنِ کریم کی روشنی میں۔ جیسا قرآنی نزول کا اپنا انداز ہے۔ یہ واضح ہے کہ قرآن نے اپنے ابتدائی بیان میں واضح کر دیا۔ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے وعدہ کیا ــــ اس وقت جب مخلوقِ انسانی اپنے بنیادی مقصد معرفتِ الٰہی ــــ تسبیح وحمد۔ عبادات سے انحراف کرے۔ تو حسبِ وعدہ اللہ تعالیٰ نے۔ مخلوقِ انسانی کی راہنمائی۔ ہدایت۔ صراط مستقیم پر چلنے کیلئے۔ خود ایک کتاب (قرآن) ایک منتخب رسول کے ذریعہ نازل کی۔ جس میں بنیادی مقصد۔ مقصد واحد ''عبادت'' ہے۔ لہٰذا۔ نوعِ عبادات واحکام ــــ اور ایک رسول راہنمائی کے لئے بھیجا گیا ــــ انسان کی ہدایت کیلئے۔ ایک ''کتاب'' ــــ اور ہدایت و راہنمائی۔ اور اطاعت کیلئے اللہ تعالیٰ خود۔ ایک رسول منتخب کرتا رہا۔

یہ دو بنیادی کیفیتیں ہیں جن پر مقصدِ انسانی تعمیر ہوا ــــ ہاں ان دو کیفیتوں میں خود اللہ تعالیٰ نے انتخاب کیا ــــ یہی دو کیفیتیں انسانی مقصد و عمل کا تعین کرتی ہیں۔

(۱) ابتدائی مقصد تخلیق انسانی ــــ عبادت (تصور حقیقی)

(۲) عبادت کا تعین ــــ قرآنی احکام کے مطابق۔

(i) نماز ــــ (ii) روزہ ــــ (iii) زکوٰۃ ــــ (iv) الحج ــــ (v) تسلیم واطاعتِ اللہ ــــ (vi) تسلیم روزِ جزا۔ قیامت۔

قرآن نے انہیں اعمال کو اِنَّ الـدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ تعبیر دیا ــــ اور اسی عمل کو مخلوقِ انسانی کیلئے لازم کیا گیا ــــ اس عمل کے اختیار کرنے میں۔ اول ایک امر کا تعین ــــ دوسرے۔ ایک عمل کے استعمال میں ایک رسول اللہ کی طرف سے منتخب کیا گیا ہے۔

مخلوقِ انسانی تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔اس حال میں کہ وہ اپنے ذاتی نفع۔مال۔عزت وشہرت و اعلیٰ مقام کی طلب کیلئے کوئی خواہش دل میں نہ لائے۔بلکہ احکام الٰہی کی اشاعتِ الدین کے لئے۔ ہرسطح پر پورا کرنے میں۔اپنی ذمہ داری کو سمجھنے میں کسی مزاحمت کو درمیان میں آنے نہ دے۔یہاں تک کہ اس مزاحمت کے نتیجہ میں۔اپنی جان اپنا مال اپنی ہر شے قربان کرنا ایک خلیفہ کیلئے فرض ہے۔

اس مقام پر الدین الاسلام میں۔مقام خلافت پر فائز ہونے کیلئے۔ایک خلیفہ کے انتخاب میں چند اہم ضروری شرائط۔از روئے قرآن وسنت وضع کی گئی ہیں۔

(۱) اول یہ کہ خلافتِ اسلامی کیلئے۔رسول خود ایک خلیفہ کا تعین (انتخاب) کرتا ہے۔

(۲) دوسرے۔ایک خلیفہ کی وفات پر۔(وفات سے قبل اپنی زندگی میں) خلیفہ خود۔ایک جانشین خلیفہ کا انتخاب کرنے کا مجاز ہے۔امتِ مسلمہ میں کسی فرد کو اس انتخاب میں شامل نہیں کیا جاتا۔

(۳) خلیفہ کی عدم موجودگی میں ___ خلیفہ کی خود منتخب کردہ مجلس مشاورت۔خود ایک خلیفہ منتخب کرنے کی مجاز ہے۔بغیر مجلس مشاورت (یا خلیفہ) کے کسی فرد کو خلیفہ کے انتخاب کا حق نہیں دیا جاتا ___

(۴) ان دو صورتوں میں ___ جب خلیفہ کو اپنی زندگی میں خلیفہ نامزد کرنے کا موقع نہ ملا۔اور اسکے بعد مجلس شوریٰ کا وجود بھی ممکن نہ ہو۔تو اسکے لئے امت مسلمہ میں۔بہمہ صفات شرائط دینی ___ کہ ایک فردِ امت بدرجہ اولیٰ صاحبِ علم ہو۔بدرجہ اولیٰ متقی صاحبِ عمل ہو ___ بدرجہ اولیٰ صاحب شاہدِ اسرار باطنی ہو۔بدرجہ اولیٰ صاحبِ فہم وتدبر ہو ___ امتِ مسلمہ۔امت میں ایسے افراد کی ''نشاندہی'' کر کے مجلس شوریٰ تشکیل دی جائے۔یہی مجلس شوریٰ آئندہ ایک خلیفہ منتخب کرنے کی مجاز ہوگی۔

(۵) اگر حادثاتی طور امتِ مسلمہ میں کسی قوت کا وجود موجود نہ ہو۔تو از روئے شریعت۔کوئی فردِ امت ان صفاتِ خلافت سے متصف ہو۔اس حال میں۔کہ خلافتِ اسلامی میں فوری طور ایک خلیفہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے ___ تو ایک فرد۔اپنی ذات پر بھروسہ ویقین رکھتے ہوئے بغیر کسی کے انتخاب کے خود زمامِ خلافت سنبھال کر احکام نافذ کرے۔تو امت مسلمہ کیلئے ایسے فرد کو خلیفہ تسلیم کر کے اسکے احکام کی اطاعت کرنا لازم ہے۔اس بنا پر۔کہ شریعت کی رو سے جو شخص بھی دائرۂ اسلام میں داخل

ہوا۔خواہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ۔اسکے لئے اجرائے عملِ رسالت میں۔اشاعتِ الدین (قرآن وحدیث) کی ترویج کرنا ایک فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے۔اسلئے امت مسلمہ میں خلافت اسلامی کو ایک لمحہ کیلئے بھی۔خلیفہ کے وجود سے خالی نہیں ہونا چاہیے۔اس صورت میں ہر فردِ امتِ مسلمہ اشاعتِ دین و اجرائے قرآن وسنت (عملِ رسالت) کا ذمہ دار ہے۔کہ وہ الدین الاسلام یا اقتدارِ اعلیٰ کا عمل قائم کرے ورنہ کوتاہی یا تغافل میں۔اللہ ورسول کے محاسبہ پر لائقِ سزا ہوگا ــــ سوائے اسکے کہ تنزل کی حالت میں اگر اقتدار اعلیٰ حاصل نہ ہو۔پھر بھی اپنی ذات سے اجرائے دین کیلئے ایک مومن مسلمان کا جدوجہد کرنا ضروری ہے تاوقتیکہ امتِ مسلمہ کو وحدت دینی حاصل ہو۔کفار سے جہاد کریں۔

جانو! انہیں شرعی۔فطری اصولوں پر الدین الاسلام۔خلافتِ اسلامی کا بنیادی وجود قائم ہوتا ہے۔اور انہیں شرائطِ دینی ـــــ شرائطِ خلافت پر ایک خلافتِ اسلامی کی ہیئتِ مسلمہ کا انحصار ہے۔کہ وہ عملِ رسالت میں مخلوقِ انسانی تک ''ھدایت'' پہنچانے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ لہٰذا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے لیکر۔زوال خلافتِ اسلامی میں انہیں ضوابط پر ایک خلیفہ کا انتخاب ہوتا رہا۔

انہیں ضوابط پر اب حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کے بعد ایک خلیفہ کے انتخاب کا ضابطہ پیش کیا جاتا ہے۔یہ امر محقق ہے۔کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انیس سال بغیر کسی جبر و کراہت یا اختلاف کے خلافت کا عمل پورا کیا۔جس میں جملہ اصحاب اور بقیہ امتِ مسلمہ نے آپ کی خلافت کو حق بجانب تسلیم کیا ــــ لہٰذا آپؓ کی وفات کے بعد (جیسے کہ شرائط دینی کا اصول ہے) ایک خلیفہ ہی اپنا جانشین منتخب کرسکتا ہے۔اسلئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ہی انہیں ضوابط پر یزید کو خلیفہ مقرر کرنے کا فیصلہ کرلیا۔اس حیثیت میں کہ یزید کے متعلق ایسے گھناؤنے الزامات ثابت نہ ہوں ــــ اصولی طور یہ انتخاب اصلِ اصول۔شرائط دینی ــــ شرائط خلافت کے مطابق جائز تھا۔جبکہ آپ کی خلافت میں پرورش پانے والا آپکا بیٹا (یزید) خلافتِ اسلامی کی عظیم سلطنت کی حفاظت وتحفظ دینے کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اہل سمجھا جاتا تھا۔اس

حال میں جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک خلیفہ ــــ خلیفة المومنین کی حیثیت سے۔ امر بالمعروف ونھی عن المنکر کے حکم پر حکم الٰہی۔اور سنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات کے لئے شدت سے عمل کیا۔ایسی صورت میں کیا ایسے مومن صاحب عمل خلیفہ المومنین اپنے بیٹے کو انیس سالہ اطاعتِ دین سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں فسق وفجور میں آزاد چھوڑتے ۔ایسے مبشرِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے فاسق وفاجر (نعوذ باللہ) بیٹے کو فوقیت دیکر جس الدین الاسلام کیلئے۔آپؓ نے حضرت امام حسنؑ سے خلافت حاصل کی اسلئے کہ الدین الاسلام اپنی دینی حیثیت میں ہمیشہ قائم رہے۔وہی خلافت اسلامی اپنے فاسق وفاجر بیٹے کو دیکر خود اسکی تباہی کا سبب بنے! فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ۔

منافقین اور خود محققین اسلام نے محض حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کے درمیان واقعہ کربلا کے مظالم کو یزید کے سر تھوپنے کی کوشش میں۔ یزید کے کردار کو گھناؤنا پیش کر کے اسکی شخصیت کو لائقِ خلافت قرار نہ دیا ــ جبکہ وقت اور زمانہ کے تجزیہ کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے میں ایسی برائیاں موجود نہیں ہو سکتیں۔جس میں یزید دین وشریعت کی اطاعت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پرورش میں اس قدر گھناؤنے افعال اور جرائم کا سزاوار ہو۔یہ امر واضح ہے۔کہ یزید کے کردار کو گھناؤنی صورت میں پیش کرنا صرف منافقین یہود اور کوفی لوگوں کی سازش تھی ــــ سوائے اسکے کہ خود محققین اسلام نے۔یہودی کردار کشی کی تائید میں خود یزید کے خلاف گھناؤنے الزامات کو تقویت دی۔

اور جہاں تک شرائطِ دینی کے مطابق ایک خلیفہ کے ذریعہ خلیفہ کے انتخاب کا تعلق ہے۔ یزید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں اس قابل تھا۔کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وسیع سلطنت کو تحفظ ودوام دے سکے۔اس بناء پر حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کو خلافت کیلئے نامزد کر دیا۔اور جہاں تک حضرت امام حسین علیہ السلام کے خلیفہ منتخب ہونے کا تعلق ہے۔حضرت امیر معاویہؓ کے یزید کو خلیفہ منتخب کرنے کے بعد اصول اور شرائطِ دینی کے تحت۔حضرت امام حسین علیہ

السلام کیلئے۔ خلیفہ منتخب ہونے کا موقع باقی نہ تھا۔ اور یہ ایک اہم تصور ہے۔ کہ اصولِ انتخاب خلافت کی رو سے حضرت امام حسین علیہ السلام کیلئے۔ آلِ رسول ۔ یا نسبی ۔ یا نسلی نسبت سے خلیفہ کیلئے انتخاب ہونا۔ خود امام حسین علیہ السلام کی دانست میں نہ تھا۔ کہ وہ خلافت کے حصول کیلئے۔ کسی قسم کا اقدام کرتے۔ بلکہ اصولی طور جیسا آپ انیس سالہ دور میں حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت واطاعت میں رہے۔ ویسے ہی یزید کی بیعت میں رہتے جیسے کہ دونوں حضرات (امام حسین علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام) نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت بہ خوشی قبول کی۔ اسلئے کہ یہ حقیقت نہیں کہ یزید جتنا منافقین نے اسکے خلاف بدکردار ہونے کا چرچا کیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت وتربیت میں اتنا بدکردار ہوسکتا۔ اسلئے یہ باور کیا جاسکتا ہے۔ کہ ایسے صاحبِ علم وحکمت مبشرِ رسولؐ کا اپنے بیٹے کے حق میں۔ جو کسی انتقامی جذبہ کے تحت واقع نہیں۔ خلافت۔ خلیفہ کا انتخاب کیا۔ اسکے مقابل حضرت امام حسین علیہ السلام کی دانست میں یہ حقیقت واضح تھی ـــــ کہ شرائط خلافت کے سوا۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی کسی نسبت کی بناء پر خلیفہ کا انتخاب (جائز) نہ ہوا۔ تو ایسے حالات میں آپ کے ذہن میں یہ بات کیسے آسکتی۔ کہ آپؑ کسی نسبتِ نسبی کے تحت خلافت کے حقدار ہوسکتے ہیں۔ نہ ہی آپؑ کیلئے ایسا کوئی مقام تھا۔ کہ آپ کسی سبب کی بناء پر حصولِ خلافت کی جستجو میں۔ یزید کے خلاف نبرد آزما ہونے کا خیال کریں ـــــ اور نہ ہی ایسا کوئی موقع تھا۔ کہ آپ حضرت امیر معاویہؓ کے انتخاب کے خلاف اعتراض کر کے یزید کو تختِ خلافت سے اتار کر خود خلافت حاصل کرنے کا خیال کریں۔ اس بناء پر کہ حضرت امام حسین علیہ السلام انیس سال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت میں رہے۔ اس زمانہ میں آپؑ نے کسی موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کسی اقدام پر اظہار ناراضگی یا اختلاف احتجاج نہیں کیا۔ جب تک کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ تاریخ سے یہ ثابت نہیں۔ کہ جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں یزید کی خلافت کیلئے کوشش کی۔ ایسے وقت میں حضرت امام حسینؑ کی طرف سے ایسا کوئی اقدام نہیں۔ کہ آپؑ نے حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف جہاد۔ یا علمِ

بغاوت بلند کیا ہو۔ ہاں۔ایسے موقع پر ایسے سوالات کا جواب منافقین یا اسلام سے دوستی نہ رکھنے والے من گھڑت جواب سے ایک حقیقت کو مسخ کرنے کی کوشش میں جواب بنا کر دیتے ہیں۔لہٰذا ایسے حالات میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا معاملاتِ خلافت میں مداخلت کا کوئی موقع نہ تھا۔ کہ آپ خلافت کے معاملہ میں یزید کے خلاف۔مجادلہ یا جنگ پر آمادہ ہوں ـــــ سوائے اسکے کہ شرائطِ دینی کے ضابطہ کے تحت ـــــ کہ ''امتِ مسلمہ کا ہر فردِ امت اس بات کا ذمہ دار ہے۔ کہ وہ اجرائے قرآن وسنت میں۔مخلوقِ انسانی کے ہر فرد تک قرآن وحدیث کا علم وعمل پہنچا کر ہدایتِ انسانی کی ذمہ داری پوری کرے۔ ورنہ تغافل کی صورت میں ہر فرد مواخذہ کا سزاوار ہوگا'' یہ ایک اصولِ دینی ـــ کا احساس تھا۔

اسی ایک نکتہ کو منافقین یہود اور کوفیوں نے۔سامنے رکھکر حضرت امام حسین علیہ السلام کو۔یزید کے متعلق غلط بے بنیاد الزامات عائد کر کے۔یزید کو خلافت کا اہل ـــــ حقدار نہ ہونے کے من گھڑت واقعات پیش کر کے اس ضابطہ شرائط خلافت کا حوالہ دیکر۔'' کہ اگر آپ نے خلافتِ اسلامی ـــــ الدین الاسلام کی حفاظت میں اقدام نہ کیا۔تو قیامت کے دن آپ لائقِ مواخذہ ہونگے''۔ یہی ضابطہ شرائط دینی اس امر کا مقتضی تھا۔کہ حضرت امام حسینؑ کوفہ جا کر کوفیوں کے خطوط کی تصدیق کے ساتھ یزید کے کردار کا جائزہ لیکر یہ فیصلہ کریں کہ آیا۔آپؑ کی مداخلت اصول شریعت ـــــ شرائطِ دینی کے مطابق واجب ہے؟ تاوقتیکہ اس شرائط دینی کا آپؑ پر اطلاق نہ ہو۔آپ امور خلافت میں مداخلت اور یزید کی خلافت جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ نہ کریں۔آپ یزید کے خلاف کسی قسم کی کاروائی کے مجاز تصور نہیں کئے جاتے ـــ لہٰذا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ نورِ عین سے ایسے اقدامات کی توقع کرنا۔جو شرائط دینی ـــــ شرائطِ خلافت کے منافی ہوں۔ایک من گھڑت تاریخ ہے۔جس میں ایک طرف یزید کے کردار کو گھناؤنا بنا کر۔حضرت امیر معاویہؓ کی مومنانہ شان کو مسخ کرنے کی کوشش کر کے ایک جابر حکمران کے تصور میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔اور واقعہ کربلا میں غلط بے بنیاد۔سطحی افسانے تراش کر سطوتِ اسلامی کو کریہہ ہئیت میں پیش کیا گیا۔جبکہ حضرت

امام حسین علیہ السلام کیلئے۔کوئی ایسا موقع نہ آیا۔۔ کہ انہیں یزید کی بیعت کیلئے (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) مجبور کرتے۔سوائے اسکے کہ حضرت امیر معاویہؓ کا۔حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں۔محض اس خیال کے مدِّ نظر کہ اس وقت۔خلافتِ اسلامی میں یہود منافقین قوتِ اسلامی کو پارہ پارہ کرنے میں ایسی باتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں ضروری تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خلافت پر ـــــ جبکہ یزید کو سلطنتِ اسلامی کیلئے موزوں سمجھا جاتا ہے۔حضرت امام حسین علیہ السلام کی خلافت پر بھی کوئی بہانہ (جیسا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جھوٹے۔بے بنیاد اعتراض پیدا کر کے آپ کو شہید کر دیا گیا۔) بنا کر۔اسی طرح خلافتِ حضرت امام حسین میں بغاوت پیدا کر کے۔اسلامی قوت (اقتدار اعلیٰ) کو نقصان پہنچاتے ـــــ دوسری صورت میں بھی لازمی تھا۔کہ حضرت امام حسینؓ (جو شرائطِ دینی کے تحت) لائقِ خلافت تھے۔یہود اسی بہانہ پر یزید کی خلافت کے خلاف فتنہ پیدا کرتے کہ حضرت امام حسینؓ کے مقابلہ میں۔خلافِ شریعت یزید کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔ ضرور فتنہ پیدا کرتے۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ مصلحت تھی۔کہ بہر حال ـــــ بقاؤ۔استحکام اور تحفظِ اسلام کی خاطر یزید کو خلافت دی جائے۔لہٰذا ضروری تھا۔کہ منافقین کو ایسے موقع پر فتنہ اٹھانے کا موقع نہ ملے۔جبکہ حضرت امام حسینؓ (مثل خلافت حضرت امیر معاویہؓ) یزید کی بیعت کا اعلان فرماتے۔کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے خود یزید کی بیعت کی۔تو یہود کو ایسے موقع پر فتنہ کرنے کی آڑ نہ ملتی۔اسلئے اپنے تدبر سے یہ کوشش کی کہ آپ کی موجودگی میں حضرت امام حسین علیہ السلام ـــ یزید کی بیعت پر آمادہ ہوں۔لیکن اصولِ شریعت کے مطابق۔جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شرائطِ دینی کے مطابق (حضرت امام حسن علیہ السلام کی خلافت کے موقع پر) خلافت کے حقدار تصور نہ ہوتے تھے سوائے اس اجتہادی نظریہ کے کہ ضرورت کے تحت آپؓ نے ایسا قدم اٹھانا ضروری سمجھا۔اسی طرح یزید کی خلافت کیلئے بھی ایسا موقع آیا۔کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خلافت (خلیفہ) ہونے کے باوجود۔یزید کو خلیفہ منتخب کیا۔یہ امر ضروری تھا۔کہ منافقین یہود ایسا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ضرور کوئی فتنہ پیدا کرتے۔اسلئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ

عنہ نے حفظِ ماتقدم میں محض فتنہ سے بچنے کیلئے حضرت امام حسین علیہ السلام کا بیعت ہونا ضروری سمجھا۔ورنہ حضرت امام حسین علیہ السلام کیلئے۔جبکہ آپؓ شرائطِ دینی کے تحت لائقِ خلافت تھے۔ آپ کیلئے بیعت ہونے کی تدبیر نہ کی جاتی۔یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔صرف محبت پدری۔یا کنبہ پروری۔یا اپنے بیٹے کیلئے۔عیش وعشرت۔شراب نوشی فحاشی کی تکمیل کیلئے تمام خلافتِ اسلامی کو اپنے بیٹے کی بھینٹ چڑھاتے۔جبکہ آپ مبشرِ رسول۔کاتبِ وحی اور گورنر خلافت اسلامی کی حیثیت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت سے لیکر۔عہد صدیقیؓ۔عہد فاروقیؓ۔عہدِ عثمانیؓ تک اعلےٰ اعزاز کے ساتھ اپنے عہدوں پر فائز رہے۔اس حال میں کہ انکے کردار وعمل میں ایک ذرہ بھر خلافِ سنتِ نبویؐ۔و ہمدردئ اسلام کی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی ــــــ حقیقتاً واقعہ کربلا میں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کے درمیان۔کسی قسم کا اختلاف ـــــ مخاصمت۔نسبی عداوت کا کوئی واقعہ موجود نہیں جس بنأ پر واقعہ کربلا کو حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کے درمیان حصولِ خلافت کیلئے جنگ اور شہادت آلِ رسول کا سبب سمجھا جائے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد یزید چار سال عہدۂ خلافت پر فائز رہا۔ اس عرصۂ خلافت میں یزید کی خلافت اسلامی میں اسکی کارکردگی۔کہ خلافتِ اسلامی۔الدین الاسلام کی حیثیت میں یزید کا بحیثیت خلیفہ کیا کردار وعمل واضح ہوتا ہے ـــــ جبکہ یزید کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سلطنتِ اسلامی سپرد کی گئی۔اس عرصہ میں خلافتِ اسلامی کی کیا حیثیت رہی۔تاریخ سے اس امر کا جائزہ لیا جائیگا۔سوائے منافقین اور دشمنانِ اسلام کی سازش کے نتیجہ میں غلط اتہامات سے حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کے درمیان فتنہ واختلافات نمایاں کرنے کیلئے یزید کے خلاف غلط الزامات لگا کر واقعہ ''خلافت'' کو سنگین صورت میں پیش کیا جائے۔قطع نظر اسکے یزید کی خلافت میں۔حضرت امیر معاویہؓ کی بنأ کردہ خلافتِ اسلامی علےٰ حالہ برقرار رہی۔کسی دشمن کو یزید کی حکمت عملی کی وجہ سے خلافت اسلامی پر یلغار کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔بلکہ یزید کی خلافت میں مزید علاقے مفتوح ہوکر خلافت اسلامی میں شامل ہوئے۔اور الدین الاسلام کی ہیئت وحیثیت (باوجود

یزید کے فاسقانہ کردار کے ) علٰے حالہٖ قائم ودائم رہی۔اس حال میں۔کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ساختہ انیس سالہ خلافتِ اسلامی (اقتدار اعلےٰ) میں موجود اصحاب وتابعین۔علمائے اسلام سب شامل تھے۔جنہوں نے خلافتِ اسلامی پر یزید کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافتِ اسلامی کو قائم رکھا۔منشاءِ الٰہی تھا ـــــ کہ یزید تھوڑی مدت خلافت میں زندہ رہا۔اور آئندہ یہی یزیدی خلافتِ اسلامی اپنی پوری شان وعظمت سے خلافت اموی سے موسوم ایک سو سال تک قائم رہی۔البتہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق کہ ہماری امت کو ترکِ دین کا خطرہ نہیں۔خطرہ ہے۔تو اقتدارِ اعلےٰ کی صورت میں کثیر دولت۔اور خلفاؑ وامت کا اس دولت کی طرف رغبت ولگاؤ سے اہل اسلام کی قوت کمزور ہو کر امتِ مسلمہ پستی وانتشار کا شکار ہو کر اپنی ہیئت مسلمہ کو قائم نہ رکھ سکیگی۔یہ صورت الدین الاسلام۔اور خلافتِ اسلامی کے تنزل کی علامت ہوگی۔

خلافت بنی اُمیہ نے الدین الاسلام اور خلافتِ اسلامی کو دنیا پر۔ظاہری۔باطنی۔علمی۔عملی اعتبار سے بامِ عروج پر پہنچایا۔یورپ کی قوتوں کو زیر کر کے عیسائیت کو شدید شکست دیکر انکی قوتوں کو زیر کر دیا۔کہ ان قوتوں کو خلافتِ اسلامی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی۔دنیا کے تمام یونانی۔سامی۔رومی۔علوم کے مقابلہ میں اسلام میں عظیم ہستیاں پیدا ہوئیں جن سے قرآن وحدیث وفقہ اور دیگر علوم قرآنی کا اجرأ ہوا۔کہ مخلوق انسانی کو علم قرآن وحدیث حاصل کرنے میں کسی موقع پر تشنگی باقی نہیں رہی۔خلافتِ اسلامی میں مشہور زمانہ علمائے امت۔محقق۔مفسر۔حکماء۔سائنسدان پیدا ہوئے۔جنکی محنت سے الدین الاسلام ہر زمانہ میں اپنی پوری آب وتاب سے قرآن کے نور کو زمانہ پر پھیلا کر مخلوقِ انسانی کو ھدایت کا علم وعمل پہنچاتے رہے جس میں خلفائے امت نے دل کھول کر خزانے عطا کئے ـــــ

جہاں تک خلفائے بنی امیہ کی خلافت کا تعلق ہے۔یہ وہی خلافتِ اسلامی (اقتدارِ اسلامی) کی ہئیت ہے۔جسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے الدین الاسلام (دین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) اور خلافتِ اسلامی (سلطنتِ اسلامی) کی ہئیت میں مستحکم کیا۔اور یہی خلافتِ

اسلامی ہے۔ جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو منتقل کی۔ اور یہی خلافتِ اسلامی ہے۔ جو بغیر کسی نقص و کمزوری کے سالمیت کے ساتھ خلفائے بنی امیہ کو منتقل ہوتی رہی۔ جس پر خلفائے بنی امیہ انتہائی عظمت کے ساتھ ایک سو سال حکمران رہے۔ جس میں کسی موقع پر۔ اسکی شان و عظمت میں ذرہ بھر فرق نہ پیدا ہوا۔۔ اور جب خلفائے اسلام نے الدین الاسلام کے ضوابط پر عمل ترک کر دیا۔ جس بنا پر امت مسلمہ میں ھدایت ۔ اور ارکان دین کی تعمیل میں کوتاہی۔ اور خلفاء اسلام میں بھی الدین وشریعت کے احکام میں تغافل۔ کوتاہی۔ محض کثیر دولت کی فراوانی کے نتیجہ میں۔ تعیش و بے جا اسراف کا عمل پیدا ہوا۔ تو اسکا نتیجہ۔ حرص و لالچ۔ خود غرضی۔ اور ہوس پرستی کے عمل نے ایک امتِ واحد میں۔ انتشار پیدا کر دیا۔۔ جسکے نتیجہ میں انکی قوت منتشر ہو کر انکی ساخت۔ ہیئت مسلمہ بے جان ہو کر۔ مخالفین اسلام کو خلافتِ اسلامی پر یلغار کا وسیع موقع میسر آ گیا اور اس نتیجہ میں۔ مخالفین اسلام اور خصوصاً اقوام مغرب یورپ کے شہنشاہوں۔ کو خاصا موقع ملا۔ کہ انہوں نے خلافت اسلامی کی منتشر قوت کو مغلوب کر کے تمام خلافتِ اسلامی کو پارہ پارہ کر کے اپنا محکوم بنا لیا۔ اس حال میں۔ کہ زمانہ آیا۔ جہاں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ رسالت۔ الدین الاسلام۔ خلافتِ اسلامی۔ خلافت صدیقی۔ خلافت فاروقی۔ خلافتِ عثمانی۔ خلافتِ حیدری۔ خلافت اموی۔ خلافتِ عباسی۔ خلافت عثمانی کی ان عظیم الشان خلافتوں کا نام و نشان نظر نہیں آتا۔ اور اِن منتشر اسلامی حکومتوں کا وجود برائے نام اسلامی سلطنتوں کی شکل میں زمین (مشرق) میں پھیلی ہوئی مردہ جسموں میں سانس لے رہی ہیں۔ جن میں نہ اقتدارِ اسلامی۔ خلافتِ اسلامی اور الدین الاسلام کی روح باقی ہے۔ نہ یہ منتشر قومیں۔ الدین الاسلام کے مقدس لقب سے اپنی شناخت دینے کے قابل ہیں۔ ہاں۔ خلافت بنی امیہ کے بعد جب خلفائے بنی امیہ میں الدین الاسلام کے ضابطوں پر عمل نہ رہا۔ تو خود ان میں انتشار ہو کر۔ یہی قومِ مسلم ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہو کر اسلامی ہیئت کو کمزور کر کے۔ خلافتِ اسلامی پر یلغار کر کے (اسی ضابطہ اجتہاد کی آڑ میں) ایک قوم پر دوسری قوم نے غلبہ حاصل کر کے نئی خلافتِ اسلامی کی بنا ڈالی۔ انہیں خلافتوں میں۔ جب ایک خلافت کا عمل قرآن وحدیث کے

عین مطابق نہ رہا۔تو دوسری قوم نے برسرِ اقتدار آ کر خلافت اپنے ہاتھ میں لیکر ــــ خود ساختہ خلافتِ اسلامی ہی کا نفاذ کیا۔ یہ عباسی خلافت تھی۔ جس نے خلافتِ اموی کی منتشر قوت کو ختم کر کے الدین الاســـلام اور اقتدارِ اعلیٰ کو بنیادی طور شریعتِ اسلامی کی شکل میں دنیا پر غالب کر دیا ــــ لیکن جہاں ان فتوحات میں دولتِ کثیر خلافتِ اسلامی کو میسر آئی تو خلفاً اور امتِ مسلمہ میں کثیر دولت کے نتیجہ میں۔حرص ولالچ اور خود غرضی کا مادہ ابھر آیا۔ اور یہ خلافت بھی آخر تنزل کا شکار ہو کر اپنی دینی خصوصیت سے محروم ہو کر اپنا اقتدار کھو بیٹھی۔ اسکے بعد خلافتِ عباسی کے زوال کے بعد خلافتِ عثمانی کا دور آیا جو خلافتِ اسلامی کا آخری دور ثابت ہوا۔ کہ اسکے۔ خلافت اسلامی میں۔ نہ خلفاءِ اسلام میں وہ شرائط دینی کا پاس (علم وعمل) رہا نہ امت مسلمہ کو پھر ایسی خلافت۔ امامت کی سربراہی میسر آسکی جس سے خلافتِ اسلامی ــــ الدین الاسلام کا وجود باقی رہتا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔

اس مقام پر خلافتِ بنی امیہ سے لیکر خلافتِ عثمانی (ترکیہ) تک۔شرائط دینی کے مطابق خلفاً کا انتخاب۔اور اجرائے قرآن وسنت (الدین الاسلام) میں خلفاً اور امت مسلمہ کے کردار و عمل کا خاکہ پیش کرنا ضروری ہے۔

خلافتِ حضرت امیر معاویہ میں۔آپؓ نے اگرچہ اجتہادی نظریہ کے تحت خود خلافت کا نظام اپنے ہاتھ میں لیا۔لیکن اس زمانہ میں ابھی الدین الاسلام کا تصور ــــ عمل۔غالب تھا۔ اسلئے امتِ مسلمہ میں علمائے امتِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم۔محققین وامامین کے ذریعہ دینی عمل۔قرآن وسنت پر عمل۔اجرائے قرآن وسنت کا عمل علےٰ حالہ سنتِ رسول اللہ کے مطابق جاری وساری رہا ــــ اور خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں شرائطِ دینی کے مطابق وہ صفات بدرجہٗ اولیٰ موجود تھیں۔ جو شرائط دینی ــــ شرائط خلافت کے مطابق ایک خلیفہ میں ہونی چاہیں تھیں اسکے ساتھ ہی۔آپ کے قرآن وحدیث پر عبور۔اور خود ذاتی عمل میں سنت نبویؐ کے مطابق۔تسبیح وعبادات۔تقویٰ کی خصوصیات کا پایا جانا تاریخ سے بھی ثابت ہے۔ کہ سنتِ نبویؐ کی اطاعت میں کامل اکمل درجہ رکھتے تھے۔اور مخلوق انسانی (امتِ مسلمہ) کی ہدایت کیلئے جستجو اور جدوجہد۔جیسا خلافتِ اسلامی ــــ

الدین الاسلام ـــــ میں قرآن وسنت پر عمل کرنا لازم تھا۔ آپؓ نے اجرائے قرآن وسنت میں اپنا فرض پوری طرح ادا کیا۔ کہ امت مسلمہ کو قرآن وسنت پر عمل کرنے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں شدت کے ساتھ اپنا دُرّہ ۱؎ (قوت) استعمال کیا کہ کوئی فردِ امت شریعت کی اتباع میں غافل نہ رہ سکا ـــــ اور آپؓ کا یہ عمل۔ آپؓ کی وفات تک قائم رہا ـــــ اسی عمل پر آپ کے بعد یزید کی خلافت میں علےٰ حالہٖ ہر فردِ امت کا عمل جاری رہا ـــــ اور یہ عمل خلافتِ نبی امیہ میں۔ خلافت کے عروج سے لیکر زوال تک قائم رہا ـــــ اور اسی طرح قرآن وسنت کا اجرأ وعمل بنی عباس کی خلافت اور بنی عثمان کی خلافت میں زندہ جاوید قائم رہا ـــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لیکر آخری خلافت عثمانی۔ خلافت کی شکل میں خلافت راشدہ ۱۱ھ تا ۴۱ھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت ۴۱ھ تا ۶۰ھ۔ حضرت امیر معاویہؓ کی ساختہ خلافت مروان الحمار تک ۶۰ھ تا ۱۳۲ھ رہی۔ اسکے بعد خلافت عباسی جس کے پہلے خلیفہ عبداللہ بن محمد سفاح ہوئے۔ عباسی خاندان نے ۱۳۲ھ تا ۶۵۶ھ تک خلافت کی۔ اسکے بعد خلافت عباسی مصر ۶۵۹ھ تا ۹۲۳ھ خلافت عثمانی ترکیہ سن ۹۲۳ھ تا ۱۳۴۱ھ اسطرح سن ۱۱ھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لیکر آخری خلیفہ عثمانی (عبدالمجید ثانی) ۱۳۴۱ھ تک خلافت رہی۔

اس مقام پر خلافتِ اسلامی میں ـــــ شرائط دینی۔ میں ترتیب دیئے گئے ضوابط کا خاکہ پیش کرنا ضروری ہے۔ کہ شرائطِ دینی میں کون سی خصوصیات اہم تھیں جن پر عمل کرنا ضروری ہے ـــــ جو قرآن وسنت فقہ۔ کی اہم اجزأ ہیں۔ انکی تفصیل بیان کرنا لازمی ہے۔

خلافتِ اسلامی۔ بنیادی طور۔ بعثتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اجرائے احکامِ الٰہی سے تعبیر ہے۔ جسے الدین الاسلام سے موسوم کیا گیا ـــــ اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے اجرائے احکام الٰہی کو سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے موسوم کیا گیا ـــــ اور آپؐ کی سنت پر عمل کو "فقہ"

---

۱؎ ان منافقین اور دشمنان اسلام کے منہ پر خاک جو اس حال میں آپ کے تربیت یافتہ بیٹے کو زانی۔ فاسق۔ فاجر قرار دیتے ہیں۔

سے موسوم کیا گیا۔ اور فقہ پر عمل کرنے والوں کو اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ا ولی الامر سے موسوم کیا گیا۔لہٰذا الدین الاسلام ۔مرکب ہے۔ عملِ رسالت سے یعنی قرآن ۔حدیث ۔فقہ پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور تابعین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فہم ۔علم و عمل کے مطابق عمل ۔ الدین الاسلام سے تعبیر ہے اسکے ساتھ قرآن وحدیث فقہ پر عمل کے نتیجہ میں ـــــ ''نتیجہ عمل'' ـــــ ایک خاص تصور ۔شریعت اسلامی الدین الاسلام ۔ میں پایا جاتا ہے۔ جو دین اسلام ـــــ شریعتِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کی اصل روح ہے جو قرآن کے بیان کے مطابق انسان کا پیدائشی مقصد اور نصب العین قرار دیا جاتا ہے۔ معرفتِ اسرارِ باطنی معرفتِ ذاتِ الٰہی کے تصور کو۔ الدین الاسلام کی اصل روح قرار دیا گیا۔ بغیر اس عمل کے دین کی تکمیل نامکمل ہوتی ہے۔ (اگر چہ قرآن وحدیث سے اس عمل کا واضح تصور موجود نہیں تاہم اس عمل کا تصور موجود ہے) اس عمل کو عام اصطلاح میں ''طریقت'' سے موسوم کیا گیا۔

خلافتِ اسلامی میں ـــــ شرائطِ دینی کے مطابق ایک خلیفہ کی صفات میں یہ اجزا ہونے لازم ہیں۔

اوّل قرآن وحدیث وفقہ پر بدرجہ اولیٰ عبور۔ اس حال میں کہ ایسے خلیفہ کی راہنمائی میں ایک عالمِ امت کی حیثیت میں۔ ہر فردِ امت کو علمی حیثیت میں خلیفہ ہی سے راہنمائی میسر ہو سکے۔ اسکے علاوہ۔ امتِ مسلمہ میں کثرت سے علمائے امت کا وجود ہونا یقینی ہے۔ کہ امتِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم میں حضورؐ کے عہدِ رسالت سے لیکر قیامت تک الدین الاسلام ـــــ اور علمائے امت کے ذریعہ عملِ رسالت قرآن وحدیث وفقہ کا علم مخلوقِ انسانی تک پہنچایا جائے ـــــ دوسرے علم ظاہری سے علاوہ۔ از روئے قرآن فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا○

اللہ تعالیٰ نے براہ راست حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے ارکان شریعت سے علاوہ ایک خاص عبادت تہجد مقرر کی جس عمل سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا عملِ رسالت ۔ اجرائے قرآن وسنت علمائے

امت کے ذریعہ قیامت تک جاری و باقی رہیگا۔اس عمل سے حضورؐ کی ''حمد'' قیامت تک باقی رہیگی۔ قرآن کا یہ عمل ایک مخصوص عمل ہے۔ جو صرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے خاص کیا گیا۔یہ عمل اجرائے قرآن وسنت سے علاوہ ہے۔لیکن قرآنی حکم میں شامل ہے۔اس عمل کو خاص اہمیت ہے۔قرآن میں اس عمل کو حکم میں شامل کیا گیا ہے۔اور قرآن نے اس عمل کی خصوصیت کو بھی واضح کیا ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا ○ وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ قف عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۷۸۔۷۹)۔یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ـــــ نماز قائم کریں۔رات کے اندھیرے میں ۔گہری ہونے تک اور صبح کے اندھیرے میں قرآن (یا قرآنی آیات کا ذکر) پڑھیں۔تحقیق صبح کے وقت کا قرآن مشاہدے میں آتا ہے(یعنی صبح کے قرآن پڑھنے میں قرآن کا عمل مشاہدہ ہوتا ہے) ـــــ یہ رات کی عبادت محض آپ کیلئے مخصوص ہے (ماسوائے امت کے)۔

قرآنی حکم کے مطابق یہ عمل صرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے۔البتہ قرآنی بیان کے مطابق اس عمل میں تابعین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شرکت اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَہٗ وَثُلُثَہٗ وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ ط (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۳ آیت ۲۰) اللہ جانتا ہے ـــ دیکھتا ہے۔آپ کے لئے مخصوص عمل میں آپؐ کے تابعین میں بعض اس عمل میں (محض آپ کی تقلید واطاعت اور محبت کے جذبہ کے ساتھ) رات جاگنے۔صبح قرآن پڑھنے میں شرکت کرتے ہیں۔لہٰذا اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ ۔میرے نزدیک انکا یہ عمل مقبول وپسندیدہ ہے۔اسی عمل سے اس طائفہ کو قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا کا نتیجہ ملنا لازم ہے۔یہی وہ لوگ ہیں۔جنہیں رات جاگنے اور قرآن پڑھنے سے مشاہدۂ اسرار باطنی حاصل ہوتا ہے اور یہ عمل بھی امتِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے خاص کیا جاتا ہے۔کہ اسی طائفہ (جس

کو اولیائے امت سے موسوم کیا جاتا ہے ) کے ذریعہ راہنمائی حاصل کر کے مشاہدۂ اسرار باطنی حاصل کریں۔ اس اعتبار سے یہ عمل تمام شریعت محمدیؐ میں ـــــ عملِ رسالت کی روح تصور کی جاتی ہے۔ جسکا اجرأ قرآن وحدیث وفقہ کے علم کے ساتھ انہیں علمائے امت اولیائے امت کے ذریعہ کیا جانا ضروری ہے۔

لہٰذا ضروری ہے۔ کہ اجرائے الدین الاسلام ـــــ اجرائے عملِ رسالت ـــــ اجرائے قرآن وسنت میں اس عمل کو خصوصیت کے ساتھ اجرأ کرنے میں ـــــ ایک خلیفہ کے انتخاب میں اس میں (علم باطنی) تہجد قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کے عمل سے مشاہدۂ اسرار باطنی کی صفت کا پایا جانا۔ صفاتِ خلافت میں ہونا لازمی ہے اور اسی ضابطہ پر۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم۔ کے جانشین خلیفة الرّسول ـــــ خلیفۂ اسلامؑ (خلافت اسلامی) میں ـــــ قرآن وحدیث کا علم بدرجہ اولیٰ ہونا۔ اس علم کا ایک عالمِ امت کی حیثیت میں اجرأ کرنا ـــــ اور اسکے ساتھ ایک عالمِ امت کی حیثیت کے ساتھ اولیائے امت کی حیثیت میں۔ اس علم کو مخلوقِ انسانی تک پہنچا کر معرفت اسرارِ باطنی عطا کرنا۔ ایک فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر یہ علمِ باطن ایک خلیفہ کی صفت میں موجود نہ ہو تو شرائطِ دینی کے ضابطہ کے تحت ایسا فرد لائق خلافت نہیں لہٰذا ایک خلیفہ کے شرائط دینی میں۔ معرفتِ اسرار باطنی حاصل ہونا۔ اور اس علم میں راہنمائی کرنا لازم ہے۔ اور جانو۔ اگر چہ یہ مخصوص علم خلفائے اربعہ میں (بلکہ عملِ رسالت میں بھی) نہ محسوس کیا گیا۔ نہ مشاہدہ میں آیا۔ اس حال میں اسکی نفی لازم نہیں اسلئے کہ یہ عمل محض مخصوص طائفہ کیلئے لازم کیا گیا۔ جنہیں بحثیت اولیائے امت راہنمائی کیلئے مخصوص کیا گیا جو مخصوص افرادِ امت کیلئے موقوف کیا گیا۔ اور عام حیثیت میں اس عمل کا اجرأ نہ ہوا۔ کہ یہ عمل شدید کٹھن ہے۔ جسکا بار امت برداشت نہیں کر سکتی۔ اور رحمت اللعٰلمینؐ کا تقاضا ہے۔ کہ خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم امت پر دین کا شدید بار ڈالنا نہیں چاہتے۔ سوائے انکے جو خود اس عمل کو طَآئِفَة" مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ کی حیثیت میں اپنے لئے لازم کرتے ہیں۔ اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہ۔ اور دیگر خلفائے اسلام میں اس عمل کو ظاہر حیثیت نہ دینے کی وجہ سے عملِ رسالت

میں محسوس نہ کیا گیا۔لیکن اصول ضابطۂ شرائطِ دینی میں یہ عمل ایک خلیفہ کی صفت میں ہونا لازمی ہے ــــ اور اول خلیفہ ہی کے ذریعہ اجرأ ہونا لازم ہے۔اسکے ساتھ چونکہ یہ عمل ایک مخصوص طائفہ سے تعلق رکھتا ہے۔اسلئے یہ مخصوص طائفہ بحیثیت اولیائے امت امتِ مسلمہ میں اس عمل کو خلافتِ اسلامی کے ساتھ جاری رکھینگے ــــ

واضح ہوا اسی تصور کے ساتھ۔خلافتِ اسلامی میں ــــ ایک طائفہ ــ(جماعت) عام علمائے امت کی ہے۔جنہوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے قرآن وحدیث کا علم حاصل کیا۔یہ علمائے امت سے موسوم ہیں۔جو خلافتِ اسلامی کے اشتراک کے ساتھ امت (مخلوقِ انسانی) کو قرآن وحدیث وفقہ کے علم سے آگاہ کرینگے ــــ اور دوسرا طائفہ بھی یہی علمائے امت کا ہے۔ جنہوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے قرآن وحدیث وفقہ کا علم حاصل کیا۔اسکے ساتھ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نَــــافِـلَةً لَّکَ کے مخصوص عمل سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی۔مرشدی میں اسرار باطنی میں راہنمائی حاصل کر کے اسرار باطنی کی معرفت حاصل کی۔عملی اعتبار سے ان علمائے امت اولیائے امت کو علمائے ظاہر کے مقابلہ میں فضیلت حاصل ہے ــ اور ان خصوصیات کا ایک خلیفہ میں موجود ہونا لازمی ہے۔کہ وہ خود اسرار باطنی کا شاہد۔طالبان حق (اسرار ومعرفت) کیلئے راہنمائی کرنے والا ہو۔الغرض خلافتِ اسلامی میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے لیکر خلفائے اربعہ ــ اور بعد میں خلافتِ حضرت امیر معاویہؓ اور خلافتِ بنی امیہ۔بنی عباس۔بنی عثمان میں اس عمل کا ہونا لازمی تھا۔لیکن خلافتِ بنی امیہ میں خلافت نے ایک حکمران (سلطنت) حیثیت حاصل کر لی۔تو خلفأ اور خلافتِ اسلامی کو ایک حکمران حیثیت میں ملکی انتظامات۔مخالفین اسلام سے جنگیں۔اور استحکامِ سلطنت کی ذمہ داری شدید ہونے کے سبب اور مال وزر کی فراوانی اور استعمال کی وجہ سے خلافت میں۔تسبیح وعبادت کے عمل میں کوتاہی کے سبب قرآن وحدیث کے عمل میں کوتاہی آنے سے اجرائے قرآن وحدیث کا وہ جذبہ۔وہ انہماک۔وہ عمل قائم نہ رہ سکا جو ایک خلافتِ اسلامی میں ہونا چاہیے تھا۔خلفائے اسلام کا زیادہ تر وقت امور سلطنت (انتظامیہ۔لشکر کشی) میں

صرف ہونے کی وجہ سے ۔ اجرائے اشاعتِ دین میں ذاتی طور کوتاہی ہونے لگی ۔ تاہم خلفائے اسلام نے ایسے موقعوں پر ۔ شرائط دینی کے مطابق ۔ خلیفہ کی خصوصیات کا خیال رکھتے ہوئے ذاتی طور علم و عمل ۔ تقویٰ ۔ عبادات کو اپنے لئے لازم رکھا ۔ اور اشاعتِ دین میں علمائے امت کی ہر موقع پر استعانت و راہنمائی میں اجرائے اشاعت دین میں پوری جدوجہد کی کہ کسی موقع پر اشاعت الـدیـن اور وسعت دین میں فرق نہ آنے دیا ۔ چنانچہ ان مخصوص خلافتوں ۔ خلافتِ اموی ۔ خلافت عباسی ۔ خلافت عثمانی میں ہی اسلام کے مشہورِ زمانہ ۔ علمائے امت کا وجود پیدا ہوا ۔ جنہوں نے قرآن وسنت و فقہ کے علوم کو تمام دنیا کی راہنمائی کیلئے اس قدر وسیع کیا کہ دنیا کے تمام علوم ۔ علوم یونانی ہوں ۔ علوم سامی ہوں ۔ علوم رومی ہوں ۔ یا علوم مغرب ہوں ۔ تمام علوم نے اسی خلافت اسلامی کے اولوالعزم علمائے امت کے علم سے وسیع راہنمائی حاصل کی ۔ اور دنیا میں ۔ جتنے علوم پائے جاتے ہیں ۔ وہ سب انہیں علمائے امت کی تحقیق و علم سے ترتیب شدہ علم سے بنیادی طور حاصل کئے جاتے رہے ۔ چنانچہ تاریخ سے ظاہر ہے ۔ کہ خلفائے بنی امیہ نے خود عمل کیا ۔ اور علمائے امت کی اطاعت میں ان سے معاونت حاصل کی ۔ جس سے خلافتِ اسلامی کی ہیئت مسلمہ کی عظمت وشان ہر زمانہ میں بلند رہی ۔ اسی طرح خلفائے عباسی نے علمائے امت اور اولیاءِ امت کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے ۔ ان علمائے امت کے احکام پر عمل کر کے الـدیـن الاسلام کی ہیئت کو قائم رکھتے ہوئے ۔ قرآن و حدیث کے علم کو عظیم الشان وسعت دی ۔ البتہ ــــ چونکہ ان خلافتوں کو اقتدارِ اعلیٰ کی صورت میں دنیوی عروج حاصل ہوا ۔ جس میں کثیر مالِ دنیا انہیں حاصل ہوا ۔ اور یہی مالِ دنیا کی کثرت انکے لئے تسبیح و عبادات اور اشاعتِ دین میں کوتاہی کا سبب بنا ۔ جسکے نتیجہ میں ۔ امتِ مسلمہ ــــ خلفائے امت میں حرص و آز کا اثر غالب آ کر باہمی فساد و عداوت پیدا ہو کر خلافتِ اسلامی کا شیرازہ بکھرتا گیا ــــ

ان صورتِ حالات میں الـدیـن کی اشاعت میں بھی انتشار پیدا ہوا ــــ وہ یہ کہ پہلے تو الدین کی اشاعت میں خلیفہ خود ۔ اشاعتِ قرآن وسنت ۔ اقتدارِ اعلیٰ میں استحکام و وسعتِ خلافتِ

اسلامی کا حامل ہوتا تھا۔اب اشاعت دین کے عمل میں کوتاہی۔اور خلفائے اسلام کے اقتدارِ اسلامی کو (اجتہادی عمل کی صورت میں) مال و زر کو اپنی ذات کیلئے۔محلات شاہی۔شان و شوکت۔عیش و عشرت میں استعمال کیا جانے لگا۔یہ امر علمائے امت کی سنت کے خلاف ہوا۔۔۔اور خلفائے امت نے اقتدارِ اعلیٰ کی قوت سے۔حصولِ خلافت میں۔اپنی مرضی سے شرائطِ خلافت کے خلاف۔اپنے بعد جانشینوں کا انتخاب کیا۔کہ اقتدار اعلیٰ انکے پسندیدہ افراد کے ہاتھ میں رہے۔جس سے سنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف الدین الاسلام کی شرائط وضوابط کے خلاف عمل شروع ہوا تو اس عمل کے نتیجہ میں۔خلفاً وعلمائے امت میں شدید اختلاف کی بناً پر چونکہ خلفاً اب خاندان کی حیثیت میں خلافت کو اپنے ہی خاندان میں منتقل کرنے لگے جس میں خلیفہ نے اقتدارِ اعلیٰ کی قوت سے خلافت پر غلبہ قائم رکھا۔تو علمائے امت نے مجبوراً اشاعت الدین۔اور اجرائے دین کے عمل کو خلافت سے علیٰحدہ کر کے مسجدوں سے اجرائے دین کا عمل جاری کیا۔جسکے نتیجہ میں خلافتِ اسلامی دو حصوں میں بٹ گئی۔۔۔۔خلفاً نے محلاتِ شاہی کو۔۔۔دارالخلافت بنا کر ایک مکمل سلطنت کی ہئیت اختیار کی جس میں اگرچہ الدین الاسلام کی ہئیتِ مسلمہ کی وسعت وسالمیت کا عمل بھی جاری رکھا۔لیکن ذاتی طور۔خلافتِ اسلامی کے چلانے میں۔خلاف سنت تجاوز کرتے رہے۔۔۔اور دوسری طرف علمائے امت نے مسجدوں سے۔اشاعتِ الدین۔میں درس وتدریس۔اور تحقیق وفکر کے علم کو جاری کیا۔۔۔ان علماً میں۔اولیائے امت بھی اشاعتِ دین میں شامل رہے۔۔۔علمائے امت میں بھی دو فریق پیدا ہوئے۔ایک فرقہ علمائے امت کا وہ تھا۔جو خلاف سنت عمل کو بدعت سمجھتے۔جس میں اجتہادی عمل کو بھی خلاف سنت عمل قرار دیا جاتا۔۔۔انہیں اہل الحدیث علماً کہا گیا۔۔۔۔دوسرے فریق علمائے امت میں وہ فرقہ تھا۔۔۔جو قرآن وحدیث کی روشنی میں ضرورت کے مطابق۔قرآن و حدیث کے علم میں۔قوتِ اجتہاد سے مفہوم اور عمل کا اجرأ کرتے تھے۔جس کے نتیجہ میں۔قرآن وحدیث کے علم کے سوا۔شریعت اسلامی میں۔دیگر علوم وضع ہوئے۔جن میں فقہ۔اجتہاد۔معقول۔منقول۔علم الکلام۔فلسفہ۔علم الہیئت۔طب وحکمت اور دیگر علوم کی روشنی میں قرآن وحدیث کے علم

کو دنیا میں وسعت دیکر قرآن وحدیث کے علوم و معارف کو دنیا میں پھیلایا گیا۔ اسی علم کی مدد سے دنیا کے تمام۔ مذاہب کے محقق قرآنی علوم کو سمجھکر۔ اسلام کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ علمائے امت اہل سنت والجماعت کہلاتے ہیں۔ ان علماً کا بھی خلافتِ اسلامی میں اشتراک رہا۔ اور الـدین الاسلام میں جبکہ قرآن میں۔ عملِ رسالت میں۔ الـدیـن کی حیثیت میں قرآن وحدیث پر عمل۔ امـر بالمعروف ـــــ اور نھی عن المنکر کے حکم میں سوائے چند جرائم (گناہوں) کے جنکا تعلق محض الـدیـن (تسبیح وحمد کے عمل) سے تھا۔ چند سزائیں احکام کی صورت میں قرآن میں جاری کی گئیں۔ جیسے۔ زنا کے متعلق جرم پر سزا تھی یا بہتان پر۔ اور چند جرائم (جنہیں عصیان سے موسوم کیا گیا) کی ظاہری سزا سے علاوہ۔ شریعت سے متعلق ہر جرم۔ ہر گناہ کی سزا کو قیامت کے حساب (یوم الحساب) پر موقوف کیا گیا۔ اس حال میں کہ اجرائے دین کے موقع پر نہ کسی سلطنت کا تصور الدین میں شامل تھا۔ نہ دنیوی معاملات میں۔ معاشرتی جرائم کیلئے کوئی جرم وسزا کیلئے قرآنی احکام نازل کئے گئے۔ لہٰذا آئندہ چونکہ اقتدارِ اعلیٰ کی قوت و وسعت پر بھی الـدیـن کی ہیئت کے استحکام کا انحصار تھا۔ اسلئے ضروری تھا۔ کہ اسلام کے بنیادی نصب العین۔ وسعت و اجرائے الـدیـن الاسلام کے تصور پر خلافتِ اسلامی (اقتدارِ اعلیٰ) کے نظام کو دائرہ شریعت میں پابند رکھنے کیلئے خلافتِ اسلامی میں تمام معاشرتی جرائم کو ضابطہ میں لانے کیلئے۔ جرم وسزا کا تعین کیا جائے۔ لہٰذا ابتدائے عملِ رسالت میں۔ جہاں قرآن نے محض الـدین الاسلام (اشاعت قرآن۔ اور اطاعتِ احکامِ الٰہی) کی صورت میں مختصر گناہوں کے سوا۔ جن سے امت مسلمہ کے کردار میں تسبیح وعبادت میں فرق آنے کا اندیشہ ہو۔ ایسے جرائم کو روکنے کیلئے قرآن سے سزائیں احکام کی صورت میں پیش کی گئیں۔ باقی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ''عملِ رسالت'' میں۔ معاشرے میں جن جرائم کا ارتکاب ہوا۔ جو معاشرہ اور الـدین الاسلام کے اجزأ میں نقص پیدا کرنے کا سبب ہوئے۔ انکے لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت رسول ـــــ عقل کل ـــــ ھـادی۔ ذاتی طور اجتہادِ رسالت ونبوت سے جرائم کی سزائیں وضع کیں۔ اور یہ سزائیں بھی الدین الاسلام کے ضابطہ میں شامل کی گئیں جن میں اکثر

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل رسالت میں اقتدارِ اعلیٰ کی صورت میں جرائم کی سزائیں وضع کی گئیں ۔اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت ۔خلفائے اربعہ کے عہد میں ۔حالات وزمانہ کے تحت اقتدارِ اعلیٰ میں پیش آنے والے حالات کے مطابق ۔جو جو جرائم ظہور میں آئے ۔انکے لئے خلفائے اسلام اور علمائے امت نے (جبکہ الدین ۔اقتدارِ اعلیٰ کی ہئیت اختیار کر چکا تھا)۔ان میں معاشرتی جرائم کے ظہور پر اجتہادی عمل سے (قرآن وسنت کی روشنی میں) قوانین ــــ جرائم کیلئے سزائیں تجویز کر کے ایسے جرائم کی سزا کو قانونی ہئیت دی ــــ اور یہ جرم وسزا کے قوانین بھی ۔خلافتِ اسلامی میں (الدین الاسلام ۔اور اقتدارِ اعلیٰ کے اشتراک کی بنأ پر) شریعتِ اسلامی میں شامل کئے گئے ــــ اور اسی طرح خلافت اموی ۔خلافتِ عباسی اور خلافت عثمانی میں ۔ہر دور میں علماءِ امت ۔محققین اسلام نے (جنہیں امام کے خطاب سے موسوم کیا گیا) الدین الاسلام کی بنیاد پر خلافتِ اسلامی میں ۔ہر دور میں ظاہر ہونے والے جرائم کیلئے قوانین وضع کئے جو خلافتِ اسلامی (ہر دو ہئیتوں ۔الدین الاسلام اور اقتدارِ اعلیٰ) کی اساس بنے ــــ اور انہیں قوانین پر اقتدارِ اعلیٰ کی ہئیت مسلمہ کا قیام ہوا ۔یہی قانون ــــ اسلامی قانون سے تعبیر ہوا ــــ جو الدین الاسلام کا قانون قرار دیا گیا ۔اور خلافتِ اسلامی میں ۔اقتدارِ اعلیٰ میں سلطنت اسلامی کی صورت میں ہر دور ہر زمانہ میں رائج ہوتا رہا ۔جنکے اجرأ کیلئے ۔خود خلفائے اسلام نے ذاتی طور قانون کا اجرأ کیا اور علمائے اسلام کی دینی عظمت کے تسلیم کے ساتھ ۔علمائے امت کے قانونی فیصلوں کو تسلیم کرتے ہوئے علمائے امت کے ذمہ ۔خلافت میں ۔محکمہ قضا (عدالت) کر دی ۔یہی وہ علمائے امت اور آئمہ امت کے وضع کردہ (اجتہادی) قوانین ہیں ۔جو الدین الاسلام کی صورت میں بھی ۔خلافت اسلامی میں جاری رہے ــــ جس میں خلافتِ اسلامی میں ۔ایک خلیفہ ذاتی طور قانون کا پابند ہوا ۔اور اسی قانون کے اجرأ میں ۔ایک خلیفہ عام حیثیت میں منتخب کردہ قاضی کی عدالت میں حاضر ہونے کا پابند تھا ۔اس حال میں کہ یہ عمل ــــ نوعیت کے اعتبار سے ۔اقتدارِ اعلیٰ میں شامل نہیں رہا ۔کہ یہ عمل طائفۂ خاص سے تعلق رکھتا ہے ۔جو اقتدارِ اعلیٰ سے منسلک نہیں ۔اس امر سے واضح ہے ۔کہ

خلافتِ اسلامی میں ۔قرآن وحدیث وفقہ اور علمائے امت (اولی الامر) اَطِیْعُوا اللّٰہَ ـــ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کے حکم کی تعمیل میں ۔اقتدارِ اعلیٰ (یا سلطنتِ اسلامی) کی حیثیت میں بھی ۔خلفاءِ اسلام نے اللہ ورسول اور علمائے امت کے احکام کی اطاعت میں ہمیشہ احکام وقانون کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے ہر حکم کی پیروی کی ـــ اگر چہ بظاہر علمائے امت نے اجرائے دین میں خلافت اسلامی سے علیٰحدگی اختیار کرلی تھی ۔تاہم اس زمانہ میں اقتدارِ اعلیٰ نے ۔خلافتِ اسلامی کی ہئیت میں ۔دنیا پر اپنا غلبہ واقتدار برقرار رکھا۔جس سے الدین الاسلام کی دینی ۔دنیاوی حیثیت اقوامِ عالم پر محیط رہی ـــ یعنی ۔اسلام کا اقتدارِ اعلیٰ ـــ خلافتِ اسلامی کی صورت میں زمین کی وسعتوں پر غالب رہا ـــ اور دوسری طرف علمائے امت کے ذریعہ قرآن و حدیث کا علم دنیا کی وسعتوں میں نور پھیلاتا رہا۔تیسری کیفیت کہ قرآن وحدیث کا بنیادی تصور ۔معرفتِ اسرار باطنی ۔اولیائے کاملین کے ذریعہ طالبان حق کو ہر زمانہ میں میسر رہا ـــ اس حال میں کہ دنیا اس عملِ رسالت ونبوت کے فیض سے ہر دور ہر زمانہ میں سیرابی حاصل کرتی رہی ـــ

یہ طائفہ (وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ) چونکہ خاص طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔اسلئے یہ عمل خاص طبقہ کو میسر آتا رہا ـــ اور خاص طبقہ ہی ـــ (اپنے تزکیہ ۔مجاہدہ ۔ضابطۂ قرآنی کے مطابق) کے ذریعہ یہ عمل خلافتِ اسلامی کے ساتھ ساتھ ۔مدینہ سے لیکر ۔جہاں جہاں خلافتِ اسلامی کا نفاذ رہا۔یہ سلسلہ برابر ساتھ ساتھ جاری رہا ـــ اور جب خلافتِ اسلامی ـــ خلافتِ عثمانی کے زمانہ میں ۔دینی انحطاط وانتشار کا شکار اپنی خصوصیات سے محروم ہوگئی ۔تو الدین الاسلام کی خصوصیاتِ دینی میں بھی انحطاط پیدا ہوا علمائے امت میں ۔نہ قوت عمل سالم رہ سکی ـــ نہ ان میں قرآنی ضابطہ کے تحت ۔نَافِلَةً لَّکَ ۔تزکیہ مجاہدہ کا عمل جاری رہ سکا ـــ نتیجہ یہ ہوا۔کہ علمائے اسلام کا مرتب کردہ علم صرف علم کی صورت میں قائم رہا۔مگر اس علم پر کاملاً عمل نہ ہوسکا۔جس بناءً پر علمائے امت جو اولیائے امت کا درجہ رکھتے تھے ۔علمائے امت سے الگ ہوکر مسجدوں کو چھوڑ کر جنگلوں کی سکونت اختیار کی ۔جہاں انہیں تزکیہ مجاہدہ اور قرآنی عمل کیلئے حالات سازگار میسر آئے ۔اور علمائے

امت نے خلافتِ اسلامی کی تنزلی حالت کو دیکھ کر جنگلوں میں گھاس کی جھونپڑیوں میں اپنے علم وعمل کو جاری رکھا۔ جہاں تنہائیوں میں ۔ طالبانِ حق نے انکی درس وتدریس سے فیض اٹھانے کیلئے ۔ انہیں گھاس کی جھونپڑیوں کی طرف رجوع کیا۔ اوراسی مقام سے اجرائے قرآن وسنت اور معرفتِ حق کی تعلیم کا اجرأ ہونے لگا۔ مگر زمانہ کی رفتار کے ساتھ ۔ یہ علم بھی انحطاط کا شکار ہو گیا۔ کہ ان علمائے امت کے خلفاً میں بھی ہوس زر ۔ اور ضرورت سے زیادہ حصول کی لالچ اور ہوس میں ۔ وہ تزکیہ مجاہدہ کی خصوصیت باقی نہ رہ سکی جس کے نتیجہ میں ۔ یہ طبقہ بھی حقیقی معرفت اسرارِ باطنی حاصل کرنے میں محروم رہا۔ جسکے نتیجہ میں خلفاً نے تصنع اختیار کر کے ۔ اس علم وعمل کو حصولِ زر کا ذریعہ بنایا ـــــ اور ایک ولی کی قبر کو درگاہ بنا کر گھاس کی جھونپڑی ـــــ جو پہلے علمائے امت کی خانۂ کاہ کی شکل میں شناخت بنی تھی ۔ وہی جھونپڑی خانقاہ کی متبدل شکل میں ۔ بے روح ولایت ۔ بے روح عملِ نبوت کی شناخت بنکر اسی عمل کو خلافتِ اسلامی ۔ یا الدین الاسلام کی حقیقی ہیئت کو ۔ ولایت ـــــ طریقت ۔ تصوف کے نام سے منسوب الدین الاسلام کی مصنوعی شناخت بن گئی ۔

خلافت عثمانی ۔ خلافت اسلامی کی آخری تنزل یافتہ ہیئت ثابت ہوئی ۔ جس میں نہ علمائے امت کی حقیقی حیثیت نمایاں رہی ۔ نہ اولیائے امت کی حقیقی ہیئت نمایاں رہی ۔ اور نہ وہ حقیقی علم کا اجرأ ہوا۔ جو الدین الاسلام کی ہیئت وحیثیت تھی ـــــ لہٰذا فی زمانہ الدین الاسلام کی ہیئت ۔ بے عمل ۔ اور علم سے خالی علمائے امت کے ہاتھ میں آئی ۔ جن سے نہ اجرائے قرآن وسنت کا عمل پورا ہوا۔ نہ اولیائے امت کا وجود اور عمل کسی زمانہ میں اپنی اصل میں موجود رہا۔ اولیائے امت کے پاس ایرانی ساختہ علم طریقت ہے ۔ جو سابقہ آرین قوموں کے تزکیہ مجاہدہ سے ایک ہیئت اختیار کر کے ایران میں استعمال ہوتا تھا۔ اور خلافتِ عثمانی کی خلافت میں اولیائے امت کے چند تزکیہ نفس کے طریقوں کے شمول سے ۔ طریقت کا ایک عمل ۔ ایک تصور قائم کیا گیا ۔ جو ہندوستان میں اسلام کے ورود کے موقع پر علمائے اسلام کے ذریعہ ایک ایرانی ـــــ اسلامی مخلوط عمل سے ترتیب دیا ہوا عمل ۔ ہندوستان میں جاری ہوا لیکن یہ عمل (عمل ۔ علم طریقت) حقیقی عمل نہیں جس میں الدین الاسلام کی ہیئت نظر

آسکتی۔ لہٰذا یہ زمانہ ہے۔ جب دنیا کے کسی حصہ پر۔ نہ الدین الاسلام کا حقیقی وجود ــــ تصور باقی ہے۔ نہ خلافتِ اسلامی کا حقیقی تسلط زمین کے ایک چپہ پر بھی قائم رہا ــــ نہ طریقت (اولیائے امت) کا وجود و علم۔ موجود۔ حقیقت کی راہ پانے کیلئے میسر آسکتا ہے۔

خلافتِ عثمانی سے قبل یا تنزل کے بعد۔ جو بھی عرب سے علمائے امت ہندوستان میں داخل ہوئے ابتدائی طور خلافت اربعہ کے عہد میں علمائے امت نے قرآن وحدیث کے علم کو ایک حقیقی حیثیت میں مخلوقِ انسانی کو پیش کیا۔ لیکن یہ اجرائے الــدیــن کا سلسلہ تھا۔ جس میں صرف علم و عمل ہی کا اجراُ ہوا ــــ اور خلافت بنی امیہ کے دور میں خلافت اسلامی نے اقتدارِ اعلٰے کی حیثیت میں ہندوستان پر حملہ کر کے۔ ہندوستان میں خلافتِ اسلامی کی داغ بیل ڈالی اور جب ایران سے ہندوستان میں ہجرت یا وارد ہونے کا ذریعہ آسان ہوا۔ تو اس وقت علمائے اسلام کا بھی ہندوستان میں ورود ہوا۔ لیکن ان علماٗ کی تعلیم حقیقی روح سے خالی تھی۔ جس بناٗ پر ہندوستان میں خلافتِ اسلامی کے وجود کا حقیقی ظہور نہ ہوسکا۔ جس سے الــدیــن الاســلام کی صحیح ہئیت کا وجود نمایاں ہوتا۔ سوائے مغل شہنشاہوں کی ہندوستان میں یلغار کے کہ انہوں نے تلوار کے زور اور اپنی قوتِ بازو سے آرین (مہاراجوں کی) حکومتوں کو ختم کر کے قومی حکومتوں کا نفاذ کیا۔ جس میں۔ نہ الــدیــن الاسلام کا تصور تھا۔ نہ خلافتِ اسلامی کا ــــ سوائے اسکے کہ یہ قومیں ایران میں خلافتِ اسلامی کے زیر اثر ایک اسلامی حیثیت رکھتی تھیں۔ کہ ان کا عمل خلافتِ اسلامی اور دین وشریعت کے تابع تھا۔ نیز خلافتِ اسلامی میں۔ خلفاٗ اور علمائے امت کے ذریعہ ابھی بھی قرآن وشریعت کا نفاذ جاری تھا۔ یعنی شہنشاہ اسلامی اصولوں اور احکام کے تابع عبادات کا عمل اور علمائے امت کے ذریعہ اجرائے قرآن وسنت کی اشاعت کے مطابق بیشتر امتِ مسلمہ عبادات اور قانونِ اسلامی (جو قانون محققین۔ امامین۔ علمائے امت کا وضع کردہ تھا) کی پابند تھی۔ اسلئے جب عرب۔ ایران کی طرف سے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ فاتحین نے (خلافت امیہ۔ خلافت عباسی۔ خلافت عثمانی) ہندوستان میں شریعتِ اسلامی کا بہت حد تک نفاذ کیا۔ جس میں ہندوستان کے اکثر لوگ اسلام قبول کر کے سلطنتِ اسلامی

کے مطیع بن گئے ـــــ اور جبکہ مسلمان فاتحین نے ہندوستان کی آرین قوموں کے مہاراجوں کو شکست دیکر خلافتِ اسلامی کی ایک ہئیت قائم کی۔ اسکے ساتھ ہی علمائے امت نے بھی خلافتِ اسلامی کے ساتھ ہندوستان میں داخل ہوکر الـدیـن الاسلام کی ہئیت کو نمایاں کردیا۔ جس بنأ پر خلافتِ اسلامی کے نفاذ کے ساتھ۔ اسلامی قوانین کا مستقل نفاذ ہوتا رہا۔ ایسا ہی نظام مغل شہنشاہوں کے زمانہ میں قائم رہا۔۔۔ اس حال میں کہ شہنشاہ کے انتخاب میں شرائط دینی کو لازم نہ رکھا گیا۔ اسلئے ایسی حکومتوں کو شہنشاہیت سے منسوب کیا گیا۔ جس میں بادشاہ خود جسکو چاہے۔ اپنا جانشین بنا کر حکومت اسے سونپ دے۔ اور حکمرانی میں اس امر کا خیال رکھا گیا۔ کہ اسلام میں داخل ہوئے مسلمانوں کی ضروریات زندگی کی تمام سہولتیں۔ بادشاہ اور حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اسکے علاوہ اشاعتِ دین میں بادشاہ یا حکومت کا ذاتی طور کوئی دخل نہیں رہا۔ سوائے علمائے امت کے کہ وہ حکومت میں اشاعتِ دین۔ میں اپنی علمی۔ عملی استطاعت پر دین کا اجرا کریں۔ لیکن چونکہ حکومت پر بادشاہ اور بادشاہ کے اہلکاروں کا پورا تسلط تھا۔ جبکہ بادشاہ ایک عالمِ امت کے آگے۔ اپنی دینی ذمہ داری پوری کرنے میں کسی قسم کے محاسبہ کا پابند نہ تھا۔ سوائے اسکے کہ مسلمان حکمران کی حیثیت میں۔ جبکہ نظامِ حکومت میں سابقہ اسلامی قانون ہی رائج تھا۔ اسلئے قانونی حیثیت میں۔ جبکہ یہ حکومت بھی۔ اسلامی حکومت تصور کی جاتی تھی۔ بادشاہ اسلامی قوانین کے خلاف کوئی جرم کرتے تو اسلامی عدالت (قاضی) کے سامنے جوابدہ ہونے کیلئے۔ ایک مجرم کی حیثیت میں پیش ہوکر۔ جرم وسزا کو ایک عام فرد کی حیثیت میں قبول کرتا تھا اسی عمل کی بنأ پر یہ حکومتیں۔ جبکہ ان حکومتوں میں۔ خلافتِ اسلامی کی کوئی ہئیت نمایاں نہیں تھی۔ تاہم حکومتِ اسلامی سے تشبیہ دی جاتی تھیں۔

بلاشبہ جہاں تک الـدین الاسلام ـــــ یا خلافتِ اسلامی کا تعلق ہے۔ ہندوستان میں مغلوں کی حکومتیں۔ ایک اسلامی حکومت سے تعبیر دی جاتی ہیں۔ اسلئے کہ یہ حکومتیں۔ عرب وایران سے ایک عمل ـــــ ایک اسلامی تصور خلافتِ اسلامی کا ساتھ لیکر آئیں۔ اور اس سے قبل خلافتِ اموی۔ خلافتِ عباسی۔ خلافتِ عثمانی۔ کی خلافتوں کا نظام واثر بھی جاری ہو چکا تھا۔ جن کے اثرات

(خلافتِ اسلامی کے) ہندوستان میں موجود تھے۔اسلئے ان اثرات کی موجودگی کی وجہ سے مغل شہنشاہوں کی حکومتوں میں کسی حد تک اسلامی تصور پایا جاتا تھا۔لیکن یہ حکومتیں۔خلافتِ اسلامی یا الدین الاسلام سے متصور نہیں ـــــ سوائے اسکے مغل شہنشاہوں نے قوت استعمال کر کے ہندوستان پر غلبہ وحکومت حاصل کیا۔جس میں خلافتِ اسلامی۔یا اجرائے دین کا کوئی تصور وعمل شامل نہ تھا۔اوراس زمانہ میں اسلامی شہنشاہوں نے ہندوستان کے زروجواہر کی حرص میں اسلامی تصور کو قائم نہ رکھا۔اسلئے نتیجتاً جب قوم و ملک حصولِ زرودولت میں اپنی قوت صرف کرے۔تو اسکا انجام۔لالچ۔حرص۔خودغرضی۔نفس پرستی۔عیش وعشرت اور باہم حسد وعناد کے نتیجہ میں۔انتشار اور تنزل لازمی ہوتا ہے ـــــ مغل شہنشاہوں۔کے تین سوسالہ دوراقتدار کا آخر وہی حشر ہوا۔جو خلافت اموی۔عباسی اورعثانی میں۔الـدیـن الاسـلام کے عمل میں کوتاہی وتغافل کا ہوا۔کہ اسلام کی عظیم قوت دیکھتے دیکھتے انتشار کا شکار ہوکر پارہ پارہ ہوگئی ـــــ ہاں اس مقام پر علامہ اقبال کے شعر کی اصل تفسیر واضح ہوتی ہے۔

ع جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جب خلافتِ اسلامی میں۔الـدیـن الاسلام کے تصور کواقتدارِ اعلےٰ سے الگ کر دیا گیا۔تو پھر یہی شکل بنتی ہے۔جو مغل شہنشاہیت میں دکھائی دیتی ہے۔کہ ان حکومتوں کی قوی قوت حصول زر اور ہوسِ ملک گیری میں صرف ہوئی۔تو یہ ''جہاد'' نہیں۔بلکہ چنگیزی عمل میں بدل جاتا ہے۔بالآخر دنیائے اسلام میں۔الـدیـن الاسـلام۔اورخلافتِ اسلامی جسکا وجود عرب مدینۃ المنورہ سے ظاہر ہوا تھا۔دنیا میں وہ قوت۔وہ ہیئت۔وہ اسلام کی هدایت معدوم ہوچکی ہے۔فی زمانہ دنیا پر اسلامی سلطنتوں کا وجود۔اسلامی تصور کے ساتھ نہیں ـــــ سوائے اسکے کہ ان حکومتوں کو برائے نام اسلامی سلطنت سے موسوم کیا جائے۔

ہندوستان میں تین سوسالہ دورِ اقتدار۔شہنشاہی ـــــ میں بلاشبہ اسلامی تصوران سلطنتوں میں محسوس ہوتا رہا ـــــ کہ اس وقت بھی خلافتِ اسلامی کے وضع کردہ قوانین کا اجرا ان حکومتوں میں

ہوتا رہا۔عدالتوں میں سابقہ علمائے امت کے قوانین مغل حکومتوں میں بھی استعمال ہوتے رہے۔ بلکہ خود شہنشاہ باوجود خود اختیاری کے۔ اسلامی قانون کے تحت قاضی کی عدالت میں بحیثیت ''ملزم'' پیش ہوتے رہے۔لیکن عملی حیثیت میں مسلمانوں میں الدین الاسلام کی اصل تسبیح وعبادات کا عمل باقی نہ تھا۔خصوصاً۔شاہی خاندانوں میں بوجہ کثرتِ زر و مال۔عیش وعشرت اور عبادات اور امور دین سے لاتعلقی کے اثرات ظاہر تھے۔جس بناً پر خود شاہی خاندانوں میں۔تختِ سلطنت یا حکومت حاصل کرنے میں ایک دوسرے کو قتل کر کے بہ جبر بادشاہت حاصل کرتے۔یہ عمل صریحاً اصول وشرائط خلافت کے خلاف تھا۔ جو آخر مغل شہنشاہیت کے زوال کی شکل میں ظاہر ہوا۔جس وجہ سے ہندوستان میں۔امتِ مسلمہ (اہل اسلام) کی ہیئتِ مسلمہ یکسر معدوم (ختم) ہوگئی۔

یہ زمانہ تھا۔کہ ہندوستان میں قدیم آرین قوم۔جنکی ہندوستان پر ہزاروں سال حکومت رہی اور ہندوستان میں آرین مذہب۔اور بدھ مت کا دین استعمال ہوتا رہا۔اور اسی دین کے ساتھ۔ آرین قوم کے مہاراجے ہندوستان پر حکومت کرتے رہے۔بالآخر اہل اسلام کے ہندوستان میں ورود (داخلہ) کے نتیجہ میں ہندوستان میں۔علمائے امت کے ذریعہ الدین الاسلام شریعت۔ قرآن وحدیث اور علوم اسلامی کا اجرأ ہونے پر آرین مذاہب کی تمام قوتیں مغلوب ہو کر دین کی ساخت بھی کمزور ہوگئی۔۔۔ اسکے بعد تقریباً تین سو سال مغل شہنشاہوں کا غلبہ ہندوستان پر ہونے سے ۔اسلامی ہیئتِ مسلمہ کا موہوم تصور محسوس ہوتا ہے۔اہل یورپ۔انگریزوں کے ہندوستان میں داخل ہونے پر انکی مکارانہ سازشوں سے۔اس تمام ہیئتِ مسلمہ کا خاتمہ ہوگیا۔۔۔ انگریز بہت چالاک مکار ثابت ہوا۔اسکے ذہن میں گزشتہ دور میں خلافتِ اسلامی کے ہاتھوں شکست وتباہی کی داستانیں موجود تھیں۔وہ اہل اسلام کے مومنانہ مجاہدانہ کردار سے اچھی طرح واقف تھے۔اسلئے انگریز نے باقی آرین قوم کے مقابلہ میں مسلمانوں کی قوت کو ختم کرنے میں پوری قوت صرف کی۔کہ مسلمانوں میں۔قوتِ ایمانی۔اور جذبۂ جہاد ختم کر کے انہیں قطعاً بے بس اور معذور کر دیا جائے۔تاکہ ان میں ایمانی جذبہ پیدا ہو کر انگریز کو پھر شکستوں کا سامنا کرنا نہ پڑے۔اس سلسلہ میں انگریز کا پہلا حربہ۔

مسلمانوں کو الدین الاسلام کی ایمانی قوت ختم کرنے میں۔ مادی زندگی کے حصول میں انکے ذرائع کو مشکل کرنے میں۔حکومت کی مروجہ تعلیم (انگریزی) سے دور رکھنے کی کوشش کی کہ حکومت انگریزی میں ملازمتیں حاصل نہ ہوسکیں۔جبکہ اب اس حکومت میں ملازمت حاصل ہونے سے ہی۔ مسلمان اپنی ہئیت قائم رکھ سکتا تھا۔ اس حال میں۔ کہ مغل شہنشاہیت کے زوال کے نتیجہ میں۔ مسلمان باقی ملکی وسائل۔تجارت۔زمینداری۔سے بھی محروم ہو چکا تھا۔اسکے مقابل۔آرین قوم کے برسرِ اقتدار طبقہ میں۔انگریز حکومت کی حمایت میں معاشرتی ترقی کے راستے آسان تھے۔اس بنأ پر کہ ہندو قوم میں زیادہ تر دینی عمل لائقِ توجہ نہیں۔ جتنا مسلمان کیلئے دین پر عمل لازم ہوتا ہے ـــــ اسلئے ہندو کیلئے انگریز حکومت کی غلامی۔کوئی معیوب بات نہ تھی۔اور انگریز حکومت کی معاشرتی ہئیت قبول کرنے میں۔کوئی دینی اصول مانع نہیں تھا لہٰذا۔ ہندو قوم کو انگریز حکومت کی حمایت میں۔ترقی کے کثیر ذرائع میسر آسکتے تھے اسکے برعکس مسلمان قوم پژمردہ حالت میں۔اپنی دینی حیثیت میں پست ہو چکے تھے۔علمائے اسلام بھی۔ایک بے روح جماعت تھی۔ جو ذاتی طور عملِ دین ادائے عبادات اور اشاعتِ دین میں ناکارہ اور بے اثر ہو چکے تھے۔کہ اہل اسلام (امت مسلمہ) میں دین کا عمل۔تسبیح و عبادات کا عمل مفقود ہو چکا تھا۔اور انگریز حکومت میں دینی علم کی کوئی حیثیت نہ تھی۔کہ اس علم سے اپنی معاشرتی حیثیت کو بہتر حالت میں قائم رکھ سکتے ـــــ سوائے اسکے کہ مسلمان کے پاس۔اپنے اقتدار کھونے پر۔اسکے تمام ذرائع ختم ہو چکے تھے۔اب یہی ایک صورت تھی کہ مسلمان۔ ہندوؤں کے مقابلہ میں۔ انگریز کا مروجہ علم حاصل کر کے اپنی دنیوی ساکھ قائم رکھنے میں شدید جدوجہد کرے۔اس حال میں۔کہ انگریز مسلمان کے تمام ترقی کے راستے مسدود کر کے۔مسلمان کے مقابلہ میں۔ ہندو قوم کو اپنی حمایت میں لیکر اپنی قوت مستحکم کر کے۔مسلمان کے مقابلہ میں ہندو کی ترقی پر کوشاں رہا ـــ اس عمل میں انگریز کو کامیابی حاصل ہوئی۔کہ ہندو بھی اپنے ذہن میں یہ جذبہ رکھتا تھا۔کہ مسلمان۔اس ملک کے باشندے نہیں۔ باہر سے آکر آرین حکومت کا خاتمہ کر کے صدہا سال ہم پر حکومت کرتے رہے۔اسلئے ہندو بھی۔ جذباتی حالت میں اپنے دل میں۔مخالفانہ اور

انتقامی جذبہ رکھتا تھا۔ اسلئے۔ وطنی حیثیت میں۔ ہندو بھی۔ انگریز فاتح کی حمایت میں مسلمان کے خلاف اپنی قوت بڑھانے کیلئے۔ معاشرتی حیثیت میں ترقی کر کے مسلمان کو اپنا مطیع و دست نگر بنانے کا جذبہ رکھتا تھا۔ یہ کیفیت انگریز کیلئے سازگار رہی۔ کہ ہندو اور مسلمان میں۔ آپس میں کشمکش رہی۔ جس میں انگریز نے مسلمان کے خلاف ہندو کو ترقی کے مواقع فراہم کئے۔ سب سے پہلی بات یہی تھی۔ کہ ہندو نے آسانی سے انگریزی علم حاصل کرنے پر توجہ دی اس حال میں کہ ہندو کے لئے انگریزی ــــ دینی۔ معاشرتی ضوابط (کلچر) قبول کرنے میں اسکا اپنا دین حائل نہیں تھا۔ اسکے برعکس مسلمان اس سے قبل کسی غیر دین کے اصول و معاشرتی ضوابط سے آشنا نہ تھا۔ سوائے اسکے کہ اسے دینی اصول وضوابط پر کاربند رہنا لازم تھا۔ اسلئے مسلمان انگریزی کلچر (آدابِ معاشرت۔ یا دینی ضوابط پر عمل نہ رکھنے میں) قبول نہ کرنے کی بنا پر انگریزی تعلیم میں بے دینی کے اثرات سے متاثر ہونے کے خوف سے انگریزی تعلیم حاصل کرنے میں لاتعلق رہا۔ اسکا یہ نتیجہ ضرور ہونا تھا۔ کہ چونکہ اب اس قوم کی ترقی کا مدار صرف انگریزی حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کی صورت میں۔ ترقی اور قوت حاصل ہونے میں تھا۔ اور لازماً جب مسلمان اس تعلیم سے دور ہوتا۔ تو اسکی زندگی کمتر درجہ طبقہ کے لوگوں میں بسر ہوتی کہ حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر ہندو مسلط ہو کر مسلمان ان ہندوؤں کے غلام ہو جاتے۔ یہ ایک فطری اثر تھا۔ کہ ہندوستان میں۔ پیشتر ہندو۔ یورپ کے انگریزوں کی طرح مسلمانوں کے ہاتھوں اپنی ساکھ کھو چکے تھے۔ اسلئے فطری طور ہندو وطنیت کے جذبہ سے خالی۔ مسلمانوں کے ہم وطن محب نہیں بن سکتے تھے۔ اس حال میں۔ مسلمان انگریز حکومت میں۔ جبکہ انگریز نے مسلمانوں کی عظیم الشان قوت کو صرف مکر و فریب۔ جعلسازی۔ سازش اور سیاست سے شکست دیکر مسلمان قوت کو نیست و نابود کر دیا۔ اس وقت مسلمان کے پاس نہ دینی جذبۂ ایمانی باقی تھا۔ نہ حصولِ دنیا میں کوئی علمی حیثیت تھی۔ کہ مادی حالت میں اپنی قوت بحال رکھ سکتے ــــ مسلمان ہر سطح پر بے بس ہو چکا تھا ــــ

یہ حقیقت ہے کہ مغل شہنشاہوں کے زوال پر۔ مسلمانوں کو الدین الاسلام کی دینی راہنمائی میسر نہ آسکی۔ خلافتِ اسلامی۔ خلافتِ عثمانی پر ہی اپنا اقتدارِ اعلیٰ کھو چکی تھی ــــ اس وجہ

سے کہ خلافتِ اسلامی میں الدین الاسلام کی اشاعت و تسبیح وعبادات کا عمل مفقود ہو چکا تھا۔۔۔۔ خلفاءً کی باہمی جنگ و جدل سے اقتدارِ اسلامی کا غلبہ وقوت ختم ہو چکا تھا۔۔۔ اس انحطاط کے نتیجہ میں ۔علمائے اسلام کا دینی عمل ۔ اسکے ساتھ اشاعتِ دین میں قرآن وسنت کا عمل اور علم بھی مفقود ہو چکا تھا۔لہٰذا مسلمان دینی ۔ دنیاوی لحاظ سے یکسر پسماندہ اور کمزور ہو چکا تھا۔ ہندوستان میں مسلمان اسی اثر کے تابع پسپا و بے بس اور منتشر ہو چکا تھا۔۔۔ جسکے لئے اسے کسی راہ ۔ترقی کرنے یا اپنی زندگی بحال رکھنے میں ۔ کسی راہنمائی کی امید ہو سکتی تھی۔۔۔

یہ زمانہ تھا۔ کہ دنیائے اسلام ۔ میں ۔خلافتِ اسلامی ۔ایک لازوال طاقت ہونے کے باوجود۔ منتشر و پسپا زوال پذیر ہو چکی تھی۔۔۔ دنیائے عرب ۔ مدینہ سے لیکر عراق ۔ترکی ۔ایران تک خلافتِ اسلامی ۔ ایک طرف دین وشریعت ۔اور تسبیح وعبادات سے یکسر غافل ہو چکے تھے۔ دوسری طرف دین سے تغافل کے نتیجہ میں ۔صرف حصول امارت کی ہوس میں ۔ایک خلافتِ اسلامی ۔ سینکڑوں طبقوں میں تقسیم ہو کر ۔ ہر طبقہ نے ایک حکومت کی شکل اختیار کر کے اپنی اپنی حکومتیں بنا ڈالیں تھیں جس میں نہ الدین الاسلام کی روح موجود تھی۔ نہ خلافت اسلامی کی کوئی ہیئت وقوت موجود تھی ۔صرف خطۂ زمین پر قابض ہو کر آپس میں ہی جنگ و جدل میں مصروف تھیں ۔ کہ انگریز نے ان تمام حکومتوں کو سیاست اور سازش سے دوست کی شکل میں اپنا مطیع بنایا۔اس حال میں ۔ کہ اسلامی حکومتوں کے سربراہ غیر اسلامی اصول پر منتخب بادشاہ یا حکمران بنتے ہیں ۔ جو جو کچھ ملی وسائل سے میسر آتا ہے۔اس پر ان حکمران بادشاہوں کا قبضہ ہوتا ہے ۔اور وہ دولت مسلمان شہنشاہوں کی عیش وعشرت میں صرف ہوتی ہے۔اسلئے ایسے حکمران الدین کے ضابطوں پر قائم نہیں۔۔۔ نہ انکے پاس حکومت چلانے کیلئے ۔اسلامی قانونی ضابطہ پر عمل ہے۔نہ ان کیلئے (ایک بے عمل حکومت) کوئی ایسا قانون ہے۔ جو اسلامی قانون سے سوا۔حکومت میں نافذ کریں ۔ لہٰذا یہ حکومتیں ۔ اپنی تمام ضروریات اور استحکام میں انگریز کی مدد کی محتاج ہیں ۔ جبکہ انگریز نے ان تمام حکومتوں کو سازش اور سیاست سے ان پر پورا تسلط جمایا ہے۔اس حال میں کہ ان حکومتوں کو سوائے انگریز حکمرانوں کے

قانون سے اپنی ساکھ قائم رکھنے میں چارہ نہیں۔اس لئے مسلمان حکمران ہر لحاظ سے انگریز کا ہر معاملہ میں محتاج ہو چکا ہے۔بجائے انکی منافقانہ ہمدردی کے مسلمان حکمران کسی اور ذریعہ سے اپنی نجات حاصل کرنا ممکن نہیں سمجھتا ـــــ

یہی وہ حالات تھے۔جنکی وجہ سے مسلمانانِ ہند بھی۔کسی اسلامی ہیئتِ مسلمہ سے اپنی نجات اور ترقی کا کوئی ذریعہ میسر آنے میں مایوس تھے۔چنانچہ مسلمانانِ ہند نے تقریباً سو سال تک انگریز کی غلامی میں وقت گزارا ـــــ لیکن اپنی زبوں حالی کا انہیں احساس رہا۔کہ انگریز شہنشاہانِ ہند کی تباہی کے بعد بجائے عوام کی بہتری کا لحاظ رکھتے۔انگریزوں نے ہندوستان کی تمام دولت (زر و جواہرات) یورپ بھیجدی۔اور ہندوستان کی اقتصادی حالت کو بھی تباہ کر دیا۔کہ اہل ہندوستان ـــــ خواہ آرین ہوں۔یا مسلمان ـــــ اپنی تباہ حالی کا مشاہدہ کرتے۔انگریز سے متنفر ہو گئے۔کہ اسکی ظاہری ہمدردیاں بھی اہل ہند کی بربادی ثابت ہوئیں۔

مغل شہنشاہوں کی تباہی کے ابتدائی دور میں ہی انگریز نے (مسلمانوں کے جذبۂ ایمانی سے خائف) مسلمانوں کے لئے کسی موقع پر ترقی کرنے کی راہیں کھلی نہ چھوڑیں۔جسکے نتیجہ میں۔مسلمانوں کو بھی یہ احساس ہوا۔کہ اگر دینی حیثیت میں مسلمان عروج پر جانے کے قابل نہیں رہا۔تو اپنی مادی زندگی کی بہتری کیلئے۔انہیں۔انگریز کے مروجہ علم کو ذریعہ بنا کر۔کم از کم ہندو قوم کے مقابلہ میں۔اپنا وجود قائم رکھنا ضروری ہے۔اس خیال کے مدنظر۔علمائے اسلام میں اکابرین میں شدت سے یہ احساس پیدا ہوا۔کہ انکے لئے سوائے اسکے کہ انگریزی مروجہ تعلیم حاصل نہ کی جائے۔ہندو قوم حکومتِ انگریزی میں اعلیٰ عہدوں پر فائز اقتصادی برتری حاصل کریگی۔اور مسلمان پسماندہ حالت میں دنیوی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں گے۔ان اکابرین میں حضرت سر سید احمد خانصاحب مرحوم نے اپنی پوری قوت سے مسلمانوں میں انگریزی مروجہ تعلیم رائج کرنے پر زور دیا۔جبکہ بیشتر علمائے اسلام نے اس اقدام کی شدید مخالفت کی کہ مسلمانوں کی قوتِ ایمانی اس قدر ضعیف ہو چکی ہے۔کہ انگریز سازشی منصوبہ سے مسلمانوں میں دین سے نفرت اور دوری کے اثرات ڈالنے میں کامیاب ہو

جائیگا۔اس طرح مسلمان جذبۂ ایمانی سے خالی ہوکراس کی رہی سہی دینی ساخت ختم ہوجائیگی ــــ مسلمان اپنی وراثتی خلافت اسلامی کی قوت سے محروم ہو چکا تھا۔اسکی راہنمائی کی راہیں مٹ چکی تھیں۔مسلمان دنیوی۔دینی حیثیت میں مفلوج ہو چکا تھا۔انگریز ہرطرح مسلمانوں کو پستی میں دھکیل کرانکی قوتِ ایمانی کوختم کرنے کی کوشش میں تھا۔جس بنأ پر علمائے اسلام نے سرسید احمد خان کے اس نظریہ کی شدید مزاحمت کی یہاں تک کہ علماء اسلام نے ایسے نظریہ رکھنے والوں کوکفر کے فتوے دیکراس نظریہ کی مخالفت کی ــــ

حقیقتاً سرسید احمد خان مرحوم کا ایک اجتہادی نظریہ تھا۔کہ اگر مسلمان انگریزی مروجہ تعلیم حاصل کرنے میں لاتعلق رہے۔تو ہندوحکومتِ انگریزی سے مل کر مسلمانوں کوذلیل زندگی گزارنے پر مجبور کردیگا۔اسلئے کہ حکومت انگریزی میں انکی مروجہ تعلیم کے مطابق ہندو اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوجائینگے۔جبکہ مسلمانوں کے پاس سوائے مروجہ تعلیم حاصل کرنے کے اورکوئی ذریعۂ حصول میسر نہیں ــــ چنانچہ سرسید مرحوم نے انتہائی تدبر و جانفشانی سے مسلمانوں کومروجہ تعلیم حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔اور آخر یہی حصولِ مروجہ تعلیم۔مسلمانوں کو ہندو کے مقابلہ میں اپنا اقتدار و تحفظ حاصل ہونے کا سبب وذریعہ بنی۔اسی تعلیم کا نتیجہ ہے۔کہ ہندوستان میں ہندوؤں کے مقابلہ میں عظیم الشان مفکر۔لیڈر۔راہنما پیدا ہوئے۔جنہوں نے مسلمانوں کوپستی وزبوں حالی سے نکال کر ہندوؤں کے شانہ بشانہ مقابلہ میں لاکھڑا کردیا ــــ

یہ ایک حقیقت ہے۔کہ مسلمان کا بنیادی مقصد۔ الدین الاسلام کی اطاعت میں۔تسبیح وعبادت کا کامل حامل ہونا ضروری ہے۔ باقی قوموں کے مقابلہ میں۔مسلمان (مومن) کیلئے۔ قرآن وسنت۔کے احکام وعبادت پرعمل کرنا ضروری ہے۔بغیراس عمل کے اگر مسلمان۔دنیوی زندگی میں انتہائی عروج حاصل کرے وہ زندگی لاحاصل۔بے مقصد۔بیکار زندگی تصور کی جاتی ہے۔خلافتِ عثمانی (یا خلافتِ اسلامی) کے زوال کے بعد مسلمان کے پاس (بحیثیت مجموعی۔عرب وعجم) نہ اقتدارِ اعلیٰ کی قوت باقی رہی۔نہ علمائے امت کی تبلیغ واشاعت کا کوئی معقول ذریعہ میسر رہا

جس سے مسلمان دین وشریعت کی اطاعت میں اپنی دینی حیثیت مستحکم رکھ سکتا۔سوائے۔مختصر علمائے امت جو موقع موقع پر اشاعتِ دینی۔اور تعلیم و تعلم (درس و تدریس) کا عمل جاری رکھتے رہے ـــــ خلافتِ اموی۔عباسی میں بلاشبہ اقتدار اعلیٰ کے ساتھ الـدیـن الاسـلام کی ہئیت مسلمہ میں عظیم مفکر اور صاحب قرآن علماء نے بھی قرآن وحدیث وفقہ کے علم کو دنیا کی وسعتوں میں پھیلا کر الـدیـن الاسـلام کے نور سے دنیا کو منور کر دیا ـــــ لیکن قدرتی امر ہے۔کہ اقتدار اعلیٰ ـــــ خلافت اسلامی کے تنزل کے ساتھ علمائے اسلام کی تبلیغ اشاعت بھی متاثر ہو کر۔اسلامی ہئیت مسلمہ میں بھی تنزل آیا۔جسکے نتیجہ میں ـــــ آخری خلافتِ اسلامی کے تنزل پر ـــــ جبکہ مدینہ سے جاری ہونے والا علم قرآن وحدیث وفقہ۔ولایت وطریقت کی وہ ہئیت سالم نہ رہی۔جو الـدیـن الاسلام کی حقیقی ہئیت نمایاں تھی۔کہ علمائے اسلام میں علمائے امت کا حقیقی کردار وعمل پیش نہ کیا گیا۔جسکے نتیجہ میں مسلمانوں میں وہ قوت ایمانی باقی نہ رہ سکی جس پر الـدیـن الاسلام کی ہئیت مسلمہ کا علم وعمل اپنی حقیقی ہئیت میں جاری رہتا۔اس طرح الـدیـن الاسـلام کا حقیقی وجود قائم نہ رہ سکا۔جس پر الـدیـن الاسلام کی ہئیتِ مسلمہ قائم تھی ـــــ نتیجہ یہ ہوا۔کہ خلافتِ اسلامی سے قبل۔ترکی۔ایران میں بیشتر آرین قوموں کا جو دین استعمال ہوتا تھا (جس میں اشاعتِ الـدیـن میں کوئی احکام یا علم استعمال نہ ہوتا تھا)۔سوائے اسکے کہ سابقہ نبیوں کے علم میں۔تزکیہ۔مجاہدہ سے حاصل کیا ہوا علم (جو تصوف کے نام سے معروف تھا) اسلامی طریقت کے ساتھ مل کر ایک مخلوط دینی عمل استعمال ہوا۔اور یہی مخلوط علم (آرین اور اسلامی علم وعمل) اسلامی الـدیـن الاسلام مسلمانوں کا الـدین تصور کیا گیا ـــ اس حال میں کہ خلافت کے ساتھ وابستہ علمائے امت نے قرآن وحدیث وفقہ کا علم بھی جاری رکھا۔لیکن ان علماء میں ـــــ جو آخر خلافتِ عثمانی کے زمانہ میں۔عراق۔ترکی۔ایران کی پیداوار تھے۔وہ علمی وسیع قوتِ۔تفسیر واجتہاد میں مثل سابق علماء کے کامل نہ تھے۔قرآن وحدیث و فقہ کا وہ علم نہ پیش کر سکے۔جو عربی نژاد یا عربی دان علماء نے پیش کیا۔اسکے ساتھ ہی جدید علمائے اسلام میں وہ تقویٰ۔تزکیہ۔مجاہدہ کا عمل کامل نہ پایا گیا۔جس وجہ سے قرآن وحدیث وفقہ کے مسائل

میں محققین وعلمائے اسلام کے ذاتی اجتہادی اختلاف کی بنا پر۔قرآنی (احادیث وفقہ) مفہوم و نظریات میں تضاد و اختلاف پیدا ہوا اس اختلاف کی وجہ سے امت مسلمہ بھی۔تقلیدی عمل کی بنا پر بہتر فرقوں میں تقسیم ہونے لگی۔اسکے بعد یہ حقیقت ہے۔کہ امت مسلمہ کو حقیقی راہنمائی۔علم وعمل میں میسر نہ آسکی جس وجہ سے الدین الاسلام کی حقیقی ہیئت وعلم مخلوق کو میسر نہ آسکا ــــ

یہی کیفیت تین سو سالہ مغل شہنشاہیت کی رہی۔کہ گو مغل شہنشاہوں نے تلوار کی قوت پر غالب حکومت کی لیکن یہ حکومت خلافتِ اسلامی سے تعبیر نہیں۔کیونکہ مغل شہنشاہوں نے ملک گیری۔ ۔اور دولت وامارت کے نظریہ پر ہندوستان پر حکومت کی جس میں خلافتِ اسلامی کا اصل تصور واضح نہیں تھا اسلیئے خلافتِ اسلامی کی ہیئت نہ ہونے کے سبب ان شہنشاہوں کی حکومتوں میں۔ الدین الاسلام کا مقصد وتصور قائم نہ تھا ــــ سوائے اسکے انہیں ایک آئین وقانون کی ضرورت تھی۔ اسلیئے ان حکومتوں میں۔سابقہ خلافتوں کے قوانین جاری رہے۔لیکن اسلامی ہیئت میں نہیں بلکہ ان قوانین کی صورت ایک اسلامی شہنشاہیت (یا سلطنت) کی حیثیت میں جاری رہے۔کہ حکمران ــــ شہنشاہ ان قوانین کے محاسبہ کا پابند نہ ہوتا ــــ سوائے چند نامور شہنشاہوں کے جنہوں نے عبادات واتباع شریعت کو اپنے لئے لازم سمجھا اور قانونِ اسلامی کے آگے جھک کر قانون کی سزا وجزا کو اپنے لئے قبول کیا ــــ لیکن الدین الاسلام کی ہیئت ایسے قوانین سے مستحکم نہ ہوسکی ــــ یہاں تک کہ ہندوستان میں مغل شہنشاہیت میں حقیقی معنوں میں اجرائے قرآن وسنت نہ ہونے کے برابر الدین الاسلام کی ہیئتِ مسلمہ کا حقیقی وجود قائم نہ ہوسکا۔یہی وہ دور ہے۔جب الدین الاسلام ــــ یا خلافتِ اسلامی کے ایک فرد کو جبکہ اسکے عمل میں تسبیح وعبادت کی پابندی نہ رہی ــــ نماز۔روزہ۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے عاری ہوگیا۔اسکے باوجود ایسے افراد زمرۂ اسلام میں شمار ہوتے رہے۔لیکن ایسے افراد کو یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب سے پکارنے کے ــــ ''اے ایمان والو'' ــــ کے خطاب کے بجائے ''مسلمان'' ــــ پکارا جانے لگا جیسے کہ علمائے امت یا اہل اسلام۔اب یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے ترجمہ میں۔''اے مسلمانو'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں ــ یعنی وہ لوگ جو خود کو اہلِ

اسلام کہلاتے ہیں لیکن اکثریت کے ساتھ۔ نہ نماز ادا کرتے ہیں۔ نہ روزہ رکھنا۔ نہ زکوٰۃ دینا اپنے لئے فرض سمجھتے۔ بلکہ انہیں یہ احساس ہی نہیں۔ کہ ایک ''مسلمان'' ــــ قرآن کی اصطلاح میں یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو) کہلاتا ہے۔ لیکن اپنی کوتاہی۔ غفلت۔ بے عملی کے نتیجہ میں۔ وہ اپنے مقصدِ زندگی تسبیح وعبادات سے عاری۔ خود کو اہلِ اسلام میں تصور کرتا ہے۔ جبکہ ایسے لوگ دینی بے عملی۔ تسبیح وعبادات سے کوتاہی کی بنأ پر زمرۂ اسلام سے خارج تصور کئے جاتے ہیں ــــ لیکن دنیا ایسے لوگوں کو ایک مسلمان (مومن) کی شکل میں تصور کرتے ہیں۔

؎ زاہدِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا ۔۔۔ اور کافر یہ سمجھتا ہے کہ مسلمان ہوں میں

اب زمانہ میں۔ فرقۂ اسلام (اسلامی قوم) کو باوجود بے دین ہونے کے۔ الدین الاسلام۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کا فرد (مومن) تصور کیا جاتا ہے ــــ اس حال میں۔ کہ ایک طرف علمائے اسلام کا وہ مومنانہ کردار بھی ظاہر نہیں۔ نہ قرآن وحدیث وفقہ کے علم پر کلی طور عبور حاصل ہے۔ جس سے۔ الدین الاسلام کی حقیقی ہئیتِ مسلمہ دنیا پر واضح ہو۔ اس وجہ سے امت مسلمہ میں اسلام ــــ شریعت۔ قرآن وحدیث وفقہ کا وہ علم جو الدین الاسلام کا حقیقی علم و عمل تصور کیا جاتا ہے۔ مفقود ــــ یا عمل میں نہیں آتا ــــ

ان حقائق پر نظر ڈالکر یہ مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ کہ تمام ملک عرب۔ جس میں فی زمانہ کی برائے نام اسلامی سلطنتیں موجود ہیں ــــ ان تمام اسلامی مملکتوں میں تسبیح وعبادت (الدین الاسلام) کی یہ حالت ہے۔ کہ شہنشاہ ــــ ہو یا رعایا۔ اکثر اتباعِ شریعت میں ناقص العمل۔ اسلامی عبادات کو قطعاً فرض نہیں سمجھتا۔ کہ عام حیثیت میں۔ ایک فرض نماز ــــ روزہ ــــ زکوٰۃ۔ احسان پر عامل نہیں اس حال میں کہ ہر شخص خود کو زمرۂ اسلام میں سمجھتا ہے۔ جب کہ زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا۔ ارشادِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ۔ (حدیث) پانچوں وقت نماز نہ ادا کرنے والا بحکمِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ــــ کافر قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن ایک ''مسلمان'' باوجود نافرمانی کے خود کو مسلمان (مومن) سمجھتا ہے۔

یہ صورت خلافتِ اسلامی (خلافت عثمانی ترکیہ) کے بعد جب مغلوں نے ہندوستان پر اپنا تسلط جمایا۔اس وقت۔خلافتِ اسلامی۔الـدیـن الاسـلام کی ہئیتِ حقیقی مسخ ہوکر۔ایک غالب سلطنت کی شکل میں اسلامی خلافت ـــــ یا سلطنت کا تصور محسوس کیا جاتا تھا۔لیکن ان سلطنتوں میں الـدیـن الاسـلام کا حقیقی تصور وہئیت بالکل معدوم ہوچکی تھی ـــــ البتہ ہندوستان میں وارد ہونے والے علمائے اسـلام جوایران سے ہندوستان میں صرف اشاعت قرآن وحدیث اور مخلوقِ انسانی تک الدین الاسلام کا علم وعمل پہنچانے کی غرض سے وارد ہوئے انکی قوتِ ایمانی ـــ اور حقیقی عمل۔ اور مقصدِ حقیقی کے اجرأ کے جذبہ کے نتیجہ میں۔علمائے اسلام کی دینی تبلیغ و اشاعت۔اور تقویٰ عبادات کی روحانی قوت سے۔ایسے علمأ نے ہندوستان میں الـدیـن الاسـلام ــــ اور خصوصاً الدین کے روحانی عمل کا۔اجرأ کرکے الدین الاسلام کی ہئیت مسلمہ کوقائم رکھنے میں شدید محنت کر کے الدین الاسلام کی حقیقی ہئیت کوکسی حدتک قائم رکھا۔انہیں اولوالعزم ہستیوں کی جدوجہد کے نتیجہ میں۔ہندوستان میں الـدیـن الاسـلام اور قرآن وحدیث۔طریقت کا اجرأ ہونے سے۔اسلام کی ہئیتِ مسلمہ کا وجود قائم ہوا ـــــ یہاں تک کہ مغل شہنشاہوں کی۔الـدیـن الاسـلام کے اجرأ سے لاتعلقی۔غفلت کے نتیجہ میں مغل شہنشاہیت میں۔محض حصول۔سلطنت۔ہوس دولت و جاہ کی خاطر خاندان میں بغض وعداوت۔حسد کی صورت میں۔بالآخر یہ عظیم شہنشاہیت پارہ پارہ ہوکر نیست و نابود ہوگئی کہ خلافتِ اسلامی ـــ اقتدارِ اعلےٰ کی ہئیت مسلمہ کا دنیا پر وجود باقی نہ رہا ـــــ

یہ امر واقع ہے۔کہ مغلوں کی ہندوستان پر یلغار کی صورت میں۔انہیں ہندوستان میں ایک قوی حیثیت حاصل رہی جس سے اسلامی ہئیت مسلمہ کا تصور ملتا ہے۔اوراس سلطنت کو اسلامی سلطنت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔اسکی وجہ یہ کہ مغلوں سے پیشتر بھی خلفائے اربعہ کے عہدِ خلافت سے ہی عرب ہندوستان میں داخل ہوتے رہے۔اوراسکے ساتھ علمائے اسلام اوراولیائے امت بھی ہندوستان میں اشاعت الـدیـن کا فریضہ ادا کرتے رہے۔جس وجہ سے اہل اسلام میں جوبھی جماعت (لشکر یا علمائے امت) ہندوستان میں وارد ہوئی انہوں نے فتوحات ملکی کے ساتھ۔الـدین الاسلام کا ایک

تصور قائم کیا۔ جسکے نتیجہ میں ہندوستان میں اسلامی سلطنتوں کی شکل میں الدین الاسلام کا عمل بھی جاری رہا۔ اس نسبت سے ہی ایسی سلطنتوں کو۔ سلطنتِ اسلامی (یا خلافتِ اسلامی) سے موسوم کیا گیا۔ یہ زمانہ تھا۔ جب ایران کی طرف سے مجاہدین اسلام نے ہندوستان میں داخل ہو کر ایک غالب مستحکم حکومت قائم کی۔ جس میں علمائے امت کے ذریعہ قرآنی علوم۔ اور احکامِ قرآن وحدیث کا اجرأ کر کے اسلام کی ہیئتِ مسلمہ کو وسعت دیکر ہندوستان میں۔ مسلمانوں کا وجود قائم کیا۔۔۔ جبکہ اس سے قبل آرین قوم کی سلطنتیں اور ہندو آبادی کثرت سے ہندوستان میں آباد تھیں۔ انہیں افرادِ قوم میں علمائے امت اور سلطنتِ اسلامی کی اشاعت سے کثرت سے اسلام میں داخل ہو کر ایک ہیئتِ مسلمہ۔ (مسلمان) کا وجود پیدا ہوا۔۔۔

ہندو مہاراجوں کی شکست کے بعد جب مغل شہنشاہوں کا ہندوستان پر تسلط قائم ہوا تو اصولی طور۔ ان شہنشاہوں کے پاس۔ علمائے اسلام کے ذریعہ لایا ہوا۔ آئینِ اسلامی ہی تھا جس پر ان حکومتوں کا نفاذ ہوتا رہا۔۔۔ ان حکومتوں میں۔ سابقہ مفکرین و محققین اسلام کا وضع کردہ آئین قانون ہی تھا۔ جسکا نفاذ مغل حکومتوں میں ہوتا رہا۔ اور اسلامی اصولوں پر اتباع کی صورت میں ان سلطنتوں میں ایک پر امن نظامِ عدل کا اجرأ ہوا جس میں کسی غیر مذہب کے خلاف۔ نفرت۔ حقارت یا دشمنی کے جذبہ کی بجائے۔ ہر انسان کے ساتھ اسلامی رواداری۔ عدل وانصاف اور حقوقِ انسانیت کا لحاظ روا رکھا گیا۔ جس وجہ سے۔ جبکہ اہل ہنود نے اس سے قبل اسلامی عدل وانسان دوستی کا مظاہرہ دیکھا نہ تھا۔ اسلامی مساوات وعدل کے نتیجہ میں۔ ہندوستان کے رہنے والے ہندوؤں اور باہر سے آئے مسلمانوں اور خود ہندوستان میں بسنے والے (نومسلم) مسلمانوں میں۔ باہمی اخوت وانسانیت کے رشتے مضبوط ہو کر۔ محض دینی جذبہ کے مدنظر نفرت بیگانگی کے اثرات یکسر محبت وآشتی میں قائم ہوئے اس حال میں کہ ہندوستان میں رہنے والے لوگ بلاتمیز مذہب وملت ایک ہی خاندان یا قبیلہ کے افراد تصور کئے جاتے تھے۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ کہ عہد مغلیہ۔۔۔ یا اسلامی سلطنتوں کی حکمرانی میں۔ اہل اسلام۔ کیا سلطنت کیا عوام المسلمین نے اسلامی ضابطۂ انسانی کے مطابق۔ ایک اعلیٰ

اخلاقی مظاہرہ کرتے ہوئے۔ ہندوستان میں مذہب کی تفریق کے جذبہ کا کسی موقع پر اظہار نہ کیا جسکے نتیجہ میں۔ ہر شہر۔ ہر محلّہ۔ ہر گھر میں۔ مسلمان اور ہندو کی تفریق کا کسی فرد میں جذبہ موجود نہ تھا۔ بلکہ ہندو مسلم ایک معاشرتی زندگی میں ایک دوسرے کے عزیز ـــــ بھائی بھائی۔ کی حیثیت میں معاون اور محبّ ہوتے تھے سوائے۔ بعض براہمن قسم کے ہندوؤں کے۔ جو مہاراجوں۔ کے اقتدار سے ناجائز فائدہ اٹھا کر عوام کو اپنا مطیع و محکوم بناتے ـــــ یا مغل شہنشاہوں کی حکومت میں ایسے سرمایہ پرست یا ہوس پرست عیاش قسم کے مسلمان۔ اسلامی اخلاق و عمل سے بیگانہ۔ ان میں اسلامی اخوت یا اسلامی اقدار کا لحاظ پایا نہیں جاتا تھا ـــــ ہندوستان (بلکہ دنیا) میں مخلوقِ انسانی کیلئے۔ آسودگی امن فارغ البالی نہیں چاہتے تھے۔ ایسی کسی حکومت کے وجود کو پسند نہیں کرتے۔ جو بحیثیت مجموعی مخلوقِ انسانی کیلئے۔ سود مند ہو ـــــ تاہم عہد مغلیہ میں۔ چونکہ یہ لوگ۔ خلافتِ اسلامی۔ عثمانی کے دینی اثرات سے متاثر تھے۔ ان پر۔ خلافتِ اسلامی کے اصول و آئین اور دین اسلام (شریعت) کا اثر غالب تھا۔ اسلئے ہندوستان میں مغل شہنشاہیت بھی۔ خلافتِ اسلامی کی ہیئت و حیثیت میں سمجھی جاتی تھی۔ جس سے اہل اسلام کی ہیئتِ مسلمہ کی ساخت کی شناخت ہوتی رہی۔ البتہ۔ یہ ہیئت۔ ایک بے روح۔ ضعیف ہیئت تھی۔ جس میں خلافتِ اسلامی۔ **الدین الاسلام** کی حقیقی روح۔ اسلامی روحانیت۔ تقویٰ۔ عبادات کا عمل کاملاً استعمال نہیں تھا۔ اسلئے۔ بنیادی کیفیت۔ خلافتِ اسلامی میں۔ جب **الدین الاسلام** کی حقیقی تعلیم۔ و علم۔ عمل میں نہ آیا۔ تو یہ قوتیں باوجود وسیع عظیم اقتدار و قوت کے تنزل میں آکر پارہ پارہ ہو کر منتشر ہو گئیں ـــــ اور اصل بات۔ اصل حقیقت یہ کہ۔ خلافتِ اسلامی کی بنیاد۔ عبادات و تسبیح و تقویٰ پر قائم ہے۔ جب یہ روحانی عمل قوم سے مفقود ہو گیا۔ تو اسکا نتیجہ لازمی۔ تنزل انتشار و پستی کے سوا۔ کوئی مستحکم اسلامی تصور باقی نہیں رہتا۔

عہدِ مغلیہ میں۔ اس سے قبل ہندوستان (آریہ ورت یا بھارت) پر آرین (راجپوت شاہی) قوموں کی عظیم حکومتیں حکومت کرتی رہیں۔ اس زمانہ میں ہندوستان۔ دولت و زر و جواہر سے مالا مال تھا جو ہندو مہاراجوں کی عیش و عشرت کے سامان مہیا کرتا تھا ـــــ لیکن ان قوموں کی بنیاد بھی

ایک الـدیـن الاسـلام سے شروع ہوکر جب انہیں ہر طرح کی سہولتیں حاصل تھیں۔ وافر دولت و عشرت میں کسی دین کی پابندی کا لحاظ نہ رکھا گیا۔ تو اسی قوم کے بالا دست۔ صاحب اقتدار لوگوں نے حصولِ دولت وحصولِ ملک کی ہوس میں ایک دوسرے کے خلاف دشمنی اختیار کر کے ایک ملک کو حصوں میں تقسیم کر کے ہندوستان میں بہت سی۔ آرین (ہندو) ریاستیں بناڈالیں۔ بالآخر انکی اخلاقی کمزوری کے نتیجہ میں۔ ترکی۔ ایران سے آئے ہوئے مسلمان حملہ آوروں نے ہندوستان پر اپنا تسلط جما کر۔ ایک اسلامی۔ شہنشاہیت کا وجود قائم کیا۔ ہاں! چونکہ ہندوستان میں عام۔ عوام کی حالت مہاراجوں کی حکمرانی کے نتیجہ میں۔ پست و ذلیل تھی۔ اسلئے۔ مسلمان شہنشاہوں کی اسلامی اخلاقی رواداری میں انہیں امن وسلامتی اور سکون میسر ہوا۔ اسلئے نتیجتاً۔ ہندو قوم نے جب مسلمانوں سے اپنا تعلق قائم کیا۔ تو ان میں آپس میں۔ بغض و عداوت ونفرت کے جذبات ختم ہو کر سب لوگوں نے ایک ہی قوم کی حیثیت میں۔ زندگی بسر کی۔ حقیقتاً عہد مغلیہ میں جہاں تک معاشرتی زندگی کا تعلق ہے۔ ہندو مسلمان۔ بلا کسی وجہ کے ایک دوسرے کے ساتھ ایک قوم ۱؎۔ ایک رشتہ کی صورت میں بسر کرتے تھے۔ جس میں۔ ہندو۔ مسلمان کی تفریق کا کوئی تصور وجذبہ ان میں نہ پایا جاتا تھا۔ ہندو ہر حال میں مغل شہنشاہوں کی اسلامی سلطنت میں امن وسلامتی اور خوشحالی کی زندگی گزارتے تھے۔ باوجودیکہ ہندوستان میں آرین (ہندو) حکومتوں کی مسلمانوں کے ہاتھوں شکست و اقتدار سے محرومی کے ـــــ مسلمان شہنشاہوں ـــــ اور عام مسلمانوں کی طرف سے۔ اسلامی اخلاق و رواداری کی وجہ سے ہندوؤں میں کسی موقع پر بھی مسلمانوں کے خلاف انتقام یا نفرت کا جذبہ نہیں پایا گیا۔

حقیقت کی نظر سے اگر ہندوستان کے ماضی پر غور کیا جائے۔ تو تقریباً پانچ ہزار سال سے ہندوستان میں آرین قوم بستی رہی۔ اور یہ قوم ہمیشہ ایک ہی قبیلہ کی شکل میں مسلسل چلی آئی۔ یہاں

---

۱؎ یہ کیفیت ہمارے اپنے زمانہ (حکومت انگریزی) میں بھی دیکھنے میں آئی۔ (غالباً ۱۹۳۰ء تک کے زمانہ تک) محلہ۔ شہر کے ہندو مسلمان اپنے خاص دنوں میں۔ تہواروں میں۔ بلا کسی مذہبی فرق کے ایک دوسرے کو تحائف دیکر آپس کی خوشیوں میں نیک نیتی سے شریک ہوتے۔ اس حال میں کہ دینی حیثیت کو آپس کے تعلقات میں حائل نہ سمجھتے تھے۔

تک کہ ہندوستان پر مسلمانوں کی یلغار۔ یا اشاعتِ دین کی صورت میں مسلمان ہندوستان میں وارد ہوئے۔ جس سے اسی آرین قوم کے لوگوں نے اسلام قبول کر کے ایک نئی دینی حیثیت اختیار کی لیکن قومی اعتبار سے انمیں وجودی اختلاف یا فرق پیدا نہیں ہوا ــــ اور جہاں تک اسلامی شہنشاہیت میں ہندوستان میں بسنے والی آرین قوم مسلمانوں کے ساتھ بسر کرتے رہے۔ دینی حیثیت میں اس قوم کے افراد میں کسی قسم کی دشمنی یا بیگانگی کے اثرات نہیں پائے گئے اسلئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانۂ رسالت سے قبل ۹۵۰ قبل مسیح کے زمانہ سے آرین قوم ہندوستان میں بستی چلی آئی ۔ جن میں ہندو قوم کے مہاراجوں کی حکومتیں قائم رہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ قوم (آرین) حضرت نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے سام کی اولاد سے ہے۔ جو ابتدأ شام سے شروع ہوئی۔ اور کثرتِ اولاد کی شکل میں روم یونان تک پھیلتی گئی اور یہی قوم کسی زمانہ میں انتقال کر کے ہندوستان میں سکونت پذیر ہوئی ــــ قانونِ الٰہی کے مطابق اس قوم میں بھی ۔ نبی ۔ رسول ۔ مبعوث ہوئے۔ جنہوں نے اس قوم میں ۔ اشاعتِ دین الدین الاسلام کا اجرأ کیا ــــ اور اس قوم میں بھی (بطریق خلافتِ اسلامی) خلفأ ۔ علمائے اسلام ۔ خلافتِ اسلامی کی شکل میں پیدا ہوئے۔ جنہوں نے سرزمین ہند پر ہزاروں سال بادشاہت کی۔ جبکہ آرین۔ سنسکرت ۔ بھاشا ۔ شاستر ۔ وید ۔ زبانوں میں ان خلفأ کو مہاراج کے خطاب سے موسوم کیا گیا۔ اور انکی خلافتوں (یا حکومتوں) کو راجدھانی سے موسوم کیا گیا۔ اس حال میں کہ اس قوم کی زبان (جن میں رسولوں کی طرف سے کتاب الٰہی نازل ہوئیں) بھی آرین زبان تھی ــــ اور یہ حکومتیں اور باقی مخلوق بھی۔ الدین الاسلام کے تصور پر اسلامی سلطنتیں تصور کی جاتی تھیں۔ لیکن چونکہ زمانہ کی یہ ایک روش ہے۔ کہ اقتدارِ اعلیٰ کے عروج پر جب قوم و حکومت میں دنیاوی مال و زر جاہ و جلال کی فراوانی ہو۔ تو قدرتی امر ہے۔ کہ عام مخلوق اور خصوصاً حکمران دینی اعمال سے غافل ہو کر۔ مال و زر کی ہوس میں مبتلا ہو کر۔ عدل و اعتدال سے ہٹکر ظلم و جور پر اتر آتی ہیں۔ یہی حال اس قوم کا ہوا۔ کہ ہندوستان ہر زمانہ میں زر و جواہرات ۔ مال و دولت کا خزانہ تھا۔ حکمرانوں میں عیاشی کے اثرات غالب آ کر وہ حقیقی (اسلامی) ہئیت باقی نہ رہی۔ نتیجہ اسکا

یہ ہوا۔ کہ غالب صاحب اقتدار مہاراجوں نے اپنی کمزور قوم کو ذاتی حصول کیلئے غلام بنا کران پر ظلم و تشدد جاری کیا۔ بالآخر یہ حکومتیں ہوسِ زر کی لالچ میں ایک دوسرے کے خلاف بغاوت کر کے ہندوستان میں مختلف ہندو ریاستوں میں تقسیم ہوگئیں۔ اس طرح ایک صاحبِ اقتدار غالب آرین قوم۔ اصولِ دین سے خلاف ورزی کے نتیجہ میں منتشر ہو کر مختلف ریاستوں کی شکل میں ہندوستان کے مختلف شہروں پر حکومت کرنے لگی۔ جیسے۔ کپور تھلہ میں مہاراجہ کپور تھلہ۔ پٹیالہ سرس ۱ میں مہاراجہ پٹیالہ۔ جے پور میں مہاراجہ جے پور۔ اسی طرح ہندوستان کے بیشتر شہروں پر ہندو ریاستیں الگ الگ حکومت کرنے لگیں۔ اور کمزور رعایا انکی غلام پست و ذلیل حالت میں زندگی بسر کرتی رہی۔

مزید برآں سابق آرین قوموں میں الدین الاسلام کے نبیوں کے خلفاً براہمنوں نے بھی الدین الاسلام (آرین مذہب) کے احکام سے کوتاہی کے نتیجہ میں۔ ہوس دولت میں۔ مہاراجوں کی حمایت حاصل کر کے۔ مظلوم عوام کو اپنا مطیع بنا کران سے غلاموں۔ حیوانوں کا سا سلوک کر کے۔ پست درجہ دیا ــــ لہٰذا گزشتہ آرین حکومتوں میں مہاراجوں ــــ ریاستی راجوں۔ اور براہمنوں نے ہندوستان میں بسنے والی کمزور قوم کو اپنا محکوم بنا کر انہیں آزادی اور انسانی حصول زندگی میں محروم کر دیا ــــ اس حال میں۔ کہ اس قوم میں۔ سوائے ذات پات۔ اعلےٰ۔ ادنیٰ۔ درجہ کی مخلوق کا تصور۔ اور حصول مال و زر میں اعلےٰ طبقہ کے۔ کسی کا حق تسلیم نہ کیا گیا۔

جیسا بیان ہوا۔ کہ باہر سے ہندوستان میں داخل ہونے والوں میں۔ خلافتِ اسلامی کے مجاہدین (لشکر کی صورت میں) ہندوستان میں داخل ہوئے۔ جنکا واحد مقصد تھا کہ مخلوقِ خدا کو باطل قوتوں سے نجات دلا کر انہیں اسلام میں داخل کر کے انہیں حقوقِ انسانی میسر کئے جائیں۔ جس میں اسلامی تعلیم۔ مساواتِ انسانی ــــ اور زمین پر انسانی حقوق کا پورا کرنا ــــ اور انسان کو الدین الاسلام کی ہدایات پہنچا کر تسبیح و عبادات کا عامل بنا کر۔ آخرت کی نجات کی ذمہ داری پوری کرنا ــــ

---

۱ سرس۔ مہاراجوں کے لقب ہوتے تھے۔ جیسے مسلمان شہنشاہوں (مغلوں) میں ''ظل الٰہی'' یا ''جہاں پناہ'' کا لقب استعمال کیا جاتا رہا۔

اسی تصور پر عرب مجاہدین ـــــ اور علمائے اسلام نے ہندوستان میں داخل ہوکر۔آرین قوم میں۔اس پست و ذلیل رعایا کو مہاراجوں ۔ راجوں اور براہمنوں کے دستِ ظلم سے نجات دلا کر اسلام کی رواداری۔محبت اور انسانیت ۔اور ہمدردی کے اصول بنا کر انہیں ان جابر قوتوں سے نجات دلا کر خوشحالی۔امن و آسودگی عطا کی۔ ظاہر ہے۔ کہ اگر چہ ہندو مہاراجے۔ راجے۔ براہمن انہیں کی آرین قوم کے فرد تھے۔لیکن۔اہل اسلام کی طرف سے۔انہیں دنیوی زندگی کی تمام سہولتیں ۔اور غلامی سے آزادی۔اور دین قبول کرنے کی صورت میں مساوات واخوت کا مقام ملنے پر۔ضروری تھا کہ انکی تمامتر ہمدردی۔عزت افزائی۔حمایت اہل اسلام کیلئے ہونی چاہیے تھی۔اسی بنا پر۔ہندوستان کی بیشتر آرین قوم نے اسلام قبول کر کے۔بجائے ''ہندو'' شناخت کے۔اسلامی ہئیت اختیار کی۔یہ خیال رہے۔کہ اس قوم میں۔زیادہ تر آرین قوم کے لوگ ہی تھے۔جنہوں نے اسلام کی دعوت پر ہندو ہئیت سے بدل کر اسلامی ہئیت اختیار کی ـــــ اسکے علاوہ۔عرب۔ترکی۔ایران سے ہندوستان میں داخل ہونے والوں میں۔صرف مجاہدین اسلام کے لشکر۔یا علمائے اسلام کی مختصر جماعت تھی۔جو کچھ فتوحاتِ ملک (ہند) کے بعد واپس وطن چلے گئے۔بہت کم لوگ تھے جنہوں نے ہندوستان میں محض اجرائے شریعت کے مقصد کیلئے مستقل قیام کیا ـــــ ہاں ایسے موقع پر ہندوستان کی آبادی کی تقسیم کا جائزہ لینا ضروری ہوا۔کہ اس ملک میں ایک وہ لوگ جو شروع سے آرین قوم سے تعلق رکھتے ہیں ـــــ دوسرے وہ لوگ جو آرین قوم ہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن۔مسلمان ہئیت میں ہیں ـــــ تیسرے وہ لوگ جو بیشتر غالب صاحب اقتدار لوگ تھے۔اور جنکا ہندوؤں پر ناجائز غلبہ قائم تھا ـــــ اسی قوم کے اقتدار کو ہندوستان میں ختم کر کے۔غریب مظلوم (آرین) لوگوں کو نجات دلا کر۔اسلام کی نعمت سے مشرف کیا گیا ـــــ یہی وہ لوگ ہیں۔جو اسلامی قوت کے دشمن تھے۔جنکی طاقت کو اسلام نے ختم کر دیا۔

اسکے علاوہ۔مذہبی راہنما براہمنوں کی جماعت۔جو آرین قوم سے تعلق رکھتے تھے۔یہ لوگ بھی اپنی ساکھ ختم ہونے کی وجہ سے اہل اسلام کے دشمن۔مخالف تصور کئے جاتے ہیں۔ان اعداد

وشمار کے نتیجہ میں ہندوستان میں مغل شہنشاہوں کے خلاف ـــــ مہاراجوں سے تعلق رکھنے والے لوگ ـــــ اور ریاستی مہاراجوں کے اہل کار حمایتی لوگ ـــــ اور براہمنوں سے تعلق رکھنے والے لوگ جوان قوتوں کی آڑ میں غریب مظلوم (آرین) عوام کا استحصال کرتے تھے۔ اسلام کے دشمن مخالف تصور کئے جاتے ہیں۔ وہ ''اسلام'' کے لوگ ـــــ حقیقتاً خود آرین قوم کے ہی لوگ تھے۔ جنہوں نے اشاعتِ دین کے ذریعہ۔ اپنی ایک علیحدہ اسلامی ہیئت اختیار کی ـــــ اور اکثریت ایسے عوام ہی کی تھی۔ جو بحیثیت رعیت ہندوستان میں بستی تھی ـــــ باقی لوگ اسلام کی وسعت وغلبہ کی وجہ سے۔ بعض چند ریاستوں کی شکل میں مختلف ریاستوں میں حکومت کرتے رہے ـــــ یا باقی براہمن طبقہ کے لوگ جنکا مفاد انہیں براہمنوں سے وابستہ تھا ـــــ کٹر ہندوؤں کی حیثیت میں ـــــ بحیثیت رعیت ہندوستان میں سکونت کرتے رہے۔ جنہیں مغل شہنشاہوں کی طرف سے اسلامی آئین و ضابطہ کے مطابق تمام انسانی مراعات حاصل رہے۔ اور اسی انداز سے تین سو سال تک مغل شہنشاہیت کا تسلط ہندوستان پر قائم رہا۔ اس حال میں کہ آرین حکومت کا پانچ ہزار سالہ دورِ اقتدار کا خاتمہ ہو گیا ـــــ اس دور شہنشاہی میں۔ مسلمان آرین قوم ـــــ اور ہندو آرین قوم میں کوئی ایسا امر نہیں تھا کہ بحیثیت آرین قوم ان کی زندگی میں کسی قسم کی نفرت۔ دشمنی۔ یا اسلام قبول ہونے کی بنا پر۔ ہندوؤں مسلمانوں میں دشمنی پائی جاتی ـــــ ایسا نہیں! ـــــ اور یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ مغل شہنشاہیت کے زوال اور بعد کے زمانہ تک ہندو مسلمان میں قومی اعتبار سے آپس میں۔ غیریت۔ مذہبی نظریات پر اختلاف یا نفرت کا وجود موجود نہ تھا۔ یہاں تک کہ مغل شہنشاہیت میں بھی۔ محض ہندوستان کے زرو جواہر اور بے شمار دولت کی فراوانی کی بنا پر قوم میں آرام طلبی۔ تساہل اور کوتاہی کے اثرات غالب آ گئے ـــــ ہاں۔ ایک طرف عربی خلافتِ اسلامی کے وہ اصول واحکام لائق عمل نہ رہے۔ جس پر خلافتِ اسلامی کا استحکام باقی تھا۔ دوسری طرف علمائے اسلام کی ظاہر باطنی حیثیت اپنی روحانی قوت میں قائم نہ رہ سکی۔ علمائے امت خود عملی حیثیت میں کمزور ہو گئے۔ ان میں نہ قوتِ اشاعتِ دین کا جذبہ قائم رہ سکا۔ نہ ان میں اسلامی روحانی قوت باقی رہی۔ اور خلافت اسلامی کے خوف کی

وجہ سے علمائے امت کو جو خلافت کی طرف سے معاونت اور سرپرستی حاصل تھی وہ ختم ہوگئی۔ظاہر ہے جب خلافتِ اسلامی کا اپنا وجود ضعیف ہوگیا۔تو الدین الاسلام کی ہیئت بھی ضعف میں آگئی۔نتیجۃً علمائے امت اپنی حصول دنیا کی ضرورتوں میں محتاج کسمپرسی کا شکار ہوگئے (یہ ایک فطری نتیجہ ہے۔کسی قوم کے انحطاط کا کہ فطری طور ایسے حادثات کا شکار ہونا پڑتا ہے)۔ایسی صورت میں علمائے اسلام (جو ہر آن۔دیبا و حریر کے لباس کے عادی تھے۔انہیں ہر دنیوی ضرورت میسر تھی) کسمپرسی کی حالت میں حصول دنیا کی جستجو کیلئے مجبور ہوگئے۔لہٰذا۔علمائے اسلام نے چونکہ انکے پاس کوئی ظاہری کسبِ معاش کا ذریعہ میسر نہ تھا ___ اپنی حاصل کردہ تعلیم کو ہی معاش کا ذریعہ بنانے پر مجبور ہوگئے ___ اسی عمل سے علمائے اسلام میں۔درس و تدریس کا ایک عمل شروع ہوا۔جس میں قرآنی علم کو حصولِ معاش میں استعمال کیا گیا ___ اسطرح علمائے امت کا حقیقی مقصدِ اشاعتِ دین کا عمل جاری نہ ہو سکا۔عوام المسلمین کو قرآن و حدیث و فقہ کا علم میسر نہ آنے کی وجہ سے۔عوام یکسر اپنے دین سے لاعلم و غافل ہوگئے یہاں تک کہ مسلمانوں میں عام عبادات۔نماز۔روزہ۔زکوٰۃ۔احسان کا شرعی عمل بھی قائم نہ رہ سکا۔

یہی زمانہ ہے۔جب مغل شہنشاہیت کے زوال پر ہندوستان میں۔خلافت اسلامی ___ سلطنتِ اسلامی ___ الدین الاسلام کا وجود ختم ہوگیا ___ کہ ہندوستان میں دین اسلام کی حقیقی ہیئتِ مسلمہ کا تصور و اثر بھی ختم ہوگیا ___ یہی زمانہ ہے۔جب یورپ سے آئے ہوئے انگریز کو ہندوستان پر قبضہ کرنے کا آسان موقع فراہم ہوا ___ اور اس نے ہندوستان کی تمام سرزمین پر اپنی حکومت۔اپنا قانون نافذ کر دیا۔ہاں! اس زمانہ میں ہندوستان میں بسنے والے لوگوں کی حیثیت ___ ایک ''رعایا'' کی تھی۔جس میں ''ہندو'' ___ مسلمانوں کی کوئی واضح علیحدہ حیثیت محسوس نہ ہوتی تھی۔بلاشبہ۔ہندو مسلمان۔جیسا مغل شہنشاہیت کی حکومت میں ایک ہی۔رعیت ___ ایک ہی حیثیت میں رہتے تھے۔اس حال میں کہ ان میں۔نہ قومی حیثیت میں۔نہ مذہبی حیثیت میں تضاد و تفریق تھی۔نہ ان میں آپس میں ایک دوسرے سے دشمنی کا جذبہ پایا جاتا تھا ___ البتہ۔ہندوستان میں۔مغل

شہنشاہی کے زمانہ میں۔ سابقہ مہاراجوں کی ریاستیں باقی رہیں۔ اوران کے ساتھ ہندو براہمن۔ ہندورعیت میں۔ ہندوؤں کے۔ راہنما کی حیثیت سے مندروں پر مسلط ہندو مذہب کی اشاعت کرتے رہے۔ کہ مغل شہنشاہوں کی طرف سے انہیں ہر قسم کی سہولت۔ اور مذہبی پرچار کی آزادی میسر تھی ــــ بلکہ حکومت کی طرف سے انہیں وظائف دیئے جاتے تھے ــــ لیکن چونکہ یہ لوگ اپنا اقتدار مغلوں کے ہاتھوں کھو بیٹھے تھے۔ جسکے نتیجہ میں ہندو ریاستیں حکومت کے خلاف اکثر برسرِ پیکار رہیں۔ لیکن مغل طاقت کے آگے مغلوب رہیں۔ اسکے علاوہ براہمن قوم کو اگرچہ حکومت کی طرف سے ہر قسم کی آزادی میسر رہی۔ پھر بھی انکی اپنی مذہبی برتری۔ جاہ وجلال کے خاتمہ کے نتیجہ میں۔ انمیں مغل شہنشاہیت اور مسلمانوں کے خلاف نفرت۔ اور مغلوبیت کا جذبہ ہمیشہ قائم رہا یہاں تک کہ مغل شہنشاہیت کے زوال کے بعد ہندوستان پر انگریز کا مکمل قبضہ قائم ہوا ــــ

جیسا کہ تاریخ سے واضح ہے۔ کہ خلافتِ اسلامی (خلافت اموی۔ خلافت عباسی۔ خلافت عثمانی) کے زمانہ میں۔ اہل یورپ (انگریز) سے کئی مشہور جنگیں ہوئیں۔ جن میں۔ موسیٰ بن نصیر۔ طارق بن زیاد۔ اور صلاح الدین ایوبی سے جنگوں میں اہل یورپ کو شدید شکست فاش اور نقصان اٹھانا پڑا ــــ اسلئے انگریز مسلمانوں کے ہاتھوں۔ شدید ذلت کے احساس میں مسلمانوں کو اپنا ایک غالب دشمن تصور کرتا رہا ــــ چنانچہ خلافتِ عثمانیہ کے زوال پر انگریز نے سب سے اول مسلمانوں کی قوت کے خاتمہ کو ضروری سمجھا کہ جب تک مسلمانوں کا وجود باقی ہے انگریز کے اقتدار کی کسی موقع پر انہیں امید نہ تھی۔ اسلئے انگریز نے شدت کے ساتھ۔ مکروفریب۔ دغا۔ دھوکہ۔ سیاست کے حربوں سے مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور انکی قوتِ ایمانی کو ہر حیلہ سے انکے دلوں سے ختم کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ۔ خلافتِ عثمانیہ کے آخری زوال پر تمام مشرق۔ مدینہ سے لیکر۔ عراق۔ بغداد۔ مصر۔ ترکی۔ ایران اور تمام ممالک اسلامی کے انتشار پر انگریز کو موقع ملا۔ کہ اس نے مکروفریب اور سازشوں سے خلافت اسلامی کی پارہ۔ پارہ منتشر ریاستوں پر سیاسی غلبہ حاصل کر کے ــــ جبکہ ان میں۔ خلافتِ اسلامی۔ الدین الاسلام کی دینی خصوصیات یکسر محو ہو چکی تھیں۔

اور یہ مسلم قوم خودریاستوں میں تقسیم ہوکرایک دوسرے سے اقتدار کی جنگ میں زیرکرنے میں۔اپنی خودغرضانہ خواہشات کی تکمیل میں مصروف تھیں۔انگریز نے divide & rule کی پالیسی پر تمام اسلامی ریاستوں کو اپنادست نگر بنالیا۔۔۔اس حال میں کہ خلافتِ اسلامی میں اپنا اسلامی ساختہ حکومتی آئین وقانون بھی لائقِ عمل نہ رہا۔۔ جبکہ یہ ریاستیں اسلامی تصور سے خالی۔دنیوی زندگی کے نظام کو چلانے کیلئے۔اپنا خودساختہ آئین بھی نہیں رکھتی تھیں۔مجبوراًانہیں اپنی ریاستوں کے احکام کیلئے۔ انگریز سے مدد لینے پر مجبور ہونا پڑا۔اسطرح انگریز کو اسلامی ریاستوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھاکر۔ اسلامی ریاستوں میں دخل انداز ہونے کا وسیع موقع فراہم ہوا۔اس طرح اسی انگریز پالیسی کے نتیجہ میں۔انہیں ہر شعبۂ زندگی میں انگریز کی معاونت حاصل کرنی پڑی۔ یہاں تک کہ انگریز نے تمام عرب ممالک پر۔سیاسی۔قانونی۔معاشرتی غلبہ حاصل کرکے ان ریاستوں کو محکوم بنالیا۔کہ یہ اسلامی ریاستیں بغیر انگریز کی حمایت ومعاونت کے ذاتی طورریاستوں کو استحکام دینے میں عاری رہے۔۔۔یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز قوم کا دنیا میں۔مشرق ومغرب پر۔عروج کا سورج طلوع ہوتا رہا۔۔۔۔اسی عروج کے زمانہ میں۔انگریز کو اپنی قسمت کا ستارہ بلند ہونے پر۔ ہندوستان کی سونے کی چڑیا خود اسکے پنجرے میں آگئی۔انگریزوں نے ہندوستان کے ساحل پر قدم رکھا۔تو اس وقت مغل شہنشاہوں کا اقتدار غروب ہونے کے قریب آچکا تھا۔انگریزوں نے مکروفریب۔جھوٹ اوراپنی ساختہ سیاسی پالیسی ( کہ انسانیت کو دھوکہ دیکر اپنا غلام بنالو) کے ذریعہ آخر سازشوں کے ذریعہ مغل خاندان میں پھوٹ ڈالکر ایک دوسرے کا دشمن بنادیا۔۔۔۔اس حال میں کہ مغل شہنشاہی میں بھی۔اقتدارِ اعلیٰ۔ سلطنتِ مغلیہ میں الدین الاسلام کی رہی سہی ہیئت ختم ہوچکی تھی۔اور خاندان مغلیہ میں محض ہوس اقتدار ہوس حصول سلطنت ومال وجاہ میں آپس کی پھوٹ کے آثار پیدا ہوچکے تھے۔علاوہ ازیں مغل سلطنت کی اسلامی اخلاق کی رواداری کے نتیجہ میں۔ جو ہندوریاستیں ہندوستان میں باقی تھیں۔ان سب نے مغلیہ سلطنت پر قدیم دشمنی کی بناء پر سلطنت مغلیہ کے خلاف لشکرکشی۔اور ہندو براہمنوں اور سرمایہ دار طبقہ کی سلطنت مغلیہ۔اور مسلمانوں کے خلاف۔ بغض وعناد۔اوراسلام دشمنی کے جذبہ کے

تحت اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں کچھ ذاتی طور اور کچھ انگریزوں سے دوستی کی صورت میں مغلیہ خاندان اور شہنشاہیت کے خاتمہ میں انگریزوں کا ساتھ دیکر۔ سلطنتِ مغلیہ کا خاتمہ کر ڈالا۔ کہ اب ہندوستان میں نہ سلطنتِ اسلامی کا وجود باقی رہ سکا نہ اسلام کی کسمپرسی کی حالت میں۔ اسلامی ہئیتِ مسلمہ قائم رہ سکی۔ نہ اہل اسلام کو قرآن وحدیث کے علم کے حصول میں۔ کوئی مرکز یا ادارۂ اجرائے اسلام باقی رہا۔ اس وقت عہد سلطنت مغلیہ کے زوال پر مسلمان یکسر پارہ پارہ۔ منتشر ہوکر اپنی دینی۔ اور اقتدار کی ہئیت سے قطعاً محروم ہو چکا تھا۔ سوائے اسکے کہ انگریز کی یکصد سالہ حکومت میں۔ انگریز نے براہ راست بقیہ مسلمانوں کے جذبۂ ایمانی کو انکے دلوں انکے عمل سے خارج کرنے کے منصوبے بنا کر مسلمانوں کے دلوں سے دین کی محبت و دلچسپی کو ختم کرنے کیلئے ہر حیلہ و سازش استعمال کی یہاں تک کہ مسلمانوں کے دلوں سے دین کی عظمت اور دین سے لگاؤ۔ توجہ کے اثرات بھی محو ہوتے گئے ـــــ البتہ جیسا کہ اسلام کے بعض۔ محققین اور صاحبِ تقویٰ۔ صاحبِ فہم علماً نے یہ احساس کیا۔ کہ مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کی عظمت اور دینی ہیئت یکسر معدوم ہوکر۔ مسلمانوں کو بے عملی کی زندگی گزارنے میں۔ بے دینی کے عمل میں محصور کیا جارہا ہے۔ مسلمان کسی وقت بھی غلامی کی ذلیل ترین زندگی گزارنے پر مجبور ہوکر۔ الدین الاسلام کی ہئیت مسلمہ اور اجرائے قرآن و سنت کے تمام دروازے مسلمانوں اور مخلوق انسانی کے تمام دروازے بند ہوکر ـــــ ہندوستان میں بسنے والے اسلام دشمن ہندو۔ انگریز کے ساتھ مل کر۔ اسلام اور مسلمان کی ہئیت مسلمہ کا خاتمہ کر ڈالینگے۔ جسکے نتیجہ میں ہندوستان میں ہندو قوم کو غلبہ حاصل ہوکر۔ کفر کو فروغ حاصل ہوگا۔ یہ حالات علمائے اسلام کیلئے۔ تباہی اور پریشانی کے آثار واضح کررہے تھے۔ جنکے لئے علمائے اسلام نے ان حادثات کا احساس کرتے ہوئے۔ انگریز کی پالیسی کی مخالفت کا آغاز کیا۔ جس میں علمائے ہند میں سرسید احمد خاں مرحوم نے ابتدائی اقدام انگریز پالیسی کے خلاف اٹھایا۔ اسکے ساتھ اور بھی اسلام کے جید علماً محمد علی جوہر۔ حسرت موہانی۔ ظفر علی خان اور بہت سے دیگر زعماً نے اسلام اور مسلمان کی ذات اور ہئیتِ مسلمہ کے تحفظ و وسعت کیلئے کوششیں کیں ـــــ یہ حقیقت ہے کہ انگریز اس سے قبل

مسلمانوں (اقتدارِ اعلیٰ ـــ خلافتِ اسلامی) سے شدید ذلت وشکست کھا چکے تھے۔اسلئے انگریز نے براہ راست مسلمانوں کی قوت سے متاثر ہوکر مسلمان کی قوتِ ایمانی کوانکے دلوں اور عمل سے یکسر محوکرنے کیلئے ترقی کی تمام راہیں مسدود کردیں ـــ بدقسمتی سے مسلمانوں میں۔خلافتِ اسلامی۔ عثانی کے زوال کے ساتھ۔علمائے اسلام کا وہ قوتِ ایمانی کا روحانی عمل استعمال نہ ہوا۔جس وجہ سے اہلِ اسلام کی اپنی علمی۔عملی استطاعت کمزور ہوکر عوام المسلمین میں وہ جذبۂ ایمانی ـــ اور دین سے لگاؤ۔رغبت کمزور ہوتی چلی گئی۔کہ عوام المسلمین کواجرائے دین کے عمل میں حقیقی علم وعمل میسر نہ آسکا۔اس حال میں۔کہ دین الاســلام کا عمل محض ایمان سے تعلق رکھتا ہے۔یہ علم وعمل حصولِ دنیا میں معاون نہ ہوسکتا تھا۔جسکے لئے ہندوستان میں۔انگریز اور ہندوآبادی کے مقابلہ میں۔مسلمان کو وقتی طوراپنی ساخت کومحفوظ وقائم رکھنا ضروری تھا۔جسکے لئے انگریز حکومت کی مروجہ تعلیم حاصل کرنا از حد ضروری تھا۔تاکہ دنیوی حیثیت میں۔حکومت میں مسلمانوں کوقومی حیثیت میں اونچا مقام حاصل ہوتا۔

بدقسمتی سے مسلمانوں کی حالت یہی رہی کہ خلافتِ اسلامی کے زوال کے بعد مسلمانوں کی دینی علمی ساخت یکسر ختم ہوگئی ـــ جس بنأ پر اجرائے۔قرآن وسنت اور علومِ اسلامی کی ترویج قائم نہ رہ سکی۔اس صورت میں بھی کہ مسلمانوں کے دینی علوم سے ناشناسی۔اور عدمِ تعمیل کی بنأ پر انگریز کومسلمانوں کو دین سے دور رکھنے۔اور بے عملی کی زندگی بسر کرنے میں انکی سازشوں میں کامیابی رہی۔کہ مسلمان اپنے آپ کو بحیثیت قوم ہندوستان میں مسلم ومحکم نہ رکھ سکے۔اسلئے ضروری تھا۔کہ مسلمان بحیثیت قوم (آرین۔ہندوستانی) اپنی قومی (وطنی) حیثیت میں۔اس ملک میں اپنی حیثیت قائم رکھ سکیں۔جسکے لئے انتہائی ضروری تھا کہ مسلمان بحیثیت ہندوستانی (آرین ـــ یا مسلم آرین) اس ملک میں اپنا حق ـــ ''حقِ وطن'' ـــ (آرین۔ہندوستانی) حاصل کرکے۔زندہ رہ سکیں۔اس نظریہ کے تحت۔اصولی طور ـــ مسلمان آرین قوم کی حیثیت میں ہندوستان میں انگریز حکومت میں۔بحیثیت آرین قوم۔مسلمانوں کے حقوقِ آبادی مسلمہ ـــ تسلیم کیا جاسکتا تھا۔صرف

فرق یہ تھا۔ کہ اہل اسلام۔ علمائے امت کی راہنمائی میسر نہ آنے کی صورت میں۔ مسلمان صرف حصولِ دنیا کی طرف رجوع کر کے دینی عمل سے دور ہو جاتا ـــــ جس سے مسلمان اپنے حقیقی مقصد اور الدین الاسلام ـــــ اور اقتدارِ اعلیٰ کے اجرأ سے محروم ہو جاتا ـــــ اس موقع پر اکابرین اسلام کے نزدیک یہ امر ضروری تھا۔ کہ وہ حصول اقتدارِ دنیوی کیلئے۔ انگریز کی مروجہ تعلیم وعلم پر توجہ دیکر۔ ہندو کے مقابلہ میں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد پیدا کر کے۔ ایک راہنمایانہ وجود پیدا کرتے۔ تاکہ مسلمانوں کی۔ ہئیتِ مسلمہ کا وجود قائم ہو کر مسلمانوں کی وجودی حیثیت کو تسلیم کیا جاتا۔ کہ حکومت انگریزی میں انہیں اعلیٰ عہدوں پر جگہ مل سکتی ـــــ چونکہ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے زوال پر ۔ایک غیر قوم انگریز نے ہندوستان پر دھوکہ فریب سے قبضہ کیا۔ اسلئے بجائے خود ـــــ ہندوستان نہ مسلمان (نومسلم آرین قوم) اور نہ ہی ہندو (قدیم آرین قوم) کے زیر قبضہ رہا اسلئے۔ ہندوستان کی تمام (آرین) قوم۔ انگریز حکومت کی غلام رہی۔ جس میں اس قوم کا ہندوستان پر کوئی آئین و قانون نافذ نہ رہ سکا۔ برعکس اسکے انگریز نے ہندوستان پر حکومت چلانے کیلئے۔ ایک انگریزی آئین وقانون نافذ کیا۔ جس پر ہندوستان کے ہر فرد (ہندو آرین۔ مسلم آرین) کیلئے اطاعت لازمی ہوئی۔ یہ آئین۔ قانون اہل یورپ (انگریز) کا ذاتی اجرأ کردہ قانون نہ تھا۔ بلکہ ہندوستان پر حکومت قائم رکھنے کیلئے ایک ضابطہ مرتب کیا گیا۔ جسکا اجرأ ہندوستان کیلئے ہی لازم رکھا گیا ـــــ اس حال میں۔ مغل سلطنت کے زمانہ میں۔ اسلامی مرتب کردہ آئین کی حیثیت یکسر معدوم ہو گئی۔ جبکہ سلطنت مغلیہ کی حکومت میں آرین حکومتوں کا قانون (جو قبل از مغلیہ سلطنت رائج تھا) پیشتر ہی معدوم ہو چکا تھا ـــــ

یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ سلطنتِ مغلیہ کے دور میں۔ اور سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے بعد انگریز حکومت کے ابتدائی دور میں۔ ہندوستان میں ـــــ آرین قوم کے نومسلم (مسلمانوں) اور ہندوستان میں بسنے والے آرین قوم (ہندوؤں) میں۔ باوجود ـــــ آرین حکومتوں۔ مہاراجوں کے زوال وشکست کے۔ ہندو مسلم میں کوئی تفریق۔ یا حسد وعداوت پائی نہ جاتی تھی ـــــ سوائے

اسکے۔ کہ عہد مغلیہ کے بعد۔ ہندوستان کے نومسلم۔ آرین لوگوں میں کسی حد تک دینی فرق محسوس کیا جاتا تھا۔ لیکن معاشرتی حیثیت میں ہندو مسلم میں۔ محبت و یگانگت کے آثار موجود تھے۔ رفتہ رفتہ انگریز حکومت کی پالیسی کے مطابق۔ انگریز نے ہندو آرین قوم (ہندو مسلم) کی اس یکجہتی اور اتحاد کو قائم نہ رہنے دیا ـــــ یہ امر ظاہر ہے۔ کہ باوجود سلطنت مغلیہ کی حکومت کی طرف سے اہل ہندوستان ـــــ ہندو مسلم۔ اور دیگر اقوام کو اسلامی رواداری اور اسلامی عدل کے تحت ہر طرح کی آسائش و آزادی حاصل رہی۔ لیکن۔ عہدِ سابق کے مہاراجوں۔ ریاستی راجوں۔ اور ہندو براہمنوں کے زوال کے نتیجہ میں۔ یہ فرقے ہر حال میں اہل اسلام۔ سلطنتِ مغلیہ اور مسلمانوں کے دشمن رہے ـــــ اور جب انہیں سلطنت مغلیہ کے تسلط سے آزادی ملی۔ تو انہیں انگریز حکومت میں۔ مسلمانوں سے انتقام لینے کا موقع ملا۔ تو انہوں نے۔ انگریزوں کے ساتھ اتفاق کر کے۔ مسلمانوں کو ہندوستان میں محکوم بنانے کیلئے۔ منصوبے بنانے شروع کئے۔ جس میں سب سے اول یہ منصوبہ تھا۔ کہ انگریز کی مروجہ تعلیم حاصل کر کے۔ حکومت انگریزی میں اعلےٰ مقام (عہدوں) پر فائز ہو کر مسلمان کیلئے ترقی و آزادی کی راہیں یکسر مسدود کر دیں۔ اسکے ساتھ ہی مسلمانوں اور ہندوؤں کی یکجہتی اور اتحاد کو توڑ کر ان میں تفریق پیدا کر کے مسلمانوں کی قوت کو کمزور کیا جائے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوؤں میں دینی عقائد پر کوئی عمل مسلّم نہ تھا۔ کہ وہ دین کے معاملہ میں توجہ رکھتے۔ اسکے مقابل مسلمان (نومسلم یا عرب) کیلئے دین کی حیثیت کو قائم رکھنا ضروری تھا۔ لیکن بدقسمتی سے علمائے اسلام کی اپنی ساخت اتنی کمزور تھی۔ کہ وہ نہ دین اسلام کی اشاعت میں اسقدر کامل تھے۔ کہ مسلمانوں کو تعلیم کے ذریعہ دین کی اطاعت میں مستعد رکھ سکتے۔ نہ ان میں اشاعت دین کی اسقدر قوت تھی کہ اسلام کی وسعت سے اہل ہندوستان پر قابو رکھ سکتے ـــــ ہندو کے نزدیک دینی عمل کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اسلئے انکے لئے انگریز کی مروجہ تعلیم حاصل کرنے میں کوئی قباحت نہ تھی ـــــ جب کہ انگریز نے دیدہ و دانستہ۔ تعلیم کے سلسلہ میں ایسے عقائد و نظریات اور علمی وسائل شامل رکھے۔ جن پر عمل کرنے سے مسلمان کی دینی حیثیت کمزور ہو کر بے عملی

کے اثرات پیدا ہو کر دین سے دور ہو جانے کے خطرات پائے جاتے تھے۔ جبکہ علماً ایسے حالات کو دیکھ کر۔ مسلم اکابرین کے خلاف کفر کے فتوے دیتے رہے۔ کہ انگریزی تعلیم ـــــ یکسر اسلامی تعلیم کے خلاف مسلمانوں میں بے دینی کے اثرات پیدا کریگی ـــ لیکن یہ امر ضروری تھا۔ کہ مسلمان اگر انگریز کی مروجہ تعلیم حاصل نہ کرتا۔ تو ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت انتہائی ابتر اور پسماندہ ہو جاتی۔ اور انکے مقابلہ میں۔ ہندو حکومت انگریز کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی ہیئتِ مسلمہ اور عام عوامی حیثیت کا خاتمہ کر کے انہیں غلام بنا لیتی۔ اس حال میں کہ آئندہ۔ ہندوستان میں اسلام ـــ اور مسلمان کی اسلامی ہیئت کا کبھی بھی وجود قائم نہ ہو سکتا۔ کہ وہ بحیثیت مسلمان۔ اپنی۔ دینی ـــ قومی ساخت بحال رکھ سکتے۔

یہی زمانہ ہے۔ جب اکابرین اسلام نے انتہائی محنت و جدوجہد سے انگریز کی مروجہ تعلیم حاصل کرنے میں مسلمانوں میں اس تعلیم کا رحجان پیدا کر کے مسلمانوں میں انگریزی تعلیم حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی جسکے نتیجہ میں آگے چل کر مسلمانوں میں اعلیٰ تعلیم یافتہ۔ افراد پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اسی مروجہ تعلیم کے ذریعہ ہندوستان میں۔ ہندوؤں کے مقابلے میں۔ اپنا ایک اعلیٰ مقام حاصل کر کے جملہ مسلمانانِ ہند کی راہنمائی کا بیڑا اٹھایا۔ اس حال میں کہ ان حضرات کی اعلیٰ صلاحیتوں اور جدوجہد سے ہندوستان میں۔ مسلمانوں کی وجودی حیثیت کو تسلیم کیا گیا ـــ اور مسلمانوں کو بھی حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر مقام حاصل ہوا ـــ یہ حقیقت ہے۔ کہ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے بعد۔ مسلمانوں کی دینی حیثیت ( الدین الاسلام ) قطعاً مسخ و بے اثر ہو چکی تھی۔ بلکہ ایشیا میں خلافتِ اسلامی کی منتشر ریاستوں پر بھی انگریزی اثر اتنا غالب آچکا تھا۔ کہ انکے پاس اپنا کوئی دینی۔ آئین وقانون موجود نہ تھا۔ کہ وہ اپنی حقیقی دینی ہیئتِ مسلمہ کو قائم رکھ سکیں۔ سوائے اسکے کہ ہر ریاست انگریز کے ساختہ آئین وقانون کی مدد سے اپنی مسخ شدہ ہیئت کو سہارا دیتی رہی۔ اس حال میں کہ ان ریاستوں میں انگریز کا تسلط قائم ہو چکا تھا۔ ایسی صورت میں مسلمانان ہند کو ان ( مسخ شدہ خلافتِ اسلامی ) ریاستوں سے کسی قسم کی معاونت میسر نہ ہو سکتی تھی ـــ جبکہ

ہندوستان پر انگریز کے مکمل غلبہ وحکمرانی میں۔ انگریز مسلمانوں کی قوتِ ایمانی ختم کرنے میں۔ ہر حیلہ سے خصوصاً تعلیمی پالیسی کے ذریعہ کوشاں تھا ـــــ کہ مسلمان ہر حالت میں اپنی قوت۔ قوت ایمانی ـــــ اور اقتدار حاصل کرنے میں کسی طرح کامیاب نہ ہوسکیں۔ یہ امر مسلمانانِ ہند کیلئے۔ انتہائی نقصان دہ تھا۔ کہ انگریز ہندوستان اور مغلیہ سلطنت کی حکومت کے آثار کا مطالعہ کر چکا تھا۔ کہ عہد مغلیہ میں۔ مسلمان اور ہندوؤں میں کسی قسم کی تفریق یا بغض وحسد کے اثرات موجود نہیں۔ جس سے قومی حیثیت میں۔ ہندو ـــــ مسلم ایک احساسِ قومی۔ احساسِ وطنی۔ احساس یکجہتی ایک ہی ہئیت میں۔ ہندوستان میں انگریز کے مدمقابل اپنے حقوقِ وطنی۔ حقوقِ قومی۔ حاصل کرنے میں جدوجہد کرنے میں کامیاب ہوجاتے۔ لیکن بدقسمتی سے یہ آثار بھی مستقل قائم نہ رہ سکے۔ ایک طرف علمائے اسلام نے انگریزی مروجہ تعلیم حاصل کرنے کی مخالفت کی جسکے نتیجہ میں۔ ہندوقوم کے مقابل مسلمانوں کی جدوجہد سے۔ ہندوؤں میں بھی احساس غیریت (غیر مذہبیت) پیدا ہونے لگا۔ کہ ہندومسلم میں آپس کی محبت ویگانگت کے احساس متاثر ہوئے۔ یہ اثر مسلمانوں اور ہندوؤں میں نفرت کے آثار پیدا ہونے کا سبب بنا ـــــ دوسری طرف۔ ہندوستان میں۔ ریاستوں کے مہاراجوں۔ اور براہمنوں کے فرقوں نے یہ محسوس کرتے ہوئے۔ کہ سابقہ حکمران قوم کے مسلمان۔ دوبارہ اپنا اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوں انہوں نے محض مسلمانوں کی قوت کمزور کرنے میں۔ ہندو مسلم کے درمیان منافرت پیدا کرنے کی سازشیں کیں۔ جن میں انہوں نے حکومت انگریزی کا ساتھ دیکر۔ ہر موقع پر مسلمانوں کے خلاف نفرت کو ہوا دی۔ جسکے نتیجہ میں آئندہ۔ ہندو۔ اور مسلمانوں کے درمیان غیریتِ قومی غیریت دینی کا احساس پختہ ہوکر۔ یہی ایک آرین قوم۔ ''ہندو'' ـــــ اور ''مسلمان'' قوم کی شکل میں نمایاں ہوگئی ـــــ اسطرح۔ ایک زمانہ میں۔ (جب عالمی جنگوں میں) انگریز کی قوت مفلوج ہوگئی۔ اور انہیں کی مروجہ تعلیم سے اہل ہند میں '' آزادی'' کی تحریک ابھرنے لگی ـــــ تو اصولی طور جیسا کہ ہندوستان میں ایک ہی '' آرین قوم'' کا تصور موجود تھا ـــــ انہیں بحیثیت مجموعی ایک قوم کی حیثیت میں آزادی کے حصول میں جدوجہد کرنا لازمی تھا۔ تا کہ

ہندوستان کی سرزمین پر اقتدار۔قومی حیثیت میں مجموعی طور (بحصہ مساوی) حاصل ہوتا ـــــ تاریخ سے یہ امر واضح ہے۔کہ جنگ عظیم کے بعد جب انگریز کی قوت کمزور ہوگئی تو۔ہندوستان کے۔ہندو ـــــ مسلمان اکابرین (لیڈران) نے انگریز سے ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ کیا ـــــ حقیقتاً یہ مطالبہ۔بنیادی اصول کے تابع (قطع نظر۔ہندو (کافر) ـــــ مسلمان کے) ایک (آرین) قوم کی حیثیت میں مشترکہ جدوجہد کے ذریعہ کیا جانا لازمی تھا ـــــ جسکے لئے۔سابقہ راجوں۔براہمنوں۔اور علماً کی طرف سے قوم میں تفرقہ کے جذبات پیدا کرنے کے۔ایک قوم کی حیثیت حاصل کرنا ضروری تھا۔بجائے اسکے کہ محض سازشی عنصر کی سازشوں کے نتیجہ میں۔ایک قوم میں۔دینی۔مذہبی نظریات پیدا ہوکر۔ایک متحدہ قوم کو منتشر کرکے۔اپنے مفاد کے حصول میں۔ایک شدید قومی فساد پیدا ہوکر۔اہل ہندوہ مفاد و مقام حاصل نہ کرسکے جو قومی حیثیت میں انکے لئے نفع بخش اور بے ضرر ہوتا۔جبکہ ایک متحدہ قوم میں۔اکثریت و اقلیت کا تصور نہ باقی رہتا۔اس حال میں کہ بحیثیت ''انسان'' ـــــ بحیثیت فرد ـــــ بحیثیت آبادی ـــــ بحیثیت آرین قوم ـــــ ہر فرد کا ''حق'' تسلیم کیا جاتا ـــــ جس میں دینی ـــــ مذہبی ـــــ تفریق کا تصور باقی نہ رہتا ـــــ جس طرح انگریز تسلط میں۔اہل ہند میں۔ہندو ـــــ مسلمان کا تصور محسوس نہ کیا جاتا تھا۔اے کاش! ـــــ اگر ہندوستان کے اہلِ دانش (ہندو۔مسلم اکابرین۔لیڈران) ذرا فہم و تدبر اور وسعتِ قلبی سے کام لیکر ایک عام منصوبہ بناتے۔تو ہندوستان میں۔مسلمانوں کی علیٰحدہ سٹیٹ کے نتیجہ میں اتنا قتل و غارت اور اتنی تباہی پیدا نہ ہوتی۔کہ نصف صدی۔گزرنے پر بھی۔ابھی اہل ہند (ہندو۔مسلمان) کو ایک رات آزادی میں چین کی نیند سونا نصیب نہ ہوا۔جبکہ اس تقسیم کے نتیجہ میں تقریباً سات کروڑ (اور اب ۱۹۹۰ء میں گیارہ کروڑ) مسلمان ـــــ اور اسی طرح ہندو۔پستی و ذلت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔اس حال میں کہ اہلِ ہند کی آزادی۔بیشتر افراد کی بدترین غلامی کا سبب بنی ـــــ جو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے انکا مقدر بن چکی ہے۔

حقیقت یہ ہے۔کہ اس امر پر غور کیا جائے ـــــ کہ قدیم آرین مہاراجوں۔اور براہمنوں

کے عہدِ سلطنت میں ہندوستان میں صرف ایک آرین قوم بستی تھی ــــ جن میں ۔مہاراجوں ۔ریاستی راجوں ۔حکومت کے عہدے داروں اور حکومت سے منسلک براہمنوں ۔ کے ایک فرقہ سے علاوہ ۔ کروڑوں کی تعداد میں ۔عوام ۔ان فرقوں کی غلامی میں زندگی بسر کر رہے تھے ــــ یہاں تک کہ ہندوستان پر مغل مسلمانوں کا تسلط قائم ہوا ۔اس وقت تک ہندوستان میں بسنے والی قوم ــــ ''آرین'' ــــ تصور کی جاتی تھی ۔جن میں قدیم زمانہ کی ۔قوموں میں ۔بدھ ۔زرتشتی ۔آریہ ورتی ۔اور دیگر مذاہب کی قومیں ہندوستان میں ( خواہ مذہبی اعتبار سے ان میں اختلاف یا تصادم پایا جاتا رہا ) تمام مذاہب کی قومیں ایک ہی آرین تصور میں متعارف تھیں ــــ اور جب مسلمانوں نے ہندوستان پر تسلط قائم کیا ۔حقیقتاً ــــ دیکھا جائے ۔تو اس قوم کی اصل ــــ آرین ــــ تصور کی جاتی تھی ۔فرق صرف یہ ہوا ۔کہ مسلمانوں کی تبلیغ واشاعتِ دین سے ۔انہیں آرین قوم کے افراد نے اسلام قبول کر کے ۔ایک علیٰحدہ دینی حیثیت اختیار کی ۔تو ان میں ــــ ہندو ــــ مسلم فرقہ کا ایک نیا تصور پایا گیا ــــ حالانکہ معاشرتی زندگی میں ایک نیا مذہب اختیار کرنے سے ۔فرق ۔یا تبدیلی واقع نہیں ہوئی ــــ یعنی حصول دین میں مسلمانوں کا ایک منفرد ــــ علیٰحدہ ضابطہ قائم ہوا ــــ لیکن حصول دنیوی میں ۔اس عمل سے کوئی علیٰحدہ صورت پیدا نہیں ہوتی حصولِ دنیا میں ۔معاشرہ میں ہر فرد کا ( بلاتمیز مذہب و ملت ) حق مساوی تسلیم کیا جاتا ہے ۔ایک مسلمان زمین کے کھیت سے جتنا محنت کرے مفاد حاصل کر سکتا ہے ۔اتنا ہی ایک ہندو اپنی محنت سے حاصل کر سکتا ہے ۔کہ مذہبی عقیدہ ( عمل ) اسکے حصولِ حق میں تفریق پیدا نہیں کر سکتا ــــ اس حال میں ۔کہ دین و مذہب کا تعلق عقیدہ و نظریہ سے ہوتا ہے ۔ جس عمل پر حصولِ معاشرت کا مدار نہیں ــــ یا عقیدہ ۔حصولِ معاشرت میں اثر انداز نہیں ہوتا ۔

حقیقت یہ ہے ۔اس امر پر کشادہ ذہنی سے غور کیا جائے ۔ ہندوستان میں اہل ہندوستان میں اتنی شدید نفرت اور بغض وعناد ۔اور تضاد کا کوئی موقع نہ تھا ۔جبکہ ہندو مسلم فرق کے باوجود ۔ہندو مسلم بھائی بھائی کی طرح بسر کرتے رہے ۔جب کہ عہد مغلیہ میں ــــ مسلمانوں اور ہندوؤں میں کسی موقع پر ایسے واقعات تاریخی طور ثابت نہیں کہ ہندو مسلمانوں میں دشمنی یا نفرت پائی جاتی تھی ۔یہی

حال انگریز حکومت کے عہد میں بھی رہا ___ لیکن۔ انگریز بد دیانت اور فطرۃً سازشی قوم رہی۔ جس نے دنیا پر مکر و فریب اور دغا سے مخلوق انسانی کو اپنا غلام بنا کر دنیا کے وسیع علاقہ پر قبضہ کر لیا ___ البتہ۔ خلافتِ اسلامی کے زمانہ میں۔ انگریز (اہل یورپ) نے اپنی ظالمانہ۔ انسان دشمنی۔ اور مکر و فریب کے نتیجہ میں۔ انہیں مسلمان طاقتوں کے ہاتھوں شدید ذلت و شکست اٹھانی پڑی۔ انگریز یہ بات بھول نہیں سکتا کہ مسلمان ___ اور دین اسلام ایک عظیم قوت ہے۔ جہاں پر بھی اس وجود کا قدم آیا۔ وہاں سوائے۔ اسلام اور مسلمان کے اور کوئی قوت باقی نہیں رہ سکتی۔ اس حال میں کہ۔ انگریز کی بربریت۔ ظلم و جبر کے مقابلہ میں۔ مسلمان ___ اور دین اسلام اسکے خلاف امن و سلامتی۔ آزادی اور خوشحالی کا سبب بنا ___ یہ ایک اہم تصور ہے۔ جو انگریز کے زیر نظر (زیر ذہن) رہا۔ انگریز نے بلاشبہ۔ ہندوستان میں مغل شہنشاہوں میں دھوکہ۔ فریب اور فساد پیدا کر کے مغل سلطنت کو کمزور کر کے ہندوستان پر قبضہ کر لیا ___ ہاں! یہاں انگریز کے ذہن میں یہ تاثر قائم رہا۔ کہ ہندوستان میں قدیم آرین قوم چونکہ ہزاروں سال غلامی کی حالت میں بسر کرتی رہی۔ یا آرین قوم کے مہاراجے، باقی سلطنت کے والی اس قدر طاقت ور نہیں کہ۔ انگریز کو انکی طرف سے نقصان کا خطرہ ہو ___ خطرہ ہے۔ تو مسلمانوں سے اسلئے انگریز نے مسلمانوں کی طاقت کو منتشر کرنے کیلئے۔ جو وار کیا۔ وہ مسلمان قوم کی قوتِ ایمانی کو سلب کرنے کا تھا۔ یوں زمانہ میں مسلمان۔ دینی لحاظ سے مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ اسکے پاس نہ علماءِ دین کی طرف سے کوئی ٹھوس علم و عمل میسر آ تا رہا نہ مسلمان خود اطاعت اور تعمیل احکام دین میں کامل تھا۔ مسلمان تسبیح و عبادات سے یکسر غافل۔ بے عملی کی زندگی بسر کر رہا تھا ___ سلطنتِ مغلیہ کے زوال کی وجہ سے مسلمان اپنی قوت بھی کھو چکا تھا۔ مسلمان دینی۔ دنیوی اعتبار سے مردہ ہو چکا تھا۔ اسلئے مسلمان کو دین سے دور کرنے میں انگریز کو زیادہ محنت نہ کرنی پڑی۔ اس میں انگریز کی شاطرانہ سازش۔ یہ کہ ہندو قوم کے اکابر (یعنی راجوں۔ مہاراجوں اور براہمنوں کے ہمنوا) جنہوں نے بغیر دینی روکاوٹ کے انگریزی مروجہ تعلیم سے قوم میں اعلےٰ مقام حاصل کر کے ایک راہنمایانہ حیثیت حاصل کی۔ یہ فرقہ ہمیشہ باوجود مسلمانوں کی طرف سے اسلامی رواداری اور

حسن سلوک کے مسلمانوں سے دشمنی اور عداوت رکھتا رہا۔اسی فرقہ نے ہندوقوم کی راہنمائی کی ــــ اور انگریز نے اسی فرقہ کو مراعات دیکر اپنا مطیع و ہمنوا بنا کر مسلمانوں کے خلاف ایک حربہ کی صورت میں استعمال کیا ــ اور آئندہ اسی فرقہ کے ذریعہ ہندو مسلمان قوم میں جو بھی آثار نفرت اور تفریق پیدا ہوئی۔اہل ہندوستان میں خونریز تصادم کی صورت پیدا کی گئی۔

یورپ میں جنگ عظیم کے نتیجہ میں جب انگریز اپنی حکمران طاقت کھو بیٹھا۔تو اہل ہند کے ۔ہندو مسلمان لیڈروں نے انگریز سے آزادی کا مطالبہ کیا ــ اس وقت انگریز ہندوؤں کے حق میں نیک نیت نہ تھا۔کہ ملک ہندوؤں کے سپرد کرتا۔ بلکہ یہ انگریز کی ایک خوفناک سازش تھی۔کہ اسکے ملک چھوڑنے کے بعد۔اہل ہند ــ ہندو مسلمان کے درمیان خونریز تصادم ہو۔اور ہندو مسلمانوں میں کسی طرح اتفاق کی صورت پیدا نہ ہو۔کہ ملک میں اطمینان سے حکومت کریں۔چنانچہ انگریز نے اندرون سازش سے ہندو لیڈروں سے ساز باز کر کے مسلمانوں کی وجودی حیثیت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ــ جسکا نتیجہ لازمی یہی تھا۔کہ قوت اور علم کے اعتبار سے ہندوؤں کو مسلمانوں پر غلبہ حاصل رہتا ــ اور جب تک مسلمانوں کی وجودی حیثیت تسلیم نہ کی جاتی۔مسلمان بے اختیار۔ ہندوؤں کی غلامی میں مجبور ہو جاتا۔ضروری تھا۔کہ انگریز کی طرف سے اہل ہند کی آزادی میں انگریز نے جو شاطرانہ ترکیبیں استعمال کیں۔مسلمان زعما (لیڈروں) کو مجبوراً اسکی مخالفت کرنی پڑی۔اس حال میں۔کہ ہندو لیڈر اصلاً مسلمانان ہند کی دشمنی پر اتر آئے۔کہ مسلمان کو کسی طرح ہندوستان میں آزاد حیثیت میں رہنے نہ دیا جائے۔یہ تاثر تھا۔جس پر مسلمانان ہند کو مجبوراً ہندو کے خلاف اپنی حیثیت کے تحفظ کیلئے۔اقدام کرنا پڑا اور یہ عمل ہندو مسلمان کے درمیان مزید نفرت و عناد کا سبب بنا۔ کہ ایک قوم کے افراد میں۔دو قومی نظریہ کی آڑ میں تفریق و دشمنی پیدا ہو گئی ــ جبکہ مسلمانوں نے (ایک قومی نظریہ سے ہٹ کر) اسلامی ہیئتِ مسلمہ کے نظریہ پر ہندو اور مسلمان قوم کی شکل میں ۔ہندوستان میں اپنے حقوقِ آزادی (یعنی تقسیم ہند) کا مطالبہ کیا ــ کہ دینی اعتبار سے۔ہندو ــ اور مسلمان کے دینی عقائد میں بُعد اور اختلاف ایک لازمی نتیجہ تھا۔جس بناء پر۔ہندو مسلم اتحاد

کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ یہ امر واضح ہے۔ کہ ہندو قوم کے نزدیک حصول اقتدار میں دین کو دخل نہ تھا۔ کہ انکی حکومت دین کے ضابطوں پر منحصر ہو۔ جبکہ انکے نزدیک دین کو حصولِ دنیا میں کوئی دخل نہ تھا۔ اسکے برعکس مسلمان کے لئے حصولِ دنیا کے ساتھ۔ دین کے حصول وضوابط پر کاربند رہنا ایک فریضہ کی حیثیت میں لازمی تھا۔ ایسی صورت میں دینی عقائد میں۔ جبکہ ہندو (آرین مذہب) اور اسلام کے عقائد ونظریات میں زمین وآسمان کا اختلاف تھا۔ ایسی صورت میں ـــــ جیسا کہ عرض کیا گیا ـــــ ہندو مسلم میں متحدہ طور۔ ہندوستان کی مشترکہ حکومت تشکیل دینا ناممکن تھا ـــــ مثلاً ہندو دینی عقائد۔ اصل دینی عقائد نہیں ـــــ بلکہ گزشتہ رشیوں۔ براہمنوں کے اختراع کردہ من گھڑت قوانین پر ہندو حکومت میں قوانین جاری تھے۔ اسکے برعکس مسلمان ایک خالص دینِ اسلام کے تابع ایک لائحہ عمل یا ضابطہ ترتیب دیتے ہیں۔ جن ضوابط پر انکے اعمال کا انحصار ہے۔ دین اسلام میں فطری قوانین کا اجراٗ ہوتا ہے گویہ قوانین (قرآن وحدیث وفقہ۔ اجتہاد کی صورت میں) دین کی حیثیت میں استعمال ہوتے ہیں۔ جس میں حصول دنیا۔ حصول حکومت میں واضح قوانین استعمال ہونے کا موقع نہیں۔ نہ حکومت، اقتدار اعلیٰ، کیلئے قرآن وحدیث سے ضوابط لئے جاتے ہیں۔ جبکہ اجرائے حکومت میں اجتہادی طور قوانین مرتب کئے جاتے ہیں۔ اور یہ قوانین اقتدارِ اعلیٰ خلافتِ اسلامی کے نظام کو منضبط رکھنے کیلئے۔ وقت کے علمائے امت محققین۔ امامینِ وقت کے تقاضوں کے مطابق (جیسی ضرورت ـــــ جیسے حالات رونما ہوتے ہیں) ترتیب دیکر۔ ''خلافتِ اسلامی'' کیلئے آئین وقانون مرتب کرتے ہیں۔ اس حال میں۔ کہ یہ آئین وقانون۔ شریعت کے احکام کے مطابق وضع کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا ایسے ضوابط قرآن وسنت کے دائرے میں جاری کئے جائیں۔ چونکہ ہندو عقائد کے خلاف نہ ہندو ایسے قوانین کی اطاعت میں آسکتے ہیں۔ نہ مسلمان ہندو قوانین پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔ اسلئے ضروری ہوا۔ کہ ریاست کی حیثیت میں ـــــ ایک قوم کی حیثیت میں۔ ملک (زمین) پر افرادی حیثیت میں جنکا انہیں حق ملنا چاہیے۔ انہیں ریاست کی تعمیر کیلئے حصہ دیا جائے۔ اور مسلمان کو بھی افرادی حیثیت میں جنکا انہیں حق ملنا چاہیے۔ انہیں ریاست کی تعمیر کیلئے حصہ دیا جائے۔ کہ اس

ریاست میں بحیثیت مسلمان (خلافتِ اسلامی کی ہئیت پر) ایک حکومت تشکیل دیں۔جس میں اسلامی آئین (جو علمائے امت نے اجتہادی طور مرتب کیا ہو) کی ہئیت واضح ہو ___اور جو صرف نظامِ حکومت چلانے کیلئے ہو۔اجرائے دین کیلئے خالص ''دین''۔ الـدیـن الاسلام ___ جو خالص قرآن وسنت کے احکام کے مطابق۔تسبیح وعبادات کے احکام پر جاری ہوتا ہے ___جس کیلئے قرآن و سنت کے احکام پر کاملاً عمل۔تسبیح وعبادات پر قرآنی حکم کی تعمیل لازمی ہونی چاہیے ___

انگریز حکومتِ برطانیہ سے ہندوستان کے بسنے والوں کیلئے ضروری تھا۔کہ وہ بحیثیت (آرین) قوم۔انگریز سے ملک حاصل کرتے۔جسکے لئے ضروری تھا۔کہ ہندو (آرین) اور مسلمان (نو مسلم آرین) یکجا ہو کر ملک حاصل کرنے کا مطالبہ کرتے۔تاکہ ہندو مسلم یکجہتی میں تقویت ہو کر انگریز سے ملک حاصل کرنے میں آسانی۔اور کامیابی ہوتی ___ چنانچہ ابتدائی دور میں۔ہندو مسلم۔ زعما (لیڈران) نے اس امر کا احساس کرتے ہوئے انگریز سے ملک حاصل کرنے میں (بحیثیت آرین قوم) مشترکہ جدوجہد میں ___ ہندو مسلم اتحاد پر انگریز کا مقابلہ کیا ___ اور یہ صحیح اقدام تھا۔ کیونکہ دینی حیثیت میں دو قومی تفریق کے نتیجہ میں انگریز کو دونوں قوموں میں۔نفرت و دشمنی پیدا کرنے کا موقع فراہم ہوتا۔دوسرے ہندو قوم میں پیشتر ہی۔اکثر لوگ۔اپنی شکستوں کے جذبہ میں مسلمان قوم سے عداوت رکھتے تھے۔جس وجہ سے ایسے لوگ مسلمانوں سے اتحاد کو کسی طرح بھی قبول کرنے پر راضی نہ تھے۔اس حال میں کہ ہندو، مسلمان کو آزاد خودمختار دیکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ اسلئے نتیجتاً واقعات ایسے ہی رونما ہوئے۔کہ انگریز نے ایسے منصوبے پیش کئے۔جس میں دیدہ دانستہ مسلمانوں کو پست حالت میں لے جانے کے شواہد محسوس ہوتے تھے۔جس پر مسلمانوں کیلئے ایسے منصوبوں کی نفی کر کے اپنی خود مختار اور منفرد حیثیت کو مستحکم کرنے کیلئے اختلاف کرنا پڑا۔اس منصوبہ میں دراصل انگریز نے دیدہ ودانستہ ایسے حقائق پیش کئے۔جن پر مسلمانوں کو اختلاف وانکار کرنا پڑا۔دوسری طرف ایسے حالات ظاہر ہوئے۔جن سے ہندو مسلمانوں کے ذاتی کردار مشکوک ہو کر۔ہندو مسلمانوں میں نفرت پیدا ہونے کے آثار ظاہر ہو گئے۔دراصل یہ انگریز کی سازش تھی۔

کہ انگریز سے ملک لینے کی صورت میں۔ ہندو مسلمان متحد نہ ہوں۔ اور انکے لئے حصول اقتدار خونریزی اور تباہی کا سبب بنے ـــــ اس موقع پر ہندو۔ مسلمان قوم کے لیڈران کی سوچ اور عملی اقدام میں۔ آپس کے اختلاف۔ اور نفرت کے زیر اثر جو حالات پیش آئے۔ ان پر تجزیہ کیا جاتا۔ تو ممکن تھا۔ کہ ہندوستان میں حصولِ آزادی پر عظیم۔ فتنہ اور دہشتناک خونریزی۔ کا موقع نہ آتا ـــــ

(۱) ہندو مسلمانوں کا بحیثیت آرین قوم ـــــ قومی حیثیت میں۔ انگریز سے ملک واپس لینا۔

(۲) آزادی کے مطالبہ میں ہندو مسلم مذہبی نظریہ کو شامل نہ کرنا۔

(۳) حکومت حاصل کرنے میں۔ ہندوستان کی سرزمین کو دوقومی نظریہ کے تحت تقسیم کی صحیح ترتیب کا تعین کرنا۔ کہ عددی حیثیت میں ہر فرد قوم کو ''زمین'' سے حق حاصل ہو۔

(۴) ایک انگریز قوم کے ظالمانہ تسلط سے آزاد ہونے میں۔ بہر طور (خواہ دین کی حیثیت سے ہو یا دین کے عقائد ونظریات سے علیحدہ) آپس کا اتحاد قائم رکھنے میں دانشمندی سے کام لینا۔

(۵) مسلمانوں کا ہندوستان میں آزادی کی صورت میں اسلامی حکومت تشکیل دینے میں۔ پہلے اپنی دینی ہیئتِ مسلمہ کو مستحکم کرنا جبکہ۔ ہندو قوم کیلئے۔ دینی۔ عقائد ونظریات۔ یا مذہب پر حکومت قائم کرنے کا واضح تصور موجود نہیں۔ اس حال میں ہندو مسلمان میں دوقومی نظریہ پر دینی حیثیت میں آزادی یا تقسیم ہونا اصولی امر نہیں ـــــ جبکہ اہل ہندوستان چارسو سال تک غیر قوت انگریز اور مغل حکومتوں کے قانون کے تحت بغیر تفریق آسودہ زندگی گزارتے رہے۔

(۱) ہندو۔ مسلمانوں کا بحیثیت آرین قوم ـــــ قومی حیثیت میں۔ مشترکہ جدوجہد سے انگریز سے ملک واپس لینا ـــــ اس حال میں کہ انگریز کے مروجہ قانون کے تحت دونوں فریق (آرین ہندو اور نو مسلم آرین۔ مسلمان) سو سال سے انگریزی قانون کی اطاعت میں ہر ضرورتِ زندگی حاصل کر کے مطمئن زندگی بسر کرتے رہے۔ سوائے اسکے کہ انگریز نے ہندوستان پر قبضہ کر کے ملک پر پورا اختیار حاصل کر کے۔ ہندوستان کی دولت۔ سونا۔ جواہرات۔ معدنیات۔ زر و جواہر۔ اور قوم کی دولت نکال کر اپنی برطانیہ کی حکومت میں صرف کر کے۔ اس دولت سے اپنے انگریزی اقتدار کو

قوی تر طاقت دی ـــــ باقی نظامِ ملکی میں ہندوستان میں جو قانون نافذ کیا۔اس میں۔باوجود۔دینی عقائد و نظریات۔میں اختلاف انگریزی قانون ساری قوم کیلئے انکی منشاً کے مطابق انصاف مہیا کرتا رہا۔اور معاشرتی۔اقتصادی لحاظ سے بھی ہر شہری کو اسکی ضرورتیں بطریق احسن (پاکستان اور ہندوستان کے مقابلہ میں) میسر ہوتی رہیں۔انگریز کا یہ ایک قانون تھا جس پر ہندوستان کے ہندو مسلم ایک سو سال زندگی گزارتے رہے۔بالفرض ـــــ اگر انگریز سے آزادی پر یہی قانون۔آئندہ بھی۔نافذ رہتا۔تو محض دینی مذہبی ملاوٹ اس میں شامل۔داخل نہ کی جاتی ـــــ تو ہندوستان کے تمام لوگ اپنی زندگی حسب حال امن سے گزارتے۔فرق صرف یہ ہوتا۔کہ انگریز جو دولت ہندوستان سے نکال کر اپنے ملک لے جاتا رہا۔یہی دولت ہندوستان کے لوگوں کے مفاد میں دیانتداری سے استعمال کی جاتی ـــــ اگر ہندو مسلم دانشور۔اپنی حکمران ذہنیت۔دانش۔تدبر و فہم سے ایسی صورت اختیار کرتے۔کہ۔اپنی متعصب ذہنیت کو درمیان میں نہ لاتے۔تو یہی حکومت اور قانون صحیح ترتیب (جمہوری ہئیت میں) ہندو مسلم قوم کی وحدانی طرز پر قوم کیلئے آزاد حکومت کے تصور میں۔فائدہ مند ثابت ہوتی۔اس حال میں کہ دو قومی نظریہ کی صورت میں اتنا قتل و غارت ـــــ ہمیشہ کی نفرت و تعصب شدت اختیار کر کے ایک قوم ہمیشہ کی دشمنی میں دائمی امن و آشتی یکجہتی اور قومی بھائی چارہ سے محروم نہ ہو جاتی۔کہ ایک دوسرے کا وجود برداشت کرنا ہمیشہ کیلئے ممکن نہ رہا ـــــ جس نتیجہ پر ہندوستان میں دونوں قومیں ایک دوسرے سے ہمدردی کا جذبہ ختم کر کے۔کبھی اپنی قومی ساخت میں۔مستحکم حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکینگی۔اسلئے ضروری تھا۔کہ ابتدائی طور۔قوم کے دانشور۔لیڈر صبر و تحمل اور دانشمندی سے کام لیکر ایک کامیاب منصوبہ مرتب کر کے آزادی سے قبل اپنے اتحاد کو مضبوط کر کے۔یکجا ہو کر انگریز سے حکومت حاصل کرتے تا کہ آئندہ۔دو قومی نظریہ (دینی تفریق کے نظریہ پر) پر ہندو مسلمان ہمیشگی کی عداوت میں۔ہمیشگی کے قتل و غارت میں مبتلا ہو کر۔بجائے آزادی کے غلامی کے نرغے میں پھنس کر۔ہمیشگی (دائمی) عذاب حاصل نہ کرتے۔

(۲) دانشوروں (ہندو مسلم لیڈران) کیلئے ضروری تھا۔کہ انگریز سے آزادی کے بعد

(انگریز سازش۔ مکروفریب کے نتیجہ میں) ہونے والے خونریز واقعات ـــــ ایک قوم میں۔ تعصب۔ دشمنی۔ اور تباہی کا قبل از وقت اندازہ کر کے۔ اپنی آزادی کے خوفناک تصور پر صحیح فکروتدبر سے جائزہ لیکر۔ اس تباہ کن آزادی کے لئے کوئی (ہندو مسلم) متفقہ ضابطہ پر اتحاد کی صورت پیدا کرتے۔ کہ ایک قوم ٹکڑے ہوکر آپس میں۔ محض زمین کے غلط حصص کر کے۔ خود ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہوکر ایک دوسرے کو تباہ کرنے میں اپنی تمام طاقت۔ تمام عمر ہی۔ صرف کر کے دائمی عذاب میں مبتلا نہ ہوتے۔ چاہیے تو یہ تھا ـــ اگر دو قومی نظریہ پر ہی۔ ہندوستان کی سرزمین تقسیم کی جاتی۔ تو یہ دانشوروں کیلئے آسان تھا۔ کہ انگریز سے آزادی سے قبل ہندوستان کی زمین تقسیم کرنے میں معقولیت۔ اتحاد وتدبر کا خیال رکھتے ہوئے ایسی تقسیم کی جاتی جس میں۔ فساد وخونریزی کا موقع نہ آتا۔ اور دونوں قومیں اپنے افرادی حق حاصل کر کے کسی نزاع وفساد کا موقع نہ آنے دیتے۔ یہ کوئی مشکل امر نہ تھا۔ کہ دونوں قوموں کے مدبر دانشور (پیمائش اور محل وقوع کے مطابق) ایسی تقسیم کرتے جس سے ہر دو فریق مطمئن ہوکر۔ الگ الگ حصوں پر اپنی حکومت اپنا قانون نافذ کر کے بھائی بھائی کی حیثیت میں اپنے وضع کردہ آئین وقانون کے تحت پرامن زندگی گزارتے۔ اسطرح۔ حکومت کے نفاذ میں۔ کسی فرقہ کے خلاف کوئی قانون متصادم نہ ہوتا۔ جیسے انگریز حکومت کا قانون نافذ رہا۔ ہندو مسلم اپنے اپنے قانون کے تحت بغیر کسی اختلاف کے حکومت کرتے۔ جسکے لئے انگریز سے آزادی (ملک) حاصل کرنے سے قبل۔ ہندوستان کی سرزمین (دو قومی نظریہ کے تحت) تدبر وفہم سے ـــ افرادی حیثیت (ہندو اور مسلمان) میں جگہ کا تعین کر کے اس پر اپنی حکومت بنانے پر متفق ہو جاتے۔ (یہ کوئی مشکل امر نہ تھا۔ کہ ہندوستان (پورے ملک کی حیثیت نہیں) میں جگہ کا تعین کیا جاتا۔) کہ مسلمانوں کو کونسا حصہ دیا جائے۔ اور ہندو کونسی جگہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تو جگہ ہی کی تقسیم تھی ـــــ قانون۔ یا دولت کی تقسیم نہ تھی۔ جو بنائے فساد بنتی۔ انگریز سے آزادی حاصل ہونے پر۔ دونوں فریق اپنے حق پر حکومت کرتے۔ فرق صرف اتنا تھا۔ کہ بنیادی طور ـــ ہندوستان میں ایک ہی آرین قوم (آرین یا ہندو نام سے) بستی تھی۔ مسلمانوں کے اقتدار کے ساتھ۔ یہی قوم دو

شکلوں (نومسلم مسلمان ــــ اور آرین ہندو) میں نمایاں ہوگئی ــــ آرین حیثیت میں نومسلم فرد کا وہی حق تھا۔ جو آرین ہندو کا تھا۔

نومسلم (مسلمان) ہونے کی حیثیت میں۔ اسلامی عقائد ــــ اسلامی قانون ہی سے۔ ایک قومی (آرین) وحدت میں فرق پیدا ہوا۔ چونکہ ہندو کی حکومت دین کی اساس پر قائم نہیں بلکہ۔ حکومت کی اساس۔ دین پر نہیں ہوتی ــــ اسلئے ہندو قوم کیلئے ضروری نہیں۔ کہ وہ دینی لحاظ سے ہندوستان کی تقسیم پر اتفاق کرے ــــ جبکہ ہندو ابتداً سے ہی۔ خواہ آزاد مہاراجوں کی شکل میں ہو یا غلام حیثیت میں ہندو کے پاس دینی حیثیت میں کوئی مروجہ قانون وضع نہیں۔ جس پر وہ حکومت کی ہئیت قائم کریں ــــ اسکے مقابل مسلمان۔ کی بنیاد اسلام (الــدیــن الاســلام) پر ہے ــــ اس حال میں۔ کہ بنیادی مقصد۔ تسبیح و عبادت۔ اشاعتِ دین۔ کے سوائے حصولِ دنیا۔ حصولِ زمین کا مقصد نہیں۔ اور اسکے ساتھ اقتدارِ اعلیٰ کی شکل میں خلافتِ اسلامی کا نفاذ۔ محض اشاعتِ دین کیلئے آسانی اور مزاحمت کا خاتمہ ہے۔ جس میں اقتدارِ اعلیٰ کے نظام و نفاذ میں۔ حکومتی ہئیت حاصل کرنا۔ کسی طرح بھی حصولِ دنیا کیلئے نہیں۔ اور اقتدارِ اعلیٰ کیلئے جبکہ دین الاســـلام میں اسکی ثانوی حیثیت ہے۔ احکامِ الٰہی کا نفاذ محض دنیا کیلئے نہیں۔ بلکہ اجرائے قرآن و سنت کیلئے ہے۔ اشاعتِ دین میں۔ حصولِ حکومت کا تصور مستقل نہیں۔ اسلئے ایسے شواہد میں۔ جبکہ اسلامی حکومت کا بھی اسلامی ضوابط کے دائرہ کے اندر ہونا لازمی ہے۔ جس میں اسلامی اصولوں کے مطابق (علمائے امت اور امامین اسلام کے وضع کردہ قوانین اسلامی اصول کے ضابطہ کے اندر وضع کئے ہوں) اسلامی حکومت کے قوانین میں اسلامی عقائد و نظریات کو شامل رکھنا ضروری ہوا ــــ ایسی صورت میں۔ جہاں تک انگریز سے ملک حاصل کرنے کا تعلق ہے۔ وہاں بحثیت قوم ــــ قومی مفاد مشترک ہو۔ تو جدوجہد میں اتحاد لازمی ہے۔ اور جہاں مسلمان ہونے کی حیثیت میں۔ ایک حکومت۔ ایک نظام کا نفاذ ہو۔ وہاں ہندو مسلم۔ اتحاد میں۔ حکومت میں بوجہ دینی عقائد کے اختلاف لازمی ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر ضروری تھا۔ کہ مسلمان اپنے دینی عقائد کے مدنظر۔ ایک اسلامی تصور پر حکومت اور

قانون کا نفاذ کرتے۔ جبکہ مسلمان کے پاس سابقہ خلافتِ اسلامی سے ایک قانون مروجہ۔ علمائے اسلام۔ اور امامین سے وضع کردہ مرتب شدہ ہے۔ سوائے اسکے کہ خلافتِ اسلامی کے زوال۔ اور مغلیہ سلطنت کے زوال پر جب خلافتِ اسلامی کی ہیئت یکسر مسخ ہو چکی تھی۔ مسلمانوں میں۔ نہ حکومت رہی۔ نہ قانون کا استعمال رہا۔ یہاں تک کہ مسلمان۔ دینی احکام۔ تسبیح و عبادات۔ احکامِ اسلام و ایمان۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ کے عمل سے بھی محروم ہو گیا ___ تاہم مسلمان کی حکومت کی بنیاد اسلامی قوانین کے تحت لازمی تھی۔ ایسی صورت میں انگریز سے حکومت حاصل کرنے کے بعد یہ ضروری تھا ___ کہ اول ہندو مسلمان۔ ہندوستان کی سرزمین میں۔ مناسب مقام کا تعین کرکے۔ ہندو مسلمان کے درمیان تقسیم پر اتفاق ہو جاتا۔ اس حال میں کہ من کل الوجود۔ مسلمانوں کیلئے۔ ایک مخصوص۔ مناسب خطۂ زمین متعین ہوتا۔ اور اسی طرح ہندوؤں کے لئے افرادی حیثیت میں انکی آبادی۔ تعداد کے مطابق زمین مخصوص ہو جاتی۔ جہاں ظاہراً الگ الگ دو حکومتیں وجود میں آتیں۔ مگر اپنی جگہ اپنا اپنا دستور و آئین مروج ہوتا اس مقام پر۔ جبکہ مسلمان لیڈروں نے اسی قومی تصور کے تحت ہندوستان کی آزادی (آرین قوم کے تصور پر) کی جدوجہد میں ہندو مسلم اتحاد کی کوشش کی تو قدرتی طور ہندو مسلم اتحاد کی تحریک نے قوت حاصل کی۔ جس میں۔ ہندو مسلم اور لیڈران سب نیک نیتی سے شامل رہے ___ لیکن اس مقام پر چند حادثات کا ظہور ہوا۔ جن پر توجہ دینا ضروری ہے ___

اس حادثہ میں اول انگریز کی منافقانہ شاطرانہ سازش برسرِعمل رہی اور یہی عمل ہندو مسلم فساد و نفرت کا بنیادی سبب ہے۔ جس میں انگریز نے ہندوؤں کے بعض کٹر ہندو لیڈروں کو جو شروع سے مسلمان کے خلاف چلے آئے۔ یہ وہی لوگ تھے۔ جنکے دلوں میں۔ مغلیہ شہنشاہوں کے ذریعہ ہندو مہاراجوں کی شکست کا تعصب موجود تھا۔ وہ کسی طرح بھی مسلمانوں کے وجود کو زندہ رہنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ایسے ہی لوگوں نے انگریز کے آلہ کار بنکر۔ مسلمانوں کے خلاف نفرت و دشمنی کے جذبے کے تحت ایسے منصوبے پیش کئے جس میں مسلمانوں کو محکوم بنانے اور آپس میں نفرت کے آثار پیدا کرکے ہندو مسلم یکجہتی کو ناکام بنانے کے منصوبے پیش کئے گئے۔ جس بنا پر مسلمانوں کو اپنی وجودی

ہئیت اور اسلامی ساخت کے تحفظ کیلئے۔علیحدہ حکومت قائم کرنے پر مجبور کردیا۔۔۔ یہ حقیقت ہے کہ مغلیہ عہد حکومت اور کچھ وقت انگریز حکومت میں۔ نچلی سطح پر عوام میں ہمیشہ ہندوؤں مسلمانوں میں۔ بلاتمیز مذہب ایک قومی جذبہ کے تحت معاشرتی اتحاد اتنا مستحکم تھا۔ کہ ہندو مسلمان میں سوائے دین کے عقائد کے کوئی اختلاف یا دشمنی پیدا نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ انگریزی حکومت کا دور آیا۔ اور اسکا بھی خاتمہ ہوا۔ یہ ممکن نہ تھا۔ کہ ہندو مسلمان میں کسی قسم کی تفریق یا جداگانہ حیثیت کا تصور بھی آتا۔ بجز اسکے کہ قوم کے لیڈروں میں باہم تعصب اور صحیح دیانت اور دانشمندی استعمال نہ کرنے کے باعث ہندوستان میں ہندو مسلمانوں میں قیامت خیز خونریزی پیدا کی گئی۔

اس موقع پر مسلمان لیڈروں کی طرف سے ہندو لیڈروں کی سازش اور تعصب و دشمنی کے نتیجہ میں۔ جو ردِ عمل پیش ہوا۔ ان واقعات پر بھی فکر کی ضرورت ہے۔ کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی ذاتی ہئیت و حیثیت کس حالت میں تھی؟ خلافتِ اسلامی کے زوال کے بعد۔ سلطنتِ مغلیہ میں۔ محض اسلامی شناخت کے نام پر۔ دین اسلام کی کوئی مستحکم ہیئت موجود نہ تھی۔ برائے نام اسلامی سلطنت تصور کی جاتی تھی۔ جس میں شرعی عبادات کیلئے کوئی خاص ضابطۂ اجرأ ونفاذ کا طریق کار علمائے اسلام کے ذریعہ ٹھوس شکل میں استعمال نہ ہوتا تھا۔ سوائے اسکے کہ اسلامی سلطنت کی شناخت پر قوانین اسلامی کے اجرأ میں عدالتوں کا نظام قائم تھا۔ اس حال میں کہ عوام المسلمین میں۔ عبادات اور شرعی احکام کی تعمیل میں مسلمان بے عملی کی زندگی میں سرگردان تھا۔ کہ اسلامی عبادات کی مسلمان سے تکمیل نہ ہوتی تھی۔ نہ اسلامی شعائر کا مسلمان کے دل میں عزت واحترام کا احساس پایا جاتا تھا۔۔۔ اس حال میں مسلمانوں کیلئے بھی اسلامی آئین کے نفاذ کا تصور کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا۔ ایسی صورت میں مسلم لیڈران کا دین کے نظریہ پر۔ دوقومی نظریہ کا سوال بھی بے بنیاد تھا۔ جب قوم خود دینی احکام کا احترام نہ کرے اور دینی احکام پر عمل نہ کرے۔ ایسی قوم کو دینی طرز کی حکومت سپرد کرنا۔ یا اس قوم سے اسلامی نظام و قانون کی سربلندی کی توقع کرنا۔۔۔ یا امید کرنا۔۔۔ عبث تھا۔ ایسی صورت میں جب اکثر مسلمانانِ ہند اپنے دینی اعمال و عبادات سے بے خبر۔۔۔ بے عمل۔ انکے لئے ایک دینی عمل کے

ضابطہ پر ایک علیحدہ خطہ حاصل کرنا بے معنی تھا۔ اس بنا پر کہ جب ابتدائی طور مسلمانوں میں دینی عمل کا جذبہ خود موجود نہ ہو۔ وہ دین کے معاملہ میں راہنمائی کرنے کے اہل ہی نہ تھے۔ اور پھر انہیں اقتدارِ اعلےٰ کی قوت بھی حاصل نہ تھی۔ نہ علمائے اسلام میں اشاعتِ دین۔ کا کامل جذبہ تھا۔ کہ وہ دینی حیثیت میں مسلمانان ہند کو۔ دین پر عامل بنا کر ایک اسلامی ہیئتِ مسلمہ کا وجود قائم کر سکتے۔ نہ ہی مسلمانانِ ہند میں ایسے باعمل دیندار افراد موجود تھے۔ جن کی قیادت میں۔ مسلمانان ہند۔ دین پر عمل کر کے ایک اسلامی طرز کی حکومت قائم کر سکتے۔ یہ تصور مسلمانانِ ہند کیلئے قطعاً لغو اور بے معنی تھا۔ جب مسلمانوں کیلئے۔ قیادت وراہنمائی کیلئے۔ دینی عمل میسر نہ ہو۔ تو ایسی صورت میں محض دین کی بنیاد پر حکومت قائم کرنا۔ کسی ضابطہ واصول کے تحت صحیح اقدام نہیں تھا ــــــ اور پھر اس مقصد کو پورا کرنے میں مسلمانانِ ہند نے جذباتی انداز میں۔ دینی نظریہ کی آڑ میں اپنے مقابل دوسرے فریق کو دین کی آڑ میں۔ "ہندو" قرار دیکر اپنے مدِّ مقابل لا کھڑا کر دیا ــــــ جبکہ ہندو قوم میں مذہب۔ دین پر حکومت قائم کرنے کا نظریہ قائم نہ تھا ــــــ اس اختلافِ نظریہ نے ہندو میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کر کے۔ دو قوموں کی شکل میں ایک دوسرے کے خلاف۔ تعصب ونفرت۔ اور حصول آزادی میں اپنی طاقت اور دوسرے کی پستی کا جذبہ پیدا کر کے۔ حصول آزادی کے نتیجہ میں۔ ہندو مسلمانوں کے درمیان قتل وغارتگری اور دہشت کے جذبات پیدا کر کے ایک قوم کو آپس کا دشمن بنا دیا۔ اس حال میں۔ کہ ہندو کیلئے جبکہ دینی ضابطہ پر حکومت بنانا لازم نہ تھا۔ اس نے ہندوستان کے کثیر خطۂ ارضی پر اپنی (غیر دینی) حکومت مستحکم کر لی۔ لیکن مسلمانانِ ہند نے چونکہ دین کی اساس پر حکومت بنانے کا منصوبہ بنایا۔ بدقسمتی سے یہ منصوبہ روبہ عمل آنے میں مسلمانوں کو شدید ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس بنا پر۔ کہ مسلمانوں کو افرادی حیثیت کے مطابق اتنی زمین تقسیم (تقسیم ہند) میں حاصل نہ ہوئی۔ جس میں تمام مسلمانان ہند جمع ہو کر اپنی الگ خود مختار ــــــ اسلامی سلطنت قائم کرتے۔ بلکہ اس تقسیم میں ہندوستانی مسلم وحدت بھی تقسیم ہو کر انکی وحدتِ ملی کو پارہ پارہ کیا گیا۔ جس میں مسلمانان ہند کی آبادی کی تناسب سے ــــــ جبکہ افرادی حیثیت میں۔ تمام مسلمانوں کو آبادی کے

مطابق زمین حاصل ہونی چاہیے تھے۔ برعکس اسکے ہندوستان کے چند محدود علاقوں میں جہاں چند محدود مسلمان بستے تھے۔انہیں کی تعداد کے مطابق پاکستان کے نام سے ایک حصہ حاصل ہوا۔اور بقیہ (تقریباً چھ کروڑ اوراب گیارہ کروڑ) مسلمانوں کو ہندوحکومت کے حوالے کر کے انکے مقصدِ آزادی کالحاظ نہ رکھا گیا۔جسکے نتیجہ میں جبکہ تقسیم ہند کے اصول پر ہندو مسلم دوفریق کی تقسیم نے ہندو مسلمانوں میں دشمنی پیدکردی کہ ہندوحکومت میں آنے والے مسلمانوں کوانکی پاکستان کی حمایت میں ہندو کے خلاف عمل کی بنا پر لاکھوں مسلمان عورتوں ۔شیر خوار بچوں۔ بوڑھوں کوتہہ تیغ کیا گیا۔اور ساٹھ ہزارمسلمان عورتوں کو ہندوؤں نے اغوا کیا۔اس حال میں کہ اس چالیس سالہ وقت میں ان عورتوں سے جو بچے مسلمان نام سے پیدا ہوتے تقریباً پانچ لاکھ بچے ہندو نام اور ہندو مذہب پر پیدا ہوئے ۔اس نظریہ کے نتیجہ میں ۔کہ مسلمان اپنی ایک علیٰحدہ حکومت بنانا چاہتا ہے۔ جہاں مسلمان اپنی وجودی حیثیت اوراسلامی عمل پورا کرنے میں آزادانہ عمل سے خودکواور دین کومحفوظ کرسکیگا۔

یہ عمل مسلمانان ہند کی دانشمندی اوراسکے نتائج دنیا کے سامنے ۔شاید ایسے ہی دنیا کی تاریخ میں درج ہوں! ــــ کہ چالیس سال گزرنے کے باوجود۔مسلمان پیشتر کی زندگی کے مقابلہ میں بدترین زندگی گزارنے پر مجبور ہو چکا ہے۔نہ اسے دینی راہنمائی ــــ دینی عمل۔میسر ہوا۔نہ اسکی وجودی حیثیت آزادانہ اسے حاصل ہوئی۔ پہلے سے زیادہ غلامی کی بدترین زندگی گزارر ہا ہے۔ یہی حالت ان مسلمانان ہندوستان کی ہے۔جنہوں نے مسلمانوں کیلئے ایک آزادریاست حاصل کر کے اس میں اسلامی عبادات وتسبیح اوراسلام کی سربلندی کا مینارہ تعمیر کرنے کیلئے۔پاکستان بنانے کا منصوبہ بنایاــ چاہیے تو یہ تھا۔ کہ پہلے اسلامی مملکت بنانے کیلئے۔ایک متقی۔دیندار۔صاحبِ علم وعمل جماعت تشکیل دی جاتی جبکہ ہندوستان میں مسلمانوں میں کوئی دینی (الدین الاسلام) حیثیت ایسی نہیں تھی۔ جوایک الگ ملک حاصل کر کے اس میں دینِ اسلام کی اشاعت واجرا ٔ کا عمل جاری کر کے ایک دینی سلطنت (خلافت اسلامی) کی مستقل ہئیت قائم کرتے۔اوراگر مغل شہنشاہیت کے زوال کے بعد۔کوئی اسلامی ہئیت تھی ــــ تواس میں الدین الاسلام کی ہئیت مسلمہ کی ہئیت ۔بے روح

مسلمان علماءً کی ایک جماعت تھی۔ لیکن دینی اعتبار سے انکا کردار وعمل ایک سیاسی نوعیت کا تھا۔ جس میں مسلمانانِ ہند کو حقیقی عمل الـدیـن الاسـلام کا حاصل نہ ہوسکا۔ جس بناءً پر آزادی کے بعد۔ ایسی جماعت بھی الدین الاسلام کی ہیئتِ مسلمہ کو کامیاب صورت میں پیش نہ کرسکی۔ کہ ایسی جماعت کے ذریعہ مسلمانوں میں جذبۂ ایمانی کامل ہوکر۔ ایک ہیئتِ مسلمہ پر اسلامی سلطنت تشکیل دی جاسکتی۔ بجائے اسکے کہ بے عمل۔ بے دین۔ سرمایہ دار لیڈروں کے ہاتھ آزاد کردہ ملک دیا گیا ــــ جن میں پاکستان کا تصور یعنی ایک آزاد خطہ حاصل کرکے اس میں انسان (کل مسلمانانِ ہندوستان) آزادی سے دین پر عمل پیرا ہوکر۔ دین اسلام۔ یا اسلامی مملکت ــــ (خلافتِ اسلامی) کا وجود قائم کرتے ــــ قطعاً مفقود تھا۔ بجز اسکے مسلمانان (پاکستان) ایک عام حیثیت میں حکومت چلانے کے بھی اہل نہ تھے۔ جسکے نتیجہ میں۔ چالیس سال گزرنے کے باوجود۔ مسلمانان پاکستان۔ ایک معمولی حکومت بنانے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اس چالیس سالہ دور میں۔ مسلمانان پاکستان۔ (خواہ علمائے امت ہوں۔ یا لیڈر) دینی ــــ دنیاوی حیثیت میں ذلیل و پسپا ہوکر اپنی اسلامی ہیئت یکسر کھو بیٹھے۔ ان میں نہ دین کے آثار موجود ہیں۔ نہ حکومتی حیثیت میں انکا کوئی وجود مستحکم ہے ــــ اور چالیس سال گزرنے کے بعد مسلمانان پاکستان ایک سرمایہ دار نظام کے تحت غلامی۔ اور ذلت کی زندگی گزار رہے ہیں ــــ افسوس کا مقام ہے۔ کہ صحیح الدماغ ہوکر سوچا جائے۔ کہ مسلمانانِ ہندوستان (من جملہ علمائے کرام اور لیڈرانِ اسلام) نے بہ ہوش و حواس۔ تمام مسلمانانِ ہندوستان کیلئے۔ انگریز سلطنت سے آزادی کا مطالبہ کیا۔ کہ ہندوستان میں بسنے والی آرین قوم کے۔ نو مسلم ــــ مسلمانوں کو دینی حیثیت میں ایک الگ حیثیت دی جائے ــــ جبکہ انگریز حکومت میں۔ ہندو۔ مسلمان ایک ہی حیثیت میں انگریز حکومت کے (ہندوستان کیلئے وضع کردہ) قانون کے ماتحت (غلامی کی) زندگی بسر کررہے تھے۔ ایسی صورت میں۔ ایک قومی حیثیت میں۔ تمام ہندو مسلمان متحدہ طور انگریز سے آزادی حاصل کرتے ــــ کامیابی کی صورت میں۔ ہندوستان بلا کسی تقسیم کے۔ ہندو مسلمانوں کے حوالے کیا جاتا اور آئندہ یہ امر مسلمانوں اور ہندوؤں کے فہم و تدبر۔ اور نیک

نیتی پر منحصر تھا۔ کہ وہ خود کو ایک ہی آرین قوم سمجھ کر۔ متحدہ طور۔ (ہندو مسلمان لیڈر۔ دانشور) جیسا انگریز حکومت کے قانون کے ماتحت چلتے تھے۔ اسی قانون کے تحت حکومت تشکیل دیکر۔ نئی متحدہ ۱ حکومت قائم کرتے۔ لیکن یہ ایک سازش تھی۔ کہ انگریز۔ ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کو آزادی دینے کے بعد مطمئن زندگی گزارنے کیلئے موقع نہ دینا چاہتا تھا۔ نہ ہی انگریز حکومت میں۔ وہ لوگ۔ جو مغلوں کے زمانہ میں صاحبِ اقتدار۔ صرف اپنے مفادات کے حصول میں۔ قومی مفادات کا خیال نہ رکھتے تھے۔ (یعنی غدارانِ قوم کی حیثیت میں) اور ہندو قوم کے براہمنوں کے فرقے اور مہاراجوں کے خیر خواہ۔ جو ہمیشہ قوم کے ساتھ غداری کرتے رہے۔ ایسے لوگوں کو انگریز نے استعمال کر کے ہندو مسلمان تفریق پیدا کر کے۔ ''ہندو مسلم''۔ کا تصور پیدا کر کے۔ وحدت قومی کو نقصان پہنچایا اس طرح کہ بذاتِ خود مسلمانوں میں اپنی خلافتوں جیسی قوت نہ ہونے کی بنا پر ان میں۔ دینی حمیت اور اعتماد مفقود ہو چکا تھا۔ ان میں طارق جیسی وہ ہمت و استقلال اور اللہ پر بھروسہ کا جذبہ یکسر ختم ہو چکا تھا۔ کہ ایسے موقع پر ہندوؤں سے اپنے حقوق حاصل کر سکتے۔ ایسے موقع پر مفاد پرست لوگوں نے (محض بزدلی کی وجہ سے) مسلمانوں میں یہ تاثر (وہم) پیدا کر دیا۔ کہ مسلمان ہندو کے ساتھ ملکر حکومت بنانے کے اہل نہیں اس حال میں کہ ہندو مسلمانوں کو کسی وقت سیاسی چالوں سے مجبور کر کے اپنا غلام بنالینگے۔ اسلئے ضرورت ہے۔ کہ مسلمان اپنا علیحدہ ملک حاصل کر کے آزادانہ اپنا دینی۔ دنیوی (حکومتی) استحکام حاصل کریں۔ جسکے لئے۔ ہندو مسلم الگ ہو کر ہی۔ اپنا مقصد پورا کر سکینگے۔ جبکہ مسلمانوں کے پاس دین کی کوئی ہیئت و عمل موجود نہ تھا۔ جس پر انگریز حکومت کی طرف سے روکاوٹ ڈالی جاتی تھی۔ یا ہندو اپنی دینی حیثیت میں حکومت تشکیل دینا چاہتا تھا۔ جس میں دینی حیثیت یا دینی اجزائمیں ہندو مسلم میں اختلاف و تضاد پایا جاتا ــــ ظاہر ہے۔ اس سے قبل مسلمان۔ اپنی عبادات میں عمل کرنے یا نہ کرنے میں انگریز حکومت میں آزاد تھا ــــ اور اب بھی اسکے پاس

---

۱ اس حال میں۔ کہ متحدہ حکومت میں۔ جہاں انگریزی قانون آج بھی حکومتوں میں رائج ہے۔ مسلمان۔ اپنی عبادتوں کی تعمیل و تکمیل میں آزاد۔ بااختیار۔ اپنی ہیئت مسلمہ کو قائم رکھنے میں۔ کسی امر میں مزاحمت یا مشکل نہ پاتا تھا۔

کوئی لائحہ عمل (جس پر مسلمان عامل تھے) لائق عمل موجود نہ تھا۔ جس پر آئندہ دینی (اسلامی) حکومت تشکیل دیتے ـــــ ایسے موقع پر مطالبۂ آزادی میں دینی حیثیت پر ایک ہندو مسلم وحدت کو تقسیم کرنے کا جواز کسی طرح بھی مناسب نہ تھا۔ جبکہ یہ امر واضح ہے۔ کہ مسلمانان پاکستان چالیس سال گزرنے کے بعد بھی۔ اپنی اسلامی ہیئت قائم کرنے کے نہ اہل ثابت ہوئے۔ نہ کامیاب ہو سکے۔ بلکہ مسلمانان پاکستان کی اسلامی ساخت بدتر ساخت تصور کی جاتی ہے۔ کہ یہاں۔ سوائے شراب۔ زناکاری۔ لوٹ کھسوٹ۔ بے ایمانی۔ دغا۔ جھوٹ۔ فریب اور شرفا کی ذلت کے سوا۔ کوئی عمل نہیں۔ جس پر پاکستان کی تعریف کی جاسکتی ہو ـــــ یہاں تک کہ مملکتِ پاکستان میں کوئی معقول اور اہل حکومت بھی قائم نہ ہوسکی۔ جسکے ذریعہ پاکستان کی دنیوی ساخت اس قابل ہو۔ کہ اسے ''حکومت'' تصور کیا جائے۔

قطع نظر ان واقعات و حادثات کے۔ بنیادی طور ہندوستان کے (ہندو مسلم) لوگوں کیلئے۔ آزادی کے ساتھ بہتر زندگی گزارنے کیلئے۔ ایک معقول منصوبہ بندی ہونی چاہیے تھی۔ جس سے۔ انگریز سے ملک حاصل کرنے پر۔ ہر فرد۔ آزاد۔ مطمئن زندگی گزار سکتا ـــــ جسکے لئے اصولی ضابطوں پر۔ یہ فریق۔ باہمی۔ معقول دانشمندانہ۔ افہام وتفہیم سے اپنے لئے امن وسکون کی راہیں تلاش کر کے۔ پرسکون زندگی حاصل کرتے۔

یہ امر واضح ہے۔ کہ ہندو قوم میں کوئی دینی۔ لائحہ عمل نہیں۔ جس پر وہ۔ ایک دینی حکومت تشکیل دینے کا نظریہ رکھتے ہوں۔ سوائے اسکے کہ انگریز کے وضع کردہ آئین و قانون پر ہی انکی حکومت تشکیل دی جاتی ہے ـــــ جس میں (سوائے چند مذہبی قانون کی شمولیت کے) انہیں دین کی ضرورت محسوس ہوتی ہو ـــــ جبکہ انگریزی وضع کردہ قانون انکے حصول دنیا میں ایک معقول حکومت کا مواد میسر کرتا ہے ـــــ اسی طرح انگریز حکومت کے سو سالہ دور میں مسلمان بھی اسی قانون کے تحت دنیوی زندگی بسر کرتے رہے۔ اس حال میں کہ انکی دینی حیثیت محض انکے ذاتی عمل پر منحصر تھی۔ اور انکی شخصی ـــــ دینی حیثیت ایک تو خلافتِ اسلامی کے زوال کے سبب۔ علمائے اسلام ـــــ خلافتِ

اسلامی ـــ اقتدارِ اسلامی۔ اجرائے قرآن وسنت ـــ میں۔ علم وعمل کے اعتبار سے پژمردہ ہو چکے تھے۔ نہ ان میں۔ دینی اعتبار سے حمیتِ دینی قائم تھی۔ کہ براہ راست قرآن وسنت (الدین الاسلام) کی اشاعت مطابق سنت نبویؐ مخلوق کو دین کی اطاعت پر قائم کرتے۔ کہ اصحاب احد۔ اصحاب حنین کی مثل قوتِ ایمانی پر کفر کا مقابلہ کرتے۔ نہ ان میں۔ خالد بن ولیدؓ۔ جیسی قوت ایمانی تھی کہ قلیل قوت پر۔ بھروسہ کر کے کسی غالب طاقت کا مقابلہ کرتے۔ نہ طارق بن زیاد۔ محمد بن قاسم جیسی جرأت ایمانی پر اعتماد و بھروسہ تھا۔ کہ۔ انگریز یا ہندو قوت کے مقابلہ میں اپنی قوت بحال رکھکر اپنا قومی تشخص یا دینی حیثیت قائم رکھنے کی صلاحیت پاتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مسلمانان ہند نے اپنی کم اعتمادی۔ اور اپنی قوتِ ایمانی کے کمزور ہونے کی بناء پر ایک علیٰحدہ خطہ حاصل کر کے اس میں۔ اپنے دین نہیں ـــ بلکہ اپنی دنیوی حیثیت قائم رکھنے کی کوشش کی۔ اس مقام پر مسلمانان ہند نے۔ علیٰحدگی میں جو منصوبہ ترتیب دیا۔ وہ بھی ناقص ثابت ہوا۔ کہ مسلمانان ہند کی بنیادی لغزش۔ کہ ایسے لوگوں کو یہ حاصل کردہ خطۂ ارضی سپرد کر دیا۔ جن میں بہت کم۔ مخلص۔ دیانتدار۔ قوم وملت کا درد رکھنے والے۔ اور حقیقی معنوں میں پژمردہ ملت اسلامی کو دینی دنیاوی حیثیت میں زندہ رکھنے کا عزم رکھتے تھے۔ اسکے سوا۔ دینی اعمال وعقیدہ سے خالی مسلمان۔ جو ایک وقت کی نماز یا روزہ کا عمل پورا کرنے کا احساس رکھتے تھے۔ یہ حاصل کردہ خطۂ ارضی ـــ پاکستان کی شکل میں انکے سپرد کر دیا۔ اس حال میں۔ کہ نصف سے زیادہ مسلمانانِ ہند کو ہندو کے سپرد کر کے۔ انکے دین ودنیا کی سربلندی کی ضمانت سے دستبردار ہو کر ہندو قوم کے حوالے کر کے۔ انکے لئے تصورِ پاکستان سے محرومی کا دائمی فیصلہ کر دیا ـــ افسوس کا مقام یہ ہے۔ کہ مسلمانان ہند کا یہ علیٰحدگی کا نظریہ کس بناء پر قائم کیا گیا۔ ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کو نظریہ پاکستان کے مفاد سے محروم کر دیا گیا۔ جبکہ ـــ پاکستان میں بسنے والے لوگوں کا اس جدو جہد میں نہ کوئی عمل رہا۔ سوائے اسکے کہ ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی جائیدادوں پر بغیر کسی تکلیف کے قبضہ کر کے بغیر کسی خون کے قطرہ بہائے۔ ایک آزاد مملکت پر بلاشرکت غیرے۔ قبضہ کر لیا۔ اسکے مقابل ہندو مسلم اختلاف ونفرت کے نتیجہ میں۔ مسلمانان ہند نے اپنے انجامِ بد کا احساس

نہ کرتے ہوئے ـــــ خاطر میں نہ لاتے ہوئے۔ پاکستان حاصل کرنے میں اصل جدوجہد کی اس حال میں کہ انہوں نے اس بات کو بھی خاطر میں نہ لایا۔ کہ انہیں نہ پاکستان سے کچھ حاصل ہوگا۔ نہ پاکستان حاصل ہونے سے انکی دینی حیثیت یا دنیوی حصول میں کسی قسم کا نفع حاصل ہوسکیگا۔ سوائے انکی جدوجہد کے نتیجہ میں۔ ان مسلمانوں کی عورتوں۔ بچوں بوڑھوں کو بلاقصور تہ تیغ کیا گیا۔ انہیں اپنی جائیدادوں سے اپنے وطن سے محروم کیا گیا۔ نہ انہیں دنیا ملی۔ نہ انہیں دین ملا۔ چالیس سال سے مسلسل غلامی میں بسر کررہے ہیں۔ دین تو کجا انکی دینی اساس مسجدوں کو منہدم کیا جارہا ہے ـــــ انہیں عبادت کرنے سے معذور کیا جارہا ہے۔ اس پر نظریہ پاکستان کے حامی۔ پاکستان کے بسنے والے مسلمانوں۔ اور حکمرانوں کا رویہ انکے حق میں یہ ہے۔ کہ پاکستان میں بسنے والے مسلمان۔ اپنے وطن عزیز پاکستان میں آسودہ زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن دین انکے دلوں میں بسا نہیں۔ اور ہندوستان سے نکلے ہوئے مہاجروں کیلیئے۔ جنہوں نے دیوانگی کے عالم میں پاکستان (پاکستانیوں) کیلیئے اپنا سب کچھ قربان کیا وہ انہیں اپنے وطن میں بحال کرنے میں اظہار نفرت کرتے ہیں۔ کہ ابھی تک انہیں مکمل طور پر بسنے کیلیئے۔ انکا حق نہیں دیا گیا۔ معلوم نہیں مسلمانانِ ہند نے کس نظریہ پر اپنی جانیں اپنا جان و مال بلا مقصد قربان کرکے انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے میں۔ اپنے آپکو ہندوؤں کی دائمی غلامی میں جکڑ دیا۔ کیا انکی آزادی کی جدوجہد کے یہی معنی ہیں۔ کہ گیارہ کروڑ مسلمان ہندوؤں کی غلامی میں خود کو جان بوجھ کر دھکیل دیں۔ اور علیحدہ خطہ حاصل کرنے والے۔ چالیس سال بے خوف زندگی گزارنے پر۔ دین کی پابندی۔ اور عہد سے آزاد ہوکر۔ دینِ اسلام (الدین الاسلام) کی ہیتِ مسلمہ کے (جو امر انکی زندگی کا واحد مقصد اور فریضہ تھا۔ اس نظریہ سے روگردانی کرکے) تصور کو نیست و نابود کردیں۔

ہاں۔ یہ مسلمانانِ عالم کیلیئے۔ انکی بے دینی۔ بے عملی کے نتیجہ میں۔ پستی۔ ذلت و رسوائی ۔ اور اقتدارِ اعلےٰ خلافتِ اسلامی۔ اور الدین الاسلام کی سطوت سے محرومی۔ بالآخر۔ اختتام کو پہنچکر مسلمانانِ عالم کا مقدر بن چکی ہے۔ جس میں۔ نہ الدین الاسلام کا نفاذ۔ نہ اقتدارِ اعلےٰ کی

حکمرانی نہ اشاعت الدین۔اوراطاعت کا کہیں تصور باقی رہا۔۔۔

ہاں۔ذہن میں یہ سوال پھرا ابھر رہا ہے۔کہ اگر مسلمانان ہند۔قبل از آزادی یہ امور فہم و تدبر سے طے کر لیتے۔تو نہ ہندوستان میں بے گناہ مسلمانوں کا قتل عام ہوتا۔نہ انہیں وطن سے بے وطن ہوکر ذلیل وخوار ہونا پڑتا۔نہ انکی دینی حیثیت اتنی مسخ ہوتی۔۔۔نہ انہیں اس چالیس سالہ دور میں مصائب وبدحالی کا شکار ہونا پڑتا۔

**پہلا قدم:** بلاشبہ ہندوستان کی آرین قوم میں۔اسلام کی اشاعت کے نتیجہ میں۔''ہندو''۔۔۔''مسلم''۔۔۔دوتصور پیدا ہوگئے۔۔۔لہٰذا۔انگریز سے آزادی حاصل ہونے پر۔دوقومی نظریہ پر ہندوستان میں دوقوموں کی حکمرانی ہونی لازمی تھی۔اسلئے کہ اختلافِ مذہب کی وجہ سے عقائد کے اختلاف کے فرق کی وجہ سے۔دوقوموں میں عقائد کے لحاظ سے۔۔۔اگر چہ ہندو کی حکمرانی کی بنیاد مذہب (دین) پر نہیں۔پھر بھی اسلامی عقائد کے اختلاف کی وجہ سے۔حکمرانی میں یکجہتی ممکن نہیں ہوسکتی تھی۔اسلئے ضروری تھا۔کہ ہندو مسلمان اپنی الگ الگ حکومتیں قائم کرتے۔جسکے لئے ہندوستان میں ہندو مسلم۔آبادی کے تناسب سے ہندوستان تقسیم کیا جاتا۔۔۔ہندوستان میں جتنی مسلم مخلوق بستی ہے۔اسی اعداد وشمار کے لحاظ سے عددی حیثیت میں انہیں قطعہ زمین ملنا چاہیے تھا۔یہ تقسیم مذہب یا دین کے تناسب سے نہیں ہونی چاہیے تھی۔اسلئے جیسا کہ مسلمان اور ہندو لیڈروں نے ہندو مسلم اتحاد کا طریقہ اختیار کیا تھا۔اس اتحاد میں۔یگانگت بھائی چارہ کی فضا قائم ہوکر۔ہردو لیڈران آپس میں افہام وتفہیم کے جذبہ سے۔تقسیم ہند میں ایک دوسرے کے حقوق تسلیم کرتے۔کہ مسلمانوں کی الگ حکومت قائم ہوتی اور ہندوؤں کی الگ حکومت قائم ہوتی۔اس حال میں کہ۔آبادی کے تناسب سے مسلمانوں کو افرادی تعداد کے مطابق انہیں متعین مقام طے کر کے دیا جاتا۔جس میں ہندو کی شرکت نہ ہوتی۔تاکہ علیحدگی میں مسلمان۔اپنا الگ معاشرہ۔الگ تہذیب۔الگ دین اور الگ حکومت تعمیر کرتے جس میں آپس میں (ہندو مسلمانوں میں) محبت وآشتی (ایک قومی حیثیت میں) اور اتفاق قائم رہتا۔کہ آپس میں دشمنی پیدا ہونے کا موقع نہ رہتا۔۔۔مثال کے طور جیسے مسلمان

لیڈروں نے ان علاقوں کا مطالبہ کیا۔ جن میں مسلمان آبادی کی کثرت ہو۔ ماسوا ان علاقوں کے جہاں مسلمان اقلیت میں تھے۔ انہیں اس نعمت اور مطالبہ سے محروم کر کے۔ ہندوؤں کی غلامی میں دیدیا گیا۔ یہ حادثہ مسلمانانِ ہند کی مکمل آزادی کے اصول کے خلاف تھا۔ کہ۔ پاکستان میں بسنے والے چند نفوس کیلئے آزادی مخصوص کی گئی اور باقی مسلمان جو اسی حال میں آزادی کا حق رکھتے تھے۔ چند نفوس کی آزادی کیلئے لاکھوں جانوں کی قربانی حاصل کر کے انہیں تباہی کے غار میں دھکیل دیا گیا ـــــ بجائے اسکے کہ بشمول ان علاقوں (پاکستان کے علاقوں) کے افرادی تناسب کے مطابق ـــــ پنجاب۔ صوبہ سرحد۔ بلوچستان کے ساتھ پنجاب کا اتنا علاقہ لیا جاتا۔ جس میں ہندوستان میں بکھرے ہوئے مسلمانوں کو (منتقل کر کے) آباد کر کے ایک حکومت (مسلم حکومت) تعمیر کی جاتی۔ بقیہ تمام حصہ آبادی۔ کے تناسب کے مطابق ہندوؤں کو دیکر۔ ہندو الگ حکومت بنا کر۔ انکے مابین کسی قسم کی تفریق۔ یا دشمنی۔ یا قتل و غارتگری کا موقع ہی نہ آتا۔ اور دونوں قومیں۔ بلا کسی اختلاف کے باہم امن و آشتی سے اپنی حکومتوں میں سکونت کرتیں۔ اسکے لئے ضروری تھا۔ کہ انگریز سے آزادی کے مطالبہ کے ساتھ۔ ہندو مسلم۔ تعلقات میں۔ دشمنی۔ تعصب اور افتراق کے آثار پیدا نہ ہونے کیلئے ـــــ یعنی آزادی کے بعد۔ جو حادثات۔ ہندو مسلم فساد و دشمنی قتل و غارتگری کے واقع ہوئے۔ انکا قبل از وقت اندازہ کر کے۔ اسکا باہمی۔ افہام و تفہیم۔ سوچ بچار کر کے ان حادثات کو پیدا ہونے سے جو اسباب پیدا ہوئے۔ انکا تدارک کیا جاتا ـــــ

**دوسرا قدم:** ہندو مسلمانوں کے لیڈران کو ان حادثات کا قبل از وقت اندازہ ہونا چاہیے تھا۔ جسکے لئے۔ آپس میں صلاح مشورہ کر کے۔ ایسے واقعات پیدا ہونے سے قبل ہندو مسلم ان امور کو طے کر کے مشترکہ طور آزادی میں جد و جہد کرتے۔ اس حال میں کہ تقسیم سے قبل اپنے منصوبوں میں۔ ہندوستان کی تقسیم میں۔ متفقہ طور مسلم اور ہندو علاقوں کی تقسیم کے خاکے طے کر کے۔ آزادی کے بعد متفقہ طور علاقے خود تقسیم کرتے۔ جبکہ انگریز کے ذریعہ تقسیم کی نوبت باقی نہ رہتی۔ جس میں۔ کسی سازش کو کامیاب ہونے کا موقع نہ ملتا۔ جب کہ تقسیم کے وقت۔ ریڈکلف اور لارڈ مونٹ بیٹن نے

محض ہندو مسلمانوں میں غلط تقسیم سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر۔ ہندوستانی قوم میں دائمی عداوت اور جنگ کے اسباب پیدا کر دیئے۔ کہ مسلمان غیر محفوظ ہو گیا۔ اور پنجاب کی غلط تقسیم کے نتیجہ میں۔ ہندو مسلمانوں میں کشمیر کو ایک مستقل تنازعہ کی ہیئت دیکر ہندو مسلمانوں میں مستقل دشمنی اور جنگ کا سبب بنا دیا ــــ یہ صورتیں وقوع میں نہ آتیں۔ اگر ہندو مسلمان قبل از تقسیم مناسب جائز تقسیم کے ذریعہ۔ ہندو ــــ مسلم علاقوں کا آپس میں تعین کر کے تقسیم کا مسئلہ انگریز پر نہ چھوڑتے ــــ بصورتِ دیگر۔ ایک بے ہنگم۔ بے مقصد آزادی (پاکستان) لے کر ایک مستقل انتشار۔ پر اکتفا نہ کیا جاتا تاوقتیکہ تمام مسلمانانِ ہندوستان کو آزادی۔ اور خطۂ ارضی میسر نہ ہوتا۔

تیسرا قدم: مسلمانانِ پاکستان۔ کی آزادی میں بنیادی غلطیاں۔

سب سے اول بنیادی تصور و نظریہ۔ کہ مسلمانوں کے پانچ سو سالہ عہد حکومت میں ہندوستان میں آباد مخلوق آرین قوم (ہندو مسلمان) عوامی حیثیت میں ایک دوسرے سے محبت و وطن دوستی کے ساتھ امن و آشتی سے بسر کرتے تھے۔ مغلیہ شہنشاہیت کے دور میں۔ مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کو بھی ہر طرح کا تحفظ اور انکے حقوق کا پورا پورا حق حاصل تھا۔ بلکہ اس زمانہ میں نہ حکومتی سطح پر۔ نہ عوامی سطح پر ہندوؤں کو کمتری (اقلیت) کا درجہ دیا جاتا تھا۔ نہ دینی حیثیت میں انکے ہندو ہونے کی بناء پر نفرت برتی جاتی تھی ــــ اور نہ ہی ہندو مسلم میں مذہبی۔ یا تہذیبی۔ معاشرتی اختلاف محسوس ہوتا تھا۔ کہ انمیں آپس میں تعصب پایا جاتا ہو ــــ البتہ ایسے احساسات انگریز حکومت میں ظاہر ہوئے۔ اول یہ کہ حکومت اور عوام کے درمیان۔ غیریت و حکومت و رعیت کا احساس پیدا کیا گیا ــــ جس میں انگریز سازش کے نتیجہ میں۔ اعلیٰ اہلکار افسروں اور رعیت میں ذہنی تفریق پیدا ہو گئی۔ کہ انگریز کو غیر قوم اور حکمران سمجھا گیا۔ گویا ہندوستان پر عوام کو کچھ حق حاصل نہیں۔ انگریز حکمران تمام ہندوستان ملک کے مالک اور حاکم ہیں۔ اور عوام انکے غلام اپنی ضروریاتِ زندگی کے حصول میں انگریز کے محتاج ہیں۔ اس حال میں کہ حکومت سے منسلک درمیانی طبقہ (ہندو مسلمان ملازمینِ حکومت یا اعلیٰ افسران) جن میں انگریز کی طرف سے اعزاز یافتہ۔ سر (sir) ــــ خان بہادر

ـــــ وغیرہ بھی شامل ہیں۔اپنے مفادات ومراعات کے لالچ میں۔عوام(رعیت)اورنوکرشاہی کی شکل میں۔انگریز حکومت کے احکام جاری کرنے اورانہیں کامیاب بنانے میں۔انگریز حکومت کے معاون وسر پرست رہے یہی وہ طبقہ تھا جنکی حمایت وخدمتگزاری کی بدولت انگریز طویل مدت تک ہندوستان پر حکومت کرتا رہا ـــــ ظاہر ہے۔اس طبقہ کی طرف سے حکومت کیلئے وفاداری کے نتیجہ میں۔عوام ـــــ رعیت اوراس(نوکرشاہی)طبقہ کے درمیان غیریت وکسی حدتک تعصب کے آثار ظاہر ہوگئے۔کہ عوام نے انہیں بھی حکومت تصور کیا ـــــ اور یہ طبقہ بھی۔اپنی قوم سے غیریت کا سلوک کرنے پر مجبور ہوگیا۔اس طرح ایک آرین قوم کے افراد میں۔انگریز کی حکمران سازش کے نتیجہ میں ایک اورطبقہ پیدا ہوا۔جو اخلاقی حیثیت میں خوداپنی قوم کو غلام سمجھنے لگا۔اس کیفیت سے انگریز کو یہ فائدہ ہوا۔کہ(divide & rule)منافرت کے جذبہ کو ہوا دیکر۔ادنیٰ اوراعلیٰ کے احساس سے ـــــ ایک قوم کے افراد ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے۔تاہم ایسے زمانے میں۔ہندواورنومسلم آرین(مسلمان)میں ایک ہی محبت وآشتی کا جذبہ کارفرما رہا۔اس حال میں کہ علمائے امت اولیائے امت کی اشاعتِ دین سے عوامی سطح پر ہندو مسلمانوں میں نفرت وناا تفاقی کا اثر ظاہر نہ ہوا۔اسلئے کہ علمائے اسلام۔یا مسلمان حملہ آوروں نے ہندوقوم کو امن وسلامتی اوریکسانیت کا جذبہ قائم رکھا۔سوائے ہندومہاراجوں۔یا برہمنوں۔یا مفاد پرست لوگوں کے۔یہ ایسے حالات تھے۔کہ اگردوراندیشی برت کرمسلمان اس وحدتِ قومی کو(خواہ ہندومسلم صورت میں تھی)قائم رکھتے تو پاکستان بننے کے نتیجہ میں اتنی قتل وغارت دونوں فرقوں میں نہ ہوتی۔ضرورت تھی۔کہ سیاست وتدبر۔اورقبل از وقت حالات کا اندازہ کرکے ایسی صورت پیدا کرلی جاتی جس سے ہندومسلمانوں میں نفرت و تعصب کے آثار پیدا نہ ہونے دیئے جاتے ـــــ یہ ایک مفروضہ تصور کیا جاتا ہے۔کہ مسلمان لیڈروں نے اول آزادی حاصل کرنے میں۔ہندومسلم اتحاد کی پالیسی موزوں سمجھ کر۔اکٹھے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کی۔لیکن اس عمل میں۔یہ مفروضہ پیش کیا۔کہ ہندوؤں کی طرف سے متعصبانہ سیاست کے نتیجہ میں۔اتحاد قائم نہ رہ سکا۔کہ ہندو بہرصورت مسلمان کا دشمن ثابت ہوا ـــــ جبکہ اس

سے قبل مغل سلطنت میں (یا اس سے قبل آرین حیثیت میں) ہندو مسلم متحد ہو کر (خواہ غلامی کی صورت میں تھا) ہندوستان میں زندگی بسر کرتے رہے۔ لہٰذا مسلمانان ہند کو قبل از وقت یہ تعین کرنا چاہیے تھا۔ کہ انگریز سے آزادی حاصل کرنے میں۔ مقصد و مطالبہ کیا ہونا چاہیے۔ جبکہ مسلمانانِ ہند نے بنیادی اسباب پر نہ سوچتے ہوئے۔ دین (اسلام) کے بنیادی اصول پر آزادی اور تقسیم کا مطالبہ کیا۔ جس میں بنیادی تصور مسلمانوں کے دینی ہیئت و حیثیت کا اندازہ کرنا چاہیے تھا۔ کہ آزادی کی صورت میں مسلمانوں کو ایک آزاد خطہ دیا جائے۔ جہاں وہ آزادی سے۔ دینی احکام پر بغیر کسی روکاوٹ و مزاحمت کے عمل پیرا ہوں۔ جسکے لئے قبل از وقت (آزادی سے قبل) مسلمانوں میں اشاعتِ دین میں بحیثیت مجموعی۔ من حیث القوم ـــ عبادات۔ تسبیح۔ احکامِ قرآن وسنت پر عمل سے مسلمانوں کی ایک ہیئتِ مسلمہ کی شکل مکمل کی جاتی۔ تا کہ آزادی ملنے پر مسلمانوں کو ایسی جماعت میسر ہوتی۔ جو قرآن وسنت کی اشاعت اور عوام المسلمین میں ایک مومنانہ کردار بنا کر انکے سپرد اشاعتِ دین کا فریضہ کرکے۔ ایسے حال میں۔ کہ مسلمانوں میں اپنی ہیئت مسلمہ کو استحکام و تحفظ دینے کی پوری قوت وصلاحیت ہو۔ جس میں ایک مومنانہ کردار جماعتِ اسلامی اور علمائے امت مومن صاحبِ علم وعمل۔ جماعت۔ ایک طرف دینی حیثیت کو قائم کرسکیں۔ دوسری طرف انگریز ساختہ آئین وقانون پر ایک مضبوط ـــ مستقل۔ حکومت قائم کرنے کی قوت وصلاحیت کے مالک ہوں۔ جسے بالفاظِ دیگر ـــ الدین الاسلام ـــ اور دوسری ہیئت کو۔ اقتدارِ اعلےٰ۔ یا خلافتِ اسلامی کے تصور میں قائم کیا جا سکتا۔ جبکہ مسلمانانِ ہندان دونوں حیثیتوں سے محروم تھے۔ ایسی صورت میں۔ ایک بے دین۔ بے عمل قوم کے ذریعہ حصولِ اسلام کی جدوجہد ـــ اور بے دین قوم اور انگریز کی حاشیہ بردار۔ ہندوستانی نوکر شاہی سلطنت وحکومت کو پاکستان کا سپرد کرنا۔ مسلمانانِ ہند کی عظیم غلطی اور بے معنی بے مقصد جدوجہد تھی۔ جسکے نتیجہ میں۔ اس بنیادی غلطی کے سبب۔ نہ الدین الاسلام کا تصور باقی رہا۔ نہ خلافتِ اسلامی کے تصور پر حکومت پاکستان کی ہیئت قائم ہوسکی۔ اس حال میں۔ کہ چالیس سال کا زمانہ گزرنے کے باوجود۔ انگریز حکومت کے زمانہ جیسی اسلامی حیثیت بھی مسلمانانِ پاکستان کو

حاصل نہ ہوسکی۔ مسلمان پیشتر کے مقابلہ میں بے دین۔ اور ننگ اسلام قوم ثابت ہوئی۔ جہاں۔ شراب۔ زنا۔ لوٹ کھسوٹ۔ جبر وظلم۔ لادینیت۔ عورتوں کی بے حیائی۔ عریانی۔ شہوت رانی۔ حد انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ جسکے نتیجہ میں پاکستان کے حصول میں جد وجہد۔ قربانی۔ قتل وغارتگری۔ غلامی پانے والے گیارہ کروڑ مسلمان ہندو کی غلامی میں اپنے دینی احکام پورے کرنے سے مجبور۔ اپنی عبادت گاہوں کی بے حرمتی اور تذلیل کا شکار۔ مسلمانانِ پاکستان کی بے حسی پر گریہ کناں۔ کہ بحیثیت مسلمان۔ مسلمانان پاکستان کیلئے قرآن وحدیث کی رو سے۔ ہندوستان میں محصور مسلمانوں کے مظالم پر۔ ''جہاد'' ضروری تھا۔ جبکہ مسلمان خود ہندوستان کی قوت سے شدید شکست کا سامنا کر چکا ہے۔ ضروری تھا۔ کہ مسلمانانِ ہند آزادی سے قبل اپنی ہیئتِ مسلمہ ـــــ الدین الاسلام ـــــ خلافتِ اسلامی کی ہیئت مستحکم کر لیتے۔ اس حال میں کہ آزادی کے بعد۔ مسلمان اپنی انگریز غلامی کی حالت میں۔ اسلامی حیثیت سے بھی محروم ہو گئے۔ کہ ان میں اسلامی۔ ہیئت وحیثیت کسی طرح بھی قائم نہیں ہوسکتی ـــــ جبکہ مسلمان پاکستان میں انگریز ساختہ آئین وقانون پر اپنی حیثیت (قومی سلطنت) قائم رکھنے میں بھی ناقص ثابت ہوئے ـــــ

**چوتھا قدم:** آزادی حاصل ہونے کے بعد۔ مسلمانانِ ہند کو چاہیے تھا۔ کہ علمائے اسلام۔ اپنی محنت و جانفشانی سے اہلِ پاکستان میں۔ تسبیح وعبادات۔ اشاعتِ [1] قرآن وحدیث کی روشنی میں۔ دینی شعور پیدا کر کے۔ پاکستان میں دینی عمل کو اولیت دیکر۔ مسلمانانِ پاکستان میں۔ دینی۔ اخلاقی عمل پیدا کر کے اپنے بنیادی (نام نہاد) مقصد (نعرہ) کو تقویت دینے میں تمام قوت صرف کرتے۔ تاکہ ملک ـــــ حکومت میں۔ ایماندار۔ صاحب اخلاق دیانتدار قوت پیدا ہو کر۔ ایسے افراد سے حکومت تشکیل دی جاتی۔

---

[1] بہ طریقِ سنت نبویؐ ـــــ اپنی اعلےٰ دینی صلاحیتوں کے ساتھ۔ مسلمانانِ پاکستان (پاکستان میں ہی) میں اجرائے قرآن وسنت کا عمل جاری رکھکر مسلمانوں کو بے عملی۔ بے دینی کی دلدل سے نکال کر الدین الاسلام کی راہ پر لگا کر۔ ایک حقیقی۔ باعمل۔ دیندار۔ متقی قوم بنا کر۔ مسلمانوں کے نعرہ (پاکستان کا مطلب کیا؟ ـــــ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

## مسلمانانِ ہند کا غلط نظریہ پر اسلامی سلطنت کا تصور قائم کرنا ــــــ

واضح ہو کہ اسلامی ہیئتِ مسلمہ کا وجود الدین الاسلام۔ قرآنی احکام پر خالصتاً عمل۔ نماز ۔روزہ۔ زکوٰۃ۔ احسان۔ اور سنتِ نبویؐ پر عمل ایک بنیادی تصور ہے۔ سوائے اسکے اشاعتِ دین۔ اجرائے قرآن وسنت کیلئے اقتدارِ اعلیٰ کی قوت قائم کرنا ــــ اس حال میں کہ شریعتِ اسلامی کی بنیاد الدین الاسلام پر ہو۔ اور اقتدارِ اعلیٰ کی حیثیت ثانوی ہو ــــ جو بالآخر خلافتِ اسلامی ــــ اور سلطنتِ اسلامی کی ہیئت اختیار کرتی ہے۔ لہٰذا ــــ اسلامی ساخت وہیئت کو قائم کرنے کیلئے ــــ اول علمائے اسلام کا اجرائے قرآن وسنت۔ اشاعتِ دین کی صورت میں ایک شرعی۔ دینی ہیئت قائم کرنا ضروری ہے۔ جس میں کسی علیحدہ خطۂ ارضی کے حصول و قیام کی ضرورت نہیں۔ یہ ایک عمل ہے۔ جسکے اجرأ تعمیل کیلئے مقام کا تعین نہیں ــــ یعنی قرآن وسنت کی تعلیم مخلوق تک پہنچانا۔ اور یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیۡهِمۡ کے طریق میں انسان کو الدین الاسلام کا پابند بنانا۔ اس حال میں کہ ایک جماعتِ اسلامی کا وجود قائم ہو۔ یہاں تک کہ یہ جماعت کثرت کے ساتھ زمین کی وسعتوں میں پھیل جائے۔ لہٰذا۔ اس جماعت کی وسعت سے خود بخود ایک قوم (قومِ مسلم) تشکیل پاتی

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

لا الٰہ الا اللّٰہ ) کا حقیقی تصور پیش کر کے ایک مقصد کی تکمیل کر کے۔ مسلمانانِ ہند کیلئے۔ سہارا و تحفظ فراہم کرتے۔ برعکس اسکے علمائے پاکستان نے ایک بے معنی۔ لغو۔ طریق عمل۔ اختیار کر کے۔ خود اپنی قومی (پاکستانی) ہیئت کا نا اتفاقی۔ اور اختلافِ عقائد پر بحث ومجادلہ سے قومی وحدت کو منتشر کر دیا۔ چاہیے تو یہ تھا۔ کہ علمائے اسلام ذاتی جدوجہد سے قوم میں الدین الاسلام کا عمل پیدا کرتے بجائے اسکے کہ حکومتی حیثیت میں قوم میں اسلامی عمل کا اجرأ کرنے کا ایک بے معنی۔ لغو طریق اختیار کیا۔ جسکے نتیجہ میں۔ قومی عقائد کے اختلاف کے ساتھ۔ ایک طرف اہلِ اسلام۔ علمائے اسلام میں حقیقی جذبہ تبلیغ واجرائے دین مفقود ہو گیا۔ دوسری طرف حکومتی طاقت اور قانون کے ذریعہ اجرائے الدین الاسلام کا طریقہ اختیار کر کے۔ قوم میں۔ حکومت اور رعیت میں اختلاف پیدا کر دیا۔ جبکہ یہ عمل بجائے علمأ اسلام کے حکومت کے ذمہ ڈالکر ''دین گیو دنی سے۔ دنیا نہ آئی ہاتھ'' کے مصداق مسلمان آج تک نہ دینی ساخت مستحکم کر سکا۔ نہ حکومت (اقتدارِ اسلامی) تعمیر کرنے میں کامیاب ہو سکا۔

ہے۔جسے الدین الاسلام سے تعبیر دیا جاتا ہے۔اسلئے اس جماعت کی وسعت وقوت سے خود بخود ایک خلافت (خلافتِ اسلامی) کا وجود قائم ہوتا ہے۔جسکا واحد مقصد۔عبادات وتسبیح کے سوا کچھ نہیں ۔جیسا کہ اجرائے اسلام میں۔اقتدارِ اعلےٰ کی ضرورت پیدا ہوئی۔اقتدارِ اعلےٰ کا وجود بھی۔احکامِ الٰہی کی تعمیل سے قائم ہوتا ہے ___ جو الدین الاسلام ___ یا خلافتِ اسلامی کی ہیئت میں قائم ہوتا ہے۔اور یہی خلافتِ اسلامی جس میں قرآن وسنت پر مکمل عمل ہو ___ حقیقتاً مسلمانانِ ہند کا واحد مقصد ہونا چاہیے تھا۔جس میں (انگریز حکومت کی غلامی میں بھی) قرآن وسنت کی اشاعت۔اور دینِ اسلام میں شریعت کی تابعداری۔نماز۔روزہ۔زکوٰۃ۔حج۔احسان اور نیک اعمال کی تکمیل میں کسی قسم کی روکاوٹ نہ تھی۔یہ امر واضح ہے۔کہ ہندوستان میں تین صد سالہ اسلامی دورِ شہنشاہی میں اگرچہ الدین الاسلام کی روح مفقود ہو چکی تھی۔تاہم شہنشاہانِ اسلام نے ہندوستان میں حکومت قائم کرنے کے ساتھ اطاعتِ الدین الاسلام کو لازم رکھا۔بادشاہ اور عمالِ حکومت قوانینِ اسلام کے پابند رہے۔ایک شہنشاہ ہر حال میں۔ایک عالمِ امت۔(علمائے امت) کے احکامِ قرآنی۔اور قوانینِ خلافتِ اسلامی (امامین کے وضع کردہ قوانین) کا سختی سے پابند رہتا رہا۔سوائے اسکے۔کہ خلافتِ اسلامی (الدین الاسلام) کی دینی شرائط پر خلافتِ اسلامی کی ہیئتِ مسلمہ کی ہیئت باقی نہ رہ سکی۔کہ ایک خلیفہ یا شہنشاہ سلطنت۔شرائطِ دینی کے مطابق۔خلیفہ کا انتخاب کرتا۔یا خصوصی طور اشاعت واستحکام الدین کیلئے قرآن وسنت کا اجراٗ لازم سمجھتا ___ لہٰذا امتِ مسلمہ۔عوام المسلمین میں تکمیلِ دین اور اطاعتِ الدین ___ یا الدین الاسلام کے تصور وجذبہ کے ساتھ شہنشاہ سلطنت کی اطاعت کا وہ تصور باقی نہ رہا۔جو خلافتِ اسلامی میں۔ایک خلیفہ کیلئے۔بحیثیت امیر المومنین اطاعت کا جذبہ ہونا چاہیے تھا۔درحقیقت۔اشاعتِ الدین میں اصل روح عبادات (تسبیح وحمد) کی ہے۔اس حال میں کہ عبادات کے نتیجہ میں۔ایک فرد کے مومنانہ کردار میں۔حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا اثر واضح ہونا چاہیے۔یعنی ایک مومن کا کردار۔پاکیزہ۔اور بااخلاق ہو۔اسکے قول وفعل میں مومنانہ آثار نمایاں ہوں۔یہ مومنانہ اثر۔انسان کے اخلاق سے نمایاں نہ ہو۔تو وہ

عبادت قابل قبول تصور نہیں کی جاتی۔ایک صاحبِ عبادت مومن۔راست گفتار۔حلیم الطبع۔شریفانہ خصائل کا حامل۔صلح جو۔فساد سے پاک ہو۔ورنہ مسجد کی صفِ اول پر کھڑا ہونے والا نمازی۔دائم روزہ رکھنے والا انسان۔فسادی۔جھگڑا کرنے والا۔گالیاں دینے والا۔جھوٹا۔دھوکہ دینے والا۔ناقص کردار کا فرد۔اگر خود عبادات پر عامل ہو۔نہ مومن کہلانے کا مستحق ہے۔نہ اسکی عبادات لائقِ تحسین ۔لائق قبولیت قرار دی جاسکتی ہے۔لہٰذا ایک مومن کیلئے بہترین۔پاکیزہ۔بااخلاق کردار کا حامل ہونا ضروری ہے۔جس سے اسکی شخصیت لائق احترام ہوتا کہ ایسی شخصیت کے اسوۂ حسنہ سے اشاعت دین کا عمل کامیاب ہوسکے۔ورنہ۔بے ہودہ کردار انسان باوجود نماز۔روزہ۔احکامِ دین ادا کرنے کے۔اسکی تبلیغ دین۔اشاعتِ دین سے وہ نتیجہ حاصل نہیں ہوسکتا۔کہ اس تبلیغ سے ایک پاکیزہ معاشرہ ایک پاکیزہ کردار جماعتِ اسلامی ـــــ ہیئتِ مسلمہ نمایاں ہوسکے۔

یہی کیفیت حصولِ اقتدار ـــ حصول آزادی کے موقع پر علمائے امت کی تھی۔انہیں اسلامی پاکیزہ کردار یا روحانی تاثر میسر نہ تھا۔علمائے اسلام میں آپس میں دینی اتحاد کامل نہ تھا۔انہوں نے اپنی ذات کو کاملاً اشاعتِ دینی کیلئے وقف نہ رکھا۔بلاشبہ ایسے زمانہ میں بعض مومن اور متقی علماً ذاتی حیثیت میں اشاعت دین کیلئے۔ہر طرح کوشاں رہے۔لیکن کفار کی یلغار اور اصل اقتدارِ اعلیٰ کے نہ ہونے کی بنأ پر انکی تبلیغ واشاعت محدود رہی۔جسکے نتیجہ میں ہندوستان میں اسلام کے تنزل میں بھی ایک ضعیف ہیئت مسلمہ کا وجود قائم رہا۔البتہ جیسا اشاعت دین میں عروج واستحکام پر وسعت حاصل کرتے۔کہ مسلمان انکی تعلیم واشاعت سے پاکیزہ کردار حاصل کرکے ایک حقیقی ''ہیئتِ مسلمہ'' کی قوت وحیثیت حاصل کرکے۔(اگر سارے ہندوستان میں نہ سہی) صرف پاکستان میں اسلامی وجود قائم کرتے۔برعکس اسکے علمائے اسلام نے غلط انداز اختیار کرکے۔ایک بے معنی مادی قوت (بے معنی اقتدارِ اعلیٰ) کے ذریعہ اسلامی تشخص کو قائم کرنے کی کوشش کی۔حقیقتاً اسی تصور پر مسلمان زمین کا ایک علیحدہ خطہ حاصل کرکے اول اقتدارِ اعلیٰ کی ہیئت قائم کرکے۔اپنی اسلامی حیثیت مستحکم کرکے پھر اسی قوت پر اپنا اسلامی وجود قائم کرکے۔بعد میں الدین الاسلام کی ہیئت

قائم کرتے لیکن یہ تصور اصولِ اسلام کے منافی تھا۔ اسلئے کہ حکومت حاصل کرنے کیلئے۔ بھی اسلامی عمل۔ تقویٰ۔ نیک نیتی۔ دیانت۔ اور اتحاد و ہمدردی کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جس سے مسلمانان ہندوستان خالی تھے۔ ایسی صورت میں امت مسلمہ (مسلمانانِ ہند) کے دلوں سے جذبۂ ایمانی۔ اور اوامر ونواہی کی پابندی۔ اور تسبیح وعبادات پر عمل میں کوتاہی وغفلت غالب تھی۔ ایسے زمانہ میں علمائے امت کا دینی کردار وعمل یکسر کمزور رہا۔ جسوجہ سے مسلمانوں کو الدین کے معاملہ میں صحیح راہنمائی میسر نہ آسکی۔ یہاں تک کہ سلطنتِ مغلیہ کے مکمل زوال کے ساتھ ہندوستان پر۔ انگریز کا تسلط قائم ہوگیا ـــ اس حال میں کہ مسلمان کی ہیئت مسلمہ (دینی۔ دنیاوی حیثیت) یکسر مفلوج ہو چکی تھی۔ اس پر مزید یہ کہ انگریز کو ہندوستان پر اقتدار قائم رکھنے میں۔ ایک مسلمان اپنا مدِ مقابل (حریف) نظر آیا۔ لہٰذا انگریز نے پہلا حربہ مسلمان کو کمزور اور زیر رکھنے کیلئے استعمال کیا۔ مسلمان کی حمیت دینی جذبہ ایمانی کو ختم کرنے کی کوشش کی جس میں بہت حد تک وہ کامیاب ہوگیا۔ سب سے پہلے انگریز نے مسلمانوں کے اخلاق کو بگاڑنے کیلئے۔ ایسے مشاغل اور طرزِ زندگی کے اسلوب وضع کئے جو بظاہر دلکش محسوس ہوئے۔ لیکن نتیجتاً اسلامی تشخص کیلئے مہلک ثابت ہوئے۔ وہ یہ کہ انسانی ذہن میں آزادی کا تصور ابھارا گیا۔ اور اسکے ساتھ اپنی مروجہ انگریزی تعلیم اور تہذیب کی آمیزش سے ایک تعلیمی ڈھانچہ مرتب کیا۔ جس سے مسلمانوں نے تعلیم سے سلطنتِ انگریزی میں اونچے طبقہ پر عروج کرکے دنیوی۔ معاشرتی ترقی حاصل کرکے ہندو کے مقابل اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ یہ ایک انگریز کی شاطرانہ سازش تھی۔ اسلئے کہ اس سے قبل مسلمان۔ سوائے عربی۔ فارسی یا ہندی علم کے۔ انگریزی سے نابلد تھے۔ اور حکومتِ انگریزی میں۔ انگریز کی نئی مروجہ تعلیم۔ اور تہذیب۔ مغربی تہذیب پر وضع کی گئی۔ یعنی تعلیم کے ساتھ انگریزی تہذیب کے اثرات بھی شامل کئے گئے۔ جو تہذیب۔ اسلامی۔ معاشرتی تہذیب کے خلاف اسلامی اخلاق معاشرت کو متاثر کرنے والی تھی۔ اس سے قبل۔ اسلامی حکومت میں۔ حکومت میں ملازمتوں کیلئے عربی۔ فارسی پر ہی ملازمتیں حاصل ہوتی تھیں۔ لیکن انگریز حکومت میں انگریزی تعلیم پر ہی حکومت کے اداروں میں رسائی ہوسکتی تھی۔ جسکے لئے مسلمان جب

تک انگریزی تعلیم حاصل نہ کریں۔انکے لئے حکومت انگریزی میں (ہندو کے شانہ بشانہ) چلنا ممکن نہ تھا جبکہ اب مسلمانوں کیلیئے۔تجارت ـــــ مزدوری کے سوا حکومت انگریزی میں کوئی ذریعہ معاش ۔ذریعہ حصول سامان زندگی میسر نہ تھا۔تا آنکہ مسلمان انگریزی مروجہ تعلیم حاصل کر کے۔حکومت میں اپنا مقام حاصل کر کے اپنے وجود کو قائم رکھ سکتے ـــــ چنانچہ ایسے ہی حالات پر اکابرین اسلام نے یہ احساس کرتے ہوئے مسلمانوں کو انگریزی مروجہ تعلیم کی طرف توجہ دیکر۔انگریزی تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کی جن میں سرسید احمد خانصاحب نے مسلمانان ہند کی کامیابی کیلیئے انتہائی تگ ودو کی ۔یہ بات واضح تھی کہ انگریز نے اپنی تعلیم اور حکمرانی کے ساتھ اپنی تہذیب کے اثرات بھی داخل کیئے۔اس حال میں۔کہ انگریزی تہذیب۔دینی اخلاقی حیثیت میں کمزور مسلمانوں کیلیئے۔انکی اسلامی۔اخلاقی۔دینی قدروں کو متاثر کر کے بے دینی اور اپنی دینی تہذیب واخلاق سے دوری کا سبب وذریعہ بنتی تھی۔جس پر علمائے اسلام نے مسلمانوں کو ایسی انگریزی تہذیب کے اثرات سے محفوظ رکھنے کیلیئے۔مسلمانوں کو انگریزی تعلیم وتہذیب سے دور رکھنے کی کوشش کی۔لیکن اکابرین اسلام کی کوششیں بارآور ثابت ہوئیں (اس بناء پر کہ مسلمانوں کے لئے انگریزی مروجہ تعلیم حاصل کرنے کے سوا۔اپنی مسلم ساخت کو محفوظ کرنے کے لئے اور کوئی چارہ نہ تھا) اور مسلمانوں نے انگریزی تعلیم کی طرف توجہ دیکر انگریزی مروجہ تعلیمی میدان میں معتدبہ ترقی کر کے اعلیٰ مقام حاصل کیا۔جس بناء پر مسلمانوں میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں نے علمی حیثیت میں قوم کو سہارا دیا۔جس میں حضرت سرسید احمد خان اور دیگر اکابرینِ اسلام نے انگریزی مروجہ تعلیم کی طرف رجوع کر کے مسلمانوں کی سلطنت انگریزی میں اپنی (دنیوی) ساکھ قائم کرنے میں مدد کی ـــــ اس طرح مسلمانوں کو تعلیمی حیثیت میں سلطنت انگریزی میں اعلیٰ عہدوں تک رسائی حاصل ہوئی ـــــ دیکھنے میں آیا۔کہ انگریز بہت شاطر اور طبع شناس واقع ہوا ہے۔اسنے مسلمانوں کی عادات وخصائل اور دینی رجحانات کا بغور تجزیہ کر کے۔مروجہ قوانین میں ایک طرف مسلمانوں کی پسند کے ضابطے وضع کیئے۔تا کہ مسلمان مروجہ انگریزی تعلیم۔اور ضوابط کو تسلیم کر کے۔سلطنت انگریز کا دل سے حامی ہو جائے۔

اسکے مقابل ہندو دین کے معاملہ میں اتنا پابند ومحتاط نہ تھا۔ کہ اپنی زندگی میں۔ یا حصولِ دنیا میں دینی ضوابط کا پابند رہتا ــــ لہٰذا ہندو نے فوراً ہی انگریزی مروجہ قوانین وضوابط اور مروجہ تعلیم قبول کرنے میں کوئی دقت محسوس نہ کی ــــ اسکے لئے ہندو مذہب کی تعلیم میں بھاشا۔ سنسکرت۔ ہندی تعلیم کے مقابلہ میں انگریزی تعلیم کو زیادہ اہمیت دی کہ اس تعلیم میں انہیں۔ وسیع علم۔ وسیع تجربات اور ترقی کی راہیں آسان نظر آئیں جس وجہ سے تمام ہندو قوم نے انگریزی مروجہ تعلیم سے استفادہ کر کے ایک قوی غالب قوت حاصل کر لی۔ ہندو کے مقابلہ میں مسلمان اس وقت بھی مذہبی (دینی) فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اسلئے مسلمان انگریزی مروجہ تعلیم سے من حیث القوم پورا استفادہ نہ کر سکے۔ جس میں ایک فرقہ انگریزی تعلیم میں کامل ــــ لیکن ان میں انگریز کی وضع کردہ تہذیب کا اثر غالب آ کر ۔مسلمان دینی اصول وضوابط پر کاملاً عامل نہ رہ سکا۔ جس سے مسلمان اپنے دینی احکام واصول اور دینی اخلاقی خصوصیات سے دور ہوتا گیا ــــ دوسری طرف قدیم مسلمان ۔علمائے اسلام۔ اور دوسرے مسلمانوں نے اپنے دینی اصولوں پر قائم رہنے کو ترجیح دیکر۔ انگریزی مروجہ تعلیم پر زیادہ توجہ نہ دی۔ بلکہ مخالفت کی یہ ''مخالفت'' مسلمان قوم کیلئے۔ انگریزی مروجہ تعلیم اور انگریزی وضع کردہ ضابطہ سے پورا فائدہ اٹھانے میں حائل رہی۔ اسکا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ انگریز کی مسلمانوں کی دینی حیثیت مسخ کرنے کی سازش پوری طرح کامیاب نہ ہو سکی۔ اس حال میں۔ کہ مسلمانوں میں اپنا دینی جذبہ ــــ جذبہ ایمانی ــــ یا جذبۂ اسلامی قائم وباقی رہا ــــ اور زیادہ تر انگریزی مروجہ تعلیم سے دلچسپی ورجوع رکھنے والے مسلمانوں نے انگریزی وضع کردہ تہذیب کو اپنایا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مسلمان (تہذیب یافتہ) اسلامی۔ تہذیب واسلامی اقدار واصول سے خود کو آزاد کرنے لگا۔ کہ اس پر اسلامی شریعت یا الدین الاسلام کی پابندی عائد ہونے کی پابندی عائد نہ ہو۔ یہی وہ نیم مسلمان تعلیم یافتہ ہیں۔ جنہیں آزاد روش والے مسلمان کہا جاتا ہے۔ یا ''آزاد خیال مسلمان''۔ جو انگریزی مروجہ تعلیم پر عبور حاصل کر کے۔ انگریز کے (محض مسلمان کے اسلامی اخلاق بگاڑنے کیلئے) طریق کار سے متاثر ہو کر۔ خود اپنے دین کے حقیقی اصولوں کی نفی کرنے لگے۔ اس طرح انگریز کی سازش

کے نتیجہ میں۔ مسلمان خود اپنے دینی۔ احکام وقرآنی احکام پر عمل کرنے میں آزاد خیالی سے۔ احکامِ شریعت سے روگردانی کرنے لگے۔ اس حد تک۔ کہ مسلمانانِ ہند میں وہ اسلامی غیرت وحمیت باقی نہ رہ سکی جو انہیں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ۔ طارق بن زیادؒ۔ محمد بن قاسمؒ کی اشاعت وسعت الدین سے ورثہ میں ملی تھی۔ اس حال میں۔ کہ علمائے مسلمانانِ ہند بوجہ اپنی مفلوک الحالی۔ جبکہ انہیں حکومت انگریزی میں اپنی ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کیلئے کوئی فروعی (دنیوی) ذریعہ میسر نہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے اپنے دینی علم کو ذریعہ حصولِ زندگی بنالیا ـــــ جسکا نتیجہ مسلمانان ہند کو وہ دینی علم میسر نہ ہوا۔ جو الدین الاسلام کی حقیقی ہیئتِ مسلمہ تھی جس وجہ سے مسلمانان ہند۔ محض ''مسلمان'' ـــــ کہلانے سے ہی۔ مسلمان تصور کیا جاتا رہا۔ ایسی صورت میں مسلمانانِ ہند کے پاس۔ کوئی ایسا ضابطہ۔ کوئی ایسا ذریعہ حصولِ اقتدار میسر نہ تھا۔ جس سے ''غلامی'' کی حیثیت میں بھی وہ اپنی اسلامی ساخت (اسلامی ہیئتِ مسلمہ) کی نمائش کر سکتے۔ سوائے اسکے۔ کہ مسلمانانِ ہند کے دیگر اکابرین میں جنہوں نے انگریزی مروجہ تعلیم حاصل کر کے ایک اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ اس حال میں کہ انکی دینی حیثیت محفوظ رہ سکی جس حیثیت کے اثر سے انہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی زبوں حالی کا احساس کرتے ہوئے (دینی ـــــ دنیاوی ابتری) مسلمانوں کی دینی ـــــ دنیوی حیثیت کو اسلامی طرزِ زندگی پر قائم رکھنے کیلئے۔ حکومتِ انگریزی کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ جبکہ مسلمانوں کے پاس ایک عظیم طاقت کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے وسائل میسر نہ تھے۔ تاہم انہوں نے۔ ایک فطری جذبۂ ایمانی سے سہارا لیکر۔ مسلمانانِ ہند میں اسی جذبۂ ایمانی کو زندہ کرنے کیلئے بنیادی اقدام کیا ـــــ کہ ایک مردہ مسلمان کو بھی جب کسی دینی تحریک سے ابھارا جائے۔ تو ایک دینی جذبہ کے اثر سے۔ محض دینی عقیدہ کے اثر سے۔ پہاڑوں سے ٹکرانے پر آمادہ ہو جاتا ہے کیونکہ مسلمانان ہند کے پاس سوائے اس جذبہ کے اور کوئی۔ سیاسی۔ دنیوی قوت۔ ذاتی طاقت میسر نہ تھی۔ چنانچہ وقت کے اکابرینِ اسلام نے۔ جو خصوصاً۔ انگریزی مروجہ تعلیم ـــــ اور انگریزی تہذیب سے متاثر ـــــ تھے کہ مسلمان برائے نام مسلمان ـــــ دینی احکامات کی اطاعت و پابندی سے بالکل

خالی۔ بحیثیت مجموعی دین کے اہم رکن نماز کی ادائیگی سے غافل تھے ـــ بجائے اسکے الـــدیـــن الاســـلا م کی بنیاد پر اپنی تحریک کی ابتدأ کرتے ۔ یہ ممکن نہ تھا۔ کہ بے عمل مسلمان ۔ جو شریعت کے احکام سے یکسر بے عمل یہ دعویٰ کرے ۔ کہ مسلمان اسلامی ہیتِ مسلمہ الـدیـن الاسلام کے نفاذ سے پہلے اپنی اسلامی ساخت وہیئت ۔ احکامِ شریعت کی اطاعت سے مضبوط کریں تا کہ مسلمان اپنی قوتِ ایمانی کے بل پر ـــ جیسا اسلام اور الـدیـن الاسلام کی ابتدأ ہوئی ـــ اپنی اسلامی ۔ ایمانی ۔ قوت بحال کر کے ایک قوی غالب اقتدارِ اعلیٰ کی حیثیت حاصل کریں ـــ ہاں! چونکہ یہ عمل اکابرین اسلام میں بھی کاملاً پایا نہ جاتا تھا۔ اسلئے مسلمانان ہند نے ۔ عبادات واطاعتِ احکامِ شریعت کے جذبہ کے تحت نہیں ۔ بلکہ انگریزوں کے مقابلہ میں ایک جماعت قائم کرنے اور اسلامی تشخص قائم کرنے کیلئے ۔ اسلامی تصور کو اپنی تحریک میں ذریعہ بنایا ـــ اس حال میں بھی ۔ جبکہ مسلمانان ہند کی تحریک کی شکل اسلامی نظریہ پر دکھائی گئی ۔ لیکن ۔ نہ علمائے اسلام نے ۔ نہ انگریزی تعلیم یافتہ اکابرین (راہبران قوم) نے ایک مسلم قوم کی حیثیت سے ۔ اشاعتِ الـدیـن ۔ یا اجرائے دین کیلئے ۔ اپنے اعمال سے مظاہرہ کیا۔ کہ اس طرح ۔ اسلام کی ہیتِ مسلمہ کی نمائش ہو کر مسلمان اپنی تحریک میں اسلام کے بنیادی اصول کو شامل رکھتے ـــ تو ظاہر ہے ۔ کہ مسلمانانِ ہند کی اس عملی تحریک سے یہ نتیجہ ظاہر ہوا۔ کہ مسلمان محض مسلمان ہونے کے نام پر (اسلام کیلئے نہیں) ہندوستان میں ملکی اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ جسکے نتیجہ میں ۔ ہندو قوم کو یہ تحریک ملی کہ وہ بھی بحیثیت قوم ۔ آبادی کے تناسب سے (جب انگریز سے آزادی حاصل ہو) ہندوستان سے اپنا حصہ حاصل کریں ۔ جبکہ کثرت کے اعتبار سے ۔ آبادی کے تناسب کے مطابق ۔ ہندوستان کا کثیر خطہ ہندو قوم کے حصہ میں آتا ـــ چنانچہ ہندو قوم نے بھی اپنی کثرت آبادی کے مطابق ۔ ہندوستان سے اپنا حصہ حاصل کرنے میں انگریز حکومت سے ساز باز شروع کی ۔

یہ ایک حقیقت تھی ۔ کہ انگریز ابتدأ سے ہی ۔ مسلمان قوم کا دشمن رہا۔ اس نے بادل نخواستہ (جبکہ مسلمانوں نے اپنی ذات سے حکومتِ انگریزی میں اپنا مقام حاصل کیا) مسلمانوں کو

آزادی دینا قبول کیا۔ ورنہ انگریز کی مسلمانوں کیلئے یہی کوشش رہی کہ یا تو مسلمانوں میں آپس میں فرقہ وارانہ اختلاف پیدا کر کے انہیں۔ جذبۂ ایمانی پر متحد متفق نہ ہونے دیں۔ یا ہندوؤں مسلمانوں کو دینی اختلاف کے ذریعہ آپس میں متحد نہ ہونے دیں۔ اس بناء پر کہ ہندو مسلم اتحاد کی راہیں آسان اور یقینی تھیں۔ کہ ہندو (آرین) اور مسلمان (نومسلم آرین) ایک قوم کی حیثیت سے۔ ہندوستان میں رہیں ـــــ یہ صرف اسلئے کہ انگریز ہمیشہ مسلمان کی قوتِ ایمانی سے خائف رہا۔ مبادا ذرا سے اتحاد سے مسلمان ایک غالب قوت بن کر انگریز کو ہندوستان سے نکالنے میں کامیاب ہوتا۔ اسکی نظیر۔ مغل حکومت کے زوال پر انگریزوں کی سازش سے واضح ہے۔ کہ انہوں نے۔ مسلمان کو مسلمان سے غداری کرا کے مسلمانوں کو مغلوب کیا۔ اسی طرح۔ اپنی شکست کے آثار کا اندازہ کر کے۔ انگریز نے ہندو مسلمانوں کو ایک قوم کی حیثیت سے ہندوستان میں رہنے کے آثار قائم نہ ہونے دیئے۔ اس حال میں کہ تقسیمِ ہند کا مفروضہ پیدا کر کے ہندو مسلمان کو لڑا کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ایک دوسرے کا دشمن بنا کر ان پر امن وسلامتی کے دروازے بند کر کے چلے گئے ـــــ یہ حقیقت ہے۔ کہ ہندوستان میں مغل سلطنت کے منصفانہ۔ عادلانہ اثرات ـــــ یعنی ہندو مسلم اتحاد۔ مغل سلطنت کے زوال کے بعد بھی قائم تھے۔ کہ ہندو مسلمانوں میں آپس کے تعلقات۔ برادرانہ رہے ـــــ اور یہ تعلقات انگریزی حکومت کے ابتدائی دور میں بھی قائم رہے۔ لیکن ـــــ چونکہ۔ انگریز مسلمان کا دشمن تھا۔ وہ کسی طرح بھی مسلمان کو ہندوستان میں۔ باعزت۔ آسودہ رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ جسکے لئے وہ سب سے پہلے ہندو مسلمانوں میں عداوت پیدا کر کے ہر دو اقوام کو منتشر و محکوم رکھنا چاہتا تھا۔ یہی جذبہ تھا جس پر انگریز حکومت میں ہندو مسلمانوں کے درمیان۔ تعصب وعداوت کا بیج بویا گیا ـــــ یہ حقیقت ہے۔ کہ انگریز سے آزادی حاصل کرنے پر ہندوؤں مسلمانوں کے درمیان ہندوستان کی تقسیم کا نظریہ۔ خود انگریز سازش کا نتیجہ تھا۔ ورنہ تحریک آزادی میں۔ ہندو مسلمانوں میں ہندو مسلم اتحاد کی تحریک بھی چلائی گئی۔ اسی خیال پر کہ ہندو مسلم ایک قوم کی حیثیت میں۔ ہندوستان میں آزاد حکومت قائم کر کے ۔ایک ہی حیثیت میں رہیں۔ اور ایسا ہونا ممکن تھا۔ جبکہ ہندو مسلمان۔ مغل شہنشاہیت میں تین سو

سال ایک قوم ہی کی حیثیت میں بسر کرتے رہے۔ جبکہ ان میں۔ دینی احساسات میں ایک دوسرے کے خلاف کوئی تعصب ونفرت کے آثار پائے نہ جاتے تھے۔ اسی طرح انگریز حکومت کے سو سالہ زمانہ میں بھی۔ ہندو مسلمان ملکی حیثیت میں انگریز کے وضع کردہ قانون کے ماتحت۔ ایک دوسرے کے ساتھ (محلہ۔ شہر۔ دیہات۔ ملک میں) محبت واتفاق سے زندگی بسر کرتے رہے۔ دراصل یہ نظریہ۔ حکومت انگریزی کی پالیسی کا ایک اہم حصہ تھا۔ کہ کسی موقع پر ہندو مسلمانوں کو مثل سابق متحد نہ رہنے دیا جائے۔ اور خصوصاً آزادی حاصل کرنے پر۔ یہ ایک انتقامی جذبہ تھا۔ جس بناً پر انگریز نے حکومتی حیثیت میں ایسے ضابطے پیدا کئے جو ہندو مسلمانوں میں۔ تعصب ونفرت اور علیٰحدگی کا سبب بنے ـــــ جس بناً پر بالآخر۔ ہندو مسلمانوں میں دو قومی نظریہ پر تقسیم کا نظریہ پختہ ہو گیا ـــــ البتہ مسلمان لیڈروں کی طرف سے یہ نظریہ پیش کیا گیا۔ کہ وہ اسلامی ضابطہ کے مطابق آزاد ہندوستان میں اسلامی حکومت (خلافتِ اسلامی ـــــ یا الدین الاسلام ۔) کی طرز پر حکومت قائم کرینگے۔ جبکہ ہندوؤں میں انکی دینی حیثیت (ہندو راج) کا کوئی تصور موجود نہ تھا ـــــ سوائے اسکے کہ وہ انگریزی وضع کردہ قانون پر ہی ایک لادینی حکومت قائم کرینگے ـــــ

دراصل یہ امر مسلمانانِ ہند کے لیڈروں کی غلط فہمی تھی۔ جن میں مسلمانوں کے علماً کا نظریہ بھی بے نبیاد تھا کہ وہ اسلامی آئین کے مطابق۔ اسلامی حکومت۔ یا خلافتِ اسلامی ـــــ یا الدین الاسلام کے اشاعت واجرأ پر حکومت قائم کرینگے۔ اسلئے کہ اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں میں حقیقی الدین الاسلام کا عمل موجود نہ تھا۔ کہ مسلمان کثرت سے دین وعبادت سے غافل تھے۔ یہاں تک کہ مسلمان نماز۔ روزہ کے اعمال کا تارک تھا۔ ان میں کثرت سے لوگ۔ دینی ضوابط کے پابند نہ تھے۔ جبکہ اصولی طور نظامِ اسلامی ـــــ یا خلافتِ اسلامی کے نفاذ کیلئے۔ ایک مومن۔ صاحب عمل۔ دینی احکام کے پابند افراد کا ہونا بنیادی طور ضروری ہوتا ہے۔ بغیر دین وعبادات کے عمل کے ایک اسلامی حکومت کا وجود ممکن نہیں ہوسکتا۔ اس عمل میں مسلمان قطعاً خالی تھے۔ البتہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آزادی پر۔ مسلمان لیڈروں کیلئے یہ ضروری تھا۔ کہ قبل از آزادی مسلم لیڈران خود۔ دینی

ضوابط۔اور دینی عبادات میں کامل عمل کرنے والے ہوتے۔اور عوام المسلمین میں دینی عمل۔عبادات کا اجرأ واشاعت سے ایک مسلم ساخت کا وجود قائم کرتے۔اس قومی حیثیت پر ایک اسلامی حکومت کا قیام لازم تھا۔گویا یہ نظریہ ایسا تھا۔جیسے ہندو قوم بھی ایک اسلامی حکومت قائم کرنے کا دعویٰ کرے! ــــ جبکہ ان میں عملی طور دینی احکام استعمال میں نہیں ــــ ظاہر ہے۔جب مسلمان عام حیثیت میں دینی احکام کے پابند نہیں۔انکا بغیر عمل ایک اسلامی حکومت قائم کرنا مقصد بے معنی تھا ــــ

حقیقتاً مسلمانانِ ہند کا ایک اسلامی حکومت کا دعویٰ (نظریہ) ایک خالص۔خلافتِ اسلامی کا وجود قائم کرنا ہے۔اور اس خلافتِ اسلامی میں۔الدین الاسلام کی اشاعت واجرأ۔اصل عمل ہے۔خلافتِ اسلامی سے مراد۔مثل سابق۔خلافتِ اموی۔خلافتِ عباسی۔خلافتِ عثمانی۔جیسی اسلامی حکومت کا وجود قائم کرنا۔جس میں مسلمانوں میں ایک قوی طاقت پر ایک سلطنت کا وجود قائم ہو۔جبکہ ہندوستان میں مسلمان۔ایک شدید غلامی اور پستی کی حالت میں انگریزوں کے تسلط میں بے سروسامانی کی حالت میں بسر کر رہے تھے۔انکے لئے اس حالت میں خلافتِ اسلامی کا تصور ممکن نہ تھا ــــ ایسی صورت میں۔کہ مسلمان ایک غالب قوت حاصل کرتے انہیں مادی وسائل وذرائع پر ہی ایک قوت حاصل کرنا ممکن ہوسکتا تھا۔ایسی حکومت میں الدین کا تصور شامل کرنے سے الدین الاسلام کا وجود ممکن نہیں جبکہ مادی حیثیت میں الدین الاسلام کے عمل کا اشتراک شامل نہیں۔

الدین الاسلام سے مراد۔ایک مسلمان قوم کا الدین کے تصور پر۔احکامِ الٰہی۔قرآن وسنت اور صاحبِ امر علمائے اســــلام کے احکام پر۔دین وعبادات کی صورت میں عمل کرنا۔دینی عبادات کو (علمائے اسلام کی اشاعت کے ذریعہ) لازم رکھا جائے۔جس میں حصولِ دنیا حصولِ حکومت وسلطنت کا تصور شامل نہیں۔سوائے اسکے کہ قرآن وحدیث پر عمل سے ایک واحد مقصد و نصب العین ــــ قیامت۔دارِ آخرت کے عذاب سے نجات حاصل کرنا ــــ اس حال میں کہ اسکے ذہن میں حصولِ دنیا کیلئے سعی وجہد کا کوئی تصور موجود نہ ہو۔یہی اسلام کا حقیقی تصور ہے۔جو حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک نبی ــــ ایک رسول کی حیثیت سے پیش کیا۔

تاریخ اسلام سے یہ امر واضح ہے۔ کہ اقتدارِ اعلیٰ ایک ضرورت کے تحت وجود میں آیا۔ ورنہ یہ تصورِ اسلام کا حقیقی تصور نہیں ـــــ اقتدارِ اعلیٰ محض اشاعت واجرائے الــدیــن الاســلام کا ایک فروعی ذریعہ ہے۔ جو سلطنت کی ہیئت اختیار کرتا ہے ـــــ گویا۔ اگر الــدین الاسلام کی بنیاد پر۔ خلافتِ اسلامی ـــــ سلطنتِ اسلامی کا نفاذ نہ کیا گیا۔ تو وہ سلطنت۔ خلافتِ اسلامی ـــــ یا سلطنتِ اسلامی سے متصور نہیں ہوسکتی ـــــ

یہ واضح ہو ـــــ اگر اشاعت الــدیــن کے ساتھ۔ اقتدارِ اسلامی۔ خلافتِ اسلامی۔ کا استعمال ہوا۔ تو اس نفاذ میں بنیادی طور۔ الــدیــن الاســلام کے عمل کو بنیادی حیثیت دینی ہوتی ہے۔ ورنہ بغیر الدین الاسلام (احکامِ الٰہی۔ احکام سنت پر کاملاً پیروی) کے عمل کے۔ اقتدارِ اعلیٰ۔ اسلامی خلافت ـــــ یا سلطنتِ اسلامی ـــــ خلافتِ اسلامی سے موسوم نہیں ہوسکتی ـــــ اس حال میں۔ کہ ان متذکرہ خلافتوں میں۔ علمائے اسلام۔ محققینِ اسلام (امامین) کے وضع کردہ قوانین۔ خلافتِ اسلامی میں رائج ہوں۔ اور انہیں قوانین پر خلافتِ اسلامی کی ہیئتِ مسلمہ قائم ہو ـــــ جب تک اس خلافتِ اسلامی میں۔ قرآن وسنت کے مطابق تسبیح وعبادات پر عمل قائم نہ ہو۔ ایسی حکومت بھی۔ خلافتِ اسلامی کے زمرہ میں شامل نہیں۔ لہٰذا یہ امر واضح ہے۔ کہ بغیر الــدیــن الاسلام کے بنیادی تصور پر۔ کسی حکومت کی تعمیر ہو ـــــ اسلامی حکومت۔ یا خلافتِ اسلامی ـــــ تصور نہیں کی جاسکتی۔

یہی کیفیت ہندوستان میں مسلمانوں کی رہی۔ کہ مغل شہنشاہیت کے خاتمہ پر۔ مغل سلطنت میں۔ اسلامی قانون (علمائے امت کا وضع کردہ قانون) کے اجراً کا خاتمہ ہوا۔ اس حال میں کہ ہندوستان میں انگریز کا وضع کردہ قانون جاری ہوا۔ جو کہ انگریز حکومت کے تحفظ واستحکام اور وسیع تسلط کیلئے رائج ہوا ـــــ اس قانونی اجراً سے۔ نہ عیسوی دین کی اشاعت کا کچھ تعلق تھا ـــــ اور نہ اس سے الــدیــن الاســلام پر کچھ اثر پڑا۔ کہ حکومت انگریزی مسلمانوں کی عبادات پر قانونی پابندی لگا کر۔ دینی عبادات میں قدغن لگاتے (مجبور کرتے) اس حال میں کہ مسلمانوں پر حکومت انگریزی کی طرف سے کسی قسم کی پابندی یا ممانعت نہیں لگائی گئی۔ مسلمان اپنی عباداتوں میں آزاد تھا۔

جبکہ دین الاسلام کا عمل۔ مسلمانوں کے ذاتی عمل سے وابستہ تھا۔ جس میں انگریز کی طرف سے کسی قسم کی ظاہراً مزاحمت نہ ہوئی سوائے اسکے کہ انگریز نے ایک سازشی منصوبہ کے تحت مسلمانوں کی قوتِ ایمانی کو (اخلاق۔ اور عقائد) کمزور کر کے۔ عملی حیثیت میں مفلوج کر دیا ـــــ کہ آئندہ مسلمان الدین الاسلام کی اشاعت و اجرا کا وہ عمل حاصل نہ کر سکے۔ نہ مسلمانوں میں الدین الاسلام کی حقیقی ہیتِ مسلمہ قائم و باقی رہ سکی۔ جس بنیاد پر مسلمانانِ ہند ایک اسلامی سلطنت کی تعمیر کا تصور قائم کرتے ـــــ اس دینی انحطاط کے نتیجہ میں مسلمان۔ علمی طور ـــــ انگریز اور ہندو کے مقابلہ میں کمزور ہو چکا تھا۔ کہ اپنی مادی ساخت کو ترقی دینے کی صلاحیت بھی نہ رکھتا تھا۔ اور قوت کی حیثیت میں بھی مسلمان ضعیف ہو چکا تھا۔ کہ اسکے پاس مادی حیثیت میں ایک قوت بننے کے وسائل میسر نہ تھے۔ اس حال میں کہ مسلمانانِ ہند کو۔ دینی حیثیت میں اپنی ذات پر اتنا اعتماد حاصل نہ تھا۔ کہ وہ دینی حیثیت میں ایک اسلامی ہیتِ مسلمہ۔ اجرائے الدین الاسلام کی صورت میں حاصل کر سکیں۔ کہ ان میں جذبۂ قوتِ ایمانی یکسر ختم ہو چکا تھا۔ دوسری طرف دنیوی اعتبار سے مسلمان میں اتنی وسیع صلاحیت و طاقت نہ تھی۔ کہ وہ کسی موقع پر ہندوؤں سے مقابلہ کر کے ہندوستان میں (متحدرہ کر) اپنی مسلم سلطنت قائم کر سکتے۔ اس بد اعتمادی کے نتیجہ میں مسلمان مجبور ہوا۔ کہ وہ ہندوؤں کے نرغے سے علیٰحدہ ہو کر ایک سلطنت (ریاست) قائم کرے۔ جو صرف محض نام ہونے کی بناء پر (مومن ہونے کی بناء پر نہیں) ایک خطۂ ارضی کو پاکستان کے نام سے حاصل کر کے بزعم خود انگریز سے آزادی حاصل کرتے۔ لطف یہ کہ انگریز نے خود بھی ہندوستان میں۔ ہندو مسلم اتحاد کی صورت میں۔ ایک طاقت بننے کے آثار نہ چھوڑے۔ کہ مسلمان کسی طرح (ہندو مسلم اتحاد کی صورت میں بھی) قوت حاصل نہ کر سکے۔ حقیقتاً یہ شاطر۔ دشمنِ اسلام انگریز کی سیاست اور سازش تھی۔ کہ ہندوؤں مسلمانوں میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں۔ کہ مسلمان ہندو کے مقابلہ میں اپنا ایک علیٰحدہ تشخص قائم کرنے پر مجبور ہو کر۔ پاکستان کی شکل میں ایک مردہ جسم کو زندگی کا سہارا سمجھ کر۔ اپنی رہی سہی ساخت بھی ختم کر دے کہ آزادی حاصل کرنے پر اپنے مادی وسائل سے اپنی قوت مستحکم کر کے ایک سلطنت

کی صورت میں اپنا وجود قائم کرسکیں۔سوائے اسکے مسلمانان ہند کے مسلم اکابرین ـــــ اور کسی حد تک صاحب ایمان مدبر زعما کی راہنمائی سے مسلمان ہندوقوم سے علیحدہ ہوکرایک اسلامی حکومت قائم کریں۔جسکے لئے ایسے ہی مسلمان اکابرین ـــــ اور راہنماؤں نے علیحدہ حکومت حاصل کرنے کی جدوجہد میں پاکستان کے نام سے۔تمام مسلمانانِ ہند کیلئے ہندوستان میں الگ خطہ کا مطالبہ کیا۔ جس میں تمام مسلمانان ہندوستان کی دینی حیثیت پرانہیں اسلامی حکومت کرنے کی آزادی حاصل ہو۔ اوراسی تصور ونظریہ پرمسلمانان ہند نے پاکستان کے نام سے۔اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حکومت حاصل کی۔جس میں اسلام کے بنیادی نظریہ پرایک خلافتِ اسلامی ـــ الدین الاسلام کے تصور پر ۔اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلامی قانون (محققین اسلام کا وضع کردہ اسلامی قانون) کا نفاذ ہو ـــــ لیکن ایسے قانون کے نفاذ میں صرف اسلامی سلطنت کے قیام کا تصور قائم ہوتا ہے۔الدین الاسلام کی دینی حیثیت اس قانون کے اجرأ سے قائم نہیں ہوسکتی۔جب تک کہ تمام مسلمانانِ ہند دینِ اسلام کی ـــ شریعت پر عبادات پر عامل ہوکر اسلامی ہیئتِ مسلمہ کی ''نمائش'' ـــ نہ کریں۔یعنی بصورتِ مجموعی۔ہر مسلمان۔ارکانِ اسلام ـــــ ارکانِ شریعت کا پابند ہوکر نماز ـــــ روزہ ـــــ زکوٰۃ۔احسان پر صدقِ دل سے پابند ہوکر اسلامی ہیئت کا مظاہرہ کرے۔بصورت دیگر اسلامی سلطنت کی حیثیت میں۔سلطنت کی مادی ہیئت وحیثیت اسقدر قوی و مستحکم ہوکہ اس قانونی نفاذ سے مسلمان اپنی طاقت اسقدر غالب کرسکیں کہ اس طاقت سے اقتدارِ اسلامی کا وسیع تر نفاذ ہوکر الدین الاسلام کی اشاعت واجرأ میں۔حالات میسر آسکیں۔اور آئندہ اسی اسلامی قوت پر۔غلام مسلمانان ہندوستان کو بھی آزاد کرکے دینی دنیاوی تحفظ فراہم کرسکیں ـــــ

حقیقتاً یہ مجبوری تھی کہ مسلمانانِ ہند نے ہندو مسلم کا علیحدہ تصور کرکے۔الدین الاسلام کی حیثیت پر ہندوستان میں ایک اسلامی سلطنت کا نظریہ پیش کیا۔جبکہ مسلمانانِ ہند میں سوائے چند مخصوص افراد کے تمام مسلمان دینی اعمال سے لاتعلق بے دینی کی حالت میں انگریز کے قانون کے تحت زندگی گزار رہے تھے۔اس حال میں کہ مسلمانانِ ہند نے علیحدہ اسلامی تصور پر ایک حکومت قائم

کرنے میں ایک بے معنی تصور (پاکستان کا مطلب کیالا الہ الا اللہ) کے نعرہ پر جدو جہد کی۔ جن میں بحیثیت مجموعی تمام مسلمانان ہند نے دینی جذبات کا (اپنے جلسے جلوسوں۔ ایجی ٹیشنوں میں) مظاہرہ کیا۔ لیکن عملی طور یہ لوگ ایک وقت کی نماز ادا کرنے کے حامل نہ تھے۔ لہٰذا ایسی تحریک حقیقتاً دینی (اسلامی) تحریک تصور نہیں کی جاسکتی۔ سوائے اسکے۔ دینی تصور نے مسلمانوں کی جد وجہد آزادی میں۔ جذباتی طور مہمیز کا کام دیا۔ کہ وہ اپنی تحریک میں کامیابی حاصل کرسکیں۔

حقیقتاً۔ مسلمانوں کا حصولِ آزادی میں پاکستان کے تصور پر ایک نظریہ۔ انگریز کے نزدیک۔ اور ہندو کے نزدیک۔ ایک بامعنی نظریہ تصور نہ کیا جاتا تھا۔ کہ مسلمان آزادی کی صورت میں۔ کوئی مستحکم۔ اور نفع بخش حیثیت حاصل کرسکینگے۔ اس بناۓ پر کہ مسلمان کو دنیوی لحاظ سے کوئی ذریعہ میسر نہیں تھا۔ جس قوت پر وہ طاقت ور حیثیت (وجود یا حکومت) میں بحیثیت مسلمان کوئی حکومت اسلامی قائم کراسکتے۔ دوسری جانب جبکہ مسلمانان ہند نے محض الدین الاسلام کے نظریہ پر ایک حکومت قائم کرنے کا نظریہ قائم کیا۔ تو یہ امر واضح تھا۔ کہ بغیر۔ عبادات وتسبیح۔ دینی اعمال ــــ شرعی اعمال کے استعمال کے بغیر اسلامی خلافت ــــ یاالدین الاسلام کا وجود ممکن نہیں۔ ایسی صورت میں مسلمان دونوں حیثیتوں میں کوئی مستحکم حیثیت (حکومت) حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکتے تھے۔ یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ جب تک کسی کیفیت کی تعمیر میں بنیاد مستحکم نہ ہو۔ کوئی وجود مستحکم ہیئت میں قائم نہیں ہوسکتا۔ یہی صورت پاکستان کے حصول میں بنیادی کمزوری کی مظہر تھی۔ کہ ایک مختصر خطۂ ارضی میں۔ نہ دنیوی حیثیت میں مسلمان کوئی مضبوط ومستحکم سلطنت تعمیر کرنے کے اہل تھے۔ نہ دینی حیثیت میں کوئی اسلامی سلطنت قائم کرسکتے یا کرنے کے اہل تھے۔ جس میں حقیقی طور قرآن وسنت کے اجراۓ سے ایک الدین الاسلام کی حیثیت میں مومن جماعت یا شرعی عمل کا اجرا ہو سکتا۔ اس پر ستم یہ کہ ہندوستان کی سات کروڑ مسلم آبادی۔ جنہوں نے حصولِ پاکستان میں۔ اپنی جان ومال۔ بیوی بچے اپنی عزت وعصمت قربان کرکے ایک قلیل خطۂ ارضی کے مسلمانوں کو بلا محنت پاکستان انکی جھولی میں ڈالدیا۔ اور ان مظلوم مسلمانوں کو انگریز کی غلامی سے نکال کر ہندوؤں کی

غلامی میں دیدیا گیا۔جبکہ آزادی کا بنیادی مقصد ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو آزاد حیثیت میں ایک الدین الاسلام کے تابع مسلمان (مومن) حیثیت میں آزاد رہنا تھا۔اس سے قبل ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت دنیوی حیثیت خلافتِ عثمانی کے زوال کے بعد طاقت وقوت کے اعتبار سے ختم ہو چکی تھی۔اوراسکے بعد ہندوستان میں مغل سلطنت کے زوال کے بعد مسلمان بقیہ رہی سہی۔ اسلامی قوت سے بھی محروم ہو چکے تھے۔اسکے ساتھ ہی۔کیا تمام عالمِ اسلام اور کیا ہندوستان میں مسلمانوں کی دینی حیثیت بھی زوال پزیر ہو چکی تھی۔مسلمانوں میں نہ اجرائے الدین الاسلام کا کوئی مستقل عمل قائم تھا۔نہ مسلمان حقیقی طور دین اسلام۔شریعت کی عبادات پر عامل تھے۔جس سے الدین الاسلام کی ہیئتِ مسلمہ کا وجود قائم ہو سکتا ــــ حقیقتاً ایسی حالت میں مسلمانان ہند کا آزادی کے ساتھ۔دنیوی حیثیت میں۔یا دینی حیثیت میں ایک اسلامی ہیئتِ مسلمہ کا قائم ہونا ناممکن تھا۔ سوائے اسکے کہ اکابرین (لیڈران) نے محض مصلحت کے تحت ہندو قوم کے مقابلہ میں ایک وجود (مسلمان) قائم کرنا ضروری سمجھا۔بدقسمتی۔کہ یہ وجود ایک اپاہج وجود تصور کیا جاتا تھا۔کہ ایک مردہ جسم میں روح ڈالکر اسے زندہ رہنے کے قابل بنایا جائے۔جس پر اسلامی ہیئتِ مسلمہ ــــ یا حکومتِ اسلام کا تصور قائم کیا جائے۔جس میں ایک حصۂ جسم ــــ ''سر'' ــــ کو اہمیت دیکر بقیہ جسم کی زندگی ــــ سلامتی ــــ کو سر کی سلامتی پر منحصر کیا گیا ــــ جس کا نتیجہ واضح ہوا۔کہ سوائے ایک قلیل خطہ کے مسلمانوں کی آزادی کے تمام مسلمانان ہند اس اسلامی نظریہ۔کہ ''مسلمانان ہند کیلئے۔ایک الگ اسلامی حکومت قائم کی جائیگی۔جس میں ''تمام مسلمان''۔آزاد ہو کر ایک اسلامی حکومت کا وجود قائم کر کے الدین الاسلام (شریعتِ اسلامی) کا نفاذ کرینگے۔'' سے محروم ہو کر۔مسلمانوں کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا جبکہ اس نظریہ کو پورا کرنے میں نصف صدی کا عرصہ گزر چکا۔اس طویل عرصہ میں ''مسلمانانِ پاکستان'' نہ کوئی دینی (الدین الاسلام) حیثیت قائم کر سکے۔نہ دنیوی حیثیت میں اپنی قوت مستحکم کر کے ایک اسلامی خلافت۔یا حکومت (حکومت پاکستان) قائم کر سکے۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ــــ مسلمان (مسلمانانِ پاکستان) انتشار کا شکار ہو کر۔ایک بے دین۔

حکومت ''پاکستان'' کے نام سے قائم کرنے میں بھی کامیاب نہیں۔ سوائے اسکے کہ بزعمِ خود مسلمان اس بے بنیاد حکومت کو اسلامی جمہوریہ پاکستان سمجھتے ہیں۔ جبکہ اصولی طور اس ملک میں جمہوری طرز ــــ انداز ـــ پر کسی موقع پر نظام قائم نہیں کیا گیا ـــــ اہلِ پاکستان۔ دانشوران پاکستان۔ اور حکومتِ پاکستان۔ پاکستان میں جمہوریت کی نفی گناہِ کبیر تصور کرتے ہیں۔ اس حال میں کہ چالیس سال کے عرصہ میں اس ملک میں کسی زمانہ میں سوائے سرمایہ دار کے ایک فرد کو بھی حقوقِ انسانیت حاصل نہ ہو سکے ـــ اور سرمایہ دار اپنی دولت کے بل بوتے پر حکومت اپنے ہاتھ میں لیکر غریب عوام کا ہر زمانہ میں استحصال کرتے رہے۔ اور اسی عمل کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے نام سے شہرت دی گئی ـــــ حقیقتاً اکابرین مسلمانان ہندوستان نے۔ مسلمانانِ ہند کی آزادی میں۔ جو طریق کار۔ (طریق آزادی) اختیار کیا۔ وہ مسلمان ہونے کے نظریہ واصول کے مطابق درست تھا ـــ لیکن اس طریقِ کار کو کامیابی تک پہنچانے میں جو طریق اختیار کیا گیا۔ وہ کسی طرح بھی قابلِ عمل۔ اور نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکا۔ برعکس اسکے کہ مسلمانان ہند کی وحدتِ مسلمہ پارہ پارہ ہو کر۔ قدم قدم پر ذلت وغلامی کی زنجیروں میں گرفتار ہو کر۔ نہ اپنی دینی حیثیت قائم کر سکے۔ نہ اپنی دنیاوی حیثیت حاصل کر کے اپنے اسلامی تشخص کو قائم کر سکے ـــ اس حال میں کہ مسلمان۔ انگریز حکومت کی غلامی سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہو چکا ہے۔ اور پاکستان کا مسلمان بزعم خود۔ اپنی اس بے ہنگم حکومت کو ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' پکار کر اپنی ذلیل زندگی پر مطمئن ہے جبکہ ہندوستان (ہندو حکومت بھارت) میں انہیں مسلمانوں کو سرعام ہلاک کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی مسجدوں کو بزورِ شمشیر مندر بنایا جا رہا ہے۔ اور ان مندروں میں مسلمانوں کی ساٹھ ہزار عورتوں کے بطن سے پیدا ہونے والے فرزند رام چند اور کشن چند نام سے بت پرستی کر رہے ہیں۔ جن کے ماں باپ نے مسلمانوں کیلئے ایک آزاد اسلامی مملکت کا مطالبہ کیا۔ کہ مسلمان اپنی علیحدہ سرزمین پر۔ اسلامی شریعت کا نفاذ کر کے محفوظ طریقہ پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریگا ـــــ اور دین محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کا قرآن وسنت سے اجرا کریگا۔ جو الدین الاسلام کی شکل میں نافذ ہوگا ـــ اور جو کچھ مسلمانانِ ہند نے اپنی آزادی میں انگریز سے وصول کیا۔

وہ ایک قلیل خطہٗ ارضی ہے۔ جس میں اس خطہ میں رہنے والے مسلمانوں کو صرف آزادی ملی۔ اصل مقصد۔ (جس پر نظریہ پاکستان کی اساس قائم کی گئی) نفاذ الدین الاسلام کا نام ونشان بھی نہیں ملتا۔ اور اسی خطہ کو ہی کو بزعمِ خود ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کا نام دیا گیا۔ یہ زمانہ ہے ـــــ یہ مقام ہے ـــــ جہاں تمام عالمِ اسلام میں دینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حقیقی تصور۔ ''الدین الاسلام'' ـــــ اور ''خلافتِ اسلامی'' کا تصور معدوم ہو چکا ہے ـــــ اور مسلمان بے عملی۔ بے دینی کی صورت میں بے مقصد زندگی گزار رہا ہے۔ یہی حالت اس قلیل خطہٗ ارضی اور مسلمانوں کی ہے۔ کہ اس ملک میں سرمایہ دار۔ دولت۔ طاقت اور جھوٹی سیاست سے ملک پر قابض۔ ملک کی قوت پر قابض۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے نام سے حکومت کر رہا ہے جس میں سوائے لاقانونیت کے کسی دینی۔ دنیاوی۔ قانون کا نفاذ نہیں ـــــ ہر طرف لوٹ مار ـــــ قتل وغارتگری۔ حصولِ دولت میں غریب کا خون کیا جا رہا ہے۔ ایسی حالت میں ایک شریف شہری کی عزت وجان مال کو سرعام غارت کیا جا رہا ہے۔ یہ سب سرمایہ دارانہ نظام۔ صرف غیر قانونی ـــــ غیر اخلاقی ـــــ جمہوری طرزِ حکومت کی بناٗ پر ہوتا ہے۔ کہ جمہوری انداز پر تخلیق ہونے والی حکومت برائے نام منصفانہ۔ کہلاتی ہے۔ جبکہ قانونی (لاقانونی) صورت میں قوم میں۔ انتخاب۔ میں مختلف جماعتیں۔ حکومت کا اقتدار حاصل کرنے کیلئے۔ بے دین۔ بے عمل۔ بلکہ جاہل غیر تعلیم یافتہ افراد کو صرف۔ برادری۔ کثیر دولت خرچ کر کے۔ اور اثر رسوخ سے حیلے بہانوں سے کامیاب بنایا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے اس عمل میں۔ سو فیصد جاہل۔ اور جمہوریت کے مطلب سے لاعلم عوام خود ایسے لوگوں کو کامیاب بناتے ہیں۔ ایسے سرمایہ دار لیڈر ـــــ اور ہوس پرست۔ اور اقتدار کے لالچی لیڈر۔ جماعتوں کی شکل میں اپنے نظریہ کے لوگوں کو کامیاب بناتے ہیں۔ محض حکومت کا اقتدار۔ حکومت کی دولت۔ اور غریبوں کا خون چوسنے کی غرض سے۔ جمہوری انتخاب کا دھوکہ دیکر۔ حکومت حاصل کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کے برسر اقتدار آنے کے نتیجہ میں۔ اس مصنوعی پاکستان میں چالیس سال گزرنے کے بعد بھی دنیوی حیثیت میں کوئی مستحکم حکومت قائم ہو سکی۔ نہ الدین الاسلام کی کوئی ہیئتِ مسلمہ کی بنیاد ڈالی جا سکی۔ سوائے اسکے ہر

جماعت۔ ہر فرقہ ایک دوسرے کو پسپا کرنے کے درپے۔ کسی موقع پر کسی منتخب حکومت کو ـــــ موقع نہیں دیتا کہ وہ ''پاکستان'' کے نام پر ہی۔ صرف پاکستان کے عوام ـــــ لوگوں کو ایک حکومت کی شکل میں چند ساعت ہی کیلئے۔ امن سے رہنے دیں ـــــ اس حال میں بھی۔ اہلِ پاکستان ـــــ مسلمانانِ پاکستان۔ مطمئن ہیں۔ کہ وہ۔ آزاد (مادر پدر) بغیر کسی دشمن (ہندو) کے خوف سے اسلامی حکومت میں۔ ایک دیندار انسان۔ اور مطمئن فرد کی حیثیت سے بسر کر رہے ہیں ـــــ جبکہ پاکستان کے نتیجہ میں تقریباً سولہ کروڑ۔ مرد۔ عورتیں۔ بچے۔ ہندوستان میں۔ ہندوؤں کے مظالم کا شکار پستی و ذلت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ وہاں مسلمان آگ و خون کے دریا میں غرق تباہی کا شکار۔ اور یہاں (پاکستان میں) شب و روز جشنِ آزادی منائے جاتے ہیں۔ وہاں مسلمان مردوں۔ عورتوں۔ بچوں کے قتل و غارتگری سے خون کی ہولی کھیلی جاتی ہے۔ اور یہاں۔ آزاد مسلمان۔ کھلے عام کلبوں میں رنگ رلیوں میں۔ فحش جشن منا کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کروڑوں مسلمانوں کی بھینٹ دیکر خطۂ پاکستان خوبصورت پاکستان ـــــ نوری پاکستان۔ اور اسلام کا قلعہ عطا کیا۔ جس میں وہ ہر فحش کام۔ شراب۔ جوا۔ لوٹ مار۔ بلیک۔ چور بازاری۔ رشوت اور غریب مظلوم کا خون بہانے میں بغیر کسی محاسبہ کے خوف کے حکومت کر رہا ہے۔ بزعمِ خود مسلمان اس ملک کو آزاد۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان سمجھ کر اپنی اور قومی ذمہ داریوں سے مبرا ہو چکا ہے۔ یہی۔ اسلام ـــــ یہی الدین الاسلام ـــــ یہی اسلامی اقتدارِ اعلیٰ ـــــ یہی خلافتِ اسلامی کی آخری ہیئتِ مسلمہ تصور کی جاتی ہے۔ اسکے بعد کچھ نہیں ـــــ

## ''جمہوریت''

اسکے بعد۔ مسلمانانِ عالم ـــــ اور خصوصاً مسلمانانِ پاکستان کے ذہنوں میں ''جمہوریت کا تصور''۔ جس پر وہ پاکستان کی شکل میں ایک ملک حاصل کر کے۔ خود کو صراطِ مستقیم پر چلنے والا تصور کرتے ہیں ـــــ اسکی تفصیل پیش کی جاتی ہے ـــــ

اسلام میں قرآن و حدیث کی رو سے۔ جمہوریت کا کوئی واضح تصور موجود نہیں۔ بلکہ یہ

انگریز کی اختراع ہے۔جسکے ذریعہ انگریز اقوامِ عالم کو جبراً زیر کر کے ''جمہوریت'' کے نام سے پابند قانون بنا کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غلامی کی قانونی زنجیروں میں جکڑتا رہا ــــ حقیقت کو سنجیدگی سے قبول کیا جائے۔تو قرآن کی حقیقت کو سامنے رکھا جائے۔کہ حاکمیت کی ابتداً اللّٰــہ کی ذات سے ہوتی ہے۔وہ حاکمِ کُل ہے۔اور اسکے مقابل ــــ ''مخلوق'' ــــ اللہ کے سامنے غلام (عبد) کی حیثیت سے محکوم۔جو اپنی ذات سے اپنے لئے کچھ مانگنے کا حق نہیں رکھتی ــــ لہٰذا بنیادی طور اس مقام پر جمہوریت کا کوئی تصور قائم نہیں ہوسکتا جبکہ انسان بغیر کسی ذاتی اختیار کے۔اپنے حصول میں کسی ''جمہوریت'' کا سہارا لے نہیں سکتا ــــ

جہاں تک اللہ اور بندے کا تعلق ہے۔یہ تعلق اَلدِّیْن کے تصور پر قائم ہوتا ہے۔جس میں تمام کائنات اور کائناتِ ارضی پابندِ ارادۂ الٰہی ہے۔کہ انسانی ذہن میں سوائے عبادت الٰہی نہ کسی حصول کی خواہش ہوسکتی ہے۔نہ کسی حصول کا وہ حق رکھتا ہے ــــ اور جہاں تک حصولِ دنیا میں۔انسان کی ضروریات کے حصول کا حق ہے۔اس حصول میں بھی۔انسان کسی حصول کے مطالبہ کرنے کا حق نہیں رکھتا۔اس حال میں ایک بندے (غلام) کی ضروریات خود اسکے آقا کے ذمہ ہیں۔جس طرح چاہے پورا کرے ــــ بندے (انسان) کو اس پر اعتراض کرنے کا حق یا گنجائش نہیں۔اسلئے کہ اللہ اور بندے کے درمیان کسی جمہوری عمل کا عہد نہیں ــــ

بلاشبہ انسان (مخلوق) کو فطری پیدائش (تخلیق) کے اعتبار سے۔کہ وہ کسی کی پیدا کردہ۔مِلک ہے۔کسی حصول کیلئے۔مطالبہ یا اپنی خواہش کے مطابق طلب کا موقع نہیں ــــ کہ وہ ''عبد'' ــــ غلام ہے ــــ (اس مقام پر انسانی وضع کردہ تصورِ جمہوریت کی نفی ہوتی ہے) ــــ اس حال میں بھی انسان کیلئے کائنات کی تمام اشیا اسکی ملک میں دیکر اسے اسکے استعمال میں عام اختیار (اور مِلک) دیا جاتا ہے۔جہاں کسی جمہوریت کی گنجائش نہیں رہتی لہٰذا۔انسان کو یہ حق حاصل ہے۔کہ کائنات (زمین) میں پیدا ہونے والی ہر شے (جو اسکی خود پیدا کردہ نہیں) پر اپنے حق کا دعویٰ کرے۔اس حال میں۔کہ کوئی فردِ انسانی اسکے حصولِ حق میں مداخلت کرے۔انسان بحیثیت

''پیدائش'' ہر شے کے حصول میں آزاد اختیار کا مالک ہے ـــــ زمین پر پیدائشِ انسانی اِنِّـــــی جَـاعِـل'' فِـی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کا ایک فطری ضابطہ ہے۔ کہ انسان۔ بااختیار ـــــ خود مختار۔ خود کفیل ہے۔ اپنے حصولِ سامانِ زندگی میں ـــ اس حد تک کہ اسکی طلب وسعی (جستجو) کسی دوسرے فردِ انسانی کی طلب میں کسی کا حصول متاثر نہ ہو۔ کہ وہ اس حصول میں۔ محروم ومحتاج ہو جائے ـــــ ہاں! ـــ یہ فطری ضابطہ۔ فطری تخلیقی عمل انسان کی پیدائش۔ ابتداً سے لیکر۔ اسکے انجامِ قیامت تک نافذ العمل ہوسکتا ہے ـــ کہ انسان فطری تخلیقی قانون کے تابع (فرد واحد کی حیثیت میں) اپنی زندگی دائرۂ انسانیت میں قائم رکھے ـــــ یعنی اپنے حصول میں۔ قانونِ عدل کے مطابق جتنا اسے اپنے سامان زندگی میں ـــ اسکے قیامِ حیات تک حق ہے۔ حاصل کرنے میں (وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ) حد سے تجاوز نہ کرے۔ تو انسان ایک فردِ واحد کی حیثیت میں ازل سے لیکر ابد تک امن و سلامتی کی زندگی گزار سکتا ہے لیکن۔ یہ بھی پیدائش کا ایک فطری اثر ہے۔ کہ انسان اپنے حصول میں۔ سامانِ زندگی کی فراوانی میں اپنی فطری سرشت کے تابع۔ محض جذبۂ حرص وہوس کے نتیجہ میں۔ زائد حصول۔ اور ذخیرہ اندوزی کا عادی ہو جاتا ہے ـــ یہاں تک کہ یہ عادت۔ افراد کے مابین حصولِ زائد میں طمع وحرص کے نتیجہ میں فساد وخونریزی تک پہنچاتی ہے ـــ جہاں انسان (فردِ واحد) کا ضابطہ متاثر ہو کر۔ انسان اجتماعیت کا سہارا حاصل کرتا ہے ـــــ یہی مقام ہے۔ جہاں ایک خود ساختہ وضع کردہ ''جمہوریت'' کا تصور ابھرتا ہے اور اسی جمہوریت کے تصور پر انسان۔ فردِ واحد کی حیثیت میں۔ اور اجتماعیت کی حیثیت میں۔ زمین پر اپنا فطری حق حاصل کرنے میں۔ ایک نئی تنظیم اختیار کرتا ہے ـــــ یہ تنظیم ایک قوم ـــ یا حکومت کی شکل میں تشکیل دی جاتی ہے ـــ

انسانی تخلیق کا تقاضا ہے۔ کہ انسان ایک فردِ واحد کی حیثیت میں۔ دائرۂ انسانیت کے اندر۔ انسانی ''حق'' کی ''میزان'' کے مطابق اپنے حق کے حصول میں۔ تجاوز کر کے قانونِ فطرت کی خلاف ورزی پر نہ اتر آئے ـــــ انسانی جبلت (پیدائشِ واحد) میں اگرچہ۔ خود غرضی۔ حرص وہوس کا مادہ موجود ہے۔ جو بالآخر انسان کو آپس کے فساد وخونریزی کے نتیجہ میں۔ تنزل وپستی تک پہنچاتا

ہے۔لیکن یہ اسکی عارضی جبلت قرار دی جاتی ہے۔کیونکہ انسان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کردہ۔نوری عظیم قوتیں موجود ہیں۔جواسے۔اسکے مقامِ انسانیت میں۔عظیم نوری قوت وادراک و علم۔عظیم فہم وتدبر۔عظیم ہمت واستقلال۔اور حکومت کی خصوصیات کی حامل شخصیت بنا دیتی ہیں۔

ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ط قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۲ آیت ۹) پھر انسان کو۔کان۔آنکھ۔اور اَلْفُؤَادُ۔دل ودماغ کی خصوصیات سے سنوارا۔مگر انسان ان نعمتوں کو استعمال کر کے شکر گزار نہیں بنتا۔جہاں انسان۔اپنی جبلت کے اثراتِ تخریب (اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ) کے اثرات سے خود کو محفوظ کر دیتا ہے ــــــ یہی خوبیاں اور خصوصیات ــــــ جب انسان اجتماعی حیثیت میں۔ایک قوم ــــ قوم کے سربراہ ــــ قوم کے مفکر ــــ قوم کے حکمران کی حیثیت میں۔مخلوقِ انسانی کے حقوق کی حفاظت میں منصوبے اختراع ــــ یا وضع کرتے ہیں۔تو اس مقام پر ایک تنظیم۔یا لائحہ عمل۔یا آئین۔کی ہیئت میں جمہوریت کا تصور سامنے آتا ہے۔کہ قوم کے معتبر۔مفکر۔اعلیٰ کردار کے حامل مصلحین کی ایک منتخبہ جماعت۔مخلوقِ انسانی کو۔فساد وخونریزی کے نتیجہ میں۔پیدا شدہ انتشار و پراگندگی سے نجات دلانے کیلئے۔اپنی ذاتی محنت وسعی اور قربانی سے ایک پرامن معاشرہ تشکیل دیں ــــ ہاں! ــــ ایسے مقام پر ــــ ایسے موقع پر ــــ ایسے منتخب افراد مخلوق (قوم) کے حصولِ سامانِ زندگی کی فراہمی میں ضامن نہیں ہوتے۔نہ مخلوق (عوام) یہ حق رکھتے ہیں۔کہ کسی کو انکے حصول میں۔آسانی ــــ یا سلامتی کا ضامن ٹھہرا کر اپنے حصولِ حق میں مطالبہ کریں! ــــ نہیں۔بلکہ یہ انسانی جبلتِ نوری کا خاصہ ہوتا ہے۔کہ ایک منتشر قوم میں۔انہیں میں سے ــــ بااخلاق۔باکردار اشخاص اپنی ذات سے قوم کی فلاح وسلامتی کے حصول میں۔قربانی دیکر اپنی خدمات بغیر کسی معاوضہ کے پیش کریں۔ حقیقتاً یہی ایک عمل ہے۔جہاں جمہوریت کا اصل (اخلاقی) تصور ذہن قبول کرسکتا ہے ــــ اس حال میں کہ افرادِ قوم۔قومی انتشار ــــ اور اسکے نتیجہ میں حرص وہوس۔خودغرضی کے آثار سے متاثر ہوکر۔ایک دوسرے کے مفادات غصب کرنے (لوٹنے) پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ایسی صورت میں ایک

فروعی تصورِ جمہوریت کے ذریعہ۔انسانی حقوق و مفادات کے تحفظ اور حصول میں۔ابتدائی اقدام یہ ہونا چاہیے۔کہ ذاتی طور افرادِ قوم اپنی خودغرضانہ عادت سے علیحدہ ہوکر قومی یکجہتی اور ملتِ واحدہ کی صورت میں اپنے مفادات کے حصول میں متحد ہوجائیں ــــ جس میں وحدتِ ملی۔وحدتِ دینی۔ وحدتِ قومی کا مظاہرہ کیا جائے۔کہ کوئی فرد۔انفرادی حیثیت میں اپنے حصول کا تصور درمیان میں نہ رکھے۔بلکہ بحیثیت مجموعی ہر فردِ انسان کے مفادات کو مدنظر رکھکر اسکے حصول کیلئے جدوجہد کرے۔ تاکہ کسی حصول میں افراد میں۔ایک دوسرے کے خلاف حصول میں تضاد یا تصادم کی نوبت نہ آئے۔ ایسی صورت میں۔ایک ملتِ واحد کیلئے۔من حیث القوم۔ایک ہی راہنما ــــ (لیڈر) کی اطاعت میں ایک ہی مقصد۔مساوی مفاد کے حصول میں جدوجہد کی جائے۔ہاں۔ایسی صورت میں جہاں افراد نے علیحدگی اختیار کی اسکا مطلب یہ ہوا۔کہ ایسے افراد محض اپنی ذاتی اغراض کے حصول میں کامیابی کا جذبہ رکھکر۔دوسرے افراد کے مفادات میں انکے حصول سے متفق نہیں ــــ حقیقتاً یہ جذبہ۔خودغرضی۔غیرانسانیت کا جذبہ۔ایک ملتِ واحد میں انتشار و تفریق کا جذبہ پیدا کرکے۔قوم سے صرف اپنے مفادات کے حصول میں اپنی اغراض پورا کرنے میں۔جمہوریت کا سہارا لینے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی مقام ہے۔جہاں وقت کے ساتھ۔جمہوری عمل میں بے قاعدگی پیدا ہو کر۔جمہوریت کا تصور گھناؤنا۔اور نقصان دہ محسوس ہوتا ہے۔اور انسان جماعتوں کی صورت میں زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے میں۔ایک دوسرے کے مفادات و حقوق کا احساس نہ کرتے ہوئے۔ قوم پر ناجائز اقتدار حاصل کرکے۔اپنے مفادات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

قانونِ رُوحُ الْاِجْتِمَاعُ ــــ کے مطابق۔جب قوم (انفرادی طور) اپنے حصول میں افراط و تفریط کا شکار ہوکر۔انتشار اور پراگندہ ذہنی کا شکار۔بے چینی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔تو فطری طور۔قوم کے افراد اس ذہنی۔جسمانی انتشار سے نجات پانے کیلئے۔(جبکہ انکے ذہن کوئی فلاحی راہ پانے سے قاصر ہوں) کسی اعلیٰ کردار۔اعلیٰ ذہن کے مالک انسان کا وسیلہ حاصل کرنے میں۔ اپنے افراد میں کسی امیر۔یا سربراہ کا انتخاب کرتے ہیں ــــ ہاں! ــــ یہ عمل ایک جمہوری

معاشرہ کا ابتدائی اقدام ہوتا ہے۔ کہ ایک قوم اپنے میں۔ ایک اعلیٰ کردار۔ صاحبِ فہم و تدبر سربراہ ـــ امیر یا لیڈر شخصیت کا انتخاب کر کے اسکی اطاعت میں اسکے فلاحی امور واحکام کی تعمیل کرے۔ اس عمل میں ـــ بنیادی طریق کار ـــ ''جمہوریت'' کے تصور پر ـــ ایک بنیادی ضابطہ مرتب ہوتا ہے۔ کسی سربراہ کی۔ راہنمائی کیلئے۔ ایک سربراہ کے انتخاب میں۔ (۱) ابتدائی اقدام پر قوم ایک ہی حصولِ مقصد پر متفق ہو کر وحدتِ ملی۔ وحدتِ قومی کی صورت میں ہر فردِ انسانی کے حقوق کا احساس کرے۔ (۲) قوم اپنے افراد میں جسے وہ عرصہ سے جانتے ہوں۔ عرصہ سے اسکے ساتھ رہنے سے اسکے عادات واطوار و کردار سے آگاہی رکھتے ہوں۔ کہ خود قوم ـــ یا قوم کے مدبّر صاحبِ اخلاق افراد ایک اعلیٰ خصوصیات کے حامل انسان کی نشاندہی کر کے اسے اپنا رہبر منتخب کریں۔ اس حال میں۔ کہ ایسا منتخب فرد بغیر کسی ذاتی غرض ونفع کے لالچ۔ یا سربراہی کے لالچ کے یہ عہدہ قبول کرے۔ اس مقام میں قوم کے تاثرات میں۔ چند اہم تصورات کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ کہ قوم ایک سربراہ کی راہنمائی میں۔ ذاتی ـــ افرادی ـــ خواہشات۔ یا حصول میں منتشر حالت میں نہ ہو۔ بلکہ اجتماعی حیثیت میں۔ من حیث القوم۔ اپنی خواہشات کا تقاضا کرے۔ جس میں ہر فردِ قوم کے مفادات کا تحفظ یکساں حیثیت میں فراہم کیا جانا مقصود ہو ـــ اس حال میں۔ اگر افراد کی خواہشات پر فرداً فرداً متفرق حالت میں عمل کیا جائے۔ تو اسکا نتیجہ، قوم مختلف جماعتوں میں بٹ کر۔ یکجہتی سے محروم ہوگی اور افرادِ قوم کے حصول میں انتشار پیدا ہو کر۔ قومی حیثیت میں بھی۔ جماعتیں آپس میں برسرِ پیکار ہو جائینگی۔ جسکے نتیجہ میں ایک سربراہ کے فلاحی عمل میں دشواریاں پیدا ہو کر۔ قوم منتشر حالت میں اپنے مفادات حاصل کرنے میں ناکام رہیگی ـــ ضرورت ہے۔ کہ افرادِ قوم۔ بحیثیت مجموعی۔ اپنے ذاتی۔ انفرادی مفادات کے حصول کی خواہش سے ہٹ کر دوسروں کے مفادات حاصل ہونے کا جذبہ استعمال کریں۔ اس طرح قومیت کی قوت مستحکم ہو کر حصولِ خواہشات میں آسانی حاصل ہو گی۔ لہٰذا ضروری ہے۔ کہ انسانی حصول میں۔ ایک مقام پر۔ قوم جماعتوں کی صورت میں نہ ہو۔ تا کہ جماعتوں کی مختلف خواہشات میں تضاد واختلاف پیدا ہو کر قومی یکجہتی اور متفقہ جدوجہد سے عاری

ہوکر ہمیشہ انتشار ومحرومی کا شکار ہو۔

یہ بھی روح الاجتماع میں۔انسانی معاشرتی اصول قرار دیا جاتا ہے۔کہ وہ قوم نااہل ۔خودغرض۔ناکام تصور کی جاتی ہے۔جس میں مختلف جماعتیں۔مختلف مفادات کے حصول میں ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی اختیار کریں۔ضروری ہے۔کہ جب تک قوم کے افراد متفق ہوکر۔محبت وآشتی کے جذبہ سے سرشار وحدتِ ملی کے جذبہ کے ساتھ (دوسروں کی بھلائی میں) اپنی خواہشات و طلب کو ایک مقصد ــــ ایک نکتہ پر مجتمع (جمع) نہ کریں۔وہ کسی حصول میں کامیابی حاصل نہ کرسکینگے ــــ یہ حقیقت ہے کہ انسان۔بحیثیت انسان ــــ ایک انسانی قوم ــــ اپنے حصول میں۔ایک سربراہ کی راہنمائی واطاعت میں ذاتی اغراض کی ہوس سے ہٹ کر اپنے حصول کی جدوجہد کریں۔تو انہیں کسی اور فروعی ذریعہ ووسیلہ (جمہوریت) کی ضرورت پیش نہ آئیگی۔کہ کسی سے اپنے اغراض و مقاصد کے حصول میں مطالبہ ــــ یا احتجاج کرنے کی نوبت آئے۔بس اسی ایک اقدام پر ــــ ایک صاحب کردار۔صاحبِ فہم وتدبر۔سربراہ ــــ امیر ــــ یا لیڈر کی اطاعت میں قوم خلوصِ نیت۔ دیانت وامانت سے اپنے حصول میں جدوجہد کریں۔تو یہی عمل انکی زندگی میں۔تمام خواہشات۔ تمام ضروریات کا کفیل ہوسکتا ہے۔ہر انسان اگر مجموعی حیثیت میں ایک خواہش کے حصول پر اپنی طلب کو پابند کرے۔تو دنیا میں فساد وخونریزی کا کوئی موقع نہیں آسکتا اور انسان پُرامن زندگی بسر کر سکتا ہے۔حقیقتاً یہی کیفیت ''جمہوریت'' سے تعبیر ہوسکتی ہے۔اور یہ قوم کی اخلاقی گراوٹ۔حرص و طمع۔لالچ۔زائد حصول کی خواہش میں دوسرے انسان کے حق پر قبضہ حاصل کرنے کی نیت ــــ جبلت ہے ــــ کہ کوئی بھی شخص اپنے حصول کیلئے کسی موقع پر مطالبہ کرے ــــ گویا ــــ کسی انسان نے اسکے حق کو غصب کیا۔یا وہ کسی کا حق غصب کرنے کی غیر اخلاقی کوشش کررہا ہے۔یہی اسباب ہیں۔جو ایک قوم میں مختلف جماعتیں پیدا ہوکر۔اپنے مقاصد علیٰحدہ کرکے۔انکے حصول میں۔ایک جماعت دوسری جماعت سے مقابلہ کرکے۔محض خودغرضی کی بناء پر اپنی ہی خواہشات کو کامیاب بنانے میں دوسروں کو ناکامی کا شکار کرکے اپنے حقوق سے محروم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔یہی مقام ہے۔

جب قوم میں جماعتوں میں بٹ کر اپنی اپنی متضاد خواہشات کے حصول میں جدوجہد کر کے۔ جماعتی حیثیت میں۔ اپنا ایک جماعتی وجود قائم کرتی ہیں۔ اس حال میں کہ۔ جماعتیں ایک ہی قوم کا وجود ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں۔ ایک قوم ـــ مختلف جماعتوں کے مرکب سے تشکیل دی جاتی ہے۔ جس میں ہر جماعت۔ اپنا ایک علیٰحدہ۔ سربراہ اپنی نمائندگی کے لئے۔ منتخب کرتی ہے ـــ اور یہی نمائندے ہر جماعت کی نمائندگی میں جماعت کی خواہشات و مطالبات کے حصول میں۔ اپنی ہی جماعتوں سے حصول مقصد کا مطالبہ کرتے ہیں ـــ ہاں اس غیر اصولی جدوجہد میں حصولِ خواہشات میں جو طریق اختیار کیا جاتا ہے۔ اس عمل کو بھی ''جمہوریت'' کے تصور میں لازم سمجھا جاتا ہے۔ لیکن۔ اس جمہوریت کے تصور میں۔ حقیقی روح کارفرما نہیں ہوتی۔ کہ ایک ہی قوم کے افراد۔ اپنی ذاتی خواہشات کے حصول میں۔ قومی یکجہتی کے جذبہ سے ہٹ کر اپنے حصول کی کامیابی پر دوسرے افراد کی ناکامی محرومی کا احساس و ہمدردی کا جذبہ نہ رکھیں ـــ حقیقی تصورِ جمہوریت کے خلاف ہے۔

اکثر مشاہدے میں آیا۔ کہ جب ایک قوم۔ محض اپنی خواہشات کے حصول میں۔ ذاتی لالچ۔ خودغرضی۔ زائد حصول کے جذبہ میں ـــ قومی یکجہتی سے ہٹ کر اپنا مفاد حاصل کرنے میں۔ اپنی جدوجہد کو اپنی ذات تک محدود کر دے۔ تو افرادِ قوم میں نفاق کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں ہر فرد اپنے ذاتی مفاد کو دوسروں کے مفادات پر فوقیت و اہمیت دینے لگ جاتا ہے۔ یہی صورت ہے۔ جس میں ایک قوم جماعتوں کی شکل میں بٹ کر۔ دوسروں کے مفادات کے مقابلہ میں اپنے مفادات کے حصول میں علیٰحدہ ہو کر جستجو کرتی ہیں ـــ یہ تفریق۔ قوم میں۔ نفاق۔ حسد۔ خود غرضی کے آثار پیدا کرتی ہے۔ اور آخر اسی قومی ہیئت پر ہر فرد ہر جماعت اپنے مفادات حاصل کرنے میں ـــ جمہوریت کا سہارا لیکر ـــ حصولِ مقاصد میں۔ جماعتی حیثیت میں قومی ''اقتدار'' حاصل کر کے۔ قومی مفادات پورے کرنے میں۔ سبقت حاصل کرنے کی جستجو کرتی ہے۔ اسی جستجو کے عمل کو انتخاب سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ گویا۔ ایک قوم۔ جماعتوں میں بٹ کر اپنے حصول کی جستجو میں۔ جمہوریت کے عمل سے۔ انتخاب کے ذریعہ ''اقتـــدار'' حاصل کر کے اپنے اپنے مفادات حاصل

کرنے کا جوطریق اختیار کرتی ہے ـــ اس عمل کو جمہوریت سے تعبیر دیا جاتا ہے اوراس عمل کے نفاذ میں انتخاب کا طریق استعمال کیا جاتا ہے۔ کہ جوفریق عوام کی خواہشات ومفادات کی کلی طور ضمانت دے وہی جماعت برسر اقتدار آ کر۔ قوم کے مفادات فراہم کرنے کی ضامن ہوتی ہے ـــ جمہوریت کے عمل میں ـــ ''انتخاب'' کا ایک طریقِ کار وضع کیا جاتا ہے۔ یعنی۔ جماعتی حیثیت میں ۔ ہر جماعت اپنا ایک سربراہ منتخب کرتی ہے۔ اسکی دوصورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ قوم کے افراد میں مخصوص شخصیتیں۔ جو ہر خاص وعام کی نظر میں۔ علم وفضل۔ فہم وتدبر میں مشہور ہوں۔ انکا عمل۔ انکی شہرت خود اسکے انتخاب کی دلیل وضمانت ہوتی ہے۔ ایسے افراد کو جماعتوں میں منتخب کیا جاتا ہے ـــ دوسری صورت ـــ یہ کہ ہر جماعت خود کسی فرد کو اپنے مفادات کے حصول میں قابل سمجھیں اسکو منتخب کیا جاتا ہے۔ ایسے فرد کا انتخاب خود افراد کی صوابدید اور نامزدگی پر ہوتا ہے ـــ تیسرا طریق انتخاب۔ جماعتوں میں کسی فرد کا انتخاب ـــ جو جمہوری طرز پر کیا جاتا ہے۔ اس انتخاب میں سرمایہ دار طبقہ۔ اور کنبہ برادری والا فرد۔ خود منتخب ہونے کیلئے۔ عوام سے ووٹ (رائے) حاصل کرتا ہے۔ اس انتخاب میں ایسے افراد (خواہ وہ علمی اعتبار سے جاہل ہی کیوں نہ ہو)۔ زرکثیر خرچ کر کے عوام کو۔ بیوقوف بنا کر۔ یا انکے سرغنوں۔ چوہدریوں کو خوشامد اور پیسہ سے۔ لوگوں سے ووٹ حاصل کرتے ہیں۔ ایسے افراد باقی معقول قسم کے سمجھدار اور تعلیم یافتہ لوگوں کے مقابلہ میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی کسی نہ کسی جماعت میں شامل ہو کر جماعتی حیثیت میں ووٹ حاصل کرتے ہیں۔ انکی کامیابی۔ حکومت کے بااثر محکموں کے ساتھ۔ جنکا تعلق کسی طرح انتخاب سے ہوتا ہے۔ یا قانون کے محافظ اداروں سے ساز باز کر کے ضرورت پڑے تو زیادہ ووٹ حاصل کرنے میں ہتھیار بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں انتخابی اداروں پر انکا غلبہ ہوتا ہے۔ جس بنأ پر انہیں کثرت سے ووٹ حاصل کر کے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ ایسے انتخاب میں بعض جماعتوں کو جو حکومت کی حامی جماعتوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ حکومت کی طرف سے بھی تعاون حاصل ہوتا ہے۔ اور خصوصاً انتخاب میں شریک ہونے والوں کو انتخابی مہم میں کم از کم پچاس ہزار روپیہ یا اس سے زیادہ رقم خرچ

کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ کہ پیسہ خرچ کر کے بھی انتخاب میں کامیابی حاصل کی جاتی ہے۔ ایسی مہم کو خصوصاً۔ جمہوری انتخاب سے تعبیر دیا جاتا ہے ـــــ اس حال میں کہ سرمایہ دار طبقہ۔ جنکا مقصد حکومت کی خاص نشستوں کو حاصل کر کے۔ صرف اپنے ذاتی مفاد۔ دولتِ کثیر۔ محل۔ کاریں حاصل کرنا۔ ہوتا ہے۔ جن سے عوام (قوم) اپنے مفادات کے حصول میں محرومی۔ ناامیدی۔ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ عمل بھی۔ تمام جمہوریت کے نام پر کیا جاتا ہے۔ ایسے نمائندے۔ ایک حکومت کے ارکان بنکر قوم سے اختیارات حاصل کر کے انہیں بے بس و غلام بنا کر انکے حقوق خود غصب کر کے غریب و بے بس اور بے شعور انسانوں پر حکمران بن جاتے ہیں اور بالآخر یہی جماعت ایک جمہوری حکومت کی ہیئت میں۔ قوم پر حکمران حیثیت حاصل کر کے ہمیشہ ہمیشہ غلبہ حاصل کرنے کی کوشش میں کوشاں رہتے ہیں ـــــ اور جب جماعتی حیثیت میں قوم ایک دوسرے سے (انتخاب کی شکل میں) کامیابی حاصل کرنے میں۔ برسرپیکار ہو جاتی ہے۔ اس جمہوری عمل میں۔ اپنی کامیابی حاصل کرنے میں جمہوری تقاضوں سے تجاوز کر کے۔ اپنی طاقت۔ دولت اور اسلحہ کے استعمال سے کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور فخریہ انداز میں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ قوم میں جمہوری اصولوں پر انتخاب میں کامیابی حاصل کی گئی۔ اور ایک جماعت کی کامیابی پر مخالف جماعت حزبِ اختلاف کی شکل میں۔ حزبِ اقتدار کو انتقامی جذبہ سے نیچا دکھا کر شکست دینے میں۔ ہر وقت مصروف رہتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت حکومت (حزبِ اقتدار) کا تختہ الٹ دیا جاتا ہے۔

حقیقتاً یہ اندازِ جمہوریت قطعاً لغو اور غیر حقیقی ہے۔ کہ عوام کے حقوق۔ مفادات کے حصول کیلئے۔ افراد کو نمائندگی دیکر ـــــ ایک غالب قوت حکومت حزب اقتدار سے حق حاصل کیا جائے۔ دوسری جماعت محض اپنے ذاتی نظریات۔ خواہشات کے مطابق قوم میں ایک مخصوص جماعت اقتدار حاصل کر کے۔ باقی قوم کی خواہشات کے حصول میں اختلاف پیدا کر کے۔ قوم کے افراد میں حسد۔ کینہ۔ مخالفت اور پھر ایک دوسرے کے خلاف اپنی طاقت استعمال کر کے۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھا کر حصولِ مقصد میں رکاوٹیں اور ناکامی پیدا کر کے قوم کا شیرازہ بکھیر دیا جائے۔ جس بنا پر قوم

اس جمہوری نظام سے کبھی اپنے حصول میں کامیاب نہیں رہتی۔ برعکس اسکے کہ قوم ایک دائمی۔اختلاف اور انتشار کا شکار رہتی ہے۔ یہ صرف ایک جمہوری تصور۔اور طرزِ عمل کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔

جیسا بیان ہوا۔ کہ زمین پر۔ پیدا ہونے والے ہر فرد ـــــ ہر انسان کیلئے۔ زمین میں پیدا ہونے والی ہر شے پر تصرف بغیر کسی مطالبہ کے حاصل ہونا۔ایک فطری عمل ـــــ فطری تصور ہے۔ جسکے لئے کسی انسان کو حصولِ مقصد۔حصولِ خواہش میں۔کسی سے مطالبہ کرنے ـــــ یا جمہوریت کے تصور۔یا اصول پر اپنا حق حاصل کرنے کا کوئی موقع نہیں آتا ـــــ سوائے اسکے کہ جب قوم کے افراد۔محض زائد حصول کے جذبہ کی بنا پر۔حرص و لالچ کی جبلت سے متاثر محض اپنی ذات کیلئے۔ حصول کی خواہش کریں۔قوم میں ایسے ہی افراد سے ایک علیٰحدہ جماعت کا وجود پیدا ہوتا ہے۔اور ایسی ہی جماعت کے وجود سے۔جبکہ افراد اپنی ذات کیلئے۔اپنی خواہش کے مطابق حاصل کرنے کی کوشش ـــــ جدو جہد کریں۔تو قدرتی طور ہر فرد میں۔اپنی ذات کے لئے۔اپنے حق کے حصول و تحفظ کا جذبہ ـــــ تصور پیدا ہوتا ہے۔اسی حصول کے جذبہ کے نتیجہ میں۔ایک فرد اپنی قوم سے۔اپنا حق حاصل کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔اور یہی ''مطالبہ'' ـــــ افراد کو اپنے مفادات حاصل کرنے پر آمادہ کرتا ہے ـــــ اور یہی اپنے مفادات حاصل کرنے میں ـــــ ''ایک مطالبہ'' ''جمہوریت'' کا تصور پیدا کرتا ہے ـــــ یعنی ـــــ جب قوم کے افراد میں۔فطری آداب واخلاق سے ہٹ کر ذاتی خودغرضی میں زائد حصول کا لالچ۔حرص پیدا ہو۔تو اس طرح قانونِ فطرت کی خلاف ورزی عمل میں آتی ہے ـــــ تو ایسے موقع پر ہی ''جمہوریت'' ـــــ کا عمل سامنے آتا ہے۔کہ قوم ـــــ قوم کے با اخلاق افراد۔اس قومی خودغرضی کا احساس کرتے ہوئے۔ ہر فردِ قوم کے حق کا تحفظ کرنے کیلئے۔حصولِ مفاد کے لئے ایک ضابطہ مقرر کر کے۔ ہر فرد کے مفاد (جو اسے زمین سے فطری طور حق حاصل ہے) کا تحفظ کرنا لازمی ہے۔تا کہ ہر فرد کو اس کا فطری حق حاصل ہو کر۔افرادِ انسانی میں۔یکسانیت۔اتحاد۔محبت قائم ہو کر قومی۔انسانی۔یکجہتی۔مساوات۔مستقل طور قائم رہے۔اس حال میں کہ انسان کو کسی موقع پر اپنے حصول میں اپنے حقوق سے محرومی کے نتیجہ میں۔اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا۔فساد و

خونریزی کی نوبت نہ آئے۔ایسی صورت میں۔حقیقی طرزِ زندگی کے پُر امن لائحہ عمل کو۔حقیقی جمہوریت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔کہ قوم ـــ اور قوم کے بااخلاق۔صاحبِ کردار افراد یہ احساس کریں۔ کہ اتحادِ قومی میں فساد کی راہیں بند کرنے کیلئے۔ذاتی طور ـــ بغیر ذاتی خودغرضی۔بغیر ذاتی حرص و لالچ۔محض قومی۔انسانی۔فلاح کے جذبہ کے تحت۔قوم کیلئے۔ایک منظم۔اور سود مند لائحہ عمل وضع کریں۔اسی عمل کو۔منشور سے تعبیر دیا جاتا ہے۔یہ کوئی فطری عمل نہیں۔بلکہ حالات اور ضرورت کے نتیجہ میں اسکی ضرورت پڑتی ہے جو خود انسان کا وضع کردہ ہوتا ہے۔اس نتیجہ میں۔کہ انسان ایک فطری زندگی۔پر اکتفا نہیں کرسکتا۔اسکی سفلی جبلت تقاضا کرتی ہے۔کہ اسکی حسد۔کینہ۔لالچ۔زائد حصول۔ اور زائد حصول کیلئے فطری قانونِ میزان کی حد سے تجاوز کرنے والی قوتیں۔برسرِ عمل ہوکر۔انسانی وحدت میں خلل پیدا کریں۔جسکے لئے قومی۔انسانی۔اخلاقی۔روحانی۔''نوری'' جبلت بھی تقاضا کرتی ہے۔کہ ایسے مہلک۔قبیح عادات کے اثرات سے۔انسانیت کو محفوظ کرنے کیلئے۔ذاتی اجتہادی فکر و عمل سے ایک ضابطہ وضع کرکے انسان کو اسکا پابند کرکے۔انسانی ماحول و معاشرہ کو ان کے نقصانات سے پاک کرکے۔انسان کو ایک پُرامن ماحول و معاشرہ مہیا کیا جائے۔اسی عمل کو درحقیقت۔جمہوریت۔یا جمہوری آئین سے تشبیہ دیا جاتا ہے۔جس میں مخلوقِ انسانی کو ایک وحدتِ انسانی میں رکھکر اسکی ہر ضرورت۔اسکی ہر خواہش کی تکمیل اسکے حقوق کے اندر کی جائے۔یہی وہ عمل ہے۔جس میں انسان کو (محض اسکی خلافِ فطرت قانون کی) خلاف ورزی سے پاک رکھنے کیلئے۔ ایک پرامن۔ضابطہ ـــ منشور ـــ یا آئین کا بہرصورت پابند کرنے کا عمل جاری کیا جاتا ہے۔ہاں! اس حال میں۔کہ انسان کسی انسان۔یا کسی قانون کا محکوم نہیں ہوتا۔بلکہ اصولی طور۔ایسے وضع کردہ آئین کا خود حفاظت کرنے والا ہوتا ہے۔کہ ایک سربراہ۔یا سربراہ کے معاونین کے بنائے کردہ آئین کی ذاتی طور بغیر حرص و لالچ و خودغرضی حفاظت کرے اس حال میں کہ خود نیک نیتی سے آئین پر اطاعت و عمل سے آئین کی ہیئت و حیثیت کو ناقص یا کمزور ہونے کا موقع نہ دے۔جس میں کسی انسان کی ذاتی خواہش و طلب کا جذبہ۔درمیان میں نہ ہو۔بلکہ بحیثیت مجموعی۔اپنی ذات کے

مفادات سے ہٹ کر قومی مفاد کو پورا کرنے کا جذبہ قائم کیا جائے ـــــ اس ''جمہوری عمل'' کی ایک صورت ہے۔ کہ ہر فردِ انسانی میں۔ ایثار وقربانی کا جذبہ پایا جانا ضروری ہے۔ اور یہ جذبہ اعلیٰ اخلاقی قدروں کی صفات کے سوا میسر نہیں آتا۔ اور حقیقتاً۔ یہ جذبہ بغیر دین الدین الاسلام کی اطاعت۔ اطاعتِ الٰہی کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ایک قوم کے ہر فردِ انسانی کیلئے الدین کے اعلیٰ دستور وآئین کی بہر صورت پابندی لازم ہے۔ اسلئے کہ دینی آئین کی (عبادات کی شکل میں) اطاعت ایک انسان کی سفلی جبلتوں کو پابند کر کے انسان۔ ذاتی خود غرضی۔ لالچ اور بددیانتی کی خاصیتوں سے محفوظ ہو کر قوم کیلئے امن وسلامتی کا ضامن بن جاتا ہے۔ ایسی حالت میں قوم افراد کی بدنیتی۔ اور خود غرضی سے محفوظ ہو کر اسکی انسانی حیثیت محفوظ ہو کر ایک پرامن معاشرہ کی صورت میں طویل مدت پرامن زندگی حاصل کرتی ہے۔ جس میں انسان کسی ذاتی حصول کے جذبہ سے پاک ہو کر ۔فساد وخونریزی سے پاک زندگی گزارتا ہے۔ یہی ایک تصور ''جمہوریت'' کا حقیقی تصور ہے۔ جسکا وجود ضروری ہوتا ہے۔ لیکن شرط۔ ایک جمہوری اصول۔ وآئین۔ حقیقی۔ فطری طرز کا حامل آئین و منشور واصول رکھتا ہو ـــــ

انسانی معاشرتی زندگی کا ایک فطری اصول۔ یا طرز زندگی ـــ یا طرزِ عمل۔ یہ بھی ہے۔ کہ یہ جمہوری نظامِ زندگی۔ ایک حکمران حیثیت حاصل کرتی ہے۔ جس میں انسانی حصول کی ہر ضرورت میں ـــــ مختلف ضرورتوں کے حصول کیلئے۔ مختلف شعبے پیدا ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان شعبوں کی ہیئت مختلف ہو۔ لیکن انکے حصول میں قومی ذہن ـــ قومی خواہش ـــــ محض دوسروں کی خواہش کی تکمیل کا جذبہ رکھتی ہو۔ اس حال میں کہ ایک فرد اُسی حصول کی خواہش کرے۔ جو بحیثیت مجموعی۔ مساوی حیثیت میں۔ ہر فرد کو میسر آسکتی ہو یا یہ کہ۔ انسان۔ ایک فرد۔ اپنی خواہشات کو اجتماعی حیثیت یا ہیئت میں۔ پابند (عادی) کرے۔ یعنی اسی خواہش کو پسند کرے۔ یا ذہن کو عادی کرے۔ جو ہر فردِ قوم کو پسند ہو ـــ اور آسانی سے میسر آسکے۔ تا کہ کسی شے کے حصول میں۔ یکساں طلب اور سعی وجہد یکساں عمل میں آئے۔ اس طرح مفادات کے حصول میں اختلاف یا تضاد جیسے خصائل کو ابھرنے کا

موقع نہ مل سکے۔اور قوم میں۔ایک ہی خواہش۔ایک ہی طلب۔ایک ہی حصول میں جدوجہد ہو۔تو آپس کے اختلاف میں۔کینہ۔حسد۔لالچ۔فساد وخونریزی کا موقع نہ آسکیگا۔یہی جذبات قوم میں انتشار وتنزل کا باعث بنتے ہیں ــــ البتہ قومی تشخص۔قومی سلامتی قائم رکھنے میں۔اس امر کا شدت سے احساس کیا جائے۔کہ قومی سلامتی کی ضامن۔ایک اہم ضرورت یہ بھی ہے۔کہ قوم کا ہر ادنیٰ واعلیٰ۔قوم کا چھوٹے سے چھوٹا۔بڑے سے بڑا۔ہر فرد۔الـدیـن (عبادات) کو اپنے اوپر شدت سے لازم رکھے۔جسکے لئے۔بنیادی طور۔قوم کے علمائے امت۔جو خود علماً ہونے کا دعویٰ کریں۔یا عالمِ امت کے منصب پر فائز ہوں۔اللہ ورسول کے نزدیک۔یہ ان پر انتہائی شدید ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔کہ وہ اپنے مقام ومنصب کے اعتبار سے الـدیـن الاسـلام میں۔اجرائے قرآن وسنت کے اجرأ میں۔امتِ مسلمہ (یا قوم) کو عبادات کے عمل کی طرف تبلیغ کر کے ایک مومن حیثیت میں۔دیندار بنا کر۔ایک ہیئتِ مسلمہ کا وجود پیدا کریں۔اور اسی عمل سے ــــ قوم یا امتِ مسلمہ میں الـدیـن الاسـلام کی ہیئت قائم کر کے۔اسی جماعت سے۔ایک باکردار ادارہ ــــ شخصیات۔راہبر۔راہنما۔لیڈر۔مہیا کریں۔بغیر اس عمل کے جس میں عبادات۔علمِ قرآنی۔اور عمل استعمال نہ ہو۔ایک قوم کسی فروعی ذریعہ ــــ کسی فروعی جمہوریت سے کامیاب ہیئت حاصل نہیں کر سکتی۔لہٰذا ضروری ہے۔کہ قوم میں کیسی بھی معاشرتی زندگی ہو۔بغیر راہنمائی۔علمائے امت ایک مستقل قوم قائم نہیں ہوسکتی۔اس حال میں اگر دین وعبادات میں کوتاہی لائی گئی۔تو اسکے نتیجے میں انسانی سفلی جبلتوں۔خصلتوں کو ابھرنے کا موقع ملتا ہے۔انسان میں فارغ البالی میں۔کچھ آرام طلبی۔اور سعی جدوجہد میں فطری طور تساہل آجاتا ہے۔ایسے موقع پر انسان دینی عمل میں تغافل برتتا ہے۔جسکے نتیجہ میں انسانی۔روحانی قوتیں۔کمزور ہو کر۔انسان میں۔رفتہ رفتہ لالچ۔حرص۔کینہ۔حسد اور ایک دوسرے کے خلاف فساد کا جذبہ ابھر کر انسان خود اپنی ہی قوم کے افراد کے ساتھ حصولِ حق میں تجاوز کر کے ایک دوسرے کا دشمن بن کر فساد وخونریزی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔اس طرح حقیقی جمہوریت کا عمل ــــ تصور۔معدوم ہو کر۔ع جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

۔۔۔۔ یعنی جب افرادِ قوم۔اور سربراہانِ قوم میں الـدیـن پر مداومت قائم نہ رہے۔تو فطری طور افرادِ قوم میں۔خودغرضی۔کمزوروں پر ناجائز غلبہ۔اور ناجائز حصول کا جذبہ پیدا ہوکر۔ہر فرد اپنی ذاتی خود غرضی کے اثر سے۔ایک دوسرے کو محکوم بنا کر صرف اپنے حصول کیلئے۔بددیانتی اور خیانت۔لوٹ کھسوٹ کا عادی ہو جاتا ہے ۔۔۔۔ ایسے موقع پر یہ ایک فطری امر ہے۔کہ افراد قوم فرقوں میں بٹ کر (تقسیم ہوکر) اپنے حقوق کے حصول میں ایک دوسرے کے مقابل برسرِ پیکار ہو جاتے ہیں ۔۔۔۔ ہاں۔ایسے موقع پر۔افرادِ قوم میں جماعتوں کی شکل میں اپنے حصولِ حق (حقوق) کی خاطر ایک دوسرے کے مقابلہ میں جمہوریت کے تصور پر ہی اپنے حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد میں ۔۔۔۔ ایک قوت بن کر ایک حکمران ہیئت پیدا ہوتی ہے۔یعنی قوم میں افراد کے حقوق ۔۔۔۔ ضروریات سامانِ زندگی ۔۔۔۔ کے حصول میں۔افرادِ قوم کی کثرتِ ضرورت پر۔تمام افراد کی ضروریات کا تعین کیا جاتا ہے ۔۔۔۔ جسکے لئے قوم کی مختلف جماعتوں میں ۔۔۔۔ جمہوریت کے تصور پر انتخاب کیا جاتا ہے۔کہ تمام قوم کے افراد میں۔ایک باکردار جماعت۔اعلیٰ فہم وتدبر کے مالک۔صاحب دیانت افراد ۔۔۔۔ کا انتخاب کر کے ایک حکومت تشکیل دی جاتی ہے۔جو بحیثیت مجموعی تمام افرادِ قوم کی تمام ضروریات کی فراہمی کی ضمانت دیں۔یا جو افرادِ قوم کی ہر ضرورت فراہم کرنے میں۔بہتر لائحہ عمل ۔۔۔۔ بہتر منشور وضع کر کے۔ایک قومی آئین ترتیب دیں۔اس حال میں۔کہ قوم کا ہر فرد اس آئین کا پابند رہ کر۔بالفاظِ دگر ارکان حکومت کی آئین کے مطابق اطاعت کر کے۔حکومت کے وضع کردہ لائحہ عمل کی تکمیل میں۔بھرپور حمایت و امداد کرے۔اس حال میں کہ ایک مکمل آئین ترتیب دینے کے بعد کسی فرد کو اختلاف۔یا ذاتی طور فروعی تجویز پیش کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے ۔۔۔۔ ایسی صورت میں جمہوریت کا تصور یہ قائم ہوتا ہے کہ ۔۔۔۔ قوم کے اعلیٰ کردار۔صاحب فہم وتدبر۔صاحب دیانت ۔۔۔۔ افراد۔جو محض انسانی جذبۂ انسانیت کے تحت۔بغیر کسی ذاتی لالچ یا معاوضہ۔یا ذاتی مفاد کے حصول کے مدنظر۔بحیثیت مجموعی قومی فلاح وترقی میں اپنی قربانی پیش کر کے فلاحِ قوم کیلئے سربراہی کا مقام، حاصل کرنے کیلئے بذاتِ خود اس مقامِ سربراہی کیلئے پیش نہ ہوں۔بلکہ جمہوری اصول وضابطہ کے

تحت ۔جیسا کہ اصولی طور جمہوریت کے تصور میں ایک ضابطہ مقرر ہوتا ہے ـــــ کہ قوم کے اعلٰے ذہن ۔صاحب فہم اور دیانتدار افراد کی ایک جماعت تشکیل دی جائے ۔جو بحیثیتِ مجموعی تمام افرادِ قوم سے نامزد کئے جائیں ۔جنہیں افرادقوم ۔انکے اعلٰے کردار و دیانت سے جانتے ہوں ۔(خود افرادِ قوم بغیر کسی جماعتی حیثیت کے ) نشاندہی کر کے منتخب کیا جائے ۔جمہوری اصول کے مطابق ۔ایسے منتخب شدہ افراد کی جماعت جو تمام قوموں کی نمائندگی کریں مجلسِ شوریٰ سے موسوم کی جاتی ہے ـــــ اور یہی جماعت جیسا کہ افرادقوم میں ۔انسانی معاشرہ میں ایک بہتر ۔پر امن (فساد و خونریزی سے پاک ) معاشرہ قائم کرنے کیلئے ۔ہر زمانہ میں ۔ایک سربراہِ قوم کا وجود قائم ہوتا رہا ـــ ایک سربراہِ قوم کا انتخاب کریں ۔یہ فرد عام افرادِ قوم میں ہو ۔یا قوم کی منتخبہ جماعت میں ایک صاحبِ الـــدیـــن ۔ صاحب کردار ۔اعلٰے صلاحیتوں کا مالک فرد ہو ۔مجلسِ شوریٰ اسکا انتخاب کرتی ہے ۔اور اسی منتخب فرد کی اطاعت وحمایت قوم کے ہر فرد کیلئے واجب ہوتی ہے ۔البتہ ایک جمہوری طرز کی حکومت میں ۔ قومی فلاح وعروج ۔اور حصولِ حق کی فراہمی اور قوم کو دائرۂ اخلاق میں ۔رکھنے کیلئے ۔قوم کے مزاج کے مطابق ۔ایک منشور ۔ایک آئین کی لازمی ضرورت ہوتی ہے ۔اسلئے کہ قوم کی اطاعت وحمایت اسی منشور و آئین کی اطاعت سے واضح ہوتی ہے ۔جبکہ ایسے منشور میں ۔الـدین الاسلام کے ضابطہ سے ہٹ کر عام ذہنی استطاعت پر منشور ترتیب دیا جاتا ہو ۔

لہٰذا ۔زمین (اَلْاَرض ) پر انسانی مخلوق کے پر امن ۔پرسکون زندگی گزارنے کیلئے ایک فطری ضابطہ مرتب ہوتا ہے ۔کہ انسانی اولین فریضہ یہی ہے ۔کہ وہ مقامِ انسانیت پر قائم رہنے کیلئے ’’الـــدیـــن ‘‘ ۔ضابطۂ الٰہی ـــــ آئینِ الٰہی ۔کا (عبادات کی صورت میں ) پابند رہے ۔جو کہ انسان کا انفرادی عمل ہے اور اسی انفرادی عمل سے اجتماعی ہیئتِ انسانی تشکیل پاتی ہے ۔جسے ’’مخلوقِ انسانی ‘‘ یا ’’قوم‘‘ سے تعبیر دیا جاتا ہے ـــــ انسان کیلئے ضروری ہے ۔کہ وہ اپنی ہیئتِ انسانی ۔مقامِ انسانیت کو محفوظ وقائم رکھنے کی سعی میں آئینِ الٰہی کی اطاعت میں عبادات کو ہر صورت لازم رکھے ۔اسکے بعد زمین (الارض ) پر اپنی جسمانی ہیئتِ انسانی کو ایک وقت مقررہ (موت ) تک بصحیح وسلامت ۔صحت

مند حالت میں اپنے سامانِ زندگی کے حصول میں ۔فطری آئین ( آئینِ ارضی ) کا پابندرہ کرحد سے تجاوز نہ کرے۔جسکے لئے فی الحقیقت ایک جمہوری تصور قائم ہوتا ہے۔وہ یہی تصور ہے۔جس پراوپر بحث کی گئی۔کہ انسان حصولِ حق کیلئے ۔ایک بااخلاق وکردار جماعت ( معاشرہ ) تشکیل دیکر بحیثیتِ مجموعی۔اجتماعی حیثیت میں۔منظم طریق واصول پر پُر امن زندگی حاصل کرے جسکے لئے ایک جمہوری عمل میں ۔قوم کے افراد میں ایک سربراہ کا تقرر لازمی ہوتا ہے۔البتہ یہ تقرر۔افرادِ قوم کے مدبر۔صاحبِ فہم ۔اور دیانتدار۔مخلص افراد۔جماعت کے ذریعہ ہوتا ہے۔اسلئے کہ بحیثیت عمومی۔افرادِ قوم میں نہ اتنی صلاحیت ہوتی ہے۔کہ وہ کسی سربراہ کا براہِ راست انتخاب کرسکیں۔نہ قوم منتشر خیالی کی بناءٔ پر اپنے حصولِ مفادات میں بغیر کسی راہبر۔کوئی متفقہ۔ٹھوس۔منشور وآئین مرتب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔لہٰذا ضروری ہے کہ انتخابی عمل قوم کے باکردار صاحبِ فہم جماعت سے پورا کیا جاتا ہے۔جس کیلئے ۔قوم میں رہنے والے افراد۔جنکا کردار قوم کے افراد سے جانا پہچانا ہو۔انکی نشاندہی کرکے ایک جماعت تشکیل دی جائے ۔اس خیال سے کہ ایسے لوگ عوام کی ضروریات مہیا کرنے کے ضامن ( ذمہ دار ) نہیں ہوتے۔بلکہ جذبۂ انسانیت کے تحت وہ ایک قوم کے فرد کی حیثیت سے ( منجملہ قوم کی بھلائی کے مدنظر ) خودکو پیش کریں۔لہٰذا اسی نشاندہی پر۔ایک جماعت مجلس شوریٰ کی حیثیت میں ۔ایک فرد کا جو جماعت میں بہتر صلاحیتوں کا مالک ہو۔اسکا انتخاب کریں ۔اس حال میں کہ قوم کا ہرفرد اس سربراہ کی اطاعت کرے ـــــ یہ امر ضروری ہے۔کہ کثیر تعداد افرادِ قوم کی مختلف انواع کے مفادات کے پورا کرنے میں ۔ایک سربراہ کو معاونین ومشیران کی مشاورت اورتجاویز کی ضرورت ہوتی ہے۔لہٰذا ایسے افراد بھی ( ایک متحدہ قوم کی صورت میں ) یا خود ایک سربراہِ قوم کی اعلیٰ صلاحیت پر ایک سربراہِ قوم کی نشاندہی پر منتخب کئے جاتے ہیں۔یہ جماعت ۔مجلس شوریٰ کے نام سے موسوم ہوتی ہے ـــــ حقیقتاً ایک متحدہ قوم میں ۔ایک حکمران حیثیت میں ـــــ ایک سربراہ ـــــ اور مجلسِ شوریٰ کے افراد۔پر افرادِ قوم کی ضروریات اور حصول کیلئے تدبیر کافی ہوتی ہے۔یعنی ایک حکومت کی تشکیل میں ۔اولاً ایک سربراہ ( جسے عرف عام میں صدر مملکت کا خطاب دیا جاتا ہے ) اور

اسکے ساتھ مشیر اور معاون کی حیثیت میں ۔مجلس شوریٰ جماعت کا ہونا کافی ہوتا ہے ۔اسطرح ۔ایک سربراہ اور مجلسِ مشاورت کے مشورہ سے ۔افرادِ قوم کے مزاج ۔۔۔ مفادات ۔اور طلب کے مطابق ایک منشور ترتیب دیا جاتا ہے جس میں تمام افرادِ قوم کے مفادات کے حصول کی ضمانت مہیا کی جاتی ہے ۔بصورت دیگر ۔اگر قوم ۔جماعتوں میں بٹ کر اپنی الگ الگ ہیئتوں میں تقسیم ہو ۔تو اسکے لئے بھی بحیثیت مجموعی ایک ہی سربراہ (تمام قوم کیلیۓ) کا انتخاب ہونا ضروری ہوتا ہے ۔جسکا انتخاب ۔افرادِ قوم کی منقسم جماعتوں کے اعلیٰ کردار ۔مدبر ۔دانشمند ۔مخلص افراد (نمائندہ جماعت) کے ذریعہ ہوتا ہے ۔جو بحیثیت مجموعی ۔تمام افرادِ قوم کیلیۓ ایک واحد شخص سربراہ کا انتخاب کرتے ہیں ۔جبکہ بقیہ افرادِ قوم کیلیۓ بحیثیت مجموعی ایک سربراہِ قوم کیلیۓ یکساں حیثیت میں اطاعت لازم ہوتی ہے ۔اس حال میں مختلف جماعتوں کے منتخب افراد کی ایک مجموعی جماعت ۔مجلس شوریٰ کی حیثیت میں ۔قومی مفادات کے حصول میں ۔تجاویز و مشاورت سے ایک ہی منشور و آئین ترتیب دینگے ۔جو تمام افرادِ قوم کیلیۓ انکی خواہشات کے مطابق حصولِ مقصد کا ضامن ہوگا ۔کہ جماعتوں کے مفادات ایک قوم کی حیثیت میں یکساں ہونگے ۔تاکہ مختلف جماعتوں کے مفادات کے حصول میں اختلاف یا تضاد کی وجہ سے قومی اتحاد میں رخنہ پیدا ہوکر ۔فساد کی نوبت نہ آئے ۔اس حال میں کہ مختلف جماعتوں کے مختلف مفادات کے حصول میں جدوجہد کرنا نتیجہ خیز نہیں ہوسکتا ۔

درحقیقت ایک قوم میں ۔مختلف جماعتوں میں تقسیم ہونا ۔محض جذبہٗ خودغرضی ۔اور ذاتی حیثیت میں انفرادی حیثیت میں اپنی خواہشات کی تکمیل میں الگ حصول کا عمل ۔ایک ناقص طریقِ عمل ہوتا ہے ۔کہ انسان ایک انسانی وحدت کے جذبہ سے ہٹ کر محض اپنی ذاتی خواہش اور حصول میں ۔اجتماعی حیثیت سے علیٰحدہ ہوکر کسی شے کی طلب و جستجو کرے ۔ بلکہ یہ عمل اتحادِ ملت ۔اتحادِ انسانیت کے جذبہ کے خلاف ہوتا ہے ۔کہ محض اپنی ذات کے مفاد کیلیۓ جستجو کی جائے ۔ایسے عمل میں بالآخر ایک وقت قوم میں تفریق ۔اور اتحادِ ملت کا جذبہ ختم ہوکر ۔ہر فرد صرف اپنی خواہش کی تکمیل میں ۔ایک دوسرے کے مقابل ۔۔۔ ایک دوسرے کے خلاف جنگ و جدال پر پہنچتا ہے ۔ یہی عمل

(اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا) انسان کوایک دوسرے کے خلاف فساد وخونریزی پر پہنچا تا ہے۔ یہی عمل اس جذبۂ انفرادیت کے نتیجہ میں جمہوریت کے عمل کو گھناؤنی ہیئت دیدیتا ہے۔ کہ خود غرضی کے نتیجہ میں۔ جب ہر فرد اپنی خواہشات کی تکمیل میں دوسروں کے حصولِ حقوق میں معاونت کا عمل۔ جذبہ ترک کردے۔ تو کسی فرد سے۔ دوسروں کے مفادات میں۔ انسانی ہمدردی۔ اور راہبری کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ایسے موقع پر۔ قوم میں تفریق کے نتیجہ میں۔ امیر۔ غریب۔ اعلیٰ۔ ادنیٰ۔ ضعیف و طاقتور کا تصور پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی عمل۔ یہی جذبہ۔ قوم میں جماعت بندی کا وجود پیدا کر کے ایک قوم مختلف جماعتوں کی شکل میں بٹ جاتی ہے۔ تو افرادِ قوم۔ ایک دوسرے سے ہی اپنے حقوق حاصل کرنے میں جمہوریت کا سہارا لیکر۔ جماعتی حیثیت میں۔ انتخاب کی شکل میں۔ ایک دوسرے کے مقابل اقتدار حاصل کرنے کی نئی طرز اختیار کرتے ہیں۔ اس باہمی مقابلہ۔ انتخاب میں جماعتیں اپنے ہی مفادات حاصل کرنے میں تمام ذرائع حصول کو اپنے ہاتھ میں لیکر اپنی ایک علیحدہ طاقتور ہیئت حاصل کرنے میں ایک جماعت دوسری جماعت کے مقابلہ میں برسرِ پیکار ہو جاتی ہے۔

اس حالت میں جب افرادِ قوم مختلف جماعتوں میں بٹ کر اپنے ذاتی مفادات حاصل کرنے میں۔ جدوجہد شروع کریں۔ تو فطری طور افرادِ قوم میں۔ ایک دوسرے کے خلاف سبقت لے جانے کے عمل میں۔ حسد۔ کینہ کے اثرات ابھر کر ایک فریق اپنی فتح کے جذبہ میں۔ اپنی ہی قوم کے افراد کو شکست دینے کی کوشش میں پوری قوت استعمال کرتے ہیں۔ جسکے نتیجہ میں قوم مختلف جماعتوں میں بٹ کر نمایاں ہو جاتی ہے۔ ایک کامیاب جماعت حزب اقتدار سے موسوم کی جاتی ہے۔ اور دوسری جماعت حزبِ اختلاف سے موسوم کی جاتی ہے۔ البتہ۔ ان دو جماعتوں میں۔ اگر بحیثیت مجموعی قومی۔ جذبۂ ملی کے اثرات یا احساسات موجود ہوں۔ تو ایسی حالت میں جمہوریت کا عمل۔ (یا تصور) کسی حد تک نفع بخش ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ افرادِ قوم میں بحیثیت مجموعی۔ اجتماعی حیثیت میں تمام افرادِ قوم کے مفادات کے حصول میں ایک دوسرے کی معاونت کا احساس ہو تو اسکی صورت یہ ہوتی ہے۔ کہ تمام مختلف جماعتوں کے سربراہ (نمائندے) اجتماعی حیثیت میں (ایک قوم یا حکومت کی شکل

میں ) متحد ۔ متفق ہوکر ۔ جماعتوں کے مفادات کے مطابق ۔ ذرائع حصول وضع کریں ۔ جس میں ہر جماعت کے مفادات ( جائز ) کا حصول بغیر کسی اختلاف اور تضاد کے ممکن ہو ۔ لہٰذا ضروری ہے ۔ کہ قوم میں ۔ وحدتِ ملی ۔ قائم رکھنے کیلئے ایسی تجاویز ترتیب دی جائیں ۔ جن پر تمام جماعتوں کا اتفاق ہو ۔ اور ضروری امر ہے ۔ کہ تمام جماعتوں کے سربراہ ( نمائندے ) متفق ہوکر ایک معقول ۔ نفع بخش آئین ترتیب دیں ۔ جسکے استعمال سے انفرادی حیثیت میں بھی ہر فردِ قوم کے حقوق میسر آسکیں ۔ یہی آئین تمام قوم کیلئے لائقِ تعمیل ہو ۔۔۔ ایسی صورت میں ۔ کہ جہاں وقت کے تقاضوں کے مطابق ترمیم و تنسیخ کی ہیئت پیش آئے ۔ تو تمام نمائندہ قوم متفق ہوکر آئین کی اصلاح کیلئے ۔ اپنی طرف سے بہترین تجاویز پیش کر کے متفقہ طور منشور میں شامل کر کے نفع بخش آئین ترتیب دیں تو یہ طریق قوم کے لئے بحیثیت مجموعی نفع بخش ہوسکتا ہے بصورت دیگر اگر قوم میں انتخابی صورت میں حزبِ اقتدار اور حزب اختلاف کا وجود قائم ہو چکا ہو ۔ تو اس حیثیت میں ۔ انتخابی عمل میں نظریۂ انتخاب میں ۔ قومی اتحاد ۔۔۔ قومی یکجہتی کے تصور سے ہٹ کر ۔ جماعتیں خودغرضی ۔ یا ذاتی اغراض کے حصول میں لالچ ہوس کے جذبہ کے تحت ۔ افرادِ قوم ۔ ایک جماعت ( حزبِ اقتدار ) محض ذاتی مفادات کے حصول کی خاطر دوسروں کے مفادات کو نظر انداز کر کے اپنی علیٰحدہ حیثیت قائم کریں ۔ اس عمل سے قوم میں ۔ نفاق کے اثرات پیدا ہوکر ۔ ایک جماعت قوم کی تمام طاقت اپنے ہاتھ میں لیکر ۔ اپنے حسبِ منشا ۔ اپنے حقوق و مفادات کے حصول میں ۔ توازن قائم نہ رکھ سکیگی ۔ نتیجہ ظاہر ہے ۔ کہ مدِ مقابل فریق ( جماعت ) حزبِ اختلاف اپنے انتخابی عمل کے نتیجہ میں ۔ اپنی ناکامی کی صورت میں ۔ بسبب اسکے کہ حزبِ اقتدار کو اپنے تمام مفادات کے حصول میں تمام اختیار حاصل ہوں ۔ لازمی ہے ۔ کہ حسد و کینہ کی بناء پر حزب اقتدار کے اختیارات اور تعمیری عمل میں روکاوٹ پیدا کریگی ۔ جسکے نتیجہ میں ۔ وحدتِ ملی ۔ وحدت قومی سے تعمیر کی گئی ہیئتِ قومی ( حکومت ) باہمی نفاق و اختلافات کی وجہ سے قوم کے مفادات پورے کرنے میں ناکام ہوکر ۔ قوم تصادم اور نفاق کا شکار ہوکر منتشر ہوجائیگی ۔ اسکا نتیجہ جیسا کہ اکثر خودساختہ جمہوری نظام میں واقع ہوتا ہے ۔ کہ قوم ایسے سربراہوں ۔ نمائندوں پر سے

متنفر ہوکر۔ نئے نمائندوں اور سربراہ کی تلاش ـــــ یا انتخاب میں سرگرداں ہو جاتی ہے۔اور یہ واضح ہے۔کہ جب قومی وحدت جماعتوں میں بٹ کر ہر جماعت محض خودغرضی ہوس کے جذبہ سے۔اپنا علیٰحدہ تشخص قائم کر کے اپنے مفادات کے حصول میں۔قومی یکجہتی۔اتحاد قائم نہ رکھے۔تو افرادِقوم میں۔اکثر خودغرضی۔نفس پرستی کے آثار ظاہر ہوکر ـــــ ہر موقع پر (ہر انتخابی عمل میں) حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے غلط طرزِعمل کے نتیجہ میں۔قومی اتحاد قائم نہیں رہتا۔نہ افرادِقوم کے مفادات کے حصول میں متحدہ جدوجہد کی جاتی ہے۔اگر ہر فردِقوم۔ذاتی مفادات کے حصول میں۔ہر فردِقوم کے حصول کو مقدم نہ سمجھے۔انسان میں وحدت ملی قائم نہ رہ سکیگی۔ایسی صورت میں جب قوم جماعت کی صورت میں بٹ جائیں۔تو انکی خواہشات۔مفادات۔مختلف ہوکر۔انکے حصول میں افرادِقوم میں تصادم اور نفاق پیدا ہوکر۔ہر موقع۔ہر زمانہ میں کسی بہتر طرزِعمل۔بہتر حکومت کی توقع نہیں کی جاسکتی ـــــ ایسے موقع۔ایسے زمانہ میں۔اگر تصور جمہوریت پر قوم اپنے مفادات کے حصول میں قومی اتحاد و یکجہتی کو قائم رکھیں۔تو اسکی صورت یہ ہوگی۔جس میں جمہوریت کا حقیقی تصور قائم ہوسکتا ہے۔

## جمہوریت کا حقیقی تصور

(۱) یہ اولین فرض میں شمار ہوتا ہے۔کہ تمام قوم۔عوام الناس۔اکابرینِ قوم۔مدبرینِ قوم ـــ الدین الاسلام کے احکام کے پابند ہوں۔جس میں ایک اللہ کی اطاعت اصل عمل ہے۔بغیر اس عمل کے مخلوق انسانی کے حقوق کی ضمانت کسی طرح بھی میسر نہیں آسکتی۔نہ افرادقوم کسی لائحہ عمل پر متفق ہوکر ایک پرامن معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔

(۲) تصورِ جمہوریت میں۔قوم ایک منظم جماعت کی شکل میں۔ایک منظم نظام کے تحت اپنے حقوق و مفادات حاصل کرسکتی ہے۔جسکے لئے۔قوم میں ایک سربراہ کی ضرورت لازمی ہوتی ہے۔اس سربراہ کے انتخاب کا ایک تکنیکی طریق کار استعمال ہوتا ہے۔کہ افرادِقوم میں کسی خاص فرد کی نشاندہی کی جائے۔جسے افرادِقوم کثرت کے ساتھ۔اسکے اخلاق۔پاکیزہ کردار۔اعلیٰ صلاحیت پر جانتے پہچانتے ہوں۔اس میں مدبرانہ حکمران صلاحیتیں پائی جاتی ہوں خود افرادِقوم سے ایسے اعلیٰ فرد کی

صرف نشاندہی کی جائے۔اس حال میں نہیں کہ افرادِقوم اسکا انتخاب کریں!۔۔۔۔ نہیں بلکہ۔قوم کی استدعا پر ایسے فرد کو قوم کی راہنمائی کیلئے آمادہ کیا جائے کہ وہ قوم کی راہنمائی قبول کرے۔۔۔۔ اس شرط واصول پر قوم پر ایسے شخص کی اطاعت لازم ہوگی ۔۔۔ کہ قوم ایسے فرد کے ہر حکم کی تعمیل کرے۔ لہٰذا ایک سربراہ کی راہنمائی کیلئے بنیادی عمل بلا جبر و اکراہ تعمیل حکم ضروری ہے۔

(۳) دوسری صورت ایک سربراہ کے انتخاب کی یہ ہوتی ہے۔کہ افرادِقوم کے باا ثر۔بااخلاق افراد۔ باصلاحیت افراد کی نشاندہی کر کے۔ایسے افراد کی نشاندہی کی جائے۔جنہیں قوم ۔۔۔ کثرت سے۔ انکے کردار سے جانتی پہچانتی ہو۔ایسے افراد کو منتخب نہیں ۔۔۔۔ بلکہ استدعا کی جائے۔(اس حال میں۔کہ ایسے افراد خود انتخاب کی خواہش نہ کریں) ۔۔۔۔ کہ وہ قوم کی راہنمائی پر آمادہ ہوں ۔۔۔۔ لہٰذا۔یہ باصلاحیت افراد۔اپنی قابلیت کے مطابق۔اپنے افراد میں ایک اعلیٰ صلاحیت [1] کے مالک۔ فرد ۔۔۔ شخص کو تمام قوم کی سربراہی کا بوجھ لینے پر آمادہ ۔۔۔۔ یا منتخب کریں۔یہ منتخب افراد تمام قوم کی راہنمائی میں۔ایک ہی لائحہ عمل۔ایک ہی منشور۔ایک ہی آئین ترتیب دیکر۔قوم اس آئین کی اطاعت کرے۔اس حال میں۔کہ کسی فرد کو (بوجہ عدم صلاحیت کے) ایسے آئین سے انکار۔یا مخالفت کا اختیار نہ ہو۔اس حال میں ایسے باصلاحیت ۔۔۔ باکردار افراد کا منشور۔وآئین ہر نقص۔ہر خطا سے پاک۔افرادِقوم کی فلاح کا ضامن ہوگا۔۔۔۔

(۴) بس!۔یہی طرزِ عمل۔طرزِ زندگی ۔۔۔ ایک قوم کی فلاح و پرامن زندگی کا واحد منشور ہے۔یہی طرزِ عمل حقیقی ''جمہوریت'' سے تعبیر ہے۔جس میں۔اس انداز سے منتخب افراد پر قوم کے مفادات کے حصول میں۔ایک پاکیزہ۔پرامن ضابطہ مرتب ہوتا ہے۔حقیقتاً تصورِ جمہوریت میں۔افرادِ قوم۔خود اپنے لئے۔یا اپنے مفادات کے حصول میں۔کسی فرد کا انتخاب نہیں کر سکتے۔اس بنا پر۔کہ افرادِقوم۔میں قوم کے مفادات۔وحقوق کے حصول میں اتنی صلاحیت یا موقع نہیں۔کہ وہ خود اپنی

---

[1] یہ طریق اسلامی آئین کے مطابق ہے۔جیسا اسلام (الدین الاسلام) میں خلیفہ منتخب کرنے کا طریق ہے ایسے ہی طرزِ عمل کو حقیقی جمہوریت سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ذات سے (انفرادی یا اجتماعی حیثیت میں) اپنے لئے کوئی طرزِ زندگی ترتیب دے سکیں۔ سوائے اسکے کہ اپنے مفادات کے حصول میں۔ کسی پاکیزہ کردار۔ باصلاحیت فرد (فردِ قوم) کی امداد حاصل کرکے اپنے مفادات حاصل کریں۔ اس تصور پر۔ کہ اسکے مفادات کے حصول میں۔ کسی فرد پر خصوصی ذمہ داری عائد نہیں۔ کہ وہ کسی فرد کے مقسوم شدہ مفادات پورے کرنے کا ذمہ دار ہے ـــ کہ ایک منتخب فرد پر کسی فرد کے۔ مفادات۔ یا حقوق پورے کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہو۔ سوائے اسکے کہ زمین پر پیدا ہونے کی صورت میں۔ فطری طور۔ ایک فرد۔ ایک انسان کیلئے زمین میں جو مفادات اسکے لئے پیدا ہیں۔ انسان ایسے مفادات پر استعمال کا حق رکھتا ہے۔ انسان خود ایسے مفادات حاصل کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اس حال میں۔ کہ ایسے مفادات کے حصول میں کسی غیر پر نہ ذمہ داری ہے۔ نہ کسی غیر سے انکے حصول میں مطالبہ کیا جاتا ہے ـــ البتہ انسانی طرزِ معاشرت پر۔ کثرتِ مخلوق پر۔ ہر انسان اپنے دائرۂ انسانیت پر۔ جس حد تک وہ اپنے مفادات حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے۔ جبکہ زمین پر ہر فرد کیلئے اسکے مفادات حاصل کرنے کی ایک فطری حد قائم ہوتی ہے۔ وہ اس حد سے (محض خواہشِ نفس ـــ ہوس۔ زائد حصول کے جذبہ کے تحت) تجاوز نہ کرے جس سے دوسرے انسان کا مفاد و حق متاثر ہو کر انسان اپنے مفاد اور حق سے محروم ہو کر ہلاکت کا شکار ہو۔ جسکے لئے فطری طور (کثرت مخلوق کے نتیجہ میں) انسان ایک منظم نظامِ زندگی کیلئے ایک منظم قومیت کی شکل اختیار کرتا ہے۔ حقیقتاً (جیسا بیان ہوا) اسی منظم۔ قومیت۔ اور طرزِ زندگی کو جمہوریت سے تعبیر دیا گیا ہے۔ جس میں۔ زمین پر پیدا ہونے والے ہر انسان کو زمین سے عطا ہونے والی ہر شے جو اسکے مقسوم (حصہ) میں لازم کی گئی ہو اسکو حاصل ہو۔ اسی مقام پر ـــ تصورِ جمہوریت۔ تصورِ انتخاب پر قوم۔ ایک سربراہ۔ مجلس شوریٰ۔ (جماعتی صورت میں مختلف جماعتوں میں سے منتخب نمائندے) ایک حکومتی ہیئت حاصل کرکے۔ قوم میں کسی فرد کو ذاتی خود غرضی پر حصولِ زائد۔ نفع خوری کے ارتکاب پر اسے پابندِ قانون کرکے قوم کے ہر فرد کو اسکا حق فراہم کرنے کی ضمانت دیں ـــ (یہی عمل جمہوریت سے تعبیر ہوتا ہے)۔ ہاں۔ اس حصول میں۔ اصولِ انسانیت ضابطۂ انسانیت کا یہ تصور قائم

رکھنا ہوتا ہے۔ کہ اس تصور میں۔ انسانی۔ اخلاق وکردار میں۔ پاکیزگی نفس ــ الدین الاسلام کی پابندی۔ کے ساتھ۔ ہوس وحرص۔ خواہشات کے حصول میں اعتدال۔ اور انسانی جذبہ ہمدردی (انسانیت) کا پایا جانا لازمی ہے۔ اور آگے چل کر انہیں اوصاف پر۔ ایک قومی۔ ملی وحدتِ انسانی کا نظام ترتیب دیکر ــــ جمہوریت کے حقیقی تصور پر نظامِ انسانیت قائم ہو کر انسان۔ ایک مطمئن۔ پرامن زندگی میں اپنے انجام تک پہنچ جاتا ہے۔

اب ہم اپنی بازگشت میں۔ انسان کے اختیار کردہ نظام زندگی پر بحث کرتے ہیں۔ جس میں خلافتِ اسلامی کے آخری دور میں۔ ''پاکستان'' کی جمہوریت اور اس کے تصور پر مختصر بحث کرتے ہیں۔

جیسا گزشتہ بیان ہوا۔ کہ انسان بنیادی طور مخلوقِ انسانی کی ہیئت میں۔ انفرادی حیثیت میں پیدا ہوا۔ جبکہ اسکے زندگی کے قیام میں۔ اسکے مفادات وافر مقدار میں مہیا تھے۔ جس میں کسی جمہوری تصور کی گنجائش نہ تھی۔ کثرتِ مخلوق پر۔ انسانی حصول میں جب افراد نے۔ ذاتی حرص وہوس اور زائد حصول میں حد سے تجاوز کیا۔ تو انسانی حصول میں ایک نئی طرز پیدا ہوئی جس میں۔ قومی حیثیت میں طرزِ معاشرت میں۔ نئی تنظیم اختیار کرنا پڑی۔ اسی تنظیم میں۔ قوموں کی قومی ہیئت۔ سلطنت۔ شہنشاہیت۔ اور جمہوری نظام کی ہیئت پیدا ہوئی ــــ اور مخلوقِ انسانی میں۔ انہیں نظاموں کے نتیجہ میں۔ الدین الاسلام کا وجود پیدا ہوا۔ یہی الدین الاسلام انسانی وجود کی سلامتی اور اسکے حقوق کے حصول کا ضامن بنا ــــ اور اسی بنیاد پر ایک منظم تنظیم۔ ہمیشہ خلافتِ اسلامی کی ہیئت میں زمین پر انسانی مفادات کی داعی رہی۔ اور یہی خلافتِ اسلامی حضرت آدمؑ سے لیکر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور تک مختلف ادوار میں۔ مختلف شکلوں میں۔ حقوقِ انسانی کے حصول میں قائم ہوتی رہی۔ اور یہی خلافتِ اسلامی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے الدین الاسلام کی شکل میں۔ دنیا پر غالب رہی۔ اور یہی خلافتِ اسلامی۔ مکہ۔ مدینہ سے لیکر۔ عراق۔ مصر وشام۔ ترکی ایران تک وسعت پذیر ہو کر ــــ اسکی آخری ہیئت خلافت ترکیہ عثمانیہ کی شکل میں قائم رہی۔ اور اسی خلافتِ

اسلامی کی منتشر تنزلی ہیئت۔آج مشرق وسطیٰ میں۔مصر۔شام۔لبنان۔الجزائر۔اردن۔ترکی۔ ایران اورعرب امارات کی سلطنتوں کی شکل میں پائی جاتی ہے۔اوراسی خلافتِ اسلامی کی ایک ہیئت ہندوستان میں قائم ہوئی۔جومغل شہنشاہیت کی شکل میں ہندوستان پر تین سوسال تک قائم رہی۔اسی مغل سلطنت کی آخری شکل۔ ہندوستان میں پاکستان کی شکل میں موجود ہے۔جس میں مسلمانان ہندوستان کی مجموعی تعداد میں ایک قلیل تعداد مسلمان نصف صدی سے اپنی ہیئتِ مسلمہ کو قائم کرنے میں سرگرداں ہیں۔لیکن مسلمان منتشر حالت میں اپنی اسلامی ساخت قائم نہ کرسکے۔ بلکہ اس آزادی کے عمل میں مجموعی تعداد کے نصف سے زیادہ تعداد۔غیروں کی غلامی میں ذلت وتباہی میں زندگی گزاررہی ہے۔جبکہ دنیاپر۔اسلام کی بناءَ کردہ ہیئتِ مسلمہ کانام ونشان باقی نہیں رہا۔دنیاپرسب سے زیادہ قومِ مسلم۔ذلت وپستی اور بدتر غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔اس بنیادی سبب پر کہ مسلمان الدین الاسلام کے عمل سے اتنادور ہو چکا ہے کہ اسکا حقیقی الدین الاسلام کی طرف لوٹنا مشکل امر ہے۔

فی زمانہ دنیاپر( بلکہ دنیا کے چپہ چپہ پر )اقوامِ مغرب (انگریز) کاغاصبانہ ــــ شاطرانہ ــــ قومی غلبہ وتسلط قائم ہے۔جس غلبہ سے کسی انسان کا آزاد ہوناممکن نہیں۔خصوصاً۔مسلمان ــــ مسلمانانِ عالم کا۔کہ انگریز (یہی اقوام مغرب) شروع سے ــــ جب سے اسے مسلمانوں کے غلبہ سے نجات ملی۔اس نے مسلمان کے قلب سے قوتِ ایمانی سلب کرنے میں۔اپنی پوری تدبیر۔ اپنے تمام سازشی حربے۔استعمال کر کے مسلمان ــــ مسلمانان عالم ــــ کے دلوں سے اسلام سے رغبت۔اسلام سے محبت وعقیدت۔اوراسلامی عمل (الدین الاسلام) ختم کردیا ــــ یہاں تک کہ ہندوستان میں۔خلافتِ اسلامی کی آخری ہیئتِ مسلمہ ــــ جس میں کسی حد تک اقتدارِ اعلیٰ کی رمق نظر آتی تھی۔انگریز نے اپنی شاطرانہ سازشوں سے اس قوتِ مسلمہ کو نیست ونابود کر کے ایک سوسال تک مسلمانوں کو اپنا غلام بنا کر ان میں وہ طاقت وقوت باقی نہ چھوڑی۔کہ مسلمان دوبارہ اپنی اسلامی ساخت۔الدین الاسلام ــــ یا اقتدار اعلیٰ کی حیثیت ہندوستان میں کاملاً قائم کرسکیں ــــ

حقیقتاً۔ یہ انگریز کا ایک شدید حربہ اور سازش تھی کہ ہندوستان میں۔ ایک قدیم آرین قوم (ہندو مسلمان) کی حیثیت میں۔ متحد ہو کر ایک قومی وجود قائم کر کے اپنی متحد حکومت قائم کر کے۔ مسلمانوں کو اپنی اسلامی ہیئت مسلمہ قائم کرنے کا موقع فراہم نہ ہو۔ اور حقیقتاً انگریز کی شاطرانہ سازش تھی۔ کہ اس نے منتشر اور مضمحل۔ پراگندہ قوم مسلم کو مجبور کر دیا۔ کہ مسلمان اپنی قوت کو نہ مجتمع کر سکے ــــ نہ انہیں ہندو مسلم اتحاد کی صورت میں۔ پورے ہندوستان میں اپنے قدم جمانے کا موقع ملے۔ برعکس اسکے۔ کہ کچھ انگریز حکومت کے وفادار مسلمان۔ اور کچھ ہندو قوم کے سیاستدان۔ جنہیں مسلمانوں کے جذبۂ ایمانی۔ اور قوت سے خطرہ تھا کہ مسلمان کسی بھی وقت اپنی قوت بحال کر کے ہندوستان پر مثل سابق (مغل شہنشاہیت) غلبہ حاصل کریں۔ اسلیئے۔ ایسا موقع۔ کہ ہندو مسلم اتحاد پر ہندوستان میں ایک حکومت قائم ہو۔ ایسے انگریز نواز۔ اور خود پرست ــــ ہندو مسلمان ــــ جنہیں یہ اندازہ تھا۔ کہ ہندو مسلم فساد و نفاق میں۔ مسلمان آپس کی دشمنی میں۔ اپنی قوت سنبھال نہیں سکینگے۔ نتیجہ یہی ہو گا۔ اس فساد میں۔ سرمایہ دار طبقہ اور غدار وطن۔ غدار قوم و ملت افراد برسر اقتدار آ کر ہندوستان۔ یا اسکے ایک مسلمان حصہ پر انگریز کے بعد اپنا غلبہ جاری رکھینگے۔ حقیقتاً یہ اسی انگریز سازش اور سرمایہ دار سازش کا نتیجہ ہے۔ کہ ہندو مسلمان آپس کے اتحاد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جس بناءٔ پر مسلمانوں نے اپنی حیثیت۔ اپنا تشخص قائم کرنے کیلیئے ایک قلیل قطعہ حاصل کرنا بھی غنیمت جانا۔

یہ امر واقع ہے۔ کہ چالیس سال (تقریباً نصف صدی) گزرنے کے باوجود مسلمان ــــ نہ دینی حیثیت میں۔ نہ دنیوی حیثیت میں اپنی کوئی مستقل۔ مستحکم۔ حیثیت قائم کر سکے۔ مسلمان شب و روز جماعتوں میں بٹ کر۔ کسی موقع پر اتحادِ ملی قائم نہ کر سکے۔ مسلمان محض حصولِ اقتدار کی خاطر ایک دوسرے کو نیچا دکھا کر کامیابی کی طرف جانے میں ــــ خود روکاوٹیں پیدا کرتے رہے۔ کہ چالیس سال کے عرصہ میں کسی منتخب حکومت کو ایک مدت معینہ تک حکومت چلانے کا موقع نہ دیا گیا۔ یہ اس لئے۔ کہ مسلمان کیلیئے۔ اسکے ابتدائی اقدام پر اولین فریضہ اقتدارِ اسلامی۔ الدین کی صورت میں۔ دین اسلام کا اجرأ ضروری تھا۔ جبکہ اقتدارِ اسلامی کے حصول میں۔ ایک انگریز طاقت سے ملکی

طاقت حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ جس میں الـدیـن کے تصور سے خالی ایک ملک۔ قوت حاصل کرنے کا عمل تھا۔ لہٰذا مسلمان حکومت حاصل کرنے پر ہی ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہے۔

خشتِ اول گر نہد معمار کج تا ثریا مے رود دیوار کج

مسلمان کیلئے الـدیـن الاسلام ۔شریعت اسلامی کے ضابطہ پر ہی۔ اپنا وجود ـــــ اپنی ہیئت مسلمہ قائم کرنا ضروری تھا۔ دورِ انگریزی میں۔ مغل شہنشاہیت کے زوال کے بعد۔ مسلمانوں کی دینی حیثیت نہایت کمزور ہو چکی تھی۔ یہ ظاہر ہے۔ خلافتِ اسلامی میں۔ ابتدائے خلافت سے لیکر خلافتِ عثمانی تک ـــــ اسلامی ساخت۔ اسلامی عروج میں کسی مقام پر ـــــ جمہوریت کا کوئی عمل۔ کوئی تصور نظر نہیں آتا ـــــ کہ یہی اسلامی خلافتیں۔ ''اسـلام''۔ ''الـدیـن'' کا مظہر و نشان تھیں ـــــ کہ کسی خلافت میں ـــــ سوائے شرائطِ دینی ـــــ سوائے شرائطِ خلافت۔ عوام المسلمین کے انتخاب پر کسی خلیفہ ـــــ یا خلافت کا وجود قائم ہوا ہو ـــــ اور خلافتِ اسلامی کے زوال پر کسی ملک۔ عرب۔ مشرق وسطیٰ ـــــ یا ہندوستان میں۔ انگریزی ساختہ جمہوریت کے سوا۔ کسی جمہوریت کا تصور نظر نہیں آتا ـــــ جبکہ مسلمانانِ ہند نے بنیادی نظریہ۔ الـدین الاسلام کے ضابطۂ اسلامی پر ایک قلیل خطۂ ارضی پر ـــــ ایک قلیل تعداد افراد پر۔ حکومتِ اسلامی کے نفاذ کا دعوے کیا۔ جبکہ اصولاً اس دعوے میں۔ تمام مسلمانانِ ہند کیلئے۔ آزادی کا کوئی تصور پایا نہیں گیا ـــــ اس حال میں۔ کہ بجائے خود مسلمانانِ ہند میں۔ الـدیـن الاسـلام کا عمل یکسر ناپید ہو چکا تھا۔ کہ مسلمان دینی عمل میں قطعاً لاتعلق ہو چکے تھے۔ ایسی حالت میں۔ انگریزی غلامی سے نجات کی صورت میں۔ مسلمانوں میں۔ وہ صلاحیت۔ وہ خصوصیت۔ وہ دینی عمل موجود ہی نہ تھا۔ کہ مسلمان اس عالمِ کفر۔ عالم زوالِ ایمان میں۔ ایک دینی حیثیت۔ جو الـدین الاسلام کی حیثیت میں قائم کر سکیں ـــــ قائم کر سکتے ـــــ اسکا ثبوت۔ مسلمانان پاکستان کی دینی حیثیت سے واضح ہے۔ کہ مسلمان انفرادی حیثیت میں اپنی دینی اسلامی حیثیت۔ (بحیثیت مسلمان) قائم کرنے میں ناکام رہے ـــــ اور انگریز نے مسلمانوں کو اس حال میں نہ چھوڑا کہ اس زوال پذیر حالت میں۔ مسلمان اسلامی اقتدارِ اعلیٰ کی صورت

میں۔ پاکستان کے وجود کو مستحکم کرنے کے اہل ہوتے۔ جبکہ۔ مسلمان اس چالیس سالہ دور میں۔ محض حصولِ اقتدار کی ہوس میں ایک ساعت بھی اسکی سالمیت کو بحال رکھنے کی جستجو میں۔ باہمی اتحاد ہی قائم رکھ سکتے!۔۔۔۔ سوائے اسکے کہ پاکستان کے وجود کو قائم رکھنے میں۔ ایک بے معنی تصورِ جمہوریت کا سہارا لیکر۔ ایک جماعت۔۔۔۔ چندافراد۔ اقتدار حاصل کر کے۔ جس میں قدیم زمانہ کے۔ انگریز نواز۔ سرمایہ داراور ہوس پرست مسلمان۔ نے جمہوریت کے نام پر اقتدار حاصل کر کے دولت لوٹ کر پاکستان کے وجود کو کبھی مضبوط بنانے میں۔ دیانتداری سے کوئی عمل کیا جاتا!

اس مقام پر انگریز کی غلامی سے نجات حاصل کر کے بنیادی طور۔ مسلمانان پاکستان نے دینِ اسلام کے تصور پر جو خطۂ ارضی حاصل کیا۔۔۔ کوئی بھی ذی شعور قوم۔ ذی شعور طبقہ اس حصولِ آزادی۔ کو آزادی تصور نہیں کر سکتا۔ جبکہ مسلمانانِ ہندوستان نے اس آزادی کے حصول میں بحیثیت مجموعی۔۔۔۔ بحیثیت مسلمان۔ جدوجہد کر کے زیادہ تر مسلمانان ہندوستان کی کثرت آبادی نے۔ اس تحریک کو کامیاب بنایا۔ جنہیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے۔ ہندوؤں کی غلامی میں۔ تباہی بربادی۔۔۔ اور قتل وغارت کا نشانہ بننا پڑا۔ اس حال میں۔ کہ مسلمانان ہند کی آزادی میں بوجہ انکی انتہائی جدوجہد۔ اور لاکھوں۔ عورت مرد۔ بچوں کی قربانیوں کے ہندوؤں کی غلامی میں چھوڑا گیا۔ اور ایک قلیل خطۂ ارضی کے مسلمانوں کو بغیر کسی دشواری کے پاکستان کی آزاد حکومت میسر آئی۔۔۔ جبکہ پاکستان کے دانشوروں کا یہ قول واضح ہے۔ کہ ''پاکستان مسلمانان پاکستان کی جھولی میں ڈالا گیا''۔۔۔۔ ہاں۔۔۔ یہی پاکستان ہے۔ جو حضرت علامہ اقبال کی خواب ہے۔ جسکی تعبیر چالیس سال کا زمانہ گزرنے کے بعد بھی۔ ظاہر نہیں ہوئی۔۔۔ یہی پاکستان ہے۔ جو مسلمانانِ ہندوستان کا واحد مقصد بنا۔۔۔ جس کے وجود پر تقریباً ستره کروڑ مسلمانوں کی آزادی قربان کی گئی۔ ساٹھ ہزار ہندوستانی مسلمانوں کی عورتوں کی عصمت قربان کی۔۔۔ یہی پاکستان ہے جس پر ساٹھ ہزار ہندوؤں کے اغوا شدہ عورتوں سے پیدا ہونے والے اڑھائی لاکھ ہندو نام سے۔ نند لال۔ اوم پرکاش پکارے جانے والے بچے۔ ہندوؤں کے گھروں کی آزاد فضا میں نسلیں پیدا ہونگی۔۔۔ غالباً یہ تصور حضرت قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ بانئے

پاکستان کے منصوبے میں۔ واضح تصور میں شامل ہونگے ؟۔ اسکے مقابل۔ مسلمانان ہند کے حصہ میں آئی ہوئی سرزمین ''پاکستان'' ــــ جسے مسلمانانِ ہند کی آزادی میں۔ مسلمانوں نے ایک آزاد حکومت کے طور پر سینے سے لگالیا ــــ اس کی اسلامی حیثیت ــــ ہیئت مسلمہ ــــ اور اقتدارِ اعلیٰ (خلافتِ اسلامی) کی نمایاں شکل کیا ہے؟ جبکہ چودہ کروڑ مسلمانانِ ہند کا واحد۔ مطالبہ ــــ تصور ــــ ایک علیحدہ۔ قوم کی حیثیت سے ایک آزاد اسلامی ریاست قائم کرنا تھا ــــ جس میں مسلمان آزادی کے ساتھ الدین الاسلام کی ہیئتِ مسلمہ قائم کریں۔!

سلطنتِ مغلیہ (اسلامی اقتدار اعلیٰ) کے زوال پر انگریز کی سوسالہ غلامی پر مسلمانانِ ہند نے۔ آزادی کی صورت میں۔ ہندوستان میں بسنے والے چودہ کروڑ مسلمانوں کی آزادی کی خاطر صرف سات کروڑ مسلمانوں کیلئے ایک قلیل خطۂ ارضی حاصل کیا ــــ جو صرف سات کروڑ مسلمانوں کیلئے وقف ہوا ــــ اس خطۂ ارضی کو بزعم خود ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کے مقدس نام سے پکارا گیا ــــ جس کا وجود۔ ایک آزاد ''اسلامی جمہوریت'' کے تصور پر قائم ہوا ــــ جس کی بنیاد ایک پر امن اصولِ انتخاب پر رکھی گئی ــــ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا طرزِ انتخاب کیا ہے؟ ــــ اسکا تصور حقیقتاً ــــ اسلامی جمہوریہ کے حقیقی ضابطہ پر قائم ہونا چاہیے۔ اسکے لئے پاکستان کے چالیس سالہ دورِ حکومت کی تاریخ پرہی ــــ حکومتِ اسلامی ــــ اقتدارِ اعلیٰ ــــ خلافتِ اسلامی ــــ مسلمانانِ ہند کی آزادی پر انکی۔ اسلامی ساخت ہیئتِ مسلمہ ــــ کا حقیقی روپ (تصور) سامنے لانا چاہیے۔!

قبل اسکے کہ یہ واضح کیا جائے کہ مسلمانان ہند کے ایک قلیل خطۂ ارضی پر کس نوع کی حکومت قائم ہوئی۔ اور اس حکومت میں مسلمانان ہند کے مقصد (مقصدِ اسلامی) کو کہاں تک ــــ اور کس ضابطہ پر پورا کیا گیا۔ اس تصور کا دوبارہ اعادہ کیا جاتا ہے۔ کہ الدین الاسلام کے اجزأ میں (شریعتِ اسلامی کی شکل میں) بنیادی ضابطہ کیا ہوتا ہے ــــ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ جہاں تک الدین الاسلام ــــ یا شریعتِ اسلامی کے تصور کا تعلق ہے۔ الدین الاسلام کی بنیاد۔ خالص عبادات۔ یعنی قرآن وحدیث کے احکامات پر عمل سے ہوتی ہے۔ جس میں کسی دنیوی اقتدار یا

حکومت کا تصور شامل نہیں۔اور یہ جو شریعتِ اسلامی (الـدیـن الاسـلام) میں ــ خلافت (یا حکومت) کا تصور شامل کیا جاتا ہے۔یہ ایک علیٰحدہ تصور ہے۔جس میں۔ماسوئ عبادات کے ــــ امورِ دنیوی کے نظام۔اور انسانی ساختہ احکامات پر عمل کرنے سے ایک قومی اقتدارِ اعلیٰ تشکیل دیا جاتا ہے۔جسکی بنیاد انسانی ساختہ قوانین اور اصول وضوابط پر قائم ہوتی ہے ــــ لہٰذا یہ خیال رکھنا ضروری ہے۔کہ جب الـدیـن الاسـلام کا تصور زیرِ نظر رکھا جائے تو اس میں صرف قرآن وحدیث کے احکام پر عمل کے سوا ــ کسی غیر شرعی عمل کو (جو قرآن وحدیث سے واضح نہ ہو) شامل نہیں رکھا جا سکتا۔یہ تصور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عملِ رسالت ونبوت تک محدود ہے۔اور اقتدارِ اعلیٰ کی حیثیت ایک حکمران حیثیت تصور ہوتی ہے۔اور اسی طرح جب اسلامی حکومت کا تصور زیرِ نظر رکھا جائے تو اس میں۔قرآن وحدیث (الـدیـن الاسلام یا شریعت) کے احکام پر حکومت کے (انسانی ساختہ) قوانین وضوابط مرتب کرنا لازم نہیں ہوسکتا۔اسلئے کہ قرآن وحدیث کے احکام محض عبادات ــ (مقصدِ آخرت۔قیامت) کیلئے مخصوص ہیں جو اپنی حقیقی ہیئت میں جاری رہینگے۔جن میں کسی موقع پر ترمیم وتنسیخ واجتہاد کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔لہٰذا امورِ دنیوی کی شریعت ــــ اجرائے قرآن و حدیث سے کوئی نسبت نہیں ــــ

اب اسی تصور پر دیکھنا ہے۔کہ الـدیـن الاسـلام کے اجرا کیلئے۔امت مسلمہ (ایک خـلـیـفة الرّسول۔اور امت مسلمہ کی ہیئت) کے اجرائے دین وشریعت کا اصول وضابطہ کیا ہے؟۔ الـدیـن الاسـلام ــــ شریعتِ اسلامی کی صورت میں۔(از روئے قرآن وحدیث) ایک امتِ مسلمہ ــــ ایک خلیفة الرّسول ۔سے متصور ہوتا ہے ــــ جس میں۔خالص احکامِ قرآنی۔احکام حدیث پر عمل سے مقصدِ آخرت (قیامت) حاصل کرنے کے سوا۔کوئی (غیر شرعی) تصور ومقصد شامل نہیں ــــ اس تصور پر ''ایک ہیئتِ مسلمہ'' ــــ ایک ''خـلـیـفة الـرّسـول'' ــــ اور ''امتِ مسلمہ'' اور اجرائے احکامِ قرآن وحدیث سے تشکیل ہوتی ہے۔لہٰذا۔نفاذِ الـدیـن الاسـلام ــــ یا شریعتِ اسلامی۔میں۔اجرائے قرآن وسنت اور احکامِ الٰہی ــــ احکامِ قرآن وحدیث پر عمل کے

سوا۔کسی فروعی تصور کی گنجائش ہے۔نہ کسی انسانی ساختہ (اجتہادی) اصول وضابطہ کو نفاذِ اسلامی کے ضابطہ میں شامل کیا جا سکتا ہے۔جس سے شریعت اسلامی کے نفاذ کی تکمیل ہو سکتی ہے ـــــ جبکہ اس نفاذِ شریعت میں جمہوریت کا کوئی تصور وعمل شامل نہیں ہوسکتا ہے۔اس حال میں کہ نفاذِ الـدیـن الاسلام میں براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ایک رسول منتخب ہوتا ہے۔اور الرّسول خود اپنا ایک قائم مقام خلیفہ منتخب کرتا ہے۔جس میں امتِ مسلمہ کو انتخاب کا حق حاصل نہیں۔سوائے اطاعتِ خلیفہ کے ـــــ انتخابِ خلیفہ کے بعد۔ایک خلیفہ کی موجودگی میں (از روئے قرآن) مجلسِ مشاورت کا قیام ضروری لازم رکھا گیا ـــ جو رسول کی معیت میں۔قرآن وحدیث کے احکام۔عوام الناس ـــ اور امتِ مسلمہ تک پہنچانے کا فریضہ انجام دیں اور رسول کے بعد۔بعینہٖ اجرائے قرآن وسنت کی تکمیل تا قیامت جاری رکھے۔جس سے احکامِ الٰہی ـــ احکامِ قرآنی۔پر منشائے الٰہی ـــ منشائے رسول کے مطابق عمل ہونے سے۔ایک ''ہیئتِ مسلمہ'' ـــ ایک '' الـدیـن الاسلام '' ـــ ایک ''شریعتِ اسلامی'' کا وجود ہمیشہ قائم رہے۔بس اسی عمل پر نفاذِ شریعتِ اسلامی کی تکمیل ہوتی ہے ـــ جس میں۔شریعتِ اسلامی کے تصور میں۔ایک (مومن) باعمل ہیئتِ مسلمہ کا وجود قائم ہوتا ہے۔یہی طریق ـــ یہی اصول وضابطہ ـــ نفاذِ شریعتِ اسلامی سے تعبیر ہوتا ہے۔ہاں جس میں وقت اور زمانہ کے ساتھ قرآن وحدیث کے احکام کے اجرأ میں نہ اجرأ کی ضرورت پیدا ہوسکتی ہے۔نہ اللہ ورسول کے احکام کے اجرأ میں کسی اجتہاد کی ضرورت پیدا ہوسکتی ہے۔

اسکے ساتھ شریعتِ اسلامی ( الـدیـن الاسلام) میں ایک حکومت (اقتدارِ اسلامی۔یا حکومتِ اسلامی) کا تصور وعمل شامل کرنا ـــ اس خیال سے کہ یہی حکومت۔(حکومتِ اسلامی کے تصور کے ساتھ) شریعتِ اسلامی (الـدیـن الاسـلام) سے تعبیر ہے۔درست نہیں۔اسلئے کہ ایسی حکومت نظامِ دنیوی کیلئے قائم کی جاتی ہے ـــ جو خالص سلطنت (حکومت) کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔جس میں امور دنیوی انجام دینے کیلئے قوانین وضوابط وضع کئے جاتے ہیں۔یہ قوانین محققینِ اسلام (امامین) وقت کی ضرورت کے ساتھ وضع کرتے ہیں۔جو انسانی ساختہ۔اجتہادی

صورت میں وضع ہوتے ہیں۔سابقہ اسلامی خلافتوں میں۔ایسے ہی۔علمائے اسلام کے ساختہ قوانین کا نفاذ ہوا۔جس میں ایسی خلافتِ اسلامی کو الدین الاسلام کے تصور میں سمجھا گیا۔۔۔ جبکہ حقیقتاً۔ خلافت اسلامی ۔۔۔ (اقتدارِ اعلیٰ) حکومت کے تصور میں آتی ہے۔اور الدین الاسلام کے تصور میں۔خالص احکامِ قرآن وحدیث اور عبادات واحکامِ الٰہی کی تعمیل ونفاذ حقیقی اور علیحدہ تصور قائم ہوتا ہے۔ایسی صورت میں جبکہ امتِ مسلمہ میں الدین الاسلام کے نظام کا نفاذ مقصود ہو۔تو اسکے لئے ابتدائی اقدام ۔۔۔ ابتدائی عمل ۔۔۔ ابتدائی تصور بحیثیت مجموعی امتِ مسلمہ میں۔صاحبِ تقویٰ و عبادات۔اطاعتِ قرآن وسنت ہونا بنیادی شرط ۔۔۔ بنیادی اقدام ہونا چاہیے۔تاکہ ایک صالح دیندار جماعت میں سے۔ابتدأ۔ایک کامل۔اکمل۔خلیفة الرّسول کا انتخاب یقینی ہو ۔۔۔ ورنہ اگر حکومتِ اسلامی کے تصور میں شرعی عبادات سے عاری ۔۔۔ ایک بے دین جماعت سے بے دین سربراہ کا انتخاب کیا گیا۔تو ایسی قوم نہ امتِ مسلمہ کی صفت میں آتی ہے۔نہ ایسی قوم سے حکومتِ اسلامی قائم ہوسکتی ہے۔نہ ایسی قوم سے تشکیل دی گئی حکومت ۔۔۔ حکومتِ اسلامی سے موسوم کی جا سکتی ہے۔نہ ایسی قوم کے ایک فردِ واحد سے بھی (خواہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ) اخلاقی ضابطہ واصول کی پاسداری کی توقع کی جاسکتی ہے۔ایسی ہی قوم وحکومت ۔۔۔ اپنی ہی قوم کے افراد پر اقتدار حاصل کر کے قوم کی تباہی وذلت کا سبب بن جاتی ہے۔اس حال میں ایسی قوم ہمیشہ انقلاب وخونریزی کا شکار۔من جملہ قوم کیلئے دائمی عذاب کا سبب بن کر۔نہ انہیں دین حاصل ہوتا ہے۔نہ دنیا!

واضح ہو کہ ایسی قوموں۔ایسی ہی حکومتوں میں۔جس میں تسبیح وعبادات۔الدین الاسلام کے عمل کو شامل نہ رکھا گیا۔جمہوریت کا خودساختہ عمل قائم ہوتا ہے ۔۔۔ یہ جمہوریت ۔۔۔ مغرب ساختہ۔یا انگریز ساختہ تصور کی جاتی ہے۔جس میں بظاہر افرادِ قوم کے مفادات کا تحفظ اور عوام الناس کے مفادات کے حصول کی ضمانت دی جاتی ہے۔لیکن۔نتیجتاً یہ عمل ایک طاقتور گروہ۔ (سرمایہ دار طبقہ۔یا بذاتِ خود حکومتی طبقہ) کا افرادِ قوم کو غلام بنا کر اپنے مفادات کے حصول میں استعمال کرنے کا طریقہ ہے ۔۔۔ جو ایک طاقتور جماعت کا بے عقل۔بے شعور۔کمزور افرادِ قوم پر اپنی

قوت واقتدار قائم رکھنے کا حیلہ استعمال کیا جاتا ہے۔

اصولِ جمہوریت میں۔قوم کے مدبر صاحبِ دیانت۔افراد کا انتخاب محض افرادِ قوم کے مفادات کے حصول میں۔حصول۔اور راہنمائی۔حاصل کرنا ہے۔اس حال میں۔کہ ایسے افراد ــــ قوم کو اپنے مفادات کے حصول کیلئے استعمال نہ کریں ـــــ ایسے افراد کو انتخاب (نامزدگی) میں۔بذاتِ خود قوم کے آگے خود کو خدمات کیلئے پیش کرنے کا حق نہیں۔بلکہ قوم خود ایسے افراد کی انکی اعلےٰ صلاحیت وصفات پر نامزد کرتی ہے۔جس میں نامزد افراد کیلئے۔اپنی نامزدگی یا کامیابی کیلئے۔نہ ذاتی طور محنت وجد وجہد کرنا ضروری ہے۔نہ اپنی کامیابی کیلئے زرِ کثیر خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔کہ وہ اس مقام ـــــ (عہدۂ نمائندگی) کیلئے خود خواہش کر کے اسکے حصول میں جدوجہد کر کے مطلوبہ عہدہ حاصل کریں۔ایسے افراد۔اصولِ جمہوریت کے مطابق صحیح منتخب نمائندے کہلاتے ہیں۔جو صرف اپنی قوم ـــــ قوم کے ہر فرد کیلئے۔نیک نیتی۔اور فلاح کا جذبہ رکھتے ہوں ـــــ بصورتِ دیگر۔جب افرادِ قوم محض اپنی ذاتی اغراض کے تحت۔قوم کی نمائندگی کیلئے۔خود کوشاں ہوں۔اور اس عہدہ کے حصول کیلئے۔زرِ کثیر۔سیاست۔کنبہ پروری۔ناجائز اثر ورسوخ کے جذبہ کے ساتھ۔بغیر اعلےٰ صلاحیت ودیانت کے عہدہ حاصل کریں۔یہ طریق جمہوریت۔انسانیت۔قومیت کے خلاف اور سادہ۔بے علم عوام کو دھوکہ دینے کے مترادف ہوتا ہے۔نہ ایسی سیاست نما جمہوریت سے کوئی مستحکم پائیدار حکومت قائم ہوسکتی ہے ـــــ نہ ایسی حکومت پر شرعی قوانین کا لیبل لگانے سے خلافتِ اسلامی۔یا حکومتِ اسلامی ــــ الدین الاسلام ــــ کا حقیقی تصور قائم ہوسکتا ہے ـــــ اس حال میں بھی۔جب ایک قوم۔محض ذاتی اغراض کے حصول کے جذبہ میں۔فرقوں میں بٹ گئی ہو۔تو ایسی صورت میں۔تصورِ جمہوریت (حقیقی جمہوریت) کے خلاف۔قوم میں۔وحدتِ ملی۔وحدتِ قومی موجود نہ ہو۔تو افرادِ قوم مختلف جماعتوں میں بٹ کر اپنے ذاتی مفادات (اپنی پسند کے مطابق) حاصل کرنے میں ـــــ خود افرادِ قوم برسرِ پیکار ہو کر ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی کر کے خود ایک مستقل حکومت (حزب اقتدار) کا تختہ الٹنے میں۔حکومت کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔جسکے

نتیجہ میں ایسی خود ساختہ جمہوریت مکروہ ہو کر قومی وحدت کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ اسکے مقابل حقیقی جمہوریت میں۔ اصول انتخاب کی صورت میں منتخب شدہ (جو خود زر کثیر دیکر منتخب نہ ہو) افراد۔ دیانتداری و امانت کے جذبہ سے ملک و قوم اور افرادِ قوم کی فلاح و بہبود کے جذبہ پر جدو جہد کرتے ہیں۔ اسکی صورت یہ ہوتی ہے ــــ کہ قوم کے اعلےٰ صلاحیت افراد (حکومتی صورت میں) حصول کے تمام ذرائع و وسائل۔ اپنے اختیار میں لیکر اپنے مرتب کردہ آئین و قانون کے مطابق قوم کے مفادات فراہم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں ــــ جس میں قوم کی مختلف جماعتیں۔ اس مقام (ذمہ داری) کو پورا کرنے کیلئے ــــ ایک کامیاب جماعت کا انتخاب کرتے ہیں۔ جس میں ہر جماعت اپنے مخصوص۔ سربراہ (نمائندے) نامزد کر کے۔ انتخاب کیلئے پیش کرتے ہیں ــــ اور یہ انتخاب۔ ''جمہوریت'' کے تصور پر قائم کیا جاتا ہے۔ کہ ہر جماعت قوم کے مفادات پورا کرنے میں جمہوری اصول کے تحت۔ ہر فردِ قوم کے مفاد کو پورا کرنے میں اپنی ضمانت دیتی ہے ــــ لہٰذا۔ انتخابی نتیجہ میں جو جماعت۔ قوم کے اکثر افراد سے نامزدگی حاصل کرے۔ وہی سربراہان و نمائندگانِ قوم ــــ تمام قوم کے مفادات پورا کرنے کی (ہر فردِ قوم کے سامنے) ذمہ دار ہوتی ہے۔ اس عمل کے نتیجہ میں۔ ایک قوم کامیاب نامزد جماعت۔ برسرِ اقتدار جماعت قرار دیکر۔ تمام امور ملکی اسکے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ ایسی جماعت ــــ جماعتِ با اختیار ــــ ''یا حزبِ اقتدار'' جماعت کہلاتی ہے ــــ اور قوم کی بقیہ جماعتوں کیلئے (اصولِ جمہوریت کے تابع) برسر اقتدار (حزب اقتدار) جماعت کی نگرانی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ کہ وہ ہر موقع پر برسرِ اقتدار جماعت (حکومت) کی ہر موقع پر راہنمائی اور تعاون کریں۔ جیسا کہ ہر جماعت ــــ قوم کے مفادات پورا کرنے کیلئے۔ اپنا ایک جماعتی منشور و آئین رکھتی ہے۔ لہٰذا۔ اپنے اسی آئین کی روشنی میں۔ وہ حزبِ اقتدار کے عملی منصوبہ میں۔ جو عمل بہتر و نتیجہ خیز ہو اسکے حصول میں حزبِ اقتدار کی معاون بن کر۔ حصولِ مفادات میں آسانی پیدا کرنے کی ذمہ داری پوری کریگی۔ بصورت نقص یا خامی۔ جہاں حزبِ اقتدار کے عملی منصوبہ میں کسی نقص کا احتمال ہو۔ تو ایسے موقع پر (جیسا مروجہ اسمبلیوں میں ہوتا ہے) بقیہ افرادِ

جماعت (جو جماعتی صورت میں نمائندوں کی جماعت ہو) حزبِ اختلاف کی صورت میں ۔ ایسے منصوبوں کے مقابلہ میں ۔ اپنے منصوبے پیش کر کے ۔ صحیح ۔ معقول بحث ومباحث سے اصل منصوبہ جوحزبِ اختلاف کی طرف سے پیش کیا گیا ہو ۔ بحثیت (نمائندگان کی) مجموعی جماعت کے اتفاق و اتحاد اور افہام وتفہیم سے منظور کر کے حزبِ اقتدار ایسے ہی منصوبہ کو روبہ عمل لاکر ۔ بحثیت مجموعی ۔ قوم کے مفادات بہتر طریقہ پر حاصل کرنیکا عمل پورا کرینگے ۔ اسلئے ۔ افرادِ قوم میں ـــــ مختلف جماعتوں کی شکل میں ۔ حزب اقتدار جماعت کے علاوہ ۔ بقیہ جماعتوں کی حزبِ اختلاف ۔ حزب اقتدار کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں بہتر کار آمد منصوبے پیش کر کے ۔ قومی وحدت کو قائم رکھکر ۔ ہر فردِ قوم ۔ منجملہ قومی مفادات کے حصول میں ۔ متحدہ حیثیت میں ۔ ایک دوسرے کے مفادات حاصل کرنے میں ۔ بہتر کردار ادا کر کے قوم کی ساخت ووجود کو دیر پا قائم رکھینگے ۔ لہٰذا ''جمہوریت'' کی یہ ہیئت قابلِ تسلیم وقبول ہوتی ہے ۔ جس میں ۔ ہر فردِ قوم کے مفادات کا تحفظ کیا جاتا ہے ـــــ البتہ ایسی جمہوریت یا جماعتی حکومت میں ۔ خلافتِ اسلامی ۔ یا شریعتِ اسلامی کا تصور شامل کیا جائے ۔ تو اسکی شرعی صورت بھی اسلامی جمہوریہ تصور کی جاسکتی ہے ۔ اسکا مطلب یہ ہوتا ہے ۔ کہ ایک سلطنت جس میں انسانی ۔ وضع کردہ ۔ اجتہادی ۔ قوانین رائج ہوں ـــــ ہاں! یہ قوانین ۔ گزشتہ خلافتِ اسلامی میں ۔ محققین اسلام ۔ مجتہدین سے وضع کردہ ہوں ۔ ایسے قوانین کی بنیاد پر ۔ ایک قوم کے مفادات کے حصول میں مرتب کردہ آئین ۔ جو محض حصولِ دنیا کی خاطر وضع کئے گئے ہوں ـــــ ایسے قوانین میں ۔ الدین الاسلام کے قرآن وحدیث کے احکام برائے عمل شامل کئے جائیں ۔ جن میں عبادات کا عمل واضح ہو ۔ تو ایسے احکام کے شامل کرنے سے ۔ جیسا گزشتہ اسلامی حکومتیں ۔ خلافتِ اسلامی کے تصور پر ۔ شرعی حکومتیں تصور کی جاتی تھیں ۔ ایسے ہی عبادات اور محققین کے وضع کردہ قوانین کی شمولیت سے ایسی حکومت ۔ اسلامی حکومت تصور کی جاسکتی ہے ۔ لیکن ایسی حکومت کیلئے بنیادی صورت یہ ہونی چاہیے ۔ کہ قوم کے علمائے امت جو قرآن وحدیث کا اجرا کرتے ہوں ۔ سیاست سے علیحدہ ہوکر ۔ الدین الاسلام ۔ کی شکل میں ۔ صرف قرآن وحدیث اور علم القرآن وحدیث کی

تبلیغ و اشاعت کی ذمہ داری اپنے ذمہ لیکر۔ایک مومن۔صاحبِ تقویٰ۔صاحب علم القرآن کی حیثیت میں (بطریقِ سنت نبویؐ)۔مخلوق کے ہر فرد تک حقیقی علم پہنچا کر۔عبادات و تسبیح۔اوراحکامِ الٰہی۔احکام حدیث کا عامل بنا کر۔ایک الدین الاسلام کی ہیئت مسلمہ تشکیل دیکر دین اسلام کی ہیئت نمایاں کر دیں۔کہ قوم کا ہر فرد ــــــ مثل قرونِ اولیٰ۔صاحبِ تقویٰ۔صاحبِ ایمان فرد بن کرالدین الاسلام۔کی ہیئت مسلمہ کا نمایاں اظہار کرے۔ایسی صورت میں جب تک قوم بحیثیت مجموعی قرآن وحدیث کے احکام پر عامل نہ ہو۔محض۔شرعی قوانین کا نفاذ بے معنی۔شریعتِ اسلامی۔یا حکومتِ اسلامی کہلا نہیں سکتی ــــــ نہ ایک بے عمل۔بے دین قوم سے بغیر اتباع شریعت۔حکومتِ اسلامی قائم کی جاسکتی ہے۔جبکہ ایک مسلمان کیلئے ــــــ قومِ مسلم کی حیثیت سے۔حکومت تشکیل دینے میں۔ابتدائی۔بنیادی اقدام۔قرآن وحدیث پر عمل کرنے پر ہی منحصر ہونا لازم وضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا۔خلافتِ اسلامی ــــــ شریعتِ اسلامی کے نفاذ کیلئے۔ایک قوم کیلئے بنیادی عمل۔اتحادِ ملت ــــــ الدین الاسلام۔شریعتِ اسلامی کے احکام پر کاملاً عمل۔اورقوت واقتدار کے وسائل وذرائع مہیا ہونا۔اہم شرائط ہیں۔بغیران ذرائع کے نفاذِ شریعت اسلامی یا اقتدارِ اعلےٰ ــــــ خلافتِ اسلامی ممکن نہیں ــــــ

المختصر! ــــــ خلافتِ اسلامی ــــــ یا شریعت اسلامی ــــــ یا الدین الاسلام انہیں خصوصیات پر منحصر ہے ــــــ کہ ایک قوم میں۔الدین الاسلام کے بنیادی تصور پر قرآن وحدیث کے احکام پر اولین اقدام (عمل) ــــــ دوسرے۔مثل سابقہ خلافتِ اسلامی کی ہیئت پر۔ایک قوم کے سربراہ ــــــ اورعوام المسلمین کی صفات میں تقویٰ۔عبادت اورقرآن وحدیث کے اجرأ کا اہم مقصد و ذمہ داری پورا کرنا۔اسکے ساتھ شریعت کے ضوابط کے تحت حصولِ دنیا کے قوانین جوسابقہ خلافتوں میں علمائے اسلام۔محققین سے وضع کئے ہوئے ہیں۔ایک حکومتی ڈھانچہ میں استعمال کئے جائیں ــــــ تا کہ حصولِ دنیا کے ساتھ۔حصولِ دنیا کے مقصد کے ساتھ ہیئتِ مسلمہ کا وجود نمایاں ہو ــــــ خلافتِ اسلامی سے تعبیر ہوگا۔ہاں! اسکے لئے ضروری ہے۔کہ قوم کے متقی صاحب ایمان افراد ــــــ علماً یا

تو حکومتی ڈھانچہ میں موجود ہوں۔یا قوم کے علمائے امت الدین الاسلام پر عامل ہوکر۔حکومت کو اسلامی قوانین کا عامل بنا کر حکومت کی ہیئتِ مسلمہ کو قائم کریں۔ایسی صورت میں جب تک حکومت یا علمائے اسلام کا عمل دینی اعمال واحکام پر قائم نہ ہو۔نہ حکومت میں (بے دین۔بے عملی) حکام کے ذریعہ اسلامی نظام قائم ہوسکتا۔نہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

تاریخی حقائق سے یہ امر واضح ہے۔کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ الدین کی ہیئت صرف قرآنِ حکیم اور سنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر عمل سے واضح تھی ــــ جس میں۔ سوائے آخرت۔قیامت کے عذاب و جنت کے سوا اور کوئی تصور موجود نہ تھا ــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی ــــ یا مابعد۔الدین الاسلام کی ہیئت اقتدارِ اعلیٰ (اقتدارِ اسلامی) کی ہیئت میں محسوس کی گئی۔اس حال میں۔کہ اس ہیئتِ مسلمہ کو سلطنت یا حکومت سے تشبیہ دیا گیا ــــ لیکن اس اقتدارِ اعلیٰ کی ہیئت میں۔الدین الاسلام کے تصور پر ہی۔عبادات وتقویٰ کے عمل اور ضابطہ (ضابطۂ قرآنی) کو مقدم رکھا گیا جس سے باوجود سلطنت یا اقتدارِ اعلیٰ کے عمل کے الدین الاسلام کی ہیئتِ مسلمہ قائم ــــ نمایاں تھی ــــ اس بناً پر کہ اس زمانہ میں امت مسلمہ کا ہر فرد۔اولاً قرآن و حدیث کے احکام پر شدت سے عمل کرنے والا مومن تھا۔اسی عمل کے مطابق۔ایسی حکومت (خواہ۔دنیوی اقتدار اعلیٰ کی ہو) حکومت اسلامی۔خلافت اسلامی سے موسوم ہوتی تھی۔اور جوں جوں اقتدارِ اسلامی کی قوت کو وسعت واستحکام حاصل ہوا۔یہ عمل ــــ تصور۔الدین الاسلام کے تصور کے ساتھ شامل رہا۔یہی عمل ہے۔جس بناً پر الدین الاسلام کو ــــ خلافتِ اسلامی۔یا سلطنتِ اسلامی تشبیہ دیا گیا ــــ جس میں۔احکام الدین کے ساتھ۔امورِ دنیوی کی قوت واستحکام کو لازم رکھا گیا ــــ یا لازم سمجھا گیا ــــ یا امور دنیوی کے ساتھ۔احکام دین پر عمل لازم رکھا گیا۔اسی بنیادی تصور پر خلفائے اربعہ کی خلافتوں۔اور مابعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بناً کردہ خلافتِ اسلامی سے لیکر۔خلافت اموی۔خلافتِ عباسی۔خلافتِ عثمانی کی خلافتوں کو (جس میں الدین الاسلام کا تصور شامل رہا) خلافتِ اسلامی تصور کیا گیا ــــ اس حال میں کہ ان خلافتوں (حکومتوں) کی قوت

پرہی الــدیــن الاســلام کا بنیادی تصور۔قرآن وحدیث اورعلوم قرآنی دنیا کی وسعتوں (مشرق و مغرب) تک پھیلا۔اورانہیں خلافتوں سے الــدیــن الاســلام۔شریعتِ اسلامی کانفاذ ہوتا رہا۔۔۔ یہاں تک کہ انہیں خلافتوں کی شکل میں شریعتِ اسلامی کا اقتدار ایران تک پہنچا۔۔۔اور ایران کے راستہ ہندوستان میں اسلام کا اقتدار پہنچا۔جو بظاہر سلطنتِ اسلامی ۔۔۔۔ حکومتِ اسلامی ۔۔۔۔ یا خلافتِ اسلامی کی ہیئت میں محسوس کیا گیا۔لیکن اصل ہیئت ۔۔۔ اصل تصور الدین الاسلام کا تھا۔۔۔ جو دینِ اسلام ۔۔۔ یا شریعتِ اسلامی تصور کیا جاتا ہے ۔۔۔ البتہ اس اسلامی سلطنت۔یا خلافتِ اسلامی کی حقیقی روح۔ایک خلیفہ ۔۔۔ یا امتِ مسلمہ کے دینی عمل سے قائم ہونی چاہیے تھی۔خلیفہ اور خلافتِ اسلامی کے اقتدار میں نمایاں نہ ہوسکی۔یعنی شرائط دینی ۔۔۔ یا شرائطِ خلافت میں۔ایک خلیفہ ۔امیر المومنین کہلاتا تھا۔بوجہ ذاتی عمل۔قرآن وحدیث کے علم اور عمل میں امت میں سب سے اعلیٰ فرد ہوتا ۔۔۔ جس شرط پر الــدیــن الاســلام کی ہیئت قائم ہونا ضروری تھا۔اس حال میں۔کہ خلیفہ کیلئے بھی۔ذاتی عمل وعلم کے ساتھ قرآن وحدیث کا اجرأ و اشاعت لازم تھی۔جس بنأ پر خلافتِ اسلامی میں ایک خلیفہ کا تقرر (یا انتخاب) لازمی تھا ۔۔۔ لازم نہ رکھا گیا۔جبکہ خلافتِ اسلامی میں۔ اقتدارِ اعلیٰ کو فتوحاتِ ملکی میں استعمال کرکے۔کثیر دولتِ دنیا ۔۔۔ مال وزر اور وسیع ملک۔اسلامی اقتدار کے قبضہ میں آئے ۔۔۔ جسکے نتیجہ میں جب خلفائے اسلام ۔۔۔۔ خلافتِ اسلامی کی ہیئت یکسر سلطنت۔یا حکومت کی شکل اختیار کرگئی ۔۔۔ نتیجتاً۔ہر فردِ امت میں اعمال دینی ۔۔۔ اطاعتِ احکام دینی سے کوتاہی واقع ہوئی ۔۔۔ اسلئے الــدیــن الاســلام کی ہیئتِ دینی ۔۔۔ ہیئتِ مسلمہ اپنی روحانی ہیئت میں باقی نہ رہ سکی ۔۔۔ جس سے بطریق سنتِ نبوی۔دنیا پر نفاذِ قرآن وسنت اور ایمان وتقویٰ کا عمل اپنی اصل ہیئت میں باقی رہتا ۔۔۔ چونکہ الدین الاسلام ۔۔۔ اور خلافتِ اسلامی کی بنیاد حقیقتاً۔ اطاعت وتعمیل قرآن وحدیث ۔۔۔ وعبادات پر ہی قائم رہ سکتی ہے۔اسلئے۔دینی اعمال وعبادات کی کوتاہی کے نتیجہ میں۔خلافتِ اسلامی کا اقتدار کمزور ہوکر۔خلافتِ اسلامی ۔۔۔ جو الدین الاسلام کی حیثیت میں قائم تھی۔منتشر ہوکر۔اپنی روحانی ہیئت میں باقی نہ رہ سکی ۔۔۔۔ ظاہر ہے۔جب نور کی

ضیا زائل ہو جائے۔ قدرتی طور ظلمت کا غلبہ ہو جاتا ہے ـــــ یہ زمانہ ہے۔ جب اہلِ مشرق ـــ خلافتِ اسلامی پر زوال طاری ہوا۔ اور اہل مغرب کو اپنی قوت وسیع کرنے کا موقع ملا۔ یہ زمانہ ہے۔ جب انگریز قوم نے اپنی مادی ـــ استعماری قوت سے دنیا پر غلبہ حاصل کرلیا ـــ گزشتہ دور میں ایک اہل اسلام ۔امتِ مسلمہ۔ خلافتِ اسلامی نے ان قوتوں پر غلبہ حاصل کر کے۔ یورپ کے بیشتر ممالک کو اسلام کے زیر نگیں کیا تھا۔ انگریز کو کسی موقع پر اپنی طاغوتی قوت کو پنپنے نہ دیا ـــــ انگریز اس بات سے بخوبی آگاہ تھا۔ کہ دنیا پر۔ خلیفہ ـــ خلافت اسلامی کے ہوتے کوئی قوت۔ کوئی قوم طاقت حاصل نہیں کرسکتی۔ اسلئے یہ موقع غنیمت تھا۔ کہ انگریز اپنی حکمت عملی۔ اور دین کی نفی ـــ مخالفت کر کے مادی قوت حاصل کر کے دنیا پر چھا گیا ـــ اس حال میں ۔ انگریز کا پہلا قدم۔ عالم اسلام میں اسلامی قوتوں کو نیست و نابود کر کے انکے اقتدارِ اعلیٰ کا خاتمہ کرنا تھا۔ جس میں انگریز کامیاب ہو گیا۔ اسکے مقابل اسلامی اقتدارِ اعلیٰ محض دین وعبادات سے تغافل کے نتیجہ میں اپنا اقتدار کلیتاً کھو بیٹھا ـــــ ہاں ۔ یہ زمانہ خلافتِ عثمانیہ ۔ ترکی کا تھا۔ جو خلافتِ اسلامی کی آخری اسلامی ہیئت ثابت ہوئی۔ جس میں ۔الدین الاسلام کی حقیقی دینی ہیئت ختم ہو چکی تھی۔ احکامِ الٰہی کی اطاعت وعبادات سے تغافل کے نتیجہ میں ۔ امت مسلمہ ۔ خلافت اسلامی منتشر ہو کر۔ ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔ جنکی رہی سہی قوت آپس کی جنگوں میں کمزور ہو گئی۔ البتہ۔ الدین الاسلام ۔شریعتِ اسلامی میں قرآنی علم اور عمل میں ایک خاص روحانی قوت ( جذبہ ) موجود ہوتی ہے۔ جو ایک مسلمان میں مرتے دم تک باوجود مردہ ہونے کے بھی زندہ رہتی ہے۔ وہ ہے۔ ''کلمۂ توحید'' ۔ یہ جذبہ مردہ مسلمان میں بھی باقی رہتا ہے۔ جس جذبہ کے اثر سے مسلمان مردہ حالت میں بھی ۔ زمین کا تختہ الٹ دیتا ہے۔ شکستہ حالت میں بھی فتح حاصل کرتا ہے۔ یہ ایک دینی جذبہ ہے۔ یہ جذبہ خلافتِ اسلامی کے تنزل کے بعد بھی اہلِ اسلام میں باقی رہا۔ جس جذبہ کے نتیجہ میں ۔ آج تک اسلامی اقتدار کا وجود نمایاں باقی ہے ـــ خواہ۔ انگریز نے ان اہل اسلام کی ایمانی قوتِ عمل تقویٰ کی قوت کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن مسلمان مردہ حالت میں بھی ۔ ہر زمانہ میں ۔ ہر موقع پر انگریز کا مقابلہ کرتا رہا۔ لیکن انگریز اپنی

شاطرانہ۔سازشوں سے مسلمانوں کی قوت کو متحد ہونے کا موقع نہ دیتا رہا۔

تاریخ اسلام سے واضح ہے۔کہ سلطنتِ عثمانیہ کے تنزل پر بھی مشرق میں۔یہی خلافتِ اسلامی۔مختلف ریاستوں میں تقسیم ہوگئی۔البتہ ان ریاستوں میں الدین الاسلام کا حقیقی تصور و ہیئت باقی نہیں رہا۔۔۔ اسی زمانہ آخر میں ایران و عرب سے مسلم مجاہدین نے۔ہندوستان میں داخل ہو کر۔اپنی جدو جہد۔جہاد اسلامی سے۔ہندوستان کی آرین قوم میں اسلامی تعلیمات سے ایک اسلامی ہیئتِ مسلمہ کو قائم کیا۔گویا۔سلطنتِ عثمانیہ کے تنزل کے ساتھ۔ہندوستان میں۔عراق و عرب اور ایران و ترکی سے مجاہدین اسلام (خلافتِ اموی۔عباسی۔عثمانی) اور علمائے اسلام نے داخل ہوکر۔ہندوستان میں۔خلافتِ اسلامی (جو سلطنتِ اسلامی سے مشہور تھی) اور الدین الاسلام کی ہیئت قائم کی۔جن میں بیشتر اسلامی ریاستوں نے۔ہندوستان پر قابض ہوکر۔الدین الاسلام ۔۔۔ یا خلافتِ اسلامی کی ہیئت مسلمہ کو قائم کیا۔جن میں آخر میں۔اسلامی حکومت مغلیہ نے ہندوستان پر تین سو سال حکومت کر کے کسی حد تک اسلامی تصورِ الدین الاسلام کو قائم رکھا۔ہندوستان زر و جواہرات کا ایک خزانہ تھا۔جہاں شہنشاہانِ اسلام اور مسلمانوں کو بے شمار دولت حاصل ہوئی۔جس پر مسلمان شہنشاہوں کا اقتدار (اقتدارِ اسلامی کی شکل میں) قائم رہا۔اس حال میں۔کہ شہنشاہوں نے الدین الاسلام کی ہیئت مسلمہ کو۔اشاعتِ قرآن۔اور ذاتی اطاعتِ دین۔اور نفاذ قانون (جو خلافتِ اسلامی کے دور میں علمائے اسلام محققین اسلام کے اجرأ سے خلافتِ اسلامی (سابق) میں رائج رہا) کی صورت میں جاری رکھا۔۔۔ جس بنا پر سلطنتِ عثمانیہ (خلافتِ اسلامی) کے بعد ہندوستان میں قائم سلطنتِ مغلیہ کو۔الدین الاسلام ۔۔۔ خلافتِ اسلامی ۔۔۔ سے منسلک ۔۔۔ خلافتِ اسلامی کی آخری ہیئت تصور کیا جاتا ہے ۔۔۔ جنہوں نے ہندوستان میں نہایت تزک و احتشام سے حکومت کر کے اسلامی ہیئتِ مسلمہ کا تصور باقی رکھا ۔۔۔ لیکن چونکہ ہندوستان سونے جواہرات کا خزانہ تھا۔جو سلطنت مغلیہ کے واحد تصرف میں آیا۔اس دولتِ کثیر کا نتیجہ وہی نکلا۔جو خلافتِ اسلامی کو دنیا کی بے شمار دولت حاصل ہو کر ہونا تھا ۔۔۔ یعنی حقیقی عبادات و اطاعتِ احکامِ الٰہی میں تغافل

اور کوتاہی کے نتیجہ میں۔مسلمان میں۔روحانی قوت کمزور ہوکر۔مسلمان اخلاقی طور کمزور ہوگیا ــــ جسکے نتیجہ میں افرادِ امت ـــ افرادقوم میں۔حرص۔لالچ۔خودغرضی پیدا ہوکر بالآخروہ تنزل کا شکار ہو گئے ـــ یہی حالت سلطنتِ مغلیہ کی ہوئی۔کہ خاندانِ مغلیہ فساد و نااتفاقی کا شکار ہوکر۔باہمی جنگ و جدل میں مبتلا ہوا ــــ اور پھر فطرۃ کا عمل جاری ہوا ـــ قدرت نے انگریز کو ہندوستان کی طرف راہنمائی کی ـــ انگریز ہندوستان میں داخل ہوا۔اور اپنے ابتدائی قدم پر۔دغا۔فریب۔مکر اور شاطرانہ شیطنت سے سلطنتِ مغلیہ میں جگہ حاصل کر کے۔آخراپنی مکارانہ سازشوں سے۔ایک دن سلطنتِ مغلیہ ـــ خلافتِ اسلامی ـــ الدین الاسلام کی تمام تر قوت و ہیئت کا خاتمہ کرڈالا۔اس حال میں کہ اہل ہندوستان (ہندومسلم) خصوصاً مسلمانوں کو یکسر اپنا غلام بنالیا۔یہ زمانہ ہے۔جب حقیقتاً۔ملک عرب مکہ۔مدینہ سے اٹھی ہوئی قوت۔الدین الاسلام ــــ اور عراق۔ترکی۔ایران اور ہندوستان تک پھیلی ہوئی قوت خلافتِ اسلامی کا خاتمہ ہندوستان میں ہوا۔یہی خاتمہ سلطنتِ مغلیہ کے زوال پر منتج ہوا ـــ

اہلِ مغرب۔اہلِ یورپ۔انگریز گزشتہ دور میں۔اہل اسلام۔خلافتِ اسلامی کے ہاتھوں ذلت آمیز شکستیں کھا چکا تھا۔قدرت نے اس قوم کو دوبارہ موقع دیا ـــ کہ خلافتِ اسلامی کے تنزل پر اسے عروج وارتقا کی راہیں میسر آئیں ـــ انگریز مشرق وسطیٰ پر کلی طور چھا گیا ـــ اس حال میں کہ۔رہی سہی اسلامی طاقتیں۔ریاستیں اب اقتدارِ اعلیٰ سے محروم۔انگریز کی راہنمائی کی محتاج ہو چکی ہیں ـــ مسلمان اپنی جانکنی کی صورت میں انگریز دشمنِ اسلام پر بھروسہ کرنے پر مجبور ہو چکا ہے ــــ یہی کیفیت اہلِ ہندوستان کی رہی۔کہ مغلیہ سلطنت کے زوال پر مسلمان بھی۔انگریز کا غلام۔حصولِ دنیا میں۔انگریز کا محتاج ودست نگر ہو گیا ـــ اس حال میں۔کہ مسلمان۔اپنے خلافتِ اسلامی کے قانون واطاعت سے محروم ہوکر ـــ انگریزی قانون کا غلام بن گیا ـــ اس موقع پر انگریز نے سابقہ مسلمانوں کے ہاتھوں اٹھائی ہوئی ذلت کا۔اہلِ ہند کے مسلمانوں سے انتقام لیا ـــ اس سے پیشتر عہد مغلیہ میں۔اہل ہندوستان۔آرین قوم (ہندو و مسلمان)۔ایک ہی اسلامی قانون کے

تحت۔ بلا جبر واکراہ باہم آسودہ زندگی گزارتے تھے۔ جس میں ہندو مسلم کا تصور وفرق نہ تھا۔ انگریز نے اپنے ابتدائی قدم پر محض مسلمانوں کی قوت کے مدنظر۔ ہندو مسلم میں نفاق ودشمنی کے آثار پیدا کرنے کی سازش شروع کی۔ جس میں ہندو مسلم میں قومیت کا احساس پیدا کیا گیا ـــــ اسی انگریز سازش کے نتیجہ میں۔ مسلمانوں۔ اور ہندوؤں میں بعض غدارِ وطن لوگوں نے سیاست کی آڑ لیکر۔ یہ تاثر دیا۔ کہ (آرین قوم میں) مسلمان اور ہندو (مذہب کے لحاظ سے) دو الگ الگ قومیں ہیں۔ جو ایک ساتھ اپنی آزاد زندگی نہیں گزار سکتیں۔ لہٰذا۔ مسلمان بحیثیت مسلمان۔ جبکہ ان قوموں میں دینی اعتبار سے الگ الگ اصول وضوابط پائے جاتے ہیں ہندوستان میں باہم ملکر نہیں رہ سکتے۔ اور یہ نظریہ بالآخر مستقل صورت پیدا کر گیا۔ جس میں مسلمانانِ ہند نے۔ ایک علیٰحدہ مسلمان قوم کی حیثیت سے انگریز سے آزادی کا مطالبہ کیا۔ بظاہر انگریز نے اس نظریہ کی مخالفت کی۔ لیکن۔ بہ باطن یہ انگریز کا مقصد ہی تھا۔ کہ اگر مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مل کر حکومت قائم کرنے میں۔ کامیاب ہو گئے۔ تو کسی وقت مسلمان اپنی قوت حاصل کر کے اسلامی حیثیت میں ایک قوی قوت بن جائینگے۔ جس کے نتیجہ میں ہمارا ہندوستان سے رابطہ وتعلق یکسر ختم ہو جائیگا۔ اور ایسی قوت سے ہندو بھی اپنی غالب قوت حاصل نہ کر سکینگے۔ ظاہر ہے۔ مسلمانانِ ہند آزادی کے وقت بہت ضعیف حالت میں تھے۔ انہیں اللہ ورسول کے دین کے تصور پر۔ صرف (کلمہ لا الٰہ کے جذبہ پر) آزادی حاصل کرنے کا نظریہ دیا گیا۔ جبکہ اس زمانہ میں۔ مسلمان کی دینی۔ دنیوی حالت نہایت کمزور تھی۔ کہ وہ الدین الاسلام ـــــ دینی حیثیت میں ہیئتِ مسلمہ کا وجود قائم کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے۔ یعنی۔ مسلمانان ہند اکثر۔ دین سے غافل۔ عبادات سے قطعاً لاتعلق۔ ان میں مجموعی حیثیت میں دینی شعور باقی نہ رہا تھا ـــــ اسکے ساتھ اقتدارِ اعلیٰ کی حیثیت میں۔ نہ انہیں سابقہ خلافتِ اسلامی کے اقتدار (سلطنت یا حکومت) سے کچھ ورثہ میں حاصل تھا۔ نہ ذاتی طورا نکے پاس قوت تھی۔ جس قوت پر انگریز اور ہندو کے ساتھ مقابلہ میں۔ اپنی قوت واقتدار حاصل کر سکتے۔ اس حال میں۔ کہ مغل سلطنت کے زوال پر ہندوستان میں مغلیہ شہنشاہیت کا اقتدار ـــــ خصوصاً ـــــ سلطان ٹیپو کی شہادت پر۔ انگریزوں کے

ہاتھوں نابود ہو چکا تھا۔ جس طاقت کی بنیاد پر مسلمانوں میں کوئی طاقت میسر ہوتی۔ مسلمان حکومتی سطح پر ـــــ اور قومی سطح پر بے جان ہو چکا تھا۔ اس پر مستزاد انگریز نے اپنے دورِ حکومت میں۔ مسلمانوں میں۔ رہی سہی قوتِ ایمانی بھی سلب کر دی تھی۔ اور مسلمان کے مقابلہ میں (جبکہ ہندو کی طاقت کی اساس میں الـدین سے قوت حاصل کرنا ایک بے معنی بات تھی) ہندوؤں کو انگریز سے بہت امداد میسر رہی۔ اس حال میں۔ مسلمان اپنی کسی طاقت کے بل پر اپنی ذات سے اقتدار حاصل کرنے کی قوت و صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ بالآخر انگریز کی سازش کے نتیجہ میں مسلمان اپنی علیحدہ ہیئت حاصل کرنے پر مجبور ہوا۔ جسکے نتیجہ میں مسلمانانِ ہند نے ـــــ ''پاکستان'' کا مطالبہ کیا۔ چونکہ مسلمان اس حالت میں نہ تھے۔ کہ اپنی قوت واقتدار پر ایک حکومت تشکیل دے سکتے اسلئے۔ اکابرین نے اہلِ اسلام کو ایک دینی جذبہ (کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ) پر ابھارا ـــــ حقیقتاً یہ کوئی جدوجہد نہ تھی۔ کہ مسلمان اپنی قوت سے۔ آزادی ـــــ ''پاکستان'' حاصل کرتے۔ بلکہ انگریز کی سازش کے نتیجہ میں مسلمانوں کو پاکستان کی شکل میں آزادی حاصل کرنے پر مجبور ـــــ یا آمادہ ـــــ کیا گیا ـــــ اور اس سازش کی ہیئت یہ تھی۔ کہ مسلمان۔ من جملہ تمام مسلمانانِ ہند کو نہ آزادی دے سکے۔ نہ انکے لئے حکومتِ انگریزی سے ایسا خطہ حاصل کر سکے جس میں مسلمانانِ ہند کو دینی۔ اور قومی آزادی حاصل ہوتی۔ بلکہ پاکستان کی شکل میں۔ ہندوستان کے ایک قلیل حصہ کو تھوڑی آبادی کے لئے مخصوص کیا گیا ـــــ اور بقیہ کثرت سے مسلمانوں کو ہندوؤں کی غلامی میں چھوڑ دیا گیا۔ جس میں زندگی بھر انہیں انگریز کی غلامی سے نکال کر ہندو کی غلامی میں۔ ذلت و رسوائی کی زندگی بسر کرنے پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے چھوڑا گیا ـــــ جسکے نتیجہ میں۔ ہندو نے مادی حیثیت میں اپنا وجود مستحکم کیا ـــــ اور مسلمان نصف صدی گزرنے کے باوجود۔ نہ دینی حیثیت میں کوئی ترقی کر سکا۔ بلکہ زوال میں آیا۔ نہ دنیوی حیثیت میں۔ اقتدارِ اعلیٰ کی قوت حاصل کر سکا۔ اس حال میں۔ مسلمانانِ ہند کے اکابرین (لیڈران) کا یہی منصوبہ (نظریہ) تھا۔ کہ اس حال میں۔ کہ مسلمان اپنی دینی حیثیت میں کمال وعروج حاصل کر کے۔ اپنے اقتدارِ اعلیٰ کی حیثیت مضبوط کر سکینگے۔ کہ اپنی قوت کے بل پر وہ ہندوؤں کی غلامی میں محبوس مسلمان آبادی

کیلئے۔ ہندو سے آزادی حاصل کر کے انہیں اپنے انفرادی (قومی) حق دلا کر مسلمانوں کیلئے دین و دنیا کی آسودگی فراہم کرینگے۔ لیکن افسوس ـــــ دین گیؤ دنی سے دنیا نہ آئی ہتھ ـــــ مسلمان اپنی اخلاقی پستی اور۔ الدین الاسلام ـــــ سے تغافل ـــــ (بلکہ مخالفت) کی وجہ سے۔ نہ الدین الاسلام کی ہیئتِ مسلمہ قائم کر سکا نہ اقتدارِ اعلیٰ حاصل کر کے خلافتِ اسلامی کا خواب پورا ہو سکا ـــــ صورت یہ ہے۔ کہ مسلمان نہ دینی حیثیت میں صاحبِ ایمان کی صفت سے متصف ہے۔ نہ اقتدارِ ملکی حاصل کر سکا۔ لہٰذا۔ انگریز سے آزادی کے نتیجہ میں مسلمان نصف صدی کے دور میں پستی کے دلدل میں پھنسا۔ اپنی جان بچانے میں بے معنی جدوجہد میں کوشاں ہے۔ اس بنأ پر کہ مسلمان کی جدوجہد میں اصولِ اسلام کے مطابق۔ الدین الاسلام کا عمل۔ شریعتِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق۔ خلوصِ نیت جذبۂ انسانیت و دیانت۔ رقتِ قلب سے عبادات احکامِ الٰہی قوم میں فرداً فرداً قائم نہ ہو۔ اسکے بغیر ہیئت مسلمہ کا وجود قائم نہیں ہو سکتا ـــــ ہیئت مسلمہ کا وجود قائم نہ ہو۔ تو الدین الاسلام کی ہیئت قائم نہیں ہو سکتی۔ الدین الاسلام کی بنیاد پر۔ شریعت محمدیؐ قائم نہ ہو ـــــ شریعتِ محمدیؐ کا عمل جاری نہ ہو۔ تو مسلمان ـــــ اقتدارِ اعلیٰ کے حصول میں صاحبِ دیانت ہو نہیں سکتا۔ صاحبِ دیانت نہ ہو۔ تو پھر پاکستان میں (جسے اسلامی جمہوریہ پاکستان تصور کیا جاتا ہے) سوائے۔ لادینیت ـــــ ناانصافی۔ خود قانون کے ہاتھوں مظلوم کا خون حکومتِ پاکستان کی دولت۔ سرمایہ دار۔ جابر ـــــ شاطر۔ غدارِ دین ـــــ غدارِ قوم افراد کے ہاتھوں لوٹی جاتی رہیگی۔ جسکے نتیجہ میں۔ پاکستان کے پرانے خواب کسی وقت بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکینگے۔

تاریخ ـــــ تاریخِ اسلام (جسکی ابتدأ حضرت آدمؑ سے ہوئی) کا شریعت محمدیؐ سے لیکر مغلیہ سلطنت کے زوال و پستی تک۔ جائزہ لیا جائے ـــــ تو واضح ہو گا۔ کہ (گزشتہ دورِ اسلامی۔ دورِ پیغمبری کو چھوڑ کر) اصل تاریخ۔ تاریخ اسلام ـــــ خلافتِ اسلامی میں الدین الاسلام کے بنیادی تصور پر خلافتِ بنوامیہ سے لیکر ـــــ خلافتِ عثمانیہ ترکی تک کسی حد تک الدین الاسلام کی ہیئتِ مسلمہ میں۔ علمائے امت کے وجود سے شریعتِ اسلامی کا تصور ملتا ہے۔ جس بنأ پر حکومتِ اسلامی کی

شکل میں اجرائے الدین کا عمل شامل ہوکر خلافتِ اسلامی کو الدین الاسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن اس خلافتِ اسلامی کو خالص الدین الاسلام سے موسوم نہیں کیا جاسکتا۔اس بنأ پر کہ خلافتِ اسلامی میں۔شرائطِ دینی کو (خلیفہ کے انتخاب میں) ملحوظ نہ رکھا گیا۔وہ یہ کہ ایک خلیفہ کیلئے شرائطِ دینی۔شرائطِ خلافت کے تحت کامل۔اکمل صاحبِ ایمان۔سب سے زیادہ قرآن وحدیث جاننے والا۔اورسب سے زیادہ عمل کرنے والا۔لازمی شرط ہونا چاہیے۔جس سے۔ الدین الاسلام کی ہیئتِ مسلمہ پر تمام امت قائم رہے۔ورنہ ان شرائط کے بغیر۔اہل اسلام۔عوام المسلمین۔کا شریعتِ اسلامی عبادات وتقویٰ پر قائم رہنا ممکن نہیں۔بغیر ان شرائط کے۔نہ حکومتِ اسلامی میں الدین الاسلام کا کامل عمل استعمال ہوتا رہا۔نہ عوام المسلمین میں عبادات وتقویٰ کا عمل قائم رہ سکا۔یہی وجہ ہے۔کہ آخری خلافتِ اسلامی۔(بلکہ خلافت اموی۔اور خلافتِ عباسی) کا زوال اسی سبب سے ہوا۔کہ خلافتوں میں مثل عہدِ پیغمبری۔عہدِ خلفأ اربعہ۔عملِ الدین الاسلام (شریعت۔عبادت وتقویٰ) قائم نہ رکھا گیا۔اور امت مسلمہ میں من کل الوجود قرآن وحدیث پر عمل جاری نہ رہ سکا۔

تاریخ اسلام ــــ خلافتِ اسلامی۔کے اندرون حالات کا جائزہ لیا جائے کہ نظریہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطابق۔جبکہ خالص شرائطِ دینی کے مطابق۔ایک خلیفہ کیلئے ایک اولوالعزم صاحبِ علم۔صاحب عمل ہونا شرط تھا۔حالات کے مدنظر شرائطِ دینی میں مادی ذرائع۔سیاست وتدبر وفہم کو اولیت دی جانے لگی۔تو۔خلیفہ۔یا عوام المسلمین میں اجرائے دین۔تبلیغ واشاعت قرآن وحدیث کا جذبہ متاثر ہوکر۔خلافتِ اسلامی میں حقیقی جذبہ ایمانی قائم نہ رہ سکا۔جسکا نتیجہ یہ ہوا۔کہ اہل اسلام ــــ خلافتِ اسلامی کو مسلسل کامیابیوں کامرانیوں سے عظیم فتوحات حاصل ہوکر۔بالآخر۔حرص۔لالچ۔جاہ طلبی۔زرکثیر اور وسیع غلبہ کی ہوس نے حقیقی مقصد۔الدین الاسلام کی خصوصیت سے بہت دور کردیا۔ہاں! یہ جانیں۔کہ نظریہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔کس بنأ پر استعمال ہوا۔وہ یہی پیشگوئی حضور صلے اللہ علیہ وسلم تھی کہ ایک وقت امتِ مسلمہ زوال پذیر ہوگی۔کہ ان میں۔احکامِ الٰہی۔قرآن وحدیث۔الدین الاسلام کے احکام پر عمل نہ ہوگا۔دنیا طلبی۔(جس میں

عبادات کا عمل یکسر نہ ہوگا) کی بناء پر مسلمان زوال پذیر ہونگے۔ کہ جس قوتِ ایمانی نے تین سو تیرہ مجاہدوں کو ہزاروں کفار پر فتح دی۔ آج کثرت سے ہونے کے باوجود۔ قوتِ ایمانی نہ ہونے کے باعث کفار کے رحم و کرم پر اپنی قوت کو بحال رکھنے پر مجبور ہونگے۔ جہاں تک خلافتِ اسلامی کا تعلق ہے۔ خلافتِ عثمانی ترکیہ کے زوال کے بعد ہندوستان میں۔ مسلمان سلاطین۔ اور خصوصاً مغل شہنشاہیت میں بھی کسی حد تک خلافتِ اسلامی کا (الدین الاسلام کا نہیں) موہوم تصور ملتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں کم از کم مغل شہنشاہوں نے اپنے قوتِ بازو۔ قوتِ شمشیر سے ہندوستان پر اسلامی شہنشاہیت کا اثر اقتدار قائم رکھا۔ جس میں اہلِ اسلام کی۔ ہیئت مسلمہ کے آثار نمایاں تھے۔ اسکے بعد انگریز کے غلبہ دجل و کفر پر۔ اہلِ اسلام کی (مغل شہنشاہیت) تمام ہیئت مسلمہ نابود ہوگئی۔ اور جب انگریز ہندوستان سے نکلا۔ تو اسلام کی ہیئت مسلمہ ـــــ اور اقتدارِ اعلیٰ کا کسی حیثیت میں تصور موجود نہ تھا۔ سوائے اسکے کہ ہندوستان میں بسنے والے اہلِ اسلام نے۔ اپنی ذات سے۔ الدین الاسلام ـــــ اور اقتدارِ اعلیٰ قائم کرنے کی جدوجہد کی۔ لیکن حالات کی مجبوری۔ اور ہندو و انگریز کی سازش نے مسلمانوں کو آزادی کی صورت میں۔ الدین الاسلام کی ہیئتِ مسلمہ اور اقتدارِ اعلیٰ حاصل کرنے کا موقع نہ دیا ـــــ لہٰذا ـــــ دنیا پر نفاذِ حق کی صورت میں ـــــ اقتدارِ اعلیٰ ـــــ یا خلافتِ اسلامی کی تاریخی ہیئت واضح ہے۔ جو پاکستان کے وجود پر ختم ہوتی ہے۔ فقط

العبد

محمد نورالدین اویسی۔ کشمیری

۳۴۰۴ لنک روڈ ایبٹ آباد

تمت مورخہ یکم جون ۱۹۹۱ء

بمطابق ۱۷۔ ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ

تصحیح شدہ: ۲۸ اگست ۱۹۹۱ء

# مطبوعات سلسلہ اویسیہ پبلیکیشنز

| | | | |
|---|---|---|---|
| ١ | نورالعرفان | از | جناب محمد نورالدین اویسی رحمتہ اللہ علیہ |
| ٢ | منازل فقر مع شرح | | ایضاً |
| ٣ | حقیقتِ تصوف | | ایضاً |
| ٤ | راہِ حقیقت | | ایضاً |
| ٥ | علم العرفان | | ایضاً |
| ٦ | فتنہ مرزائیت | | ایضاً |
| ٧ | تاریخ خلافت اسلامی | | ایضاً |
| ٨ | سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم | | ایضاً |
| ٩ | روح البیان | | ایضاً |
| ١٠ | عرفان حقیقت | از | ریاض احمد خیال اویسی |
| ١١ | نور بصیرت | مرتبہ | ایضاً |
| ١٢ | صراط المستقیم | مرتبہ | ایضاً |

## برائے رابطہ وحصول مطبوعات

١ محمد بشیر اویسی بلیک برن انگلینڈ فون: 00441254671126

٢ ریاض احمد خیال اویسی بھمبر آزاد کشمیر فون: 03007424574,03451566483

٣ محمود احمد طائر پلاہل کلاں ضلع کوٹلی آزاد کشمیر فون: 03465259352

## مطبوعات سلسلہ اویسیہ پبلیکیشنز

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱ | نورالعرفان | از | جناب محمد نورالدین اویسی رحمتہ اللہ علیہ |
| ۲ | منازل فقر مع شرح | | ایضاً |
| ۳ | حقیقتِ تصوف | | ایضاً |
| ۴ | راہِ حقیقت | | ایضاً |
| ۵ | علم العرفان | | ایضاً |
| ۶ | فتنہ مرزائیت | | ایضاً |
| ۷ | تاریخ خلافت اسلامی | | ایضاً |
| ۸ | سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم | | ایضاً |
| ۹ | روح البیان | | ایضاً |
| ۱۰ | عرفان حقیقت | از | ریاض احمد خیال اویسی |
| ۱۱ | نور بصیرت | مرتّبہ | ایضاً |
| ۱۲ | صراط المستقیم | مرتّبہ | ایضاً |

### برائے رابطہ وحصول مطبوعات


۱ محمد بشیر اویسی بلیک برن انگلینڈ فون: 00441254671126

۲ ریاض احمد خیال اویسی بھمبر آزاد کشمیر فون: 03007424574,03451566483

۳ محمود احمد طائر پلاہل کلاں ضلع کوٹلی آزاد کشمیر فون: 03465259352